وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا صدق اللہ العظیم

رسول اللہ جو کچھ تم کو دیں لے لو اور جس سے منع کریں باز آجاؤ۔

رحمۃ اللہ علیہ

مسند امام اعظم

کوفی

مترجم اردو

۵۲۳ احادیث نبوی کا ایمان افروز اور بے مثل خزانہ جسے فقہ حنفی کے بانی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نے مرتب فرما کر
عالم اسلام پر احسان عظیم فرمایا ہے

ترجمہ و تشریح، مولانا دوست محمد شاکر صاحب

فرید بک سٹال - اردو بازار لاہور

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا صدق اللہ العظیم

رسول اللہؐ جو کچھ تم کو دیں لو اور جس سے منع کریں باز آجاؤ۔

رحمۃ اللہ علیہ

مسند امام اعظم

کامل

(مترجم اردو)

۵۲۳ احادیث نبوی کا ایمان افروز اور بے مثل خزانہ جسے فقہ حنفی کے بانی حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے مرتب فرما کر عالم اسلام پر احسان عظیم فرمایا ہے

اردو ترجمہ مع تشریح

مولانا دوست محمد شاکر صاحب

ناشر:

فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار۔ لاہور

نام کتاب .. .. مسند امام اعظم رح

ناشر .. .. فرید بک سٹال

طابع .. .. منیر احمد

مطبع .. .. عالمین پبلیکیشنز پریس لاہور

کاتب .. .. ظفر اقبال گوجرانوالہ

کل صفحات ۴۳۴

قیمت .. .. -/۶۰ روپے

عرضِ ناشر

قرآن مجید کے بعد دینی و ثقافتی امور میں بہترین راہنمائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ احادیث ہیں۔ عبادات وحقوق کے متعلق قوانین بنانے میں یہی سب سے بڑا ماخذ ہے۔ اسی لئے ائمہ مجتہدین نے قرآن کریم کے بعد حدیث کے نظم و ضبط و حفظ پر بہت زور دیا۔ چنانچہ مسلک احناف کے بانی حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس سلسلے میں کافی کوشش کی اور نہایت اعلیٰ پایہ کی احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا جو بعد میں مسند امام اعظمؒ کے نام سے مختلف علما و فقہا نے جمع کر کے مرتب کیا۔ قرآن کریم کے بعد یہ مرتبہ نسخہ حدیث فقہ حنفی کی اساس ہے۔ ہر حنفی مسلمان کے دل میں یہ آرزو تڑپتی ہے کہ وہ فقہ حنفی کے بنیادی مسائل سے کچھ نہ کچھ واقفیت حاصل کرے۔ اس واقفیت کے حصول کا بہترین ذریعہ مسند امام اعظم ہے۔ اسی اہم ترین ضرورت کے پیش نظر ہم نہایت خلوص سے مسند امام اعظم کا وہ نسخہ جس کو شیخ فہامہ محقق زمانہ مولانا شیخ محمد عابد سندھی نے بہ روایت حفصکی جمع کیا ہے کا اردو ترجمہ مع مختصر شرح جس سے حنفی مسلک کا ہر مسئلہ صاف طور پر سامنے آجاتا ہے پیش کرنے کا فخر حاصل کر رہے ہیں۔ کہنے کو تو یہ احادیث کا ایک مجموعہ ہے۔ لیکن فی الحقیقت فقہ حنفی کا سرمایۂ حیات ہے۔ حدیث کتاب اللہ کے بعد شریعتِ اسلامی کا سب سے اہم ماخذ ہے۔ یہ بات ہر مسلمان کے بس سے باہر ہے کہ وہ صحاح ستہ کا مکمل بہ غور مطالعہ کر سکے کیوں کہ زندگی کی رفتار بہت تیز ہے۔ اور اس تیز رفتاری میں اتنا وقت نکالنا کہ صحاح ستہ پڑھ کر اس سے اپنے مسلک کے مسائل سمجھ لئے جائیں ناممکن تو نہیں لیکن دشوار ضرور ہے۔ لہٰذا ہم نے بڑی کوشش و شوق سے حدیث کے اس مختصر مجموعہ کو نہایت سلیس اردو میں منتقل کیا اور اب اسے آپ کے سامنے لیکر حاضر ہیں۔ ہمیں اللہ کی ذات سے یہ اُمید ہے کہ وہ ہماری اس ناچیز پیش کش کے طفیل ہمیں نیکی کی توفیق عطا فرمائے گا۔

نیز ہمیں پرخلوص مسلمانوں سے یہ اُمید ہے کہ وہ ہماری اس کاوش کو بہ نظر استحسان دیکھیں گے اور حدیث کے اس مجموعے کے مطالعہ کے بعد ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

ربنا فاغفر لنا وارحمنا انت مولنا

دین کا خادم
حامد لطیف

حامد اینڈ کمپنی
۳۸ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین مسند امام اعظمؓ مترجم اردو

مختصر سیرت امام ابو حنیفہ

نام و نسب نعمان نام، ابو حنیفہ کنیت، امام اعظم لقب، شجرۂ نسب یہ ہے۔ نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ، شجرۂ نسب سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب عجمی النسل تھے۔ تاریخ بغداد میں خطیب بغدادی نے امام کے پوتے اسماعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے۔ کہ میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں، ہم لوگ نسل فارس سے ہیں۔ اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے۔ ہمارے دادا ابو حنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ثابت بچپن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، انہوں نے ان کے خاندان کے حق میں دعائے خیر کی تھی، ہم کو امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہیں رہی [۱]

امام صاحب کے پوتے اسماعیل نے اپنے پر دادا کا نام نعمان بتایا اور سگڑ دادا کا نام مرزبان۔ عام طور پر زوطی اور ماہ مشہور ہیں۔ غالباً جب زوطی ایمان لائے تو ان کا نام زوطی سے نعمان میں بدل دیا گیا۔ اور اسماعیل نے سلسلۂ نسب کے بیان میں زوطی کا وہی اسلامی نام لیا اور حمیتِ اسلامی کا مقتضا بھی یہی تھا۔ زوطی کے والد کا نام غالباً کچھ اور ہوگا۔ اور ماہ اور مرزبان لقب ہوں گے۔ کیونکہ اسماعیل کی روایت سے اس قدر اور بھی ثابت ہے کہ ان کا خاندان فارسی کا ایک معزز اور مشہور خاندان تھا۔ فارسی میں رئیس شہر کو مرزبان کہتے ہیں اس لئے نہایت قرین قیاس ہے کہ ماہ اور مرزبان لقب ہیں نہ کہ نام، حافظ ابوالمحاسن نے قیاس لگایا ہے کہ ماہ اور مرزبان ہم معنی الفاظ ہوں گے انہوں نے قیاساً کہا کیوں کہ وہ فارسی زبان نہیں جانتے تھے لیکن یہ یقیناً کہا جا سکتا ہے۔ کہ درحقیقت ماہ اور مرزبان ہم معنی لفظ ہیں۔ ماہ دراصل وہی مہ ہے۔ جس کے معنی بزرگ اور سردار کے ہیں ٭

امام صاحب کے دادا غلام نہ تھے عام طور پر دشمنوں نے امام صاحب کے متعلق یہ مشہور کر رکھا ہے۔ کہ وہ غلام تھے۔ حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے۔ کیوں کہ امام صاحب نے وہ شہرت دوام حاصل کی۔ جس سے جریدۂ عالم پر ان کی زندگی نقش ہو گئی جیسا کہ مشہور ہے۔ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام۔

بعض مورخ امام صاحب کے دادا زوطی جن کا اسلامی نام نعمان تھا کے بارے میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ کابل سے گرفتار ہو کر آئے اور قبیلہ بنی تیم اللہ کی ایک عورت نے خرید لیا۔ کچھ دنوں غلامی میں رہے پھر اس نے آزاد کر دیا اسی لئے امام کا خاندان مولیٰ بنی تیم اللہ کہلاتا ہے۔ اول تو یہ ایک تاریخی غلطی ہے۔ جس کو بعض مورخوں نے امام صاحب کی حسد میں خوب اچھالا لیکن اگر درست بھی ہو تو یہ کوئی عیب

---

[۱] تاریخ بغداد، خطیب بغدادی ترجمہ امام ابو حنیفہ۔

نہیں اگر ہم صحابہ کرام میں سے چوٹی کے فقہا اور مفسرین کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ان میں سے اکثر غلام تھے ان مقتدر حضرات میں ذرا ناموں کی فہرست ملاحظہ فرمائیں کہ یہ سب غلام تھے لیکن ان کا نام ان کا تذکرہ باعث ثواب و عزت ہے۔ ان کے وسیلے سے دعائیں قبول ہوتی ہیں انہی کی برکت سے اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے۔ ان بزرگوں میں سے چند یہ ہیں۔ امام حسن بصری، ابن سیرین، طاؤس، عطاء بن لیبار نافع، عکرمہ، مکحول۔ یہ جید علما اور فقہا تھے۔ جو غلام تھے تو اگر امام صاحب غلام ہوئے بھی تو کیا عیب ہے ؟

پھر انہی پر کیا بس ہے حضرت یوسف علیہ السلام نے کئی سال مصر میں غلامی کی زندگی گذاری ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں قرآن کہتا ہے۔ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ تو ثابت ہوا کہ غلام ہونا کوئی عیب نہیں۔ رہا یہ سوال کہ امام صاحب دادا کی نسبت مولا کیسے مشہور ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ عرب میں دستور ہے کہ جب کسی سے تعلق جوڑتے ہیں۔ یا کسی کو امن دیتے ہیں تو مولی مشہور کر دیتے ہیں۔ اور اس جگہ ہذا مولای کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ توی امکان ہے کہ امام صاحب کے دادا نے بھی عرب کے کسی قبیلے سے اپنا تعلق استوار کیا ہو اور اس تعلق کی وجہ سے مولی مشہور ہو گئے۔ رفتہ رفتہ یہ خیال عام ہو گیا اور مورخوں نے جن کی عادت ہوتی ہے کہ بات کی تحقیق کیے بغیر اسے قبول کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسماعیل کو اپنے بیان میں خاص طور پر یہ کہنا پڑا کہ ہم غلام نہیں ہیں۔ اور نہ کبھی غلام ہوئے۔ اسماعیل کی روایت کئی وجوہ سے قابل قبول ہے۔ کیونکہ یہ نہایت ثقہ اور معزز شخص تھے۔ قاضی صیمری نے اس کی تصریح کی ہے کہ زوطی بنی تیم اللہ کے حلیف تھے ۔[۲] زوطی کی نسبت یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ ان کا خاص شہر کون سا تھا۔ مختلف مورخوں نے کئی ایک شہروں کے نام لیے ہیں۔ جن میں سے کسی ایک کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ یقینی طور پر صرف اس قدر قبول کیا جا سکتا ہے کہ اقلیم فارس کے کسی شہر کے باشندے تھے۔ یہ اقلیم اس زمانے میں اسلامی اثر قبول کر چکے تھے۔ اسلام کی اس اثر پذیری کی وجہ سے بڑے بڑے خاندان اسلام قبول کر چکے تھے۔ غالباً زوطی انہی زمانے میں اسلام لائے ہوں گے۔ اور اسلام قبول کرنے کی وجہ سے تمام خاندان کی ناراضگی مول لی جس کی وجہ سے اقلیم فارس سے ہجرت کر کے عرب کا رخ کیا۔

اس زمانے میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تھی۔ جب زوطی نے ہجرت کی اور کوفہ کو اسلامی دار الحکومت ہونے کا شرف حاصل تھا۔ زوطی نے بھی کوفہ ہی میں سکونت اختیار کی کبھی کبھار زوطی امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوتے اور خلوص عقیدت سے قدم بوسی کا شرف حاصل کرتے۔ ایک بار پارسیوں کے عید کے دن امیر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں از راہ محبت و عقیدت فالودہ بھیجا۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”نوروزنا کل الیوم“ یعنی ہمارے ہاں ہر روز

---

[۲] سیرت النعمان، شبلی نعمانی ص ۲۹۔

عیدہے۔ثابت امام ابو حنیفہ کے والد بزرگوار کوفہ ہی میں پیدا ہوئے زوطی نے نیک بخت لڑکے کو حضرت علی کی خدمت میں حاضر کیا آپؓ نے بزرگانہ شفقت سے دعائے خیر فرمائی۔جو اللہ نے قبول فرمائی اور اللہ نے اس خاندان کی عظمت قیامت تک کے لئے باقی رکھی۔

امام صاحب کے والد بزرگوار ثابت کوئی ایسی مشہور شخصیت نہ تھے کہ جس سے ان کے حالات ضبط تحریر میں لائے جاتے لہٰذا مورخوں نے ان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے۔کہ مشغلہ حیات تجارت تھا۔جب عمر عزیز چالیس کے قریب ہوئی تو اللہ نے وہ عظیم فرزند عطا کیا جس کے نام کو اللہ نے رہتی دنیا تک زندہ و تابندہ رکھا۔امام صاحب کی پیدائش کے وقت عبدالملک بن مروان کی حکومت تھی جو دولت مروانیہ کا دوسرا تاجدار تھا۔اس مبارک دور میں کچھ ایسے خوش قسمت لوگ موجود تھے۔جن کی آنکھوں نے آقائے دوجہان سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور کا دیدار کیا تھا اور ان خوش قسمت انسانوں میں سے کچھ امام ابو حنیفہ کے عہد شباب تک زندہ تھے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات ۹۲ھ میں ہوئی۔سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا انتقال ۹۱ھ میں ہوا اور ابو طفیل عامر بن واثلہ ایک سو ہجری تک حیات تھے۔امام ابو حنیفہ نے ان بزرگوں میں سے کسی ایک سے بھی روایت نہیں کی۔اس کی وجہ یہ تھی کہ امام ابو حنیفہ اس وقت امام ابو حنیفہ نہیں تھے بلکہ ایک عام تاجرزادے تھے۔

جوانی اور تعلیم

امام صاحب چونکہ ایک تاجر گھرانے میں پیدا ہوئے لہٰذا ان کی ساری توجہ اپنے اس آبائی پیشہ کی طرف تھی البتہ خاندانی وجاہت وعزت ایسی تھی کہ بے علم بھی نہ رہے۔اس دور کے لوگوں کی طرح کچھ نہ کچھ سیکھتے رہے۔لیکن اتنا نہیں کہ ہم اسے خاص طور پر تعلیم سے متعلق سمجھیں۔البتہ اتنا ضرور ہے کہ اللہ نے جس کام کے لئے ان کو پیدا فرمایا تھا اسکے آثار امام صاحب کی روشن پیشانی میں صاف دیکھے جاسکتے تھے۔چنانچہ شبلی نعمانی نے امام ابو حنیفہ کے علم دین کی طرف تحریک کے بارے میں ایک بہت عمدہ بات لکھی ہے فرماتے ہیں۔

ایک دن بازار جارہے تھے،امام شعبی جو کوفہ کے مشہور امام تھے،ان کا مکان راہ میں تھا سامنے سے نکلے تو انہوں نے یہ سمجھ کر کہ کوئی نوجوان طالب علم ہے، پاس بلایا اور پوچھا کہاں جارہے ہو؟ انہوں نے ایک سوداگر کا نام لیا امام شعبی نے کہا میرا مطلب یہ تھا کہ تم پڑھتے کس سے ہو؟ انہوں نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ کسی سے بھی نہیں شعبی نے کہا کہ مجھ کو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو اس نصیحت نے ان کے دل میں گھر کر لیا اور نہایت اہتمام سے تحصیل علم پر متوجہ ہوئے ؏۳۔اس وقت کے مروجہ علوم ادب، انساب، ایام العرب، فقہ، حدیث اور علم الکلام تھے۔

؏۳ سیرت النعمان، شبلی نعمانی،

امام صاحب کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں ایک اور روائیت ہے۔ جس کا سلسلہ سند خطیب بغدادی نے امام صاحب تک پہنچایا ہے۔ لکھتے ہیں کہ امام صاحب کہتے ہیں کہ جب تحصیل علم کی طرف توجہ کی تو بہت سے علوم میرے سامنے تھے اور میں کشمکش میں تھا۔ کہ ان علوم مروجہ میں سے کسی کو اختیار کروں سب سے پہلے علم کلام کا خیال آیا۔ ساتھ ہی دل میں یہ خطرہ گذرا کہ وہ کوہ کندن وکاہ برآوردن ہے۔ ایک مدت کے بعد کمال بھی پیدا کیا تو علانیہ اس کا اظہار نہیں کر سکتے کہ لوگ الحاد کی تہمت نہ لگا دیں۔ ادب اور قرأت کا اس کے سوا کوئی فائدہ نظر نہ آیا کہ مکتب میں بیٹھ کر پڑھائیں شعر وشاعری میں سوائے جھوٹی مدح سرائی اور ہجوگوئی کے کیا دھرا ہے؟ حدیث کے لئے اولاً ایک عمر چاہیے اور اس کے بعد کم سنوں سے واسطہ پڑتا اور ہر وقت یہ فکر سوار رہتی کہ لوگ جرح وتعدیل کا نشانہ نہ بنائیں۔ آخر فقہ پر نظر پڑی اور دنیا ودین کی ضرورتیں اس سے وابستہ نظر آئیں ٤ھ"

اس روائیت پر علامہ شبلی نعمانی تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "یہ روایت محض غلط ہے تمام معتمد روایتیں اس کے خلاف ہیں جو ریمارک امام صاحب کی طرف منسوب کیئے ہیں ایسے جاہلانہ ریمارک ہیں کہ ایک معمولی آدمی کی طرف بھی منسوب نہیں کیے جا سکتے، اس روایت کو صحیح مانیں تو ماننا پڑے گا کہ حدیث وکلام کی طرف امام صاحب نے توجہ ہی نہیں کی حالانکہ ان فنون میں امام ابوحنیفہ کا جو پایہ ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تحصیل علوم کے بعد امام نے خیال کیا ہو کہ کسی فن کو اپنا خاص فن بنائیں۔ اور چونکہ عام خلائق کی ضرورتیں فقہ سے وابستہ دیکھیں۔ اسی کو ترجیح دی یہی بات طرز بیان کی رنگ آمیزیوں سے اس حد تک پہنچ گئی ٥ھ"

حماد کی خدمت میں حماد کوفہ کے مشہور امام اور استاذ وقت تھے۔ حضرت انسؓ جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے کفش بردار اور خادم خاص تھے سے حدیث کی سماعت کی تھی اور بڑے بڑے تابعین کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے، اس وقت کوفہ میں انہیں کا مدرسہ مرجع عام تھا۔ معمر و شعبہ نے جو ائمہ فن خیال کئے گئے ہیں انہی کے حلقۂ درس میں تعلیم پائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو فقہ کا سلسلہ چلا آتا تھا اس کا مدار انہیں پر رہ گیا تھا۔ ان باتوں کے ساتھ زمانے نے بھی ان کا ساتھ دیا تھا۔ یعنی دولت مند اور فارغ البال تھے۔ اللہ نے انہیں فکر معاش سے آزاد کر رکھا تھا۔ اس وجہ سے نہایت اطمینان و دلجمعی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے ان وجوہ سے امام ابوحنیفہؒ نے علم فقہ پڑھنا چاہا، تو استادی کے لئے انہی کو منتخب کیا، اس وقت درس کا طریقہ یہ تھا کہ استاد کسی خاص مسئلے پر زبانی گفتگو کرتا تھا۔ جس کو شاگرد یاد کر لیتے اور کبھی لکھ لیا کرتے تھے امام ابوحنیفہ پہلے دن بائیں صف میں بیٹھے، کیونکہ مبتدیوں کے لئے یہ امتیاز عموماً قائم

٤ھ تاریخ بغداد، خطیب بغدادی ترجمہ امام ابوحنیفہ،

٥ھ سیرت النعمان، شبلی نعمانی ص ٢٤،

رکھا جاتا تھا۔ لیکن چند روز کے بعد جب حماد کو تجربہ ہو گیا کہ تمام حلقہ میں ایک شخص بھی حافظہ اور ذہانت میں ان کا ہمسر نہیں ہے۔ تو حکم دیا کہ ابو حنیفہ سب سے آگے بیٹھا کریں ؎۵

خود امام صاحب کا بیان ہے کہ میں حماد کے درس میں دو برس تک رہا۔ پھر خیال ہوا کہ خود درس قائم کروں لیکن استاد کا ادب مانع آیا۔ اتفاق سے انہیں دنوں حماد کا ایک رشتہ دار جو بصرہ میں رہا کرتا تھا انتقال کر گیا حماد کے سوا اور کوئی اس کا وارث نہ تھا اس ضرورت سے ان کو بصرہ جانا پڑا چونکہ مجھے اپنا جانشین مقرر کر گئے تھے۔ تلامذہ اور ارباب حاجت نے میری طرف رجوع کیا۔ حماد کی غیر حاضری میں بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جن میں ان سے میں نے کوئی روایت نہیں سنی تھی۔ اس لئے اپنے اجتہاد سے جواب دیئے اور احتیاطاً ایک یادداشت لکھتا گیا، دو مہینے کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے، میں نے وہ یادداشت خدمت میں پیش کی کل ساٹھ مسئلے تھے ان میں سے بیس میں غلطیاں نکالیں باقی کی نسبت فرمایا کہ تمہارے جواب صحیح ہیں میں نے دل میں عہد کیا کہ حماد جب تک زندہ ہیں ان کی شاگردی کا تعلق نہ چھوڑوں گا۔

امام حماد کا انتقال ۱۲۰ھ میں ہوا۔ امام ابو حنیفہ نے اگرچہ اور فقہائے کرام سے بھی تحصیل فقہ کی تھی لیکن فی الحقیقت فقہ میں ان کے اول و آخر استاد حماد ہی تھے۔

امام اعظم اور علم حدیث حماد کی زندگی ہی میں امام نے علم حدیث کی طرف توجہ کی کیونکہ تفقہ فی الدین علم حدیث سے مکمل آگہی کے بغیر ناممکن تھی۔ اس وقت تمام ممالک اسلامیہ میں بڑے زور و شور سے حدیث کا درس جاری تھا اور ہر جگہ مسند اور روایت کے درس کھلے ہوئے تھے صحابہ جن کی تعداد کم از کم دس ہزار تھی۔ تمام ممالک میں پہنچ گئے تھے۔ اور اس کی وجہ سے اسناد و روایت کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہو گیا تھا لوگ جہاں کسی صحابی کا نام سن پاتے تھے۔ ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے تھے کہ چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سنیں یا مسائل شرعیہ کی تحقیق کریں اس طرح تابعین کا جو صحابہ کے شاگرد کہلاتے تھے۔ بے شمار گروہ پیدا ہو گیا تھا جس کے سلسلے تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے تھے۔ جن شہروں میں صحابہ یا تابعین کا زیادہ مجمع تھا وہ دار العلم کے لقب سے ممتاز تھے۔ ان میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن بصرہ اور کوفہ کو خاص امتیاز تھا کیونکہ اسلامی آثار کے لحاظ سے کوئی شہر ان مذکورہ مقامات کا ہمسر نہ تھا

کوفہ کوفہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہی شہر امام ابو حنیفہ کا مسکن و مولد تھا اسلام کی تمدنی زندگی کا سب سے اہم گہوارہ یہی شہر تھا۔ اس شہر کی بنیاد کی وجہ مورخین نے یہ لکھی ہے کہ حضرت عمر نے سعد بن ابی وقاص کو جو اس وقت حکومت کسریٰ کا خاتمہ کر کے مدائن میں سکونت پذیر تھے، خط لکھا کہ مسلمانوں کے لئے ایک ایسا شہر بساؤ جو ان کا دار الہجرت اور قرارگاہ ہو" حضرت سعدؓ نے کوفہ کی زمین پسند کی، ۱۷ھ میں اس شہر کی بنیاد کا پتھر رکھا گیا۔ اول اول معمولی قسم کی عمارتیں تعمیر ہوئیں اسی وقت سے اطراف واکناف

؎۵ امام ابو حنیفہ، ابو زہرہ مصری،

سے لوگ آآ کر یہاں آباد ہونے لگے۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہ شہر علم و فن کی درسگاہ اور تہذیب و تمدنِ اسلامی کا گہوارہ بن گیا۔ کچھ مدت کے بعد یہ حالت ہوئی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس شہر کو رمح اللہ، کنز الایمان اور جمجمۃ العرب جیسے القاب سے نوازا۔ بعد میں اس کی وسعت اور کشادگی دیکھ کر چند ملکی مصلحتوں کی بنا پر امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی شہر کو دار الخلافہ مقرر کیا۔ نیک اور پاکیزہ صحابہ کی اقامت سے یہاں ہر طرف قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں آنے لگیں۔ یہاں تک کہ کوفہ کا ہر گھر حدیث و روات کی درس گاہ بن گیا۔

بصرہ بصرہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کے حکم سے آباد ہوا ہے۔ یہ شہر بھی وسعت علم و اشاعتِ حدیث کے لحاظ سے کوفہ کا ہمسر تھا۔ کوفہ و بصرہ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کیطرح علوم اسلامی کے دار العلم خیال کیے جاتے تھے۔

تذکرہ الحفاظ میں علامہ ذہبی نے مسروق بن الاجدع، عبیدہ بن عمر، اسود بن یزید، ابو عمر النخعی ذر بن جیش، ربیع بن خثیم، عبدالرحمن بن ابی لیلی، ابو عبدالرحمن سلمی، شریح بن الحرث، شریح بن ہانی، ابو وائل شفیق ابن سلمہ، قیس بن حازم، محمد بن سیرین حسن بصری، شعبہ بن حجاج، قتادہ بن دعامہ کا تذکرہ لکھا ہے اور ان سب کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ یہ سب انہیں دونوں شہروں کے باشندے تھے۔ سفیان بن عیینہ جو ائمہ حدیث میں سے ہیں کوفہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ مناسک کے لئے مکہ، قرأت کے لئے مدینہ اور حلال و حرام یعنی تفقہ کے لئے کوفہ ہے۔

فقہ میں امام صاحب نے زیادہ تر حماد کا حلقۂ درس کافی سمجھا تھا، لیکن حدیث میں یہ قناعت ممکن نہ تھی، یہاں صرف ذہانت اور اجتہاد سے کام نہیں چل سکتا تھا بلکہ درایت کے ساتھ روایت کی بھی ضرورت تھی حدیثیں اس وقت نہایت پریشان اور غیر مرتب حالت میں تھیں۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے اساتذہ دو چار سو احادیث سے زیادہ یاد نہیں رکھتے تھے یہ تعداد ضروری کے لئے بھی ناکافی تھی اس کے علاوہ طرق، روایت میں اس قدر اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ کہ ایک حدیث جب تک متعدد طرق سے نہ معلوم ہو اس کے مفہوم و تعبیر کا ٹھیک ٹھیک متعین ہونا دشوار تھا۔ امام ابو حنیفہ کو حماد کی صحبت اور پختگی عمر نے ان ضرورتوں سے اچھی طرح واقف کرا دیا تھا۔ اس لئے نہایت سعی و اہتمام سے حدیثوں کے بہم پہنچانے پر توجہ کی کوفہ میں کوئی ایسا محدث باقی نہ تھا جس کے سامنے امام صاحب نے زانوئے شاگردی تہ نہ کیا ہو اور حدیثیں نہ سیکھی ہوں، اکثر مورخین نے ان کے اساتذہ کی تعداد ترانوے بتلائی ہے۔ ان اساتذہ میں سے اکثر تابعی تھے۔

ہم یہاں مختصراً ان محدثین کرام کے حالات زندگی درج کرتے ہیں کہ جس سے بآسانی یہ اندازہ ہو جائے گا کہ امام صاحب فن حدیث میں کس پایہ کے عالم تھے۔

امام شعبی یہی بزرگ ہیں جنہوں نے امام کو علم دین کی تحصیل کی ترغیب دی تھی ان کے متعلق مشہور ہے، کہ انہوں نے پانچ سو صحابہ کو دیکھا تھا۔ عراق، عرب اور شام میں چار اشخاص استاد کامل تسلیم کئے

جانتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی امام زہری کہا کرتے تھے۔ کہ عالم صرف چار ہیں۔ مدینہ میں ابن المسیب، بصرہ میں حسن شام میں مکحول کوفہ میں شعبی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عمر نے ان کو ایک بار مغازی کا درس دیتے دیکھا تو فرمایا "واللہ یہ شخص اس فن کو مجھ سے اچھا جانتا ہے"، ایک مدت تک منصب قضا پر مامور رہے۔ خلفا اور اعیان سلطنت ان کا نہایت احترام کرتے ۱۰۴ھ یا ۱۰۶ھ میں علم حدیث کا یہ آفتاب غروب ہو گیا ۵۔

سلمہ بن کہیل | مشہور محدث اور تابعی تھے۔ جندب بن عبداللہ، ابن ابی اوفیٰ ابو الطفیل اور اُن کے علاوہ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ ابن سعد نے ان کو کثیر الحدیث لکھا ہے سفیان بن عیینہ فرماتے تھے کہ سلمہ بن کہیل ارکان میں سے ایک رکن ہیں ابن مہدی کا قول ہے کہ کوفہ میں چار شخص سب سے زیادہ صحیح الروایۃ تھے۔ منصور، سلمہ، عمرو بن مرہ اور ابو حصین۔

ابو اسحاق سبیعی | کبار تابعین میں سے تھے عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابن زبیر، نعمان بن بشیر، زید بن ارقم اور بہت سے صحابہ سے جن کے نام علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں تفصیل سے لکھے ہیں احادیث کی سماعت کی ہے۔ عجلی نے کہا ہے کہ ۳۸ صحابہ سے ان کو بالمشافہ روایت ہے علی بن المدینی جو حدیث میں امام بخاری کے استاد تھے　کا قول ہے کہ ابو اسحاق کے شیوخ حدیث میں نے شمار کئے تو کم و بیش تین سو ٹھہرے حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں ان کا مفصل تذکرہ لکھا ہے۔

حضرت سماک بن حرب | سماک بن حرب بہت بڑے محدث تھے۔ اور حدیث میں امام ابو حنیفہ کے استاد تھے۔ امام سفیان ثوری نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ سماک نے کبھی حدیث میں غلطی نہیں کی خود سماک کا بیان ہے کہ میں اسّی صحابہ سے ملا ہوں۔

حضرت محارث بن وثار | محارث بن وثار نے عبداللہ بن عمرؓ اور جابرؓ وغیرہ سے روایت کی، امام سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی زاہد کو نہیں دیکھا جس کو محارث پر ترجیح دوں علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ محارب عموماً حجۃ ہیں یحییٰ ابن معین، ابو زرعہ، دار قطنی، ابو حاتم، یعقوب ابن سفیان اور نسائی نے ان کو ثقہ تسلیم کیا ہے، کوفہ میں منصب قضا پر مامور تھے۔ ۱۱۶ھ وفات فرمائی۔ عون بن عبداللہ بن علیہ بن مسعود، حضرت ابوہریرہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے حدیثیں روایت کیں، نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے۔

حضرت ہشام بن عروہ | ہشام بن عروہ، معزز و مشہور تابعی تھے بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان ثوری، امام مالک، سفیان بن عیینہ کے شاگرد تھے۔ ابو جعفر منصور کے زمانے میں ان سے حدیثیں روایت کیں۔ خلیفہ منصور ان کا بہت احترام

---

۵ سیر تابعین۔

کرتا تھا۔ ایک بار ایک لاکھ درہم ان کو عطا کیے ان کی جنازہ کی نماز بھی منصور ہی نے پڑھائی تھی۔ صاحب طبقات ابن سعد نے لکھا ہے کہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ ابو حاتم نے ان کو امام الحدیث کہا ہے۔

حضرت سلیمان بن مہران

سلیمان بن مہران المعروف بہ اعمش کوفہ کے مشہور امام تھے صحابہ میں سے انس بن مالک سے ملے تھے اور عبداللہ بن ابی اوفی سے حدیث سنی تھی سفیان ثوری اور شعبہ ان کے شاگرد ہیں۔

امام ابو حنیفہ کی تحصیل حدیث کا دوسرا مدرسہ بصرہ تھا جو امام حسن بصری، شعبہ و قتادہ کے فیض تعلیم سے مالا مال تھا۔ تعجب ہے کہ حسن بصری باوجود یکہ ۱۱۰ھ تک زندہ رہے لیکن امام کا ان کے درس سے مستفید ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ قتادہ کی شاگردی کا ذکر عام محدثین نے کیا ہے۔ اور تاریخ و سیر کی مختلف کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نے شعبہ سے روایت حدیث کی اجازت بھی لے لی تھی۔

حضرت قتادہ

قتادہ بہت بڑے محدث اور مشہور تابعی تھے۔ حضرت انس بن مالک، عبداللہ بن سرجس اور ابو الطفیل رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ حضرت انسؓ کے دو شاگرد جو نہایت نامور ہیں ان میں سے ایک حضرت قتادہ ہیں۔ اس خصوصیت میں ان کو اللہ نے نہایت شہرت دی تھی۔ حدیث کو بعینہ ادا کرتے تھے یعنی الفاظ و معانی میں بالکل فرق نہیں ہوتا تھا۔ ان کی قوت حافظہ کی ایک عجیب حکایت لکھی ہے۔ عمرو بن عبداللہ کا بیان ہے کہ یہ مدینہ میں سعید بن المسیب سے فقہ و حدیث پڑھتے تھے۔ ایک دن انہوں نے فرمایا کہ تم ہر روز بہت سی باتیں پوچھتے ہو کیا تمہیں ان میں سے کچھ یاد بھی ہیں۔ انہوں نے کہا ایک ایک حرف محفوظ ہے، چنانچہ جس قدر ان سے سنا تھا بقید تاریخ اور دن بیان کرنا شروع کر دیا وہ نہایت متعجب ہوئے اور کہا خدا نے دنیا میں تم جیسے لوگ بھی پیدا کیے ہیں۔ اسی بنا پر لوگ انہیں احفظ الناس کہا کرتے تھے امام احمد بن حنبل نے ان کے تفقہ و واقفیت اختلاف و تفسیر دانی کی نہایت مدح کی ہے کہ کوئی شخص ان باتوں میں ان کے برابر ہو تو ہو مگر ان سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں ان کا حال تفصیل سے لکھا ہے جس سے ان کی عظمت و شان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

حضرت شعبہ

شعبہ بھی بڑے مرتبہ کے محدث تھے دو ہزار حدیثیں ان کو ازبر تھیں۔ سفیان ثوری نے فن حدیث میں ان کو امیر المومنین مانا ہے۔ عراق میں یہ پہلے شخص ہیں جس نے جرح و تعدیل کے مراتب مقرر کئے۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہ ہوتا۔ ۱۶۰ھ میں اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے شعبہ اور امام ابو حنیفہ کا آپس میں بہت گہرا تعلق تھا ان کی غیر موجودگی میں ان کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دوران تذکرہ فرمانے لگے کہ جس طرح میں یہ جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابو حنیفہ ساتھ ساتھ ہیں۔ یحیی بن معین سے جو امام بخاری کے استاد تھے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ ابو حنیفہ کی

نسبت کیا خیال رکھتے ہیں۔ فرمایا اس قدر کافی ہے کہ شعبہ ان کو حدیث و روایات کی اجازت دی اور شعبہ آخر شعبہ ہی ہیں۔ بصرہ کے اور شیوخ جن سے امام نے حدیثیں روایت کیں ان میں عبدالکریم بن امیہ اور عاصم بن سلیمان الاحول زیادہ ممتاز ہیں ؎

حرمین کی طرف امام ابو حنیفہ کو اگرچہ ان درس گاہوں سے حدیث کا بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا۔ تاہم تکمیل کی سند حاصل کرنے کے لئے حرمین جانا ضروری تھا جو علوم مذہبی کے اصلی مرکز تھے۔ تاریخوں سے یہ پتا نہیں چلتا کہ امام کا پہلا سفر کس سن میں واقع ہوا تاہم ظن غالب ہے کہ جب انہوں نے حرمین کا سفر کیا تو تحصیل کا آغاز تھا۔ مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ وکیع نے خود امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ حج میں ایک حجام نے جس سے میں نے بال منڈوائے تھے کئی باتوں سے مجھ پہ گرفت کی میں نے اجرت پوچھی تو بولا مناسک چکائے نہیں جاتے میں چپ ہو کر اصلاح بنوانے لگا اس نے پھر ٹوکا کہ حج میں چپ کا نہیں رہنا چاہیئے تکبیر کہے جاؤ۔ حجامت سے فارغ ہو کر گھر چلا تو اس نے کہا پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو پھر کہیں جانا میں نے متعجب ہو کر پوچھا یہ مسائل تو نے کہاں سے سیکھے بولا عطاء ابن ابی رباح کا فیض ہے اس واقعہ سے زیادہ قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ ابتدائی زمانہ تھا جس زمانہ میں امام ابو حنیفہ مکہ معظمہ پہنچے درس و تدریس کا نہایت زور تھا۔ متعدد اساتذہ کی جو فن حدیث میں کمال رکھتے تھے اور اکثر صحابہ کی خدمت سے مستفید ہوئے تھے الگ الگ درسگاہ قائم تھی ان میں عطا بن ابی رباح کا حلقہ درس سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا۔ عطا مشہور تابعی تھے اکثر صحابہ کی خدمت میں رہے تھے اور ان کے فیض صحبت سے اجتہاد کا رتبہ حاصل کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن سائبؓ عقیل رضی اللہ عنہ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، اسامہ بن زید، جابر بن عبداللہ، زید بن ارقم عبداللہ بن سائب، عقیل رضی اللہ عنہ، رافعؓ ابو درداءؓ، ابوہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں سنی تھیں خود ان کا بیان ہے کہ میں دو بزرگوں سے ملا ہوں جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ مجتہدین صحابہ ان کے علم و فضل کے بہت معترف تھے۔ عبداللہ بن عمر جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فرزند اور صاحب افتا تھے اکثر فرماتے تھے کہ عطاء بن ابی رباح کے ہوتے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں۔ حج کے زمانہ میں ہمیشہ سلطنت کی طرف سے ایک منادی مقرر ہوتا تھا کہ عطا کے سوا کوئی شخص فتویٰ دینے کا مجاز نہیں ہے بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام اوزاعی، زہری، عمرو بن دینار انہیں کے حلقہ درس سے نکل کر استاد کہلائے۔

امام ابو حنیفہ استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے احتیاط کے لحاظ سے عقیدہ پوچھا تو امام نے کہا میں اسلاف کو برا نہیں کہتا گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا قضا و قدر کا قائل ہوں۔ عطا نے اجازت دی کہ حلقہ درس میں شریک ہوا کریں۔ روز بروز ان کی ذہانت و طباعی کے جوہر کھلنے لگے اور اس کے ساتھ استاد کی نظر میں ان کا وقار بھی بڑھتا گیا یہاں تک جب حلقہ درس میں جاتے عطا اوروں کو ہٹا کر ان کو اپنے پہلو میں جگہ دیتے۔

عطاء ۱۱۵ھ تک زندہ رہے۔ اس مدت میں امام ابو حنیفہ کو جب مکہ معظمہ جانے کا اتفاق ہوتا تو ان کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے اور مستفید ہوتے۔

عطاء کے سوا مکہ معظمہ کے اور محدثین جن سے امام نے حدیث کی سند لی ان میں عکرمہ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباس کے غلام اور شاگرد تھے انہوں نے نہایت توجہ اور کوشش سے ان کی تربیت کی تھی یہاں تک کہ اپنی زندگی ہی میں اجتہاد و فتویٰ کا مجاز کر دیا تھا۔ عکرمہ نے اور بہت سے صحابہ مثلاً حضرت علیؓ، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمرؓ، عقبہ بن عمرؓ، صفوانؓ، جابرؓ، ابو قتادہ سے حدیثیں سنی تھیں۔ اور فقہی مسائل تحقیق کیے تھے۔ کم و بیش ستر مشہور تابعین حدیث و تفسیر میں ان کے شاگرد ہیں۔ امام شعبی کہا کرتے تھے کہ قرآن جاننے والا عکرمہ سے بڑھ کر نہیں رہا سعید بن جبیر کہ تابعین کے سردار تھے ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ دنیا میں آپ سے بڑھ کر کوئی عالم ہے فرمایا ہاں عکرمہ۔

مدینہ کی طرف اسی عہد میں یعنی ۱۰۲ھ سے پہلے امام ابو حنیفہ نے مدینہ کا رخ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ اس جگہ سے حدیث کا علم حاصل کیا جائے جو حدیث کا منبع اور مخزن تھا۔ صحابہ کے بعد تابعین کے گروہ میں سے سات شخص علم فقہ و حدیث کے مرجع بن گئے تھے اور مسائل شرعیہ میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے بڑے بڑے صحابہ کے دامن فیض میں تعلیم پائی تھی۔ اور یہ مرتبہ حاصل کیا تھا کہ تمام ممالک اسلامیہ میں واسطہ در واسطہ ان کے درس کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ یہ لوگ ہمعصر تھے اور ایک مشترکہ مجلس افتا کے ذریعے سے تمام شرعی مسائل کا فیصلہ کرتے تھے۔ مدینہ کی فقہ جس کے مدون امام مالک نے کی اس کی بنیاد زیادہ تر انہی کے فتووں پر ہے امام ابو حنیفہ جب مدینہ پہنچے تو ان بزرگوں میں دو شخص زندہ تھے، سلیمان و سالم بن عبداللہ، سلیمان حضرت میمونہ کے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں تھیں کے غلام تھے اور فقہائے سبعہ میں فضل و کمال کے لحاظ سے ان کا دوسرا نمبر تھا۔ سالم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے اور اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تھی۔ امام ابو حنیفہ دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حدیثیں روایت کیں۔

امام ابو حنیفہ کی طالب العلمی کی ساخت اگرچہ مدینہ تک محدود ہے تاہم تعلیم کا سلسلہ اخیر زندگی تک قائم رہا، اکثر حرمین جاتے اور مہینوں قیام کرتے حج کی تقریب میں ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال مکہ آ کر جمع ہو جاتے تھے۔ جن کا مقصد حج کے ساتھ افادہ اور استفادہ بھی ہوتا تھا امام صاحب اکثر ان لوگوں سے ملتے اور مستفید ہوتے امام اوزاعی اور مکحول شامی کہ شام کے امام المذہب کہلاتے تھے امام ابو حنیفہ نے مکہ ہی میں ان لوگوں سے تعارف حاصل کیا اور حدیث کی سند لی۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ امام صاحب کی ذہانت و اجتہاد کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی تھی، یہاں تک کہ ظاہر بینوں نے ان کو قیاسی مشہور کر دیا تھا انہیں دنوں میں عبداللہ بن مبارک نے جو امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں۔ بیروت کا سفر کیا کہ امام اوزاعی سے فن حدیث کی تکمیل کریں پہلی ہی ملاقات میں اوزاعی نے ان سے پوچھا کہ کوفہ میں ابو حنیفہ کون شخص پیدا ہوا ہے۔ جو دین میں نئی باتیں نکالتا ہے" انہوں نے

کچھ جواب نہ دیا اور گھر چلے آئے۔ دو تین دن کے بعد پھر گئے تو اجزا ساتھ لیتے گئے۔ اوزاعی نے ان کے ہاتھ سے اجزا لے لئے سرنامہ پر لکھا تھا۔ قال النعمان بن ثابت ، دیر تک غور سے دیکھا کئے پھر عبداللہ سے پوچھا نعمان کون بزرگ ہیں۔ انہوں نے کہا عراق کے ایک شخص ہیں، جن کی صحبت میں میں رہا ہوں۔ فرمایا بڑے پایہ کا شخص ہے۔ عبداللہ نے عرض کی یہ وہی ابو حنیفہ ہیں جن کو آپ مبتدع بتاتے تھے ۱؎ اوزاعی کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا حج کی تقریب پر اوزاعی مکہ گئے تو امام ابو حنیفہ سے ملاقات ہوئی اتفاق سے عبداللہ بن المبارک بھی موجود تھے، ان کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اس خوبی سے تقریر کی کہ اوزاعی حیران رہ گئے امام ابو حنیفہ کے جانے کے بعد مجھ سے کہا کہ اس شخص کے کمال نے اس کو لوگوں کا محسود بنا دیا ہے بے شبہہ میری بدگمانی غلط تھی، جسکا مجھے بہت افسوس ہے۔ تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فن حدیث میں امام اوزاعی کی شاگردی کی ہے۔ غالباً یہی وہ زمانہ ہوگا۔

حضرت امام باقر کی خدمت میں حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ جو اپنے زمانے کے محدث، فقیہ اور بڑے متقی صحابی تھے امام ابو حنیفہؓ کی ملاقات کا تذکرہ مورخوں نے کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ایک بار امام ابو حنیفہ مدینہ گئے تو امام باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ایک ساتھی نے تعارف کرایا کہ یہ امام ابو حنیفہ ہیں۔ انہوں نے امام سے مخاطب ہو کر فرمایا ہاں تم ہی قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت کرتے ہو" انہوں نے نہایت ادب سے کہا "العیاذ باللہ" حدیث کی کون مخالفت کر سکتا ہے آپ تشریف رکھیں تو کچھ عرض کروں پھر مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

ابو حنیفہ :- مرد ضعیف ہے یا عورت؟

امام باقر :- عورت۔

ابو حنیفہ :- وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟

امام باقر :- مرد کا۔

ابو حنیفہ :- اگر میں قیاس لگاتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے، کیوں کہ ضعیف کو ظاہر قیاس کی بنا پر زیادہ ملنا چاہئے پھر پوچھا نماز افضل ہے یا روزہ؟

امام باقر :- نماز۔

ابو حنیفہ اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہیے نہ روزہ کی۔ حالانکہ میں روزہ ہی کی قضا کا فتویٰ دیتا ہوں امام باقر اس قدر خوش ہوئے کہ اٹھ کر پیشانی چوم لی۔ ابو حنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں شیعہ و سنی دونوں نے تسلیم کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کی فیض صحبت کا نتیجہ تھا۔

۱؎ تاریخ بغداد، خطیب بغدادی ترجمۂ امام ابو حنیفہ،

امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فیض صحبت سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ فن حدیث کی تحصیل میں امام کو ایک بہت اونچا مقام حاصل تھا کیوں کہ ان کے شیوخ حدیث لاتعداد تھے۔ ابوحفص عمر نے دعوی کیا ہے کہ امام نے کم از کم چار ہزار شخصوں سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں ان کے شیوخ کے نام شمار کئے ہیں وہیں آخر میں لکھدیا ہے وو خلق کثیر۔

امام ابوحنیفہ کی احتیاط و تحقیق

امام صاحب روایت میں بے حد محتاط تھے اور اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ روایت میں جس قدر واسطے زیادہ ہوتے ہیں اسی قدر تغیر و تبدیل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔ یہی بات ہے کہ ان کے اساتذہ اکثر تابعین ہیں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف ایک واسطہ ہے، یا وہ لوگ ہیں جو مدت تک بڑے بڑے تابعین کی صحبت میں رہے تھے اور علم و فضل، دیانت و پرہیز گاری کے نمونہ خیال کئے جاتے تھے۔ ان دو قسموں کے سوا اگر ہیں تو شاذ ہیں۔ ان کی تعلیم کا طریقہ بھی عام طالب علموں سے الگ تھا۔ بحث و اجتہاد کی شروع سے عادت تھی اور اس باب میں وہ استادوں کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کرتے تھے۔

ایک بار حماد کے ساتھ اعمش کی متابعت کو نکلے، چلتے چلتے مغرب کا وقت آگیا وضو کے لئے پانی کی تلاش ہوئی مگر کہیں نہ مل سکا۔ حماد نے تیمم کا فتوی دیا امام نے مخالفت کی کہ اخیر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہئے۔ اتفاق یہ کہ کچھ دور چل کر پانی مل گیا اور سب نے وضو سے نماز ادا کی، کہتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ استاد کی مخالفت کی۔ امام شعبی، ان کے استاذ قائل تھے۔ کہ معصیت میں کفارہ نہیں ایک دفعہ استاد شاگرد کشتی میں سوار جارہے تھے اس مسئلہ کا ذکر آیا انہوں نے کہا "ضرور معصیت میں کفارہ ہے" کیونکہ خدا نے ظہار میں کفارہ مقرر کیا ہے اور اس آیت وَاِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا میں تصریح کردی ہے کہ ظہار معصیت ہے امام شعبی کچھ جواب نہ دے سکے۔ عطا بن ابی رباح سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ، عطا نے کہا خدا نے حضرت ایوب کی آل اولاد جو مرگئی تھی زندہ کردی اور ان کے ساتھ اور نئی پیدا کردی، امام ابوحنیفہ نے کہا جو شخص کسی کی صلب سے نہ پیدا ہو وہ اسکی اولاد کیوں کر ہو سکتا ہے۔

تدوین فقہ

امام صاحب کی زندگی کا سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ فقہ اسلامی کی تدوین ہے۔ بلاشبہ امام پہلے شخص ہیں۔ جنہوں فقہ اسلامی باقاعدہ منظم طریقہ سے مدون کیا۔ فقہ کے لغوی معنی سمجھ کے ہیں۔ قرآن کریم میں بھی یہ لفظ انہی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اصطلاح شریعت میں اعمال شرعیہ کے مسائل فقہ کہلاتے ہیں۔ اس سے زیادہ جامع تعریف یہ ہے کہ فقہ شریعت کے ان فروعی احکام کے علم کو کہتے ہیں جو احکام کے مفصل دلائل سے حاصل ہوئے ہوں۔

فقہ کے ماخذ

علماء نے فقہ کے چار ماخذ بیان کئے ہیں۔

۱۔ کتاب اللہ۔

۲- سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم -
۳- اجماع - صحابہ وائمہ مجتہدین -
۴- قیاس -

اسلامی شریعت میں قرآن کریم کو وہی حیثیت حاصل ہے جو ملکی قوانین میں دستور کی ہوتی ہے قرآن دور نبوی علیہ السلام اور آپ کے بعد قیامت تک ساری امت کے لئے رہنما اور پیشوا ہے قرآن کی وہی حیثیت اور صفت ہے جو ایک دستور کی ہوتی ہے - یعنی اس میں منصوص احکام کا مجمل بیان ہے اور یہی بیان الٰہی شریعت کا ماخذ اول ہے - اسلامی شریعت کا دوسرا ماخذ سنت رسول ہے لفظ سنت کا اطلاق ہر اس قول، فعل یا تقریر پر ہوتا ہے - جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب ہو اور آپ سے منقول ہو کر ہم تک پہنچا ہو اس معنی کی رو سے سنت لفظ حدیث کے مترادف ہے -

تیسرا ماخذ جو اجماع کہلاتا ہے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اس عالم سے تشریف لے گئے تو بعد میں ایسے شرعی مسائل میں صحابہ کو باہمی مشاورت کی ضرورت پڑی جو یا تو مجمل تھے یا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ایک ہی عمل کے بارے میں مختلف روائیتیں جمع ہو گئیں - تو ان مختلف فیہ روایتوں میں صحابہ کا جو متفقہ فیصلہ ہوتا اسی کو اجماع کہا جاتا ہے - فقہ اسلامی کا چوتھا ماخذ قیاس ہے کسی امر کا جو شرعی حکم ہے وہی حکم علت مشترکہ کی وجہ سے کسی دوسرے امر کا قرار دینا قیاس کہلاتا ہے - دوسرے لفظوں میں یعنی کوئی چیز شریعت میں کسی علت کی وجہ سے حرام ہے تو اگر وہی علت کسی دوسری چیز میں پائی جائے گی تو از روئے قیاس اس کو بھی حرام قرار دیا جائے گا -

اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشہ یعنی زنا کے قریب نہ جاؤ کہ بے شک وہ بے حیائی ہے - اب زنا اس لئے حرام ہے کہ یہ بے حیائی ہے اس کی حرمت کی علت بے حیائی ہے پس ہر وہ کام جس میں بے حیائی ہو گی حرام قرار دیا جائے گا - لیکن بے حیائی اور فحش کی اپنی تعریف ہے، جو کام بھی فحش پر اطلاق کیا جائے گا - حرام ہو گا -

تدوین فقہ کی ابتداء دوسری صدی ہجری کے ربع دوم میں ہوئی اس وقت سے لیکر موجودہ دور تک فقہ اسلامی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے -

دوسری صدی کا ربع اول ختم ہو چکا تھا اسلامی مملکت کے حدود بہت زیادہ پھیل چکے تھے - جب اسلام کی سادہ تعلیمات کو دنیا کی مختلف اور رنگا رنگ تہذیبوں سے سابقہ پڑا تو نت نئے مسائل سامنے آئے - اسی دور میں اللہ نے امام ابو حنیفہ کو وہ استطاعت و قوت عطا فرمائی کہ وہ اپنی مجتہدانہ فطرت و ذہانت سے ان مسائل کا حل دریافت کریں چنانچہ امام ابو حنیفہ ۱۲۱ھ میں تدوین فقہ کی طرف پورے طور سے متوجہ ہوئے -

فقہ کی تدوین کا بنیادی مقصد تو یہ تھا کہ عملی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی

شریعت کے متفرق مسائل کو منظم اور مرتب کر دیا جائے اور اس کی ایسی آخری اور فیصلہ کن صورت معین کر دی جائے جس پر مسلمان سہولت کے ساتھ کماحقہ عمل کر سکیں۔ مگر شریعت اسلامی کیونکہ کسی خاص دور اور معین قوم اور علاقہ کے لئے نہ تھی بلکہ اسے قیامت کے لئے جاری اور نافذ رہنا تھا اس لئے ضروری تھا کہ اس کی تدوین کی جائے اور بوقت تدوین دو باتوں کا خاص طور سے اہتمام کیا جائے۔ اول یہ کہ وہ شخصی رائے اور اجتہاد پر منحصر نہ ہو۔ اس کی ترتیب و تدوین میں مختلف علوم وفنون کے ماہرین اور اساتذہ فن شامل ہوں جن کا علم وفضل مسلم اور ان کا زہد وتقویٰ اللہ کو مقبول ہو۔ دوسرے اس اہم کام کی انجام دہی کے لئے کسی ایسی جگہ کا انتخاب کیا جائے جو نہ صرف مختلف علوم وفنون کا گہوارہ ہو بلکہ قدیم وجدید، عربی وعجمی تہذیب کا سنگم بھی ہو۔ امام ابو حنیفہ نے ان دونوں باتوں کا پورا پورا لحاظ رکھا اور اس کے لئے کوفہ کا انتخاب کیا۔ یہی وہ خاص شہر تھا جہاں عرب وعجم کی تہذیبیں گلے مل رہی تھیں۔

امام ابو حنیفہ نے مسائل کی ترتیب اور اصول وضوابط کی تدوین اپنی ذات تک محدود نہیں رکھی۔ بلکہ چالیس علما اور ائمہ کی ایک مجلس قائم کی۔ اس مجلس میں تمام علوم کے ماہر اور ائمہ جمع کئے گئے۔ جن کی تدوین فقہ میں ضرورت پیش آسکتی تھی۔ ان ائمہ فن کی تعداد چالیس تھی جیسا کہ امام طحاوی نے امام مالک کے شاگرد اسد بن فرات کا قول نقل کیا ہے کہ۔

"ابو حنیفہ کی مجلس تدوین فقہ کے اراکین چالیس تھے" یہ سب کے سب فقہ میں درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے ان میں دس ممتاز ترین اہل علم پر مشتمل ایک مجلس خاص تھی جس کے ارکان ابو یوسف، داؤد طائی، اسد بن عمر، یوسف بن خالد اور یحییٰ بن ابی زائدہ تھے۔

امام ابو حنیفہ کی مجلس تدوین فقہ کے متعلق مشہور محدث وکیع بن الجراح کی رائے ہے۔

"امام ابو حنیفہ کے کام میں غلطی کیسے رہ سکتی تھی۔ جبکہ واقعہ یہ تھا کہ ان کے ساتھ ابو یوسف، زفر اور محمد جیسے قیاس واجتہاد کے ماہر موجود تھے اور حدیث کے باب میں یحییٰ بن ذکریا ابن زائدہ حفص بن غیاث، حبان اور مندل جیسے ماہرین حدیث قاسم بن معن جیسے لغت عرب کے ماہر، داؤد بن نصیر طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زہد وتقویٰ کے مجسمے ان کے شریک کار تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے جامع کمالات وفضائل رفقا اور مشیروں کی موجودگی میں غلطی کیسے رہ سکتی ہے۔"[۱]

امام ابو حنیفہ کا طریقہ استنباط یہ تھا کہ پہلے ہر مسئلہ کو کتاب اللہ سے مستنبط کیا جاتا اگر کامیابی ہو جاتی تو اس کو معین فرما دیتے اگر کسی طور کتاب اللہ سے براہ راست کوئی سراغ نہ ملتا تو سنت رسول اللہ میں اس مسئلے کی تلاش وجستجو کی جاتی۔ سنت رسول اللہ میں یہ خاص بات پیش نظر رہتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل اور آخری رائے کیا تھی آپ ہمیشہ اس کو اختیار فرماتے اگر حجازی اور عراقی صحابہ کی مرفوع حدیثوں میں اختلاف ہوتا تو بنا بر فقہ راوی فقہ کی روایت کو ترجیح دیتے۔

---

[۱] ملخص از جامع المسانید ص ۳۲۔

اگر احادیث طیبہ سے بھی کوئی فیصلہ نہ ہوتا تو پھر اہل فتویٰ صحابہ اور فقہاء تابعین کے فیصلے ور اقوال تلاش کرتے اور جس امر پر فقہا صحابہ کا اجماع ہوتا اس کو اختیار کر لیتے اگر یہاں بھی کوئی جواب نہ پاتے تو پھر چوتھے مرحلے پر قیاس اور استحسان کیطرف آتے اور ان کی روشنی میں مسائل کو حل کرتے مسئلہ پر غور کرتے وقت یہ بھی دیکھتے تھے کہ مسئلے سے متعلق نصوص کی حیثیت تشریعی ہے یا غیر تشریعی اس ضمن میں مسائل کے طے کرنے کی بھی ضرورت پڑتی تھی نصوص میں ضابطہ کلیہ اور واقعات جزئیہ میں اگر تعارض ہوتا تو ضابطہ نص کو ترجیح دیتے اور واقعہ جزئیہ کی توجیہ کر لیتے۔

ابو حنیفہ کی ترتیب و تدوین فقہ کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے فقہا اور محدثین کسی مسئلے کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے اس مسئلے پر حکم لگانے کے بارے میں غور و خوض کو معیوب سمجھتے تھے۔ مگر ابو حنیفہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس رجحان کے خلاف عمل کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"اہل علم کو چاہیے کہ جن باتوں میں لوگوں کے مبتلا ہونے کا امکان ہے ان پر غور و فکر کریں تاکہ اگر وہ کسی وقت وقوع پذیر ہوں تو لوگوں کے لئے نئی اور انوکھی بات نہ ہو؟ بلکہ یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ان امور میں کسی نہ کسی وقت مبتلا ہونا ہی پڑے گا تو ابتلا کے وقت شریعت نے کیا راہ معین کی ہے۔ بہتر ہے کہ ابھی سے سوچ کر رکھ لیں۔

مشہور محدث قیس بن ربیع نے بڑے مختصر الفاظ میں اس حقیقت کیطرف اشارہ کیا ہے اور اس معاملے میں امام ابو حنیفہ کی فوقیت و اولیت کا واضح طور پر اعتراف کیا ہے، کہتے ہیں:

امام ابو حنیفہ ان مسائل کو جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے سب لوگوں سے زیادہ جانتے تھے۔ اس بنا پر ابو حنیفہ نے ان تمام فقہی مسائل پر بالتفصیل غور و فکر شروع کیا جو اگرچہ ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے تھے۔ مگر ایک نہ ایک دن ان کا وقوع متوقع اور ممکن تھا۔ مجلس تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ امام صاحب کے گرد تمام اراکین مجلس بیٹھ جاتے۔ امام صاحب ایک ایک مسئلہ کو بصورت سوال پیش کرتے لوگوں کے خیالات معلوم کرتے جو کچھ اراکین مجلس کی آراء ہوتے ان کو بغور سنتے اگر تمام اراکین جواب مسئلہ میں متفق ہو جاتے تو وہ فیصلہ اسی وقت قلمبند کر لیا جاتا۔ اختلاف کی صورت میں نہایت آزادی کے ساتھ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر بحث و تمحیص ہوتی لبا اوقات یہ بحث ہفتوں جاری رہتی سب کی بحثیں سننے کے بعد امام صاحب اپنی رائے اور فیصلہ کا اظہار کرتے آپ کی رائے اتنی جچی تلی ہوتی کہ سب لوگ اسے بلا تامل قبول کر لیتے اور مسئلہ کا ایک رخ معین ہو جاتا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ بعض اراکین مجلس امام صاحب کی رائے سے اختلاف کرتے تو ان کی اختلافی رائے بھی فوراً لکھ لی جاتی جب کوئی مشکل اور پیچیدہ مسئلہ طویل بحث و نظر کے بعد اتفاقی رائے سے طے پاتا تو اراکین شوریٰ بے اختیار اللہ اکبر پکار اٹھتے۔

تقریباً بائیس سال کی اس شبانہ روز سخت کاوش کے بعد امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ کا مجموعہ فقہی تیار ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں آیا یہ مجموعہ تراسی ہزار دفعات پر مشتمل تھا۔ جس

ہیں اڑتیس ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے اور باقی پنتالیس ہزار کا تعلق معاملات اور عقوبات سے تھا اس میں انسان کے دنیوی کاروبار کے متعلق آئین وضوابط اور معاشیات وسیاسیات کے بارہ میں تمام بنیادی اجتماعی امور موجود تھے۔ یہ مجموعہ ۱۴۴ھ سے پہلے مکمل ہو چکا تھا مگر بعد میں اس میں اضافے ہوتے رہے امام صاحب کے ایام اسیری میں بھی یہ سلسلہ چلتا رہا حضرت عبداللہ ابن مبارک کا قول ہے۔

"میں نے ابو حنیفہ کی کتابوں کو متعدد بار لکھا ان میں اضافے بھی ہوتے رہے ان اضافوں کو بھی لکھ لیا کرو۔

اس مجموعے نے امام صاحب کے زمانے میں قبولِ عام حاصل کیا اس مجموعہ کے تکمیل کے بعد امام ابو حنیفہ نے اپنے تلامذہ کو جمع ہونے کا حکم دیا کوفہ کی جامع مسجد میں ایک ہزار اہل علم شاگرد جمع ہوئے جن میں وہ چالیس علما بھی موجود تھے جو ابو حنیفہ کی مجلس تدوین فقہ کے رکن تھے امام صاحب نے ان تمام اہل علم سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میری دلی مسرتوں کا سرمایہ صرف تم لوگ ہو تمہارے وجود میں میرے غم واندوہ کا مداوا ہے۔ میں نے فقہ اسلامی کی زین تمہارے لئے تیار کر دی ہے اب تمہارا جب اور جس وقت دل چاہے تم اس پر سوار ہو سکتے ہو میں نے ایسی صورت حال پیدا کر دی ہے۔ کہ لوگ تمہارے نقش پا تلاش کریں گے۔ اور اسی چیز پہ چلنے کی کوشش کریں گے میں نے گردنوں کو تمہارے لئے جھکا دیا۔ اب وقت آگیا ہے۔ کہ تم سب علم کی حفاظت میں میری مدد کرو تم میں چالیس آدمی ایسے ہیں جو قاضیوں کی تربیت وتادیب کا کام بخوبی سر انجام دے سکتے ہیں۔ میں تم سب کو اللہ کی قسم اور اس علم کا واسطہ دیتا ہوں جو تم کو ملا ہے کہ اس علم کو کبھی ذلیل نہ کرو۔ اس علم کو محکوم ہونے کی بے عزتی سے بچانا اگر تم لوگوں میں سے کسی کو عہدہ قضا کی ذمہ داری سونپی جائے۔ تو ایسی کمزوریوں کا اپنے فیصلوں میں ہرگز لحاظ نہ کرنا جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوں۔ قضا کا عہدہ اس وقت تک درست ہے جب تک قاضی کا ظاہر وباطن ایک ہو۔ تم میں سے جو اس عہدہ کو قبول کرے وہ اپنے اور عوام کے درمیان رکاوٹیں قائم نہ کرنے ہر حاجتمند کی تم تک رسائی ہونی چاہیئے۔ پانچ وقت کی نماز میں مسجد میں پڑھے مسلمانوں کا امیر اگر مخلوقِ خدا کے ساتھ غلط رویہ اختیار کرے تو اس سے بازپرس کریں ۱۲ھ

ابو حنیفہ کی اس تقریر کے بعد مجموعہ فقہی کی حیثیت واضح ہو گئی۔ غالباً اس کی تشہیر کے بعد خلیفہ منصور نے امام صاحب کو بغداد طلب کیا اور عہدۂ قضا کی پیشکش کی مگر امام صاحب نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

امام ابو حنیفہ کے اس مرتب مدون کردہ فقہ کا نام فقہ حنفی ہوا۔ جو عالم اسلام کے مشرق ومغرب

۱۲ھ معجم المصنفین ج ۲ ص ۵۵۔

میں پھیل گیا۔

وفات حسرت آیات

۱۴۶ھ میں منصور نے امام صاحب کو قید کر دیا۔ لیکن قید کرنے کے باوجود اسے امام صاحب کی طرف سے خطرہ لاحق تھا۔ بغداد دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے علوم وفنون کا مرکز بن گیا تھا۔ طالبان کمال اسلامی ملکوں کے گوشے گوشے سے اٹھ کر بغداد کا رخ کرتے تھے، امام صاحب کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی۔ قید کی حالت نے ان کے اثر اور قبول عام کو بجائے کم کرنے کے اور زیادہ کر دیا تھا۔ بغداد کی علمی جماعت جس کا شہر میں بہت کچھ اثر تھا۔ ان کے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے ان کو گو نظر بند کر رکھا تھا لیکن کوئی امیر ان کے ادب و تعظیم کے خلاف نہ کر سکتا تھا۔ قید خانہ میں ان کا سلسلہ تعلیم و تدریس بھی برابر قائم رہا۔ امام محمد نے جو کہ فقہ حنفی کے دست و بازو ہیں۔ قید خانہ ہی میں تعلیم پائی ان وجوہ سے منصور کو امام صاحب کی طرف سے جو اندیشہ تھا وہ قید خانہ کی حالت میں باقی رہا جس کی آخری تدبیر یہ تھی کہ بے خبری میں ان کو زہر دلوا دیا۔ جب ان کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں قضا کی۔

ان کے مرنے کی خبر بہت جلد تمام شہر میں پھیل گئی اور سارا بغداد امڈ آیا۔ حسن بن عمارہ نے جو شہر کے قاضی تھے غسل دیا، نہلاتے جاتے اور کہتے جاتے "واللہ تم سب سے بڑے فقیہ بڑے عابد، بڑے زاہد تھے تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں۔ تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا، کہ وہ تمہارے مرتبہ کو پہنچ سکیں" غسل سے فارغ ہوتے ہی لوگوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ پہلی بار نماز جنازہ میں کم و بیش پچاس ہزار کا مجمع تھا اس پر آنے والوں کا سلسلہ قائم تھا، یہاں تک کہ چھ بار نماز جنازہ پڑھی گئی اور عصر کے قریب جا کر لاش دفن ہو سکی۔ امام صاحب نے وصیت کی تھی کہ خیزران کے مقبرے میں دفن کئے جائیں کیونکہ یہ جگہ ان کے خیال میں غصب شدہ نہیں تھی، اس وصیت کے موافق خیزران کے مشرقی جانب ان کا مقبرہ تیار ہوا مورخ خطیب نے لکھا ہے، کہ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ ان کے جنازہ کی نماز پڑھا کئے۔ جو قبول عام امام کو اس وقت حاصل تھا وہ کسی کو کب حاصل ہو سکتا ہے۔

امام صاحب کے اخلاق و عادات

امام صاحب کا حلیہ اور اخلاق بیان کرنے میں مورخین نے بہت کچھ مبالغہ سے کام لیا ہے، لیکن صحت کے سب سے زیادہ قریب امام ابو یوسف کا قول ہے۔ آئیے ہم دیکھیں کہ یہ شاگرد رشید اپنے پیارے اور محترم استاد کے بارے میں کیا کہتے ہیں یہ وہ تقریر ہے۔ جو انہوں نے خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے کی تھی۔ دراصل ہوا یہ کہ خلیفہ ہارون الرشید نے ایک بار امام ابو یوسف سے کہا کہ امام ابو حنیفہ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔

انہوں نے کہا کہ جہاں تک میں جانتا ہوں۔ ابو حنیفہ کے اخلاق و عادات یہ تھے کہ نہایت پرہیز گار تھے۔ منہیات سے بچتے تھے اکثر چپ رہ کر سوچا کرتے تھے کوئی شخص مسئلہ پوچھتا اور ان کو معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ چپ رہتے نہایت سخی اور فیاض تھے کسی کے آگے حاجت

نکلے جاتے، اہل دنیا سے احتراز تھا۔ دنیاوی جاہ و عزت کو حقیر سمجھتے تھے، غیبت سے بہت بچتے تھے جب کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی کے ساتھ کرتے بہت بڑے عالم تھے۔ مال کی طرح علم صرف کرنے میں بھی بڑے فیاض تھے۔ ہارون الرشید نے یہ سن کر کہا صالحین کے یہی اخلاق ہوتے ہیں۔

حلیہ اور گفتگو امام صاحب کو خدا نے حسن سیرت کے ساتھ جمالِ صورت بھی دیا تھا۔ میانہ قد خوش رو اور موزون اندام تھے، گفتگو نہایت شیریں اور آواز بلند اور صاف تھی۔ کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہوتا نہایت فصاحت اور صفائی سے ادا کر دیتے تھے۔

امام صاحب کی اولاد کسی مورخ نے بھی تفصیل سے امام صاحب کی اولاد کے بارے نہیں بتلایا البتہ عام طور پر مورخوں کے ہاں یہ بات لکھی گئی ہے کہ وفات کے وقت حماد کے سوا ان کے کوئی اولاد موجود نہ تھی۔ حماد بڑے رتبے کے عالم فاضل آدمی تھے۔ بچپن میں ان کی تعلیم نہایت اہتمام سے ہوئی تھی۔ چنانچہ جب الحمد ختم کی تو ان کے پدر بزرگوار نے اس تقریب میں معلم کو پانچ سو درہم نذر کئے بڑے ہوئے تو خود امام صاحب سے مراتب علمی کی تکمیل کی علم و فضل کے ساتھ بے نیازی و پرہیزگاری میں بھی باپ کے خلف الرشید تھے۔ امام صاحب نے جب انتقال کیا تو ان کے گھر میں لوگوں کا بہت سا مال و اسباب امانت رکھا تھا، انہوں نے قاضی شہر کے پاس حاضر کیا کہ جن کی امانتیں ہیں ان کو پہنچا دی جائیں، قاضی صاحب نے کہا کہ ابھی اپنے ہی پاس رہنے دو کہ زیادہ حفاظت سے رہے گا انہوں نے کہا کہ آپ ان کی جانچ کر لیں کہ میرے باپ کا ذمہ بری ہو جائے غرض تمام مال و اسباب قاضی کے سپرد کر کے خود روپوش ہو گئے۔ اور اس وقت ظاہر ہوئے جبکہ وہ چیزیں کسی اور کے اہتمام میں دے دی گئیں، تمام عمر کسی کی ملازمت نہیں کی نہ شاہی دربار سے کچھ تعلق پیدا کیا ذی قعدہ ۱۷۶ھ میں اس دنیائے فانی سے آخرت کی طرف کوچ کیا چار بیٹے چھوڑے جن کے نام عمر، اسماعیل، ابو حیان اور عثمان ہیں۔ اسماعیل نے نہایت شہرت حاصل کی، چنانچہ مامون الرشید نے ان کو عہدہ قضا پر مامور کیا۔ جس کو انہوں اس دیانتداری اور انصاف سے انجام دیا کہ جب بصرہ سے چلے تو سارا شہر ان کی مشایعت کو نکلا، سب لوگ ان کی جان و مال کو دعائیں دیتے تھے۔

تصنیفات امام اعظم کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) فقہ اکبر۔ یہ عقائد کے بارے میں ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ مسائل اور ترتیب وہی ہے جو عقائد نسفی وغیرہ کی ہے۔ یہ رسالہ زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے اور عام طور پر آسانی سے دستیاب ہے، جس طرح عقائد نسفی کی شرحیں لکھی گئی ہیں اسطرح اس مختصر رسالہ کی بھی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن جس طرح کی شہرت عقائد نسفی کو حاصل ہے اس طرح کی فقہ اکبر کو حاصل نہیں پھر یہ ایک عمدہ رسالہ ہے اس کتاب کے شارحین کے نام درج ذیل ہیں۔

ا۔ محی الدین محمد بن بہار الدین متوفی ۹۳۵ھ

ب - مولیٰ الیاس بن ابراہیم السینوبی -

ج - مولیٰ احمد بن محمد المعتساری -

د - حکیم اسحاق - اس شرح کا ایک منظوم نسخہ ابوالبقا احمدی کا نظم کیا ہوا ابھی موجود ہے -

ھ - شیخ اکمل الدین -

و - ملا علی قاری - ملا علی قاری کی یہ شرح بہت اعلیٰ پایہ کی اور متداول ہے -

(۲) العالم والمتعلم - سوال وجواب کے طرز پر ایک مختصر سا رسالہ ہے -

(۳) مسند - اس وقت تک دنیا میں مسند امام اعظم کے متعدد نسخے ہیں - ان نسخوں کے جامع ابوالمؤید محمد بن محمود الخوارزمی متوفی ۶۶۵ھ ہیں - ابوالمؤید اس مرتبہ نسخے کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ بلادِ شام میں بعض جاہلوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ امام ابوحنیفہ کو فن حدیث میں چنداں دخل نہ تھا اور اسی وجہ سے حدیث میں ان کی کوئی کتاب نہیں ہے اس پر مجھ کو حمیت مذہبی کا جوش ہوا اور میں نے چاہا کہ ان تمام مسندوں کو یکجا کر دوں جو علماء نے امام ابوحنیفہ کی حدیثوں سے مرتب کئے ہیں اور جن کی تفصیل حسب ذیل ہے -

۱ - مسند حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد یعقوب الحارثی البخاری المعروف بہ عبداللہ الدنیا -

۲ - مسند امام ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد -

۳ - حافظ ابوالحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ -

۴ - مسند حافظ ابونعیم اصفہانی صاحب حلیہ -

۵ - مسند شیخ ابوبکر محمد بن عبدالباقی محمد الانصاری -

۶ - مسند امام ابوبکر احمد عبداللہ بن عدی الجرجانی -

۷ - مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشنانی -

۸ - مسند ابویوسف قاضی -

۹ - مسند ابوبکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی -

۱۰ - مسند امام محمد -

۱۱ - مسند حماد بن امام ابوحنیفہ -

۱۲ - مسند امام ابوالقاسم عبداللہ بن ابی العوام العدی -

۱۳ - مسند حافظ حسین بن خسرو بلخی -

۱۴ - مسند علامہ حفصکی اس مسند کی شرح علامہ ملا علی قاری نے کی ہے - اور یہی مسند بروایت حفصکی علامہ شیخ محمد عابد سندھی نے جمع کی جس کا اردو ترجمہ اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے -

۱۵ - مسند ماوردی -

۱۶ ۔ مسند ابن عبد البزازی ۔
ان مسندوں میں بعض کی نہایت عمدہ شرحیں بھی لکھی گئیں ہیں ۔ جن کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں نہایت صراحت سے کیا ہے ۔

”اس کتاب کی ترتیب، تدوین اور تشریح میں درجہ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے“

۱ ۔ کشف الظنون، حاجی خلیفہ، ج ۲ ۔ لفظ مسند امام اعظمؒ ۔
۲ ۔ ھدایہ، امام برہان الدین ۔ ابو الحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغنیانی ۔
۳ ۔ نصب الرایہ لاحادیث الھدایہ، علامہ جمال الدین محمد بن عبد اللہ بن یوسف حنفی الزیلعی ۔
۴ ۔ عمدۃ القاری شرح بخاری، امام بدر الدین عینی ۔
۵ ۔ امام اعظم اور علم حدیث، محمد علی صدیقی کاندھلوی ۔
۶ ۔ ابو حنیفہ، محمد ابو زہرہ مصری ۔
۷ ۔ سیرت النعمان، شبلی نعمانی ۔
۸ ۔ سیرت ائمہ اربعہ، رئیس جعفری ۔
۹ ۔ تاریخ بغداد، خطیب بغدادی ۔
۱۰ ۔ تذکرۃ الحفاظ، ذھبی ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا ہے

مسند امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

مع تشریح

بَابُ الۡاَعۡمَالُ بِالنِّیَّاتِ، تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے،

ابوحنیفۃ عن یحیٰی عن محمد بن ابراھیم التیمی عن علقمۃ بن وقاص اللیثی عن عمرؓ بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاعمال بالنیات ولکل امرئ ما نوٰی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا، او امرأۃٍ ینکحھا فھجرتہ الی ماھاجر الیہ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اور ہر شخص کے لئے اس کی نیت کا پھل ہے۔ مثلاً جس نے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کیطرف ہوئی (یعنی باعث جزا و ثواب ہے) اور جس نے اس لئے ہجرت کی کہ دنیا اس کو ملے یا وہ کسی عورت سے نکاح کرے تو اسکی ہجرت کا ثمرہ بس وہ ہی ہے جو اس نے نیت کی۔

تشریح۔ اس حدیث میں تعلیم دی گئی ہے کہ ہر کام میں نیت و اخلاص اہم ہے۔ اور ہر عمل بغیر نیت خالص بیجان لاشہ ہے۔ اور بے روح بدن چنانچہ امام شافعی سے مروی ہے کہ اس حدیث کو دین میں ستر جگہ دخل ہے یعنی ہر جگہ اسکی عمل دخل ہے۔ اور نیت ہی کی اہمیت کی وجہ سے یہ حدیث پورے دین اسلام میں گویا بنیادی

حیثیت رکھتی ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث آدھا علم ہے۔ کیونکہ ہر دینی عمل خواہ کس قدر بھی بابرکت ہو۔ نیت کے فتور سے درجہ قبولیت سے گر جاتا ہے۔ مثلاً ہجرت ہی کو لیجئے کہ نیت کے بدل جانے سے ایک خالص دنیوی فعل کی شکل میں تبدیل ہوگئی۔ اور اجر و ثواب سے اس کو پوری محرومی رہی۔ یا اسی طرح درس و تدریس کے مشغلے پر نظر ڈالئے کہ اگر دین کی اشاعت کی خاطر ہے تو کیا کہنے نور علیٰ نور اور اگر طلب شہرت وجاہ و ثروت پیش نظر ہے تو اجر و ثواب سے قطعی محرومی ہے۔ اسی بیان کو پیش نظر رکھ کر اگر آپ اس حدیث کی ترتیب کو دیکھیں تو آپ کو عجیب استدلالی ترتیب نظر آئے گی۔ کیونکہ سب سے پہلے الاعمال بالنیات سے اجمالاً سمجھایا کہ اعمال میں ہر جگہ نیت ہے اور ہر عمل کا دخل اسی پر موقوف ہے۔ پھر لکل امرئ مانویٰ سے اس کی مزید تشریح فرمائی کہ ہر شخص کو اس کے کام کا نہیں بلکہ اس کی نیت کا اجر ملے گا پھر ہجرت جو دین میں نہایت ہی بابرکت اور اللہ کا محبوب ترین عمل ہے اس کی مثال پیش فرما کر ظاہر فرمایا۔ کہ وہ بھی نیت کے خالص نہ رہنے سے دینی کام سے نکل کر ایک دنیوی کام میں اس کا شمار ہوا۔ اس کے بعد دنیوی امور میں بھی ایک خالص مہاجر امّ قیس کے قصہ کو پیش نظر رکھ کر جس نے محض ام قیس نامی مہاجر عورت سے نکاح کرنے کی خاطر اپنا وطن چھوڑا تھا۔ بات کو مزید وضاحت سے بیان فرمایا۔ حنفی مسلک کے ماننے والو سمجھ لو کہ نیت درست کرنا کتنا ضروری ہے۔

محدثین کی عادت شریفہ ہے کہ اپنے مجموعۂ احادیث کی ابتدا اکثر اسی حدیث سے کرتے ہیں۔ اس سے ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے۔ کہ حدیث کے ہر طالب کو چاہیئے۔ کہ اس باعزت علم کو شروع کرنے سے پہلے اپنی نیت خالص اللہ کے لئے کر لے ورنہ اس کی ساری کوشش کی اللہ کے نزدیک ذرہ برابر قدر و قیمت نہیں ہوگی۔ کہ اس نے ایسے مقدس علم کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا۔ اور دنیا کو دین پر ترجیح دی۔

كِتَابُ الْإِيْمَانِ وَالْإِسْلَامِ وَالْقَدَرِ وَالشَّفَاعَةِ

کتاب[1] ایمان، اسلام، قدر اور شفاعت

بَابُ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ وَ ذَمِّ الْقَدَرِيَّةِ

باب ارکان اسلام اور قدریہ کی مذمت

ابو حنيفة عن علقمة عن يحيىٰ بن يعمر قال بينا مع صاحب لى بمدينة

یحییٰ بن یعمر امام ابو حنیفہ کے استاذ الاستاذ کہتے ہیں کہ میں اپنے ہمراہی کے ساتھ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ

---

[1] اس کتاب میں ایمان کیا ہے اسلام کسے کہتے ہیں تقدیر کے بارے میں کیا وارد ہے۔ اور شفاعت کے بارے میں کیا کیا فرمایا گیا ہے کی وضاحت کی گئی ہے۔ مترجم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ اَبصَرْنَا بعبد الله بن عمر فقلت لصاحبی هل لك ان ناتیه فنسأله عن القدر قال نعم فقلت دعنی حتی أكون انا الذی اسأله فانی اعرف به منك قال فانتهینا الی عبد الله فقلت یا ابا عبد الرحمن انا نتقلب فی هذه الارض فربما قدمنا البلدة بها قوم یقولون لا قدر فبما نَرُدّ علیهم قال ابلغهم مِنّی انی منهم برئ ولو انی وجدت اعوانا لجاهدتهم ثم انشاء یحدثنا قال بینما نحن مع رسول الله صلی الله علیه وسلم ومعه رهط من اصحابه اذ أَقبَلَ شابٌّ جمیل ابیض حَسَنُ اللّمّة طیّب الریح علیه ثیابٌ بیضٌ فقال السّلام علیك یا رسول الله - السّلام علیكم قال فرد علیه رسول الله تعالی علیه وسلم ورددنا معه فقال ادنوا یا رسول الله قال ادن فدنا دنوة او دَنوتین ثمّ قام موقرا له ثم قال ادنو یا رسول الله فقال ادنه فدنا حتی ألصق ركبته بركبة رسول الله صلی الله علیه و سلم فقال اخبرنی عن الایمان قال ان تؤمن بالله وملائكته و

میں قیام پذیر تھا۔ کہ اچانک عبداللہ بن عمر نظر پڑے میں نے ساتھی سے کہا کہ کیا چاہتے ہو کہ ہم ان کے پاس جا کر قدر کا مسئلہ پوچھیں۔ کہا ہاں۔ تو میں نے کہا اچھا مجھے سوال کرنے دو۔ کیونکہ میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ یحیٰی کہتے ہیں کہ پھر ہم حضرت عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے عرض کیا۔ اے ابوعبدالرحمن (حضرت عبداللہ کی کنیت) ہم اس سرزمین پر چلتے پھرتے ہیں۔ اور کبھی ایسے شہر میں بھی ہمارا گذر ہوتا ہے۔ جس کے باشندے کہتے ہیں کہ قدر کوئی چیز نہیں۔ تو ایسے لوگوں کو ہم کیا جواب دیں۔ آپ نے فرمایا ان کو میری طرف سے یہ بات پہنچا دو کہ میں ان سے بیزار ہوں اور بری۔ اور اگر میں کچھ مددگار پاؤں تو ان سے جہاد کروں۔ پھر آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی۔ ارشاد فرمایا کہ ہم صحابہ دس یا پانچ کی تعداد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ کہ ناگاہ ایک خوبصورت سپید رنگ کا جسکی کاکلیں کاندھوں پر لٹکی ہوئیں، خوشبو میں مہکتا ہوا، سفید پوش سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ قریب آ کر کہا السلام علیك یا رسول الله۔ السلام علیکم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سلام کا جواب دیا۔ اور ہم نے بھی۔ پھر اس نے نہایت ادب سے کہا کہ کیا میں قریب آسکتا ہوں؟ یا رسول اللہ آپ نے فرمایا آ جاؤ۔ تو وہ ایک دو قدم اور قریب ہوا پھر کھڑے ہو کر نہایت ادب سے دوبارہ پوچھا۔ کیا اور قریب حاضر ہوں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا ہاں قریب آؤ۔ تو وہ قریب آن بیٹھا اور اپنے گھٹنے آنحضرت کے گھٹنوں سے جوڑ لیے۔ پھر بولا مجھے ایمان کی حقیقت بتائیے آپ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے۔ کہ تو اللہ پر ایمان لائے۔ اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور اس پر کہ بروز

كتبه ورسوله ولقائه واليوم
الآخر والقدر خيره وشره
من الله فقال صدقت قال
فعجبنا من تصديقه لرسول
الله صلى الله عليه وسلم
وقوله صدقت كانه يعلم قال
فاخبرني عن شرائع الاسلام ماهي
قال اقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة و
حج البيت لمن استطاع اليه سبيلاً
وصوم رمضان والاغتسال من الجنابة
قال صدقت فعجبنا لقوله صدقت
قال فاخبرني عن الاحسان ماهو
قال الاحسان ان تعمل لله كانك
تراه فان لم تكن تراه
فانهٗ قال فاذا فعلت ذلك
فانا محسن قال نعم قال
صدقت -
قال فاخبرني عن الساعة متى
هي قال ما المسئول عنها باعلم
من السائل ولكن لها
شرائط، فقال ان الله عنده
علم الساعة وينزل الغيث
ويعلم ما في الارحام وما
تدري نفس ماذا تكسب غداً
وما تدري نفس باي ارض
تموت وان الله عليم خبير
قال صدقت -
ثم انصرف ونحن نراه قال
النبي صلى الله عليه وسلم

قیامت اس سے ملاقات ہوگی - اور قیامت کے دن پر - اور اس پر کہ جو تقدیر بھلی ہے یا بری وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے - اس نے کہا صدقت سچ فرمایا ہمارے حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ اس کا صدقت کہنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا ہمارے لیے حیرانی کا سبب ہوا کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ وہ پہلے سے جانتا ہے - پھر کہنے لگا کہ شرائع اسلام بتایئے کہ وہ کیا ہیں آپ نے فرمایا نماز پڑھنا زکوٰۃ ادا کرنا حج بیت اللہ کرنا - اگر وہاں جانے کی استطاعت رکھتا ہے، رمضان کے روزے رکھنا - اور غسل جنابت کرنا - اس نے پھر کہا کہ صدقت سچ کہا آپ نے ہم کو اس کے قول صدقت پر پھر تعجب ہوا - پھر بولا مجھے احسان کی حقیقت بتلایئے - کہ وہ کیا ہے آپ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تو ہر عمل کو اس حالت سے سرانجام دے کہ گویا تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے - اگر تجھ کو یہ حالت نصیب نہ ہو تو کم از کم یہ خیال کر کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے - اس نے کہا اگر میں نے ایسا کیا تو کیا میں محسن ہوں آپ نے فرمایا ہاں بیشک - کہنے لگا سچ فرمایا آپ نے - پھر اس نے کہا کہ مجھ کو قیامت کا حال بتایئے - کہ وہ کب آئے گی - آپ نے فرمایا جس سے سوال کرتے ہو وہ اس بارہ میں سائل سے زیادہ نہیں جانتا - البتہ اس کی چند نشانیاں ہیں - پھر آپ نے فرمایا کہ ان چیزوں کو اللہ ہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی - بارش کب ہوگی - عورت کے رحم میں کیا ہے - کل انسان کیا کرے گا - اور یہ کہ انسان کس جگہ مرے گا - البتہ اللہ ہی ان کو جاننے والا ہے - اور ان سے باخبر ہے - اس نے کہا سچ کہا - آپ نے - اور یہ کہہ کر ہمارے سامنے ہی واپس لوٹ گیا - نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا -

علیٰ بالرجل فقمنا فی اثرہ ، نماندری این توجه ولارائینا شیئا فذکرنا ذٰلك النبی صلی الله علیه وسلم فقال ھٰذا جبرئیل علیه السلام اتاکم یُعلّمکم معالم دینکم والله ما اتانی بصورة الا وانا اعرفه فیها الا ھٰذہ الصورة ؂

ذرا بلانا اس آدمی کو۔ ہم اس کے نشانِ قدم پر دوڑ پڑے۔ مگر ہم کو اس کا کچھ پتہ نہ چلا - اور نہ سمجھے کہ کدھر غائب ہو گیا۔ یہ ہی بات ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جبریل علیہ السلام تھے کہ تم کو تمہارے دین کی باتیں سکھلانے آئے تھے۔ اللہ کی قسم ہے اس موقع کے علاوہ وہ جب بھی کسی صورت میں نمودار ہوئے۔ میں نے اُن کو پہچان لیا۔

تشریح - ایمان و اسلام کے لغوی معنی مختلف ہیں مگر اصطلاح شرع کی رو سے ایمان و اسلام تقریباً ایک ہی ہیں - ایک ہی معنی کو کبھی ایمان سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی اسلام سے۔ کیونکہ ہر دو ایک دوسرے سے مربوط ہے - اسلام بدون ایمان کے درست نہیں - اور ایمان - بغیر اسلام کے کامل نہیں - البتہ بعض وقت شریعت میں ایمان و اسلام میں فرق بھی کرتے ہیں - ایمان باطنی عقیدہ کی ترجمانی کرتا ہے اور اسلام ظاہری عمل کی - ایمان انقیاد باطنی کو بتاتا ہے تو اسلام انقیاد ظاہری کو - اس حدیث میں بھی ایمان و اسلام الگ الگ معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔ جسطرح اس آیت میں قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا - ۴۹:۱۴ -

یہ حدیث دین اسلام کا خلاصہ ہے یا پوری شریعت اسلامیہ کا اجمال ہے یا اسی کی تفصیل اس لئے اس حدیث کا نام ام السنہ، ام الاحادیث یا ام الجوامع ہے۔ گویا یہ حدیث جملہ احادیث کی جڑ و بن ہے اور تمام احادیث اسی کی شاخیں ہیں - اور اس کی مزید تفصیل - بعض علماء حدیث نے اس کی جامعیت کی یوں ترجمانی کی ہے کہ دین کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔ فقہ جو ظاہری اعمال کا نام ہے - کلام جو باطنی امور و اعتقادات سے عبارت ہے۔ اور تصوف جو اخلاص و احسان کا دوسرا نام ہے۔

احسان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو درجے ظاہر فرمائے ایک اونچا درجہ جس میں عبادت گذار کو ذات باری کا ایسا حضور ہوتا ہے - گویا یہ اس کو دیکھ رہا ہے - اسی کو مشاہدہ کہتے ہیں - دوسرا نچلا درجہ اس میں یہ تصور ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے - اور یہ عمل مراقبہ کہلاتا ہے۔

۳/۲

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن علقمة عن عبد الله بن مسعود قال جاء جبرئیل الی النبی صلی الله علیه وسلم فی صورة شاب علیه ثیاب بیاض فقال السلام علیك یارسول الله قال رسول الله صلی الله علیه وسلم وعلیك السلام فقال

عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جوان سفید پوش انسان کی شکل میں آئے - اور کہا السلام علیك یارسول اللہ آپ نے فرمایا وعلیك السلام - پھر اس نے کہا یارسول اللہ کیا قریب آسکتا ہوں - آپ نے فرمایا آجاؤ پھر اس شخص نے کہا ایمان کیا

یارسول اللہ ادنو فقال ادنہ فقال یارسول اللہ ما الایمان فقال الایمان باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والقدر خیرہ وشرہ، قال صدقت فعجبت القولہ صدقت کانہ یدری ثم قال یارسول اللہ فما شرائع الاسلام قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصوم رمضان وغسل الجنابہ قال صدقت، فعجبنا لقولہ صدقت کانہ یدری ثم قال فما الاحسان قال ان تعمل للہ کانک تراہ، فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔
قال صدقتا۔
قال فمتی قیام الساعۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما المسئول عنہا با علم من السائل
فقفّی
فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیّ بالرجل
فطلبنا فلم نر لہ اثرًا فاخبرنا النبی، صلی اللہ علیہ وسلم فقال ذالک جبرئیل علیہ السلام جاء کم یعلّمکم معالم دینکم ؛

چیز ہے۔ آپ نے فرمایا ایمان لانا اللہ پر اسکے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور تقدیر پر اچھی یا بری۔ اس نے کہا صدقت (صحیح فرمایا آپ نے) ہم نے اس لفظ پر تعجب کیا۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ پہلے سے جانتا ہے۔ پھر اس نے کہا یارسول اللہ شرائع اسلام کیا کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا نماز پڑھنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا ماہِ رمضان کے روزے رکھنا اور غسل جنابت۔ کہا صحیح فرمایا آپ نے (حضرت عبداللہ فرماتے ہیں) ہم اسکے اس لفظ پر پھر متعجب ہوئے اس لئے کہ لفظ صاف پتہ دیتا تھا۔ کہ وہ تجاہل عارفانہ سے کام لے رہا ہے۔ پھر اس نے کہا بتلائیے احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ یہ کہ تو اس حالت سے عمل کرے۔ گویا کہ تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ درجہ نصیب نہ ہو تو کم از کم یہ خیال کر کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ وہ پھر بولا صحیح فرمایا آپ نے۔ پھر کہا بتلائیے قیامت کب آئے گی۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ اس بارہ میں جس سے پوچھا جا رہا ہے۔ وہ سوال کرنے والے سے زیادہ معلومات نہیں رکھتا۔ وہ واپس چل دیا۔ آنحضرت نے حاضرین مجلس سے فرمایا۔ ذرا اس شخص کو بلاؤ۔ تو عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم اس کو ڈھونڈنے نکلے۔ لیکن اسکا کہیں نشان نہ پایا۔ اور واپس آکر آپ کو خبر دی کہ وہ تو نہیں ملا آپ نے فرمایا کہ یہ جبریل علیہ السلام تھے۔ جو تم کو دینی احکام سکھلانے آئے تھے ؛

تشریح ۔ یہ حدیث الفاظ و مضمون کے اعتبار سے مکرر ہے۔ البتہ شرائع اسلام کے تفصیل ہیں اس میں حج کا ذکر نہیں۔ شائد یہ روائت فرضیت حج سے قبل کی ہو۔ یہ حدیث جو حدیث جبریل کہلاتی ہے صحاح میں کم و بیش انہیں الفاظ سے کئی ایک جگہوں پر مروی ہے۔ ان ہر دو احادیث میں شہادتین کا ذکر نہیں ابن ماجہ کی روائت میں شہادتین کا ذکر ہے اور پانچویں چیز حج ہے۔ ان ہر دو احادیث میں غسل جنابت کا اضافہ ہے۔ یہ اختلاف الفاظ یا تو تعدد واقعہ پر مبنی ہے یا پھر یہ صورت ہے کہ اصحاب رواۃ نے کہیں کہیں اختصار سے کام لیا ہے۔

یہ حدیث احسان کی حقیقت واضح کرتی ہے۔ اور ریاکاری ونام ونمود کی بیخ کنی کرتی ہے۔ کیونکہ یہ ہی سب چیزیں دینی اعمال کے لئے سخت مہلک ہیں۔ ذات باری سے خوف وخشیت نفس میں خشوع وخضوع۔ دل میں خدا تعالیٰ کی عظمت وجلال کا صحیح تصور پیدا کرنے کے لئے یہ بہترین نسخہ ہے۔ اگر انسان صحیح معنی میں محسن ہو تو غیر اللہ اس کے دل میں ہرگز نہ سما سکے گا۔ غیر اللہ سے اس کا دل اسطرح صاف ہوگا جیسے سیپ میں موتی بے داغ ہوتا ہے۔ اس لئے عبادت کے ساتھ اخلاص کی قید لگا کر یوں ارشاد فرمایا۔ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ - ۹۸ : ۵-

باب ۳ التوحید والرسالة

ابوحنیفة عن عطاء ان رجالاً من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم حدثوا ان عبد الله بن رواحة کانت له راعیة تتعاهد غنمه وانه امرها تتعاهد شاة فتعاهدتها حتی سمنت الشاة واشتغلت الراعیة ببعض الغنم فجاء الذئب فاختلس الشاة وقتلها، فجاء عبد الله وفقد الشاة فاخبرته الراعیة بامرها فلطمها ثم ندم علی ذالك فذكر ذالك لرسول الله صلی الله علیه وسلم فعظم النبی صلی الله علیه وسلم ذالك وقال ضربت وجه مؤمنة فقال سوداء لا علم لها فارسل الیها النبی صلی الله علیه وسلم فسألها این الله فقالت فی السماء

قال فمن انا قالت رسول الله قال انها مؤمنة فاعتقها

باب ۳ توحید اور رسالت

چند اصحاب کے واسطے سے حضرت عطار روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن رواحہ کے پاس ایک لڑکی ملازمہ تھی۔ جو ان کی بکریاں چرایا کرتی تھی۔ اور انکی خدمت کیا کیا کرتی۔ انہوں نے اس کی نگرانی میں ایک بکری دی جس کی وہ دیکھ بھال کرتی۔ یہاں تک کہ وہ خوب موٹی تازی ہوگئی۔ ایک روز وہ لڑکی کسی اور بکری کے دھیان میں تھی۔ کہ اچانک بھیڑیا آیا۔ اور اس بکری کو اچانک لے گیا۔ اور چیر پھاڑ ڈالا جب عبداللہ آئے تو انہوں نے اس کو نہ پایا۔ لڑکی نے پورا واقعہ بیان کیا حضرت عبداللہ نے غصہ میں آکر اس کے ایک طمانچہ مارا پھر اس پہ نادم ہوئے۔ اور اس کا ذکر رسول اللہ سے کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بہت اہمیت دی اور فرمایا کہ تم نے ایک بے قصور، مومنہ کو مارا۔ حضرت عبداللہ نے جواب دیا کہ وہ ایک حبشن عورت ہے اس کو ایمان سے کیا سروکار۔ آپ نے آدمی بھیجکر اسکو بلوایا۔ اور اس سے پوچھا خدا کہاں ہے۔ اس نے جواب دیا آسمان میں ہے۔ پھر فرمایا میں کون ہوں اس نے کہا اللہ کے رسول۔ آپ نے فرمایا یہ تو مومنہ ہے۔ اس

يٰاَعُتَقْتَهَا ۞　　کو آزاد کر دو۔ لہذا حضرت عبداللہ نے اسکو آزاد کیا۔

تشریح - انسانوں کے مابین کئی ایک حقوق ہیں۔ جن کی پاسداری لازم ہے۔ مثلاً ایک عام حق جس کو ہم انسانیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر خصوصی حقوق مثلاً حق دینی رشتہ داری کا حق وغیرہ۔ یہ حدیث ان میں سے دو حقوق کی ادائیگی پر روشنی ڈالتی ہے۔ اور صحابہ کرام کے اطاعت رسول کو بھی ظاہر کرتی ہے چنانچہ لڑکی کے تھپڑ مارنے پر حضرت عبداللہ کو ندامت ہوئی۔ اس خیال کے تحت کہ وہ انسانی حق ادا نہ کر سکے۔ ایک ایسے انسان کو سزا وایذا دی۔ کیونکہ یہ غفلت جو بکری کے ضائع ہو جانے کا سبب بنی وہ جان بوجھ کر نہیں کی گئی تھی۔ کہ وہ قصور وار ٹھہرتی اور سزا وار سرزنش ہوتی۔ اس وجہ سے آپ نے افسوس ظاہر فرمایا۔ پھر یہ عمل ایک حد تک اخلاق کے بلند درجہ کے بھی خلاف تھا۔ جو صحابہ کا حصہ تھا۔ کہ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس کے تحت انہیں اپنے جذبات پر پورا پورا غلبہ حاصل تھا غصہ پی جانا۔ لوگوں کی لغزشوں سے درگذر کرنا۔ یہ ان کا عمل تھا۔ اور یہ ان کی خاص صفت بن چکی تھی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس فعل کو زیادہ اہمیت دی وہ اس اہم اور مقدس رشتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے جسے ہم رشتہ ایمانی یا رشتہ اسلامی کا نام دیتے ہیں کہ اس کی رعایت اور لحاظ نہائیت ضروری ہے۔ دوسری حدیث میں یوں ارشاد ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ کہ صحیح معنی میں مسلمان وہ ہے۔ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

۵۲ **ابوحنیفة** - عن علقمة عن ابن بريدة عن ابيه قال كنا جلوسًا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لاصحابه انهضوا بنا نعود جارنا اليهودي قال فدخل عليه فوجده في الموت فسأله ثم قال اشهدُ ان لا اله الا الله اني رسول الله فنظر الى ابيه فلم يكلمه ابوه فقال له النبي صلى الله عليه وسلم اشهدُ ان لا اله الا الله واني رسول الله فنظر الى ابيه فقال ابوه اشهد له فقال الفتى اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله - فقال النبي صلى الله عليه وسلم الحمد لله الذي انقذني نسمةً من النار ۞

حضرت بریدہ بن الحصیب نے فرمایا کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ چلو اٹھو ہم اپنے پڑوسی یہودی کی عیادت کریں۔ کہتے ہیں۔ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس پہنچے تو اس کو نزع کی حالت میں پایا۔ آپ نے اسکی حالت اس سے پوچھی پھر فرمایا کہ اقرار کر کہ اللہ کے سوا خدا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس پر یہودی نے اپنے باپ کیطرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ مگر وہ کچھ نہ بولا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکرر ارشاد فرمایا۔ اقرار کر کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ یہودی نے دوبارہ باپ کیطرف نظر اٹھائی تو اس کا باپ بولا اقرار کرلے۔ تو اس جوان نے کہا کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے

وفی روایۃ انہ قال ذات یوم لاصحابہ انہضوا بنا نعود جارنا الیہودی۔
قال فوجدہ فی الموت فقال اتشہد ان لا الہ الا اللہ۔
قال نعم قال اتشہد انی رسول اللہ قال فنظر الرجل الی ابیہ قال فاعاد علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فوصف الحدیث ثلث مرات الی اخرہ علی ھذا الھیأۃ الی قولہ فقال اشھد انک رسول اللہ۔
فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم الحمد للہ الذی انقذ بی نسمۃ من النار:

میرے ذریعہ ایک انسان کو دوزخ کی آگ سے بچایا۔ ایک روائیت اس طرح کہ ایک دن آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا چلو اٹھو ہم اپنے ایک یہودی پڑوسی کی بیمار پرسی کریں۔ راوی نے کہا کہ جب آنحضرتؐ اس کے قریب پہنچے تو اس کو حالت جانکنی میں پایا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ کیا تو اقرار کرتا ہے کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔ اس نے کہا ہاں بیشک۔ پھر فرمایا کیا تو اقرار کرتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس پر اس یہودی نے نظر اٹھا کر اپنے باپ کیطرف دیکھا۔ راوی نے کہا کہ آپ نے اپنا کلام مبارک دہرایا۔ اس روایت میں تین مرتبہ تکرار ہے باقی حدیث اسی طرح ہے۔ یہانتک کہ مریض نے کہا میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ایک انسان کو میرے طفیل دوزخ کی آنچ سے محفوظ رکھا۔

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر یہودی، نصرانی، یا مجوسی کی بیمار پرسی کی جائے۔ تو کوئی حرج نہیں خاص کر جبکہ کوئی تبلیغی مقصد پیش نظر ہو۔ جیسا کہ آنحضرتؐ نے نمونہ دکھایا۔ امام محمد نے آثار میں اس کی تخریج کی۔ اور اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ کفار کی بیمار پرسی میں کوئی مضائقہ نہیں۔

یہ حدیث حقوق ہمسایہ کی وضاحت کرتی ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حق ہمسائیگی اسلام کے حدود تک محدود نہیں۔ بزاز، ابونعیم، اور طبرانی نے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پڑوسی تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جس کا صرف ایک پڑوس ہی کا حق ہو مثلاً وہ مشرک جس سے کوئی رشتہ داری کے روابط نہ ہوں اس کو صرف پڑوس کا حق حاصل ہے۔ یہ گویا حقوق میں سب سے کم درجہ کا پڑوسی ہے۔ نہ حق اسلام اس کو نصیب نہ حق قرابت۔ دوسرا وہ جس کو دو حق حاصل ہیں۔ مثلاً وہ جو مسلمان بھی ہو اور پڑوسی بھی پس اس کو دو حق حاصل ہیں۔ حق اسلام اور حق قرابت۔ یہ متوسط درجہ کا پڑوسی ہے۔ تیسرا وہ جو مسلمان بھی ہو قرابت دار بھی اور پڑوسی بھی۔ یہ بلند درجہ کا پڑوسی ہے۔ کہ تین حقوق رکھتا ہے۔ کہ حق اسلام بھی رکھتا ہے اور حق قرابت بھی اور پھر حق پڑوس بھی۔

اس حدیث سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوا کہ بچہ جب اتنی عمر کا ہو کہ کفر کی حقیقت سمجھ سکتا ہو اور کفر ہی پر مر جائے تو عذاب کا مستحق ہوگا۔ اور اگر اسلام قبول کرلے تو اس کا اسلام صحیح مانا جائیگا۔ ایک اور اہم سبق اس میں یہ ہے کہ مسلمان دوسرے مذہب کے لوگوں کو دین کی دعوت ضرور دے۔

بابُ التوقّف فی ذراری المشرکین

مشرکین کی اولاد کے بارے میں فیصلہ دینے سے توقف کرنے کا بیان

۶/۱ ابو حنیفۃ عن عبد الرحمٰن بن ھرمز الاعرج عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ وینصرانہ قیل فمن مات صغیرا یا رسول اللہ قال اللہ اعلم بما کانوا عاملین ؂

حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے ۔کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر پیدا ہونیوالا بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے ۔پھر اسکے ماں باپ اسکو یہودی یا نصرانی بنا لیتے ہیں ۔آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ اگر بچپن میں مر گئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں کیا کرنے والے ہیں ۔

تشریح :- فطرۃ سے مراد طبع سلیم اور صلاحیت جبلّی ہے ۔جو ہر بچہ ماں کے پیٹ سے لیکر پیدا ہوتا ہے ۔اس میں اچھائی برائی ہر دو کی استعداد ہوتی ہے ۔اگر یہ کفر و شرک کی آلودگیوں سے پاک رہے اور کفر کے ماحول سے اس کا دامن داغدار نہ ہو تو اس میں ایمان کے قبولیت کی پوری صلاحیت ہوتی ہے ۔اور وہ بچہ حد بلوغ پر پہنچکر صراط مستقیم پر خود بخود چل پڑتا ہے ۔بد قسمتی سے اگر اس کو یہودی ،نصرانی یا مجوسی والدین مل گئے تو اپنے اثرات سے اس کی سلامت روی کو کجروی سے بدل کر اس کی سادہ طبیعت کا رخ پلٹ دیتے ہیں ۔ اسی بات کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے ۔

حدیث کا دوسرا حصہ ایک شدید اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کفار کے نابالغ بچے از روئے شرع کافر ہیں یا مومن جنتی ہیں یا دوزخی ۔بعض کہتے ہیں کہ انکا معاملہ مشیت ایزدی پر موقوف ہے ۔بیہقیؒ نے اس کی نسبت امام شافعی کی طرف کی ہے کہ اولاد کفار کے بارے میں وہ اسی خیال کے حامل ہیں ۔امام مالک سے کوئی امر صریح وارد نہیں ۔البتہ ان کے اصحاب نے صراحت کی ہیں کہ مسلمانوں کے بچے جنت میں ہیں اور مشرکین کی اولاد کا معاملہ مشیت ایزدی پر موقوف ہے ۔قاضی عیاض کہتے ہیں ۔کہ امام احمد اس کے قائل ہیں کہ اولاد مشرکین دوزخ میں ہیں ۔امام ابو حنیفہ توقف کے قائل ہیں ۔کیونکہ قطعی فیصلہ کسی خاص طرف نہیں دیا جا سکتا ۔چنانچہ اس حدیث کے الفاظ بھی اسی خیال کی پر زور تائید کرتے ہیں ۔کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں کیا کرتے ۔نیکیاں کرنے کہ جنتی بنتے یا برائیاں کرتے اور دوزخی قرار پاتے جب تمام تر معاملہ اللہ کی مشیت پر ہو تو قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا توقف بہتر ہے ۔

بابٌ اصل الاسلام الشھادۃ

باب ۵ اسلام کی اصل توحید کی شہادت ہے

۷/۱ ابو حنیفۃ عن ابی الزبیر عن

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

جابر ان رسول الله صلے الله علیه وسلم قال اُمِرْتُ ان اُقَاتِلَ النَّاسَ حتی یقولوا لا اله الا الله فاذا قالوها عَصَمُوا مِنِّی دماءهم واموالهم الا بحقها وحسابهم علی الله تبارك وتعالیٰ ؛

علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو حکم ہے ۔ کہ میں کافروں سے اس وقت لڑتا اور جہاد کرتا رہوں ۔ جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں جب وہ کلمہ توحید کہہ لیں گے ۔ تو وہ اپنی جانوں اور مالوں کو مجھ سے بچا لیں گے ۔ مگر کسی شرعی حق میں پھر ان کی دلی حالت کا معاملہ خدا کے سپرد ہے ۔

تشریح :- فرمایا حتی یقولوا لا الہ الا اللہ ۔ ایک صورت تو اس کی یہ حالت ہے کہ کافر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے ۔ تو اب ان کی جانیں اور اموال محفوظ ہیں ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمان تو نہ ہوئے ۔ لیکن اسلامی حکومت کے سامنے سر تسلیم خم کیا ۔ اور لوائے اسلام کے سایہ میں امن کے خواہاں ہوئے ۔ مثلاً جزیہ قبول کیا ۔ صلح کے طالب ہوئے ۔ اسلامی قانون و حکومت کے سامنے سر جھکا دیا ۔ تو اس صورت میں بھی جان و مال محفوظ ہے ۔ اور الا بحقہا سے وہ مواقع مراد ہیں ۔ جن میں بسلسلہ حدود و تعزیرات اور نفاذ احکام اسلام ان کی جانیں بھی لی جائیں گی اور مال بھی مثلاً کسی کو مار ڈالا تو قصاص لیا جائے گا ۔ زناکاری کے مرتکب ہوئے رجم کیا جائے گا کسی کا مال غصب کر لیا تو مال لیا جائے گا ۔ اسی طرح زکوٰۃ وغیرہ میں بھی مال لیا جائے گا ۔ آخر میں فرمایا وحسابهم علی الله یعنی دلی حالت کے تجسس کا بار ہم پر نہیں ۔ اگر زبان سے کلمہ پڑھ لیا ۔ اور دل میں نفاق ، ریاکاری ، یا زندیقیت چھپائے رکھی تو اس کی باز پرس کا حق ہم کو نہیں ۔ ان کے حساب کتاب اور مواخذہ کا معاملہ خدا کا حق ہے ۔ اس ذمہ داری سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو سبکدوش کیا ہے ۔ چنانچہ اسی حدیث کی روشنی میں اگر کوئی زندیق و منافق زبان سے توبہ و اقرار کرے تو قبول کر لیا جائے گا ۔ اور ان کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ دل میں کیا ہے ۔

باب ۶ عدم کفر اهل الکبائر

باب ۶ یہ کہ بڑے بڑے گناہ کرنے سے کفر نہیں لازم آتا

ابوحنیفة عن ابی الزبیر قال قلت لجابر بن عبد الله ما کنتم تَعُدُّونَ الذنوب شرکا قال لا قال ابو سعید قلت یا رسول الله هل فی هذه الامة ذنب تبلغ الکفر قال لا الا الشرك بالله تعالیٰ ؛

حضرت ابو زبیر کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبد اللہ سے دریافت کیا کہ کیا تم (کبیرہ) گناہوں کو شرک شمار نہیں کرتے تھے ۔ کہا نہیں ۔ حضرت ابو سعید کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت سے پوچھا کیا کہ اس امت میں کوئی گناہ ایسا ہے جو کفر کی حد تک پہنچتا ہے ۔ آپ نے فرمایا ۔ نہیں سوائے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کے ۔

تشریح :- یہ چند احادیث اس امر کی وضاحت کیلئے لائی گئی ہیں ۔ کہ گناہ کبیرہ مثلاً خونریزی چوری

شراب نوشی کا ارتکاب کفر نہیں - یہ دراصل خوارج کی تردید ہے جو اس کے قائل ہیں - کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے مومن کافر ہو جاتا ہے - مزید یوں سمجھئے کہ یہ مسئلہ کئی شعبہ ہائے خیال پر بٹ جاتا ہے ایک طرف خوارج ہیں کہ ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب ہونا گویا ایمانی سرحد کو پار کر کے کفر کی سرحد میں چلے جانا ہے - ان کے سامنے اس قسم کی احادیث ہیں کہ مثلاً فرمایا آں حضرت نے لا یزنی الزانی وھو مومن ولا یسرق السارق وھو مومن کہ زناکار بحالت زناکاری مومن نہیں رہتا - اور چور بحالت چوری مومن نہیں ہوتا - اور کئی ایک احادیث صحیحہ جن میں ان کے ایماندار ہونے کی وضاحت ہے ان کی نظروں سے اوجھل ہیں - کہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد کوئی گناہ مومن کے ایمان کو نقصان نہیں پہنچاتا - ایمان کے بعد بے کھٹکے جنت میں داخل ہو گا - ان کے سامنے اس قسم کی احادیث ہیں کہ مثلاً فرمایا آنجناب نے من قال لا الٰہ الا اللہ فقد دخل الجنۃ کہ جس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا وہ جنت میں داخل ہوا - یہ ان تمام آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ سے اغماض برتتے ہیں - جن میں اہل معاصی کے لئے سزا و عذاب کی وعید ہے - معتزلہ نے بیچ کی راہ نکالی - کہ مومن ہے نہ کافر کلمہ پڑھنے سے کفر سے نکل آیا اور گناہ کبیرہ سے ایمان سے خارج ہوا - اس کو محض فاسق کہہ سکتے ہیں - یہ گویا کفر و ایمان میں ایک درمیانی جگہ مانتے ہیں -

یہ حدیث ان لوگوں کی غلط فہمی کو بھی دور کرتی ہے - جو حدیث من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر کہ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی وہ کافر ہوا کے تحت ہر اس شخص کو کافر مانتے ہیں جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے کیونکہ ان احادیث صحیحہ کے معانی کو اپنی جگہ برقرار رکھنا مجبور کرتا ہے کہ من ترک الصلوٰۃ عمداً جیسی احادیث کی تاویل کی جائے مگر یہاں یہ مطلب نہیں کہ نماز کا تارک اصل ایمان سے نکل کر حقیقی کفر میں داخل ہو جاتا ہے بلکہ درحقیقت قرب کفر مراد ہے کہ نماز کے ترک سے کفر تک پہنچ جاتا ہے - حدیث کی یہ ترجمانی کیوں نہ کی جائے جب کہ نفس ایمان کی حقیقت اقرار شہادتین سے زائد نہیں اور شارع اسلام اور صحابہ کرام کے نزدیک ہدایت ایمانی یا دعوت ایمانی اسی حد پر ختم ہو جاتی ہے - چنانچہ فرمایا آنحضرت نے من قال لا الٰہ الا اللہ فقد دخل الجنۃ یا فرمایا من شھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ حرم اللہ علیہ النار یا اس قسم کی اور صحیح احادیث کہ ان میں دوزخ کا حرام ہونا یا جنت میں داخل ہونا محض کلمہ شہادت کے اقرار پر موقوف ہے -

صاحب سنن ابو داؤد بھی حضرت انس سے اسی مضمون کی مرفوع حدیث لاتے ہیں کہ ایمان کی اصل تین چیزوں پر ہے - کلمہ گو سے دست کش رہنا محض گناہ کی وجہ سے اس کو کافر نہ بنانا اور اس کو خارج از اسلام نہ جاننا - طبرانی ابن عمر سے بعینہ اسی مضمون کی مرفوع حدیث لائے ہیں کہ کلمہ گو سے باز رہو ان کو کافر نہ بناؤ جس نے ان کو کافر ٹھہرایا وہ خود کفر سے قریب ہو گیا -

ابو حنیفۃ عن عبد الکریم بن ابی المخارق عن طاؤس قال جاء رجل الی ابن عمر فسألہ فقال یا ابا عبد الرحمٰن ارأیت الذین یکسرون اغلاقنا وینقبون بیوتنا 9/2

حضرت طاؤس سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک شخص ابن عمر کی خدمت میں آیا - اور ان سے پوچھنے لگا اے ابا عبد الرحمٰن ذرا بتایئے جو لوگ ہمارے تالے توڑتے ہیں - ہمارے گھروں میں نقب لگاتے ہیں اور ہمارا

وَیُغِیرُونَ علیٰ اَمتِعَتِنَا اَکَفَرُوْا قال لا قال ارایت ھٰؤُلاءِ الذین یتاوّلون علینا ویسفکون دماء نا اَکَفَرُوْا، قال لا حتی یَجْعَلُوْا مع اللہ شیئا قال وانا انظر الیٰ ابن عمر وھو یحرکھا ویقول سُنّۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھٰذا الحدیث رواہ جماعۃ مرفوعۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مال ومتاع لوٹتے ہیں کیا وہ کافر ہو گئے آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر بولا فرمائیے جو تاویلیں کر کے ہمارا خون بہاتے ہیں کیا وہ کافر ٹھہرے آپ نے فرمایا نہیں تاوقتیکہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ طاؤس کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر کو انگلی ہلاتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور وہ کہتے جا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے اس حدیث کو ایک جماعت نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

تشریح:۔ یہ حدیث اگلی حدیث کی گویا تفصیل و تشریح ہے۔ بالتمثیل اس سے مطلقاً بلا تمثیل معلوم ہوا تھا کہ گناہ سے مومن کفر تک نہیں پہنچتا۔ اس حدیث میں گناہ کبیرہ کی چوری نقب زنی، لوٹ مار اور خونریزی سے تشریح بھی ہے کہ یہ گناہ مومن کو کافر نہیں بناتے جبتک وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔

صحاح ستہ اسی طرح کی احادیث سے پر ہیں کہ اہل قبلہ اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کافر نہیں نہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ صحیحین میں حضرت معاذ سے مرفوعاً روایت ہے۔ کہ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کو عذاب نہ دے۔ جو اس کے ساتھ کسی شئے کو شریک نہ کریں۔ اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ اس کو عذاب نہ دے۔ جو اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کرے۔ صحیحین میں حضرت معاذ ہی سے مرفوع روایت ہے کہ جو شخص یہ اقرار کر لے کہ کوئی معبود نہیں سوائے خدا کے اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور دل سے اس کی تصدیق بھی کر لے تو اللہ اس پر آگ حرام کر دیتا ہے۔ مسلم میں عثمان سے مرفوع روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جس کی موت اس حال میں ہو کر وہ جانتا ہو کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں تو وہ جنت میں جائے گا۔ غرض کم و بیش ان ہی الفاظ کی بہت سی صحیح، احادیث موجود ہیں جن سب کا مطلب یہ ہے کہ صرف وحدانیت و رسالت کا اقرار خلود فی النار سے بری۔ اور جنت کو واجب کر دیتا ہے۔ جب یہ حقیقت سامنے آگئی تو گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر کس طرح ٹھہرا سکتے ہیں۔ جبکہ کافر کے لیے خلود فی النار لازمی ہے۔ اب رہا معاملہ ان احادیث کا جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کبیرہ سے مومن ایمان سے نکل جاتا ہے۔ جب ایمان سے نکلا تو کافر ہوا۔ مثلاً حدیث مذکورہ لا یزنی الزانی وھو مومن الخ اور جن کو دیکھ کر کئی ایک نے ٹھوکر کھائی۔ اور گمراہی کا شکار ہو گئے پس خلاصہ یہ کہ یہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر محمول نہیں بلکہ یہ سب کچھ شدید وعید اور سخت تنبیہ ہے۔ مقصد یہ بیان ہے۔ کہ مومن اس سخت سزا کو سنکر لرز اٹھے اور اس کو کبھی ان گناہوں کی جرأت نہ ہو انسان کتنا ہی بداعمال اور بداطوار کیوں نہ ہو یہ گوارا نہیں کرتا کہ وہ مذہب سے خارج ہو مذہب کی آڑ میں وہ سب کچھ کر گذرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہایت بدکردار مسلمان اپنے مذہب کی حفاظت کے لیے وہ قربانیاں دیتے ہیں جن کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ یہ سب کچھ حمیت مذہب کی وجہ سے ہے۔ یا یہ کہ یہاں ایمان سے نفس ایمان مراد نہیں بلکہ کمال ایمان مراد ہے یعنی ان گناہوں کا مرتکب کامل مومن نہیں رہتا۔ کیونکہ سزاوار عتاب اور مستحق سرزنش ٹھہرتا ہے۔ ایمان کامل دراصل یہ ہے۔ کہ مومن کا دامن گناہوں سے ایسا

پاک ہو کہ نہ وہ قابل عتاب ہو نہ مستحق سزا۔

باب عدم خلود المؤمنين في النار ح ۱۰

ابوحنيفة عن عبد الله بن جبيبة قال سمعت ابا الدرداء صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم قال بينا انا ردف رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا ابا الدرداء من شهد ان لا اله الا الله واني رسول الله، وجبت له الجنة

قلت وان زنى وان سرق قال فسكت عني ساعة ثم سار ساعة فقال من شهد ان لا اله الا الله واني رسول الله وجبت له الجنة قلت وان زنى وان سرق قال فسكت عني ساعة ثم سار ساعة ثم قال من اشهد ان لا اله الا الله واني رسول الله وجبت له الجنة قال قلت وان زنى وان سرق۔ قال وان زنى وان سرق وان رغم انف ابي الدرداء۔ قال فكاني انظر الى اصبع ابي الدرداء السبابة يومي الى ارنبته :

باب مومن ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہینگے

حضرت عبداللہ بن جبیبہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوالدرداء صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سواری پر سوار تھا آپ نے مجھ سے فرمایا اے ابوالدرداء جو شخص یہ اقرار کرے کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور میں اللہ کا رسول ہوں تو اس کے لئے جنت واجب ہوئی (حضرت ابوالدرداء) کہتے ہیں کہ میں نے کہا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے۔ کہتے ہیں کہ آنحضرت تھوڑی دیر چپ رہے اور کچھ راستہ طے کیا پھر فرمایا جو کوئی گواہی دے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اس کے لئے جنت واجب ہوئی فرمایا میں نے پھر کہا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے آپ نے پھر بھی سکوت فرمایا۔ اور قدرے راستہ چلے پھر ارشاد فرمایا جو اقرار کرے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ میں پھر بولا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے اس بار آپ نے فرمایا۔ ہاں اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے اور اگرچہ ابوالدرداء کی ناک گرد آلود ہو عبداللہ شاگرد ابوالدرداء راوی کہتے ہیں کہ مجھ کو اس کا منظر ایسا یاد ہے گویا میں اسوقت دیکھ رہا ہوں کہ ابوالدرداء اپنی شہادت کی انگلی سے اپنی ناک کے بانسہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

تشریح :- اس حدیث میں بھی خوارج و معتزلہ کے خیالہائے باطل کو نہایت واضح الفاظ میں لغو بے بنیاد اور بے اصل ثابت کیا گیا ہے۔ طبرانی اس حدیث کو حضرت ابودرداء سے مختصراً لائے ہیں۔ احمد اور ابن حبان ان ہی سے مختصراً ذکر کرتے ہیں۔ احمد اور شیخین حضرت ابی ذر سے بھی اس حدیث کو لائے ہیں۔ تین ہی مرتبہ تکرار کے ساتھ۔ ترمذی نسائی ابن ماجہ نے بھی ابی ذر سے اس حدیث کو مرفوع ذکر کیا ہے۔ غرض یہ حدیث باعتبار معنی متواتر ہے اور کئی ایک طرق سے روایت کی گئی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک کا بظاہر مطلب یہ ہے۔ کہ صرف وحدانیت و رسالت کا اقرار کرنے والا اگر گناہوں سے پاک ہے تو ابتداءً جنت اس کے لئے واجب ہو گی۔ اور اگر وہ گناہگار ہے تو سزا بھگتنے کے بعد آخر میں جنت میں داخلہ اس کے لئے واجب ہو گا۔ غرض ان دونوں شہادتوں کا اقرار کرنے والا اگرچہ گناہگار ہو اور وہ بھی مرتکب کبیرہ گناہ کا تب بھی ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا۔ پھر اگر تفکر و تدبر سے دیکھا جائے تو اس ارشاد نبوی میں ان سب ہی کے لئے جنت کا داخلہ ابتداءً واجب قرار دیا ہے جو اس کی منشا کے تحت آتے ہیں کیونکہ یہاں وحدانیت و رسالت کی ایسی شہادت اور ایسا اقرار مراد ہے جو صمیم قلب اور خلوص دل سے ہو کہ یہ قرار دل کی گہرائیوں تک پہنچکر سارے بدن اور تمام اعمال بدنی پر اثر انداز ہو۔ اور خشیت الٰہی اس قدر دل میں بیٹھ جائے کہ نافرمانی کیطرف قدم بڑھانے کی ہمت ہی باقی نہ رہے جب کلمہ شہادتین سے یہ اثر پیدا ہو تو گناہ کیسے سرزد ہوں جب گناہوں کا صدور نہ ہو تو پھر جنت میں داخلہ ابتداءً ہی واجب ہو گا۔ سزا بھگتنے کا احتمال ہی باقی نہ رہیگا۔ اسی نظریہ کیطرف نماز کے بارہ میں باری تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر کہ وہ نماز جو روح میں انقلاب پیدا کرے وہ نماز جو نفس کی کایا پلٹ دے وہ نماز جو نہ صرف منہ کو قبلہ کی طرف پھیر دے بلکہ دل کا رخ بھی خدا کی طرف کر دے وہ نماز جو قرۃ عینی فی الصلوٰۃ کی ترجمانی کرے وہ نماز جو ان تعبد اللہ کانک تراہ کا نقشہ سامنے لے آئے واقعی ایسی نماز یہی اثر دکھاتی ہے۔ کہ بےحیائی اور ناروا بات کرنے کی انسان میں ہمت ہی باقی نہیں رکھتی اسی خیال کے تحت کہا جاتا ہے۔ کہ اعمال ایمان کو برقرار رکھنے کے ذمہ دار ہیں اور اس کی حقیقت کے آئینہ دار۔

ابوحنیفۃ عن الحارث عن ابی المسلم الخولانی قال لما نزل معاذ حمص اتاہ رجل شاب فقال ما تری فی رجل وصل الرحم وبرّ وصادق فی الحدیث وادّی الامانۃ وعفّ بطنہ وفرجہ وعمل ما استطاع من خیر غیرانہ شک فی اللہ ورسولہ قال انھا تحبط ما کان معھا من الاعمال۔

قال فما تری فی رجل رکب المعاصی وسفک الدماء واستحل الفروج والاموال غیرانہ شھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہ مخلصاً قال معاذ ارجو واخاف

ابو مسلم خولانی کہتے ہیں کہ جب حضرت معاذ نے حمص میں نزول اجلال فرمایا تو ایک شخص ان کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ ایسے شخص کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے جس نے قارب کے ساتھ صلہ رحمی کی۔ انسان کی طرف احسان کا ہاتھ بڑھایا۔ سچی بات کی امانت ادا کی پیٹ اور شرمگاہ کے معاملہ میں محتاط اور پاک دامن رہا۔ اور جس قدر ہو سکا نیک کام کئے۔ مگر اللہ اور اس کے رسول کے بارہ میں شک کیا۔ حضرت معاذ نے فرمایا کہ (وحدانیت اور رسالت کے بارہ میں) اسکا یہ شک ونزدد اس کے اعمال کو جلا دے گا۔ اور بے اثر کر دے گا پھر بولا کہ ایسے آدمی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے جو گناہوں کا مرتکب ہوا۔ ناحق خونریزی کی زناکاری اور غصب مال کو حلال جانا مگر اللہ کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کا خلوص دل سے اقرار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے بارہ میں امید بھی رکھتا ہوں (کہ وہ نجات پائے) اور خوف زدہ

علیه قال الفتیٰ واللہ ان کانت
ھی التی لحبطت ما معھا من
عمل ما تضرہ ھذہ ما عمل
ما ازعم ان رجلا افقه بالسنة
من ھذا ؎

بھی (کہ وہ مستوجب سزا ٹھیرے) اس پر اس جوان نے
کہا اگر اس کے شک و تردد نے اس کے اچھے اعمال کو
جلا دیا تو اس کے اعمال سیئہ اس کے خلوص دل کی شہادت کو
ضرر نہیں پہنچائیں گے (یہ کہہ کر) وہ واپس لوٹ گیا۔ حضرت
معاذؓ نے فرمایا کہ میرے خیال میں اس سے زیادہ سنت
کو جاننے والا کوئی نہیں۔

تشریح:۔ اس حدیث کے ضمن میں پچھلے مسئلہ کی بھی وضاحت ہوئی اور ایک اور ضروری امر کا بھی انکشاف ہوا۔ مسئلہ کی صورت دراصل دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک یہ کہ وحدانیت و رسالت کو تسلیم نہ کرتے ہوئے اعمال حسنہ موجب ثواب و اجر ہیں یا نہیں دوسرے یہ کہ وحدانیت و رسالت پر یقین رکھتے ہوئے اعمال سیئہ عقیدہ ایمانی پر اثر انداز ہوتے ہیں یا نہیں حصہ ثانی اس وقت زیر بحث ہے اور حصہ اول بھی شریعت کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس حدیث میں ہر دو امور پر بیک وقت روشنی ڈالی گئی ہے پہلی صورت کا ذکر قرآن پاک میں کفارہ کے بارہ میں متعدد جگہ آیا ہے کہ ان کے اعمال خیر بلا ایمان و تصدیق محض بے اثر ہیں اور بے نتیجہ کہیں اس طرح فرمایا حَبِطَتْ اعمالھم وما لله من ناصرین کہیں یوں ارشاد ہوا حبطت اعمالھم فلا نقیم لھم یوم القیامة وزنا۔ اس حدیث میں اسی کی تشریح فرمائی کہ صلہ رحمی، داد و دہش۔ صدق کلامی۔ امانت داری جیسے اعمال حسنہ ایمان نہ ہونے سے جل گئے کیونکہ تمام اعمال کی اصل اور بنا اقرار ایمان ہے یہ اعمال گویا اس ایمان کی شاخیں ہیں یا ڈالیاں جب جڑ ہی نہ ہو یعنی ایمان سرے سے غائب ہو یا جڑ ہو تو مگر گلی سڑی کہ ایمان ہو مگر شک و شکوک سے خستہ حال تو اب شاخیں کیسے سرسبز اور بار آور ہوں گی یعنی اعمال کیسے اپنا اثر دکھائیں اور موجب ثواب ہوں گے دوسری صورت کی بھی پوری پوری وضاحت ہے کہ اعمال سیئہ شہادت ایمانی کو نقصان نہیں پہنچ سکتا یعنی اس کو بالکل بے اثر نہیں کرتے کیونکہ کلمہ شہادت کا سب سے پہلا اثر یہ ہے کہ وہ مومن کو خلود نار سے بری کر دیتا ہے۔ اس اثر کو گناہ نہیں مٹا سکتا۔ یہ ہی عقیدہ اہل حق کا ہے۔ یہاں سے مرجیہ کا خیال ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ بعض کو وہم ہوا ہے اور بعض تو یہاں تک بڑھ گئے کہ امام ابو حنیفہ کیطرف بھی مرجیہ ہونے کی نسبت کر دی اور حضرت غوث پاک سید عبدالقادر رضی اللہ عنہ کا حوالہ پیش کیا ہے کہ انہوں نے غنیہ میں اس کا اظہار کیا ہے۔ یہ سراسر بے اصل بات ہے۔۔۔ نہ غنیہ میں اس قسم کا کوئی حوالہ ہے نہ ہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا پاک دامن اس بدعقیدگی کے ناپاک دھبہ سے آلودہ اور ملوث ہے۔

12/23 **حماد** عن ابي حنيفة عن ابي مالك
الاشجعي عن ربعي بن حراش عن حذيفة
قال يدرس الاسلام كما يدرس وشي الثوب
ولا يبقى الا شيخ كبير او عجوز فانية يقولون
قد كان قوم يقولون لا اله الا الله وهم لا
يقولون لا اله الا الله فقال صلة بن زيد

حضرت حذیفہؓ سے نقل ہے کہ انہوں نے فرمایا
کہ اسلام اسطرح مٹ جائیگا جسطرح کپڑے کے
نقوش مٹ جاتے ہیں۔ نہیں باقی بچے گا۔ مگر ایک بوڑھا
یا ایک پھونس بڑھیا۔ جو کہیں گے کہ (پچھلے زمانہ میں) ایک
قوم تھی جو لا الہ الا اللہ کہا کرتی تھی اور یہ خود لا الہ الا اللہ
نہیں کہیں گے تو (حاضرین مجلس میں سے) صلہ بن زید

نما يغنی عنهم يا عبد الله لا اله الا الله وهم لا يصومون ولا يصلون ولا يحجون ولا يتصدقون قال ينجون بها من النار ۔

پالیں گے ۔

کہنے لگے اے عبداللہ ان کو لا الہ الا اللہ کہنا کیا نفع دے گا جبکہ نہ وہ نماز پڑھتے تھے نہ روزہ رکھتے تھے نہ حج ادا کرتے تھے اور نہ زکوٰۃ دیتے تھے حضرت حذیفہ نے جواب دیا کہ وہ اس کے ذریعہ دوزخ کی آگ سے نجات پالیں گے ۔

تشریح :- اس کی حامل احادیث کو احمد - مسلم - ترمذی نے حضرت انس سے مرفوع روایت کیا ہے کہ قیامت اس وقت قائم ہوگی کہ کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا - پھر احمد و مسلم کی ایک روایت ہے کہ قیامت شریر ترین لوگوں کے زمانہ میں ہوگی - حاکم نے ابی سعید سے روایت کی ہے کہ قیامت جب قائم ہوگی کہ کوئی بیت اللہ کا حج ادا کرنے والا نہ رہے گا -

یہ حدیث بھی گزشتہ مضمون سے پیوستہ ہے - جس کی تفصیل پچھلے صفحات میں آچکی ہے کہ محض اقرار وحدانیت و تصدیق رسالت خلود نار سے بری کرنے کے لئے کافی ہیں - باقی اعمال کی سزا ملے گی - یا شفاعت رسول اللہ سے اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے -

۱۳ح۴ ابو حنيفة والسعر عن يزيد قال كنت ارى رائ الخوارج فسألت بعض اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم فاخبرنی ان النبی صلی الله عليه وسلم قال بخلاف ما كنت اقول فانقذنی الله تعالیٰ به ؛

یزید کہتے ہیں کہ پہلے میں بھی خوارج کی رائے رکھتا تھا - (یعنی گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا - لہذا میں نے بعض اصحاب رسول اللہ علیہ وسلم نے (اس کے بارہ میں) پوچھا تو انہوں نے مجھ کو خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس کے خلاف ہے جو میں کہا کرتا تھا - پس اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس برے عقیدے سے نجات بخشی ؛

تشریح :- یہ حدیث بھی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ خوارج کا عقیدہ باطل اور بے بنیاد ہے اور انہوں نے اخذ مفہوم میں ٹھوکر کھائی ؛

۱۴ح۵ ابو حنيفة :- قال كنا مع علقمة وعطاء بن رباح فسأله علقمة فقال له يا ابا محمد ان ببلادنا قوما لا يثبتون لانفسهم الايمان ويكرهون ان يقولوا انا مؤمنون بل يقولون انا مومنون ان شاء الله تعالیٰ فقال وما لهم لا يقولون قال يقولون انا اذا انبتنا

ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ہم علقمہ اور عطاء بن ابی رباح کے ہمراہ بیٹھے تھے کہ علقمہ نے عطاء سے دریافت کیا اے ابا محمد ہمارے شہروں (کوفہ و عراق) میں ایسے لوگ ہیں - جو اپنے لئے ایمان بالیقین ثابت نہیں کرتے اور یہ کہنا برا سمجھتے ہیں کہ ہم (بالجزم و یقینی طور سے) مومن ہیں بلکہ یوں کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں انشاء اللہ عطاء نے کہا کہ ان کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسا نہیں کہتے - علقمہ نے جواب دیا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جب ہم نے اپنے نفسوں کے لئے ایمان ثابت کیا تو گویا ہم نے جنتی ہونے کا دعویٰ کیا (کیونکہ اللہ نے

لانفسنا الایمان جعلنا لا تمسنا الجنة
قال سبحان الله هذا من خدع الشیطان
وحبائله وحیله الجأهم الى ان
دفعوا اعظم منة الله تعالى
علیهم وهو الاسلام وخالفوا
سنة رسول الله صلى الله
علیه وسلم رایت اصحاب رسول الله صلى
الله علیه وسلم ورضی عنهم یثبتون
الایمان لانفسهم ویذکرون
ذلك عن رسول الله صلى الله علیه
وسلم فقال انهم یقولون انا مؤمنون
ولا یقولون انا من اهل الجنة فان الله
تعالى لو عذب اهل سمواته واهل
ارضه لعذبهم اهل وهو غیر ظالم لهم
فقال له علقمة یا ابا محمد ان الله تعالى
لو عذب الملائكة الذین لم یعصوه
طرفة عین عذبهم وهو غیر ظالم
لهم قال نعم قال هذا عندنا
عظیم فکیف نعرف هذا فقال
له یا ابن اخی من ههنا ضل اهل
القدر فایاك ان تقول بقولهم
فانهم اعداء الله تعالى الرادون على
الله تعالى الیس یقول الله تعالى
لنبیه صلى الله علیه وسلم قل فلله
الحجة البالغة فلو شاء لهدکم اجمعین
فقال له علقمة اشرح یا ابا محمد شرحا
یذهب عن قلوبنا هذه الشبهة فقال
الیس الله تبارك وتعالى دل الملائكة على
تلك الطاعة والهمهم ایاها وعزمهم

ہر مومن مرد و عورت کے لئے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور خلاف
وعدہ کرنا اس کیلئے عیب ہے اور وہ عیب سے پاک و منزہ ہے عطاء
نے کہا سبحان اللہ یہ تو شیطان کے فریب اسکے دام ہائے تزویر اور حیلے ہیں
کہ اس نے ان کو مجبور کیا کہ اللہ تعالے کے سب سے بڑے
احسان یعنی احسانِ اسلام کو نہ مانیں اور سنت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کرتے پھر رہے ہیں نے
اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے
تئیں ایمان (بلاشک وشبہ) ثابت کیا کرتے۔ اور اسی
کی روایت آنحضرت سے کرتے۔ پھر عطا نے کہا۔
کہ وہ یہ کہا کرتے کہ ہم مومن ہیں یہ نہ کہتے کہ ہم جنتی ہیں۔
اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اگر سارے آسمان وزمین کے بسنے
والوں کو عذاب دے تو وہ اس سے ظالم نہیں کہلائے
گا۔ تو علقمہ نے عطا سے پھر کہا اے ابا محمد اگر اللہ تعالے
فرشتوں کو عذاب دے جنہوں نے ایک لمحہ کیلئے بھی اس
کی نافرمانی نہیں کی تو کیا اس عذاب سے اللہ تعالے
ظالم نہیں ٹھہرے گا۔ عطا نے کہا نہیں علقمہ بولے یہ
تو ہمارے لئے بڑی گہری اور باریک بات ہے۔
ہم اس کو کیونکر سمجھیں عطار نے ان سے کہا اے بھتیجے
معتزلہ تو بہکے ہیں پس ان جیسے قول سے بچو۔ کیونکہ وہ
اللہ کے دشمن ہیں اور اللہ کی بات کو جھٹلانے والے
کیا اللہ اپنے نبی سے نہیں کہتا ہے کہ کہہ دیجئے کہ اللہ کے
پاس کھلی دلیل ہے اگر وہ چاہتا تو سب کو راہ راست
پر لگاتا علقمہ نے کہا اے ابا محمد اس کو تفصیل سے بیان
کیجئے کہ ہمارے دل اس شبہ سے پاک ہو جائیں تو اس پر
عطا نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنی اطاعت
کی طرف رہنمائی نہیں کی ہے اور ان کو طاعت کے
طریقے نہیں سکھائے ہیں اور ان کے دلوں میں اپنی عظمت
بٹھا کر ان کو اس پر جمائے نہیں رکھا۔ علقمہ نے
جواب دیا بیشک تو عطاء نے کہا یہ اللہ کی وہ

علیها وجابرهم علیٰ ذلك قال نعم فقال و هٰذه نعمُ انعم الله تعالیٰ بها علیهم قال نعم قال فلو طالبهم بشکر هٰذه النعم ما قدروا علیٰ ذلك وقصروا وکان له ان یعذبهم بتقصیر الشکر وهو غیر ظالم لهم ؛

نعمتیں ہیں جن سے ان کو سرفراز فرمایا علقمہ نے کہا ہے درست ہے۔ عطاء نے کہا اگر اللہ تعالےٰ ان سے ان نعمتوں کے شکر کا مطالبہ کرے تو وہ اسکی ادائیگی پر قادر نہ ہو سکے اور اس سے قاصر رہیں گے اور اس کو حق ہو کہ شکر کی ادائیگی سے کوتاہی کرنے میں ان کو عذاب دے پس وہ ان کے حق میں ظالم نہ ٹھہرے گا۔

تشریح :- یہ حدیث دو اہم امور کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ایک یہ کہ انا مؤمن انشاء اللہ کہنا ٹھیک ہے یا نہیں دوسرا قدر کا مسئلہ ہے۔ پہلے امر میں حق مسلک یہ ہے کہ ایسا کہنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ اس طرح کہنا جائز ہے۔ پہلی دلیل تو یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام سے اس کا ثبوت نہیں کہ انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ انشاء اللہ کی قید لگائی ہو۔ پھر قرآن پاک میں جہاں مومنین کی تعریف فرمائی ہے وہاں فرمایا، اولئك هم المؤمنون حقًا یا کافروں کی مذمت فرمائی تو فرمایا اولئك هم الکافرون حقا تو گویا اللہ تعالےٰ نے جو اس وقت مومن تھے ان کو مومنین کا نام دیا۔ اور جو کافر تھے ان کو کافر کہا اور چونکہ فی الحال وہ مومن مانے جاتے ہیں۔ اس لئے ان پر احکام ایمانی صادق آتے اور اس کے آثار مرتب ہوتے ہیں جب احکام بھی جاری ہوئے اور آثار بھی مرتب ہوئے تو اب ایمان کا وجود حقیقی اور یقینی کیوں نہ مانا جائے ؛

دوسری دلیل عقلی ہے وہ یہ کہ لفظ انشاء اللہ اگر شک کی وجہ سے بولا جائے کہ گویا ایمان میں شک ہے، تو یہ تو صریح کفر ہے اور ایمان سے دست برداری۔ اور اگر بلحاظ ادب وعاقبت ونتیجہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے یا انکساری کے پیش نظر یا خود پسندی سے بچنے کی خاطر یہ کلمہ بولا جائے تو بھی درست نہیں کیونکہ یہ لفظ آخر شک ظاہر کرتا ہے اور مخلص مومن کو اپنے ایمان میں شک کرنا درست نہیں ہے ؛

وہ گروہ جو انشاء اللہ کہنا روا رکھتے ہیں۔ یہ دلیل پیش کرتے ہیں جو حضرت علقمہ کے بیان میں بھی مذکور ہے کہ ایمان پر یقین ظاہر کرنا خود کو جنتی ٹھہراتا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے مومنین کے لئے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کیلئے خلاف وعدہ عمل ثابت کرنا کفر ہے اس لئے لامحالہ اس کو مومن کہنا خود کو جنتی کہنے کا مراوف ہے حالانکہ دنیا میں سوائے انبیاء علیہم السلام اور عشرہ مبشرہ کے کسی کو شرعًا حق نہیں کہ خود کو جنتی کہے۔ کبھی اس پر یہ بھی دلیل لاتے ہیں کہ فی الوقت ایمان پر اس لئے نہیں کہ نہ معلوم خاتمہ کیسا ہو اور سارا مدار خاتمہ سے ہے اس کا وہی صاف جواب ہے جو ابھی گذرا کہ بحث اس وقت سے ہے اگر اس وقت ایمان یقینی نہیں تو احکام ایمانی کا جاری ہونا کیسا۔ پہلی دلیل کا جواب حدیث میں حضرت عطا کی زبانی خود نقل ہے لِمَ یقولون انا مومنون کہ وہ یہ کہیں کہ ہم مومن ہیں یہ نہ کہیں افاهن اهل الجنة کہ ہم جنتی ہیں کیونکہ ظاہر ہے یہ جب کہہ سکتے ہیں کہ خاتمہ کا علم ہو کہ جنتی ہونے کا سارا مدار خاتمہ پر ہے۔ بلکہ اگر خاتمہ بھی اچھا ہو تو بھی جنت کا ملنا عمل پہ موقوف نہیں بلکہ رحمت الٰہی پر چنانچہ حضرت عطا نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالےٰ معصوم بندوں کو یا فرشتوں کو عذاب دے تو بھی اس کے لئے ظلم نہ ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کے احسانات ہر بندہ پر اس قدر ہیں کہ وہ ان کے شکر ادا نہیں کر سکتا۔

یہیں قدر کا مسئلہ چھڑ جاتا ہے۔ جس کی وضاحت حضرت عطا نے بہت اچھی طرح کی ہے کہ فرشتے گو معصوم ہیں اور ان کی عصمت کو دیکھ کر بظاہر ان کو عذاب دینا ظلم معلوم ہوتا ہے مگر پھر بھی ان کی گردنیں اللہ کے احسانات سے جھکی پڑی ہیں۔ یہ عصمت اسی کے انعام سے ہے اسی نے طاعت کی توفیق دی اسی نے طریق عبادت سکھایا۔ اسی نے ان کے دلوں میں اس کی محبت اتاری۔ آج اگر وہ شکر کا مطالبہ کرے تو فرشتے کب استطاعت رکھتے ہیں کہ اس کا شکر ادا کریں پس اسی قصور پر وہ پکڑ بھی سکتا ہے اور اس کا اسے حق ہے کہ وہ خالق و مالک ہے۔

بَابُ وُجُوبِ الْاِیْمَانِ بِالْقَدَرِ

تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے!

۱۵/۱ **ابوحنیفة** ۔ عن ابی الزبیر عن جابران سراقة قال یارسول الله حدثنا عن دیننا کاننا ولدنا له انعمل بشئ قد جرت به المقادیر وجفت به الاقلام ام فی شئ نستقبل فیه العمل ۔

قال بل فی شئ قد جرت به المقادیر وجفت به الاقلام قال ففیم العمل، قال اعملوا فکل میسر لما خلق له ۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ، وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ؛

حضرت سراقہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یارسول اللہ ہمیں ہمارے دین کی حقیقت بیان فرمائیں۔ جو ہمارا مقصد پیدائش ہے کیا ہم وہی کرتے ہیں جو تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور جس کو لکھ کر قلم سوکھ گئے ہیں۔ یا یہ ہی چیز ہے جن میں ہم عمل کریں گے۔ آپ نے فرمایا بلکہ وہ چیز (عمل) ہے۔ جو تقدیر میں لکھا گیا اور قلم لکھ کر سوکھ گئے۔ سراقہ کہنے لگے پھر عمل کس لئے ہے۔ آپ نے فرمایا۔ (نہیں) عمل کرو پس ہر شخص کے لئے وہ آسان ہوگا۔ جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے (پھر آپ نے یہ آیت پڑھی) پس البتہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی بھلی بات کی تصدیق کی تو ہم اس کے لئے آسان کر دیتے ہیں آسانی کو اور جس نے بخل کیا بے پروائی برتی اور بھلی بات کو جھٹلایا تو اس کے لئے ہم سختی آسان کر دیتے ہیں؛

تشریح :۔ یہ حدیث تقریباً ان ہی الفاظ کے ساتھ احمد۔ مسلم۔ ابن حبان طبرانی ابن مردویہ نے سراقہ سے روایت کی ہے۔ فرمان نبوی کا ماحصل یہ ہے کہ دنیا میں ہمارے سارے عمل اسی اندازہ ازلی کے مطابق ہیں۔ جو لگ چکا ہے اور جس کو ہم تقدیر کہتے ہیں لیکن اس تقدیر کے یہ معنی نہیں کہ انسان محض بے اختیار اور مجبور ہو کر بیٹھ جائے اور کسب عمل نہ کرے اگر ایسا ہو تو سب کچھ بے کار ہو جائے۔ مگر واقعہ ایسا نہیں تقدیر کا جو کچھ اندازہ ہے وہ مستقبل کی محض ایک حکایت ہے اور آئینہ دار واقعات کی پیش گوئی۔ انسان کی قوت عمل پر اس کا کچھ اثر نہیں اس کی کسب عمل کی طاقت بحال خود باقی ہے اسی کسی قدرت کی بنا پر وہ ماجور یا معذب ہے۔ البتہ تخلیق فعل اللہ تعالی کے قبضہ و قدرت

نہیں ہے۔ یعنی انسان کاسب ہے، اور اللہ خالق۔

بَابُ الحث علی العمل! عمل کی ترغیب دینا

حماد عن ابی حنیفة عن عبد العزیز بن رفیع عن مصعب عن سعد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من نفس الا وقد کتب اللہ عزوجل مدخلها و مخرجها وما هي لاقية قيل ففيم العمل یا رسول اللہ قال اعملوا فکل ميسر لما خلق له فمن کان من اهل الجنة يسر لعمل اهل الجنة ومن کان من اهل النار يسر لعمل اهل النار قال الانصاری الآن حق العمل!

حضرت سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کوئی ایسا انسان نہیں ہے جس کی ابتدا اور انتہا اور جو کچھ دنیا و آخرت میں اسکو پیش آنے والا ہے اللہ عزوجل نے لکھ نہ دیا ہو، ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ تو پھر عمل کس لئے ہے آپ نے فرمایا کہ عمل تو کرو کیونکہ جو شخص جس عمل کیلئے پیدا کیا گیا ہے اس پر وہی آسان ہوتا ہے پس جو اہل جنت میں سے ہیں ان کو اعمال اہل جنت سہل ہوں گے اور جو اہل نار سے ہیں ان کو وہ عمل آسان ہوں گے تو انصاری نے کہا ہاں اب عمل کرنے کی وجہ معلوم ہو گئی۔

تشریح :- تقدیر کے اس مسئلے میں نہایت خوش اسلوبی سے ثابت کیا گیا ہے کہ عقل انسانی اس بارہ میں کوتاہ ہے۔ جو ترک عمل کا مشورہ دیتی ہے اس بنا پر کہ عمل ثواب کی امید پر کیا جاتا ہے۔ ثواب اگر لکھا جا چکا ہے تو وہ مل کر رہے گا۔ اگر نہیں تو چونکہ تقدیر غلط نہیں ہو سکتی کوئی طاقت حصول ثواب کا سبب نہیں بن سکتی۔ اس کا حل یوں فرمایا کہ بیشک بظاہر ایسا ہی ہے مگر ترک عمل کوئی معنی نہیں رکھتا عملی طاقت کو اسی لئے سنبھال چھوڑا گیا ہے کہ عمل جاری رہے۔ اب جو کرے گا وہ تقدیر کے موافق ہی ہو گا جنتیوں کے لئے نیکی کے کام آسان ہوں گے اور وہ اپنے اچھے عمل سے آسانی سے جنت کا رستہ طے کرتے چلے جائیں گے۔ دوزخیوں کے لئے بدی کے کام سہل ہوں گے اور وہ اپنی بدعملی سے دوزخ کیطرف بڑھتے جائیں گے۔ قدر سے عمل کیوں بند ہو اور عمل سے قدر کیوں غلط ہو۔ اور ہمارے دیگر اعمال میں ہم ایسا کرتے بھی نہیں۔ ذرا سوچنے کی بات ہے کہ رزق لکھا جا چکا ہے اگر ملنا ہے مل کر رہیگا اگر نہیں ملنا ہے کوئی جتن کیجئے نہیں ملیگا۔ پھر ہم کیوں صبح سے شام تک خون پسینہ ایک کر دیتے ہیں اور ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں کہ رزق مل جائے یہاں ہماری عقل اعمال دینی کا فلسفہ کیوں نہیں چلاتی کہ رزق کمانے کی جدوجہد بند کر دے اور منتظر بیٹھی رہے۔ یا مثلاً بیماری آزاری میں ہر ذی ہوش جانتا ہے کہ اگر اجل آ پہنچی ہے تو ٹل نہیں سکتی علاج معالجہ عبث ہے اگر نہیں آئی ہے تو کوئی طاقت مار نہیں سکتی۔ پھر بھی دوا دارو محض بیکار ہے اور بے فائدہ اس علم پر بھی علاج معالجہ ہم سے نہیں چھوٹتا۔ ہم اپنی کوشش میں قدر سے بحث نہیں کرتے تو پھر عقل کو کیا ہو گیا ہے کہ دینی معاملات میں اپنی غلط منطق چلاتی ہے اور عمل سے روکتی ہے۔ یہی وہ عمل ہے جو بدی سجھاتی اور خوض خاص پیدا کرتی ہے۔

۱۷/۲

ابوحنیفۃ عن عبد العزیز عن مُصْعَب بن سعد بن ابی وقاص عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من نفس الا وقد کتب اللہ مدخلہا ومخرجہا وما ھی لاقیۃ فقال رجل من الانصار ففیم العمل اذًا یا رسول اللہ فقال اعملوا فکلٌّ میسّرٌ لما خلق لہ اما اھل الشقاوۃ فیُسّرُوا لِعمل اھل الشقاوۃ واما اھل السعادۃ فیُسّرُوا لِعَمَل اھل السعادۃ فقال الانصاری الآن حق العَمَل۔

وفی روایۃ اعملوا فکلٌّ مُیسّرٌ مَن کان من اھل الجنّۃ یُسّر لعمل اھل الجنّۃ ومن کان اھل النار یُسّر لِعَمَلِ اھلہا فقال الانصاری الآن حق العَمَلُ۔

سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شخص کا آغاز انجام اور جو کچھ اسکو پیش آنے والا ہے اللہ تعالےٰ نے لکھ دیا ہے ایک انصاری بولے تب پھر یا رسول اللہ عمل کس لئے ہے آپ نے فرمایا عمل تو کرو۔ ہر ایک کے لئے وہی سہل ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔ بدبختوں کے لئے بدبختی کے کام سہل ہیں اور نیک کے لئے بدبختی کے کام اس پر انصاری نے کہا اب عمل کرنے کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ عمل کرو ہر ایک کے لئے آسانی ہے جو جنتی ہو اس کے لئے جنتوں کے کام سہل ہیں اور جو دوزخی ہوگا اس کے لئے دوزخیوں کے کام آسان ہوں گے۔ انصاری نے کہا تو اب عمل کرنے کی وجہ واضح ہوگئی۔

نوٹ:- اس حدیث کو ماقبل والی حدیث پر منطبق کر کے اسی کی تشریح دیکھ لی جائے۔

باب ذم القدریّۃ

(فرقہ) قدریہ کی مذمت!

۱۸/۱

ابوحنیفۃ عن الھیثم عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجیئ قوم یقولون لا قدر ثم یخرجون منہ الی الزندقۃ فاذا لقیتموھم فلا تسلّموا علیھم وان مرضوا فلا تعودوھم وان ماتوا فلا تشیعوھم فانھم شیعۃ الدجال ومجوس ھذہ الامۃ حقٌ علی اللہ ان یلحقھم بھم فی النار۔

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم ایسی آئے گی جو کہے گی کہ قدر کوئی چیز نہیں پھر وہ زندیقی ہو جائیں گے تو اگر تم ایسوں سے ملو تو انکو سلام نہ کرو اور اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی بیمار پرسی کے لئے نہ جاؤ۔ اگر وہ مرجائیں تو ان کے جنازہ میں شرکت نہ کرو۔ کیونکہ وہ دجال کے ہمراہی اور اس امت کے مجوس ہیں۔ حکم الٰہی سے ثابت ہے کہ ان کو انہیں کے ساتھ دوزخ میں ملا دے گا۔

تشریح:- اس حدیث میں قدریوں کے بائیکاٹ اور ترک موالات کی نصیحت ہے کہ ان سے وہ رشتہ نہ رکھا جائے جو ایک مسلمان سے رکھا جاتا ہے۔ ان کو مجوس امت اس لئے فرمایا کہ مجوس دو خدا مانتے ہیں ایک یزدان بھلائی کا خدا دوسرا اہرمن برائی کا خدا یہ ان سے بھی چند قدم آگے ہیں کہ یہ ہر انسان کو اس کے افعال کا خالق

جانتے ہیں گویا انہوں نے شرک کیا۔ لہٰذا ان کا حشر ونشر انہیں کے ساتھ ہوگا۔ قرآنی آیات قدریہ کے اس خیال کی تردید کرتی ہیں۔ اللہ نے فرمایا۔ واللّٰہ خلقکم وما تعملون۔ اللہ نے تم کو بھی پیدا کیا اور تمہارے عملوں کو بھی۔

۱۹/۲ **ابوحنیفۃ** عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجیئ قوم یقولون لا قدر ثم یخرجون منہ الی الزندقۃ فاذا لقیتموھم فلا تسلّموا علیھم وان مرضوا فلا تعودوھم وان ماتوا فلا تشھدوا جنائزھم فانھم شیعۃ الدجال ومجوس ھذہ الامۃ وحقا علی اللہ تعالیٰ ان یلحقھم بھم فی النار۔

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک قوم ایسی آئے گی جو کہے گی کہ قدر کوئی چیز نہیں پھر وہ زندیقی ہو جائیں گے جب ان سے تمہارا سامنا ہو تو ان کو سلام نہ کرو۔ اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی بیمار پرسی کو نہ جاؤ اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شرکت نہ کرو۔ کیونکہ وہ دجال کے ساتھی ہیں اور اس امت کے مجوس۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کو ان کے ساتھ دوزخ میں ملا دیگا۔

تشریح: قدریہ کو سلام نہ کرنے کا مطلب ہے ان کا مطلق معاشرتی مقاطعہ کیا جائے تاکہ اس قسم کے غلط مقاصد اپنانے کی کسی کی ہمت نہ پڑے اور بائیکاٹ سے یہ اپنی اس بدعقیدگی سے توبہ کر لیں۔

۲۰/۳ **ابوحنیفۃ** عن سالم عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعن اللہ القدریۃ وقال ما من نبیّ بعثہ اللہ تعالیٰ قبلی الا حذّر امتہ منھم ولعنھم۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالے نے قدریوں پر لعنت کی اور نیز آپ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسے مبعوث نہیں ہوئے جنہوں نے اپنی امت کو ان (قدریوں) سے نہ ڈرایا ہو اور ان پر لعنت نہ بھیجی ہو۔

تشریح: فرقہ قدریہ نے اسلام میں بہت زیادہ انتشار پھیلایا لہٰذا ان کی مذمت میں کتب احادیث میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔

۲۱/۴ **ابوحنیفۃ** عن علقمۃ بن ابن بریدۃؓ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ القدریۃ وما من نبیّ ولا رسول الا لعنھم ونھی امتہ عن الکلام معھم۔

بریدہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی اللہ تعالیٰ نے قدریوں پر اور کوئی نبی یا رسول (پچھلے زمانہ میں) ایسے نہیں آئے۔ جنہوں نے ان پر لعنت نہ کی ہو اور اپنی امت کو ان سے گفتگو کرنے سے منع نہ کیا ہو۔

تشریح: حدیث کا نفس مضمون مکرر ہے اور تشریح گذر چکی ہے۔

۲۲/۵ **ابوحنیفۃ** عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ وھم شیعۃ الدجال۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قدریہ (جو قدر کو نہیں مانتے) اس امت کے مجوس ہیں اور وہ دجال کے ہمراہی ہیں۔

تشریح:- اس حدیث کی تشریح کے لئے پچھلی شرح کافی ہے۔

بَابُ الشَّفَاعَةِ

۲۳ / ۱

ابو حنیفۃ عن یزید بن صھیب عن جابر بن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال یخرج اللہ من النار من اھل الایمان بشفاعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قال یزید فقلت ان اللہ تعالیٰ یقول وماھم بخارجین منھا قال جابر اقرأ ما قبلھا ان الذین کفروا انما ھی فی الکفار وفی روایۃ یخرج قوم من اھل الایمان بشفاعۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال یزید قلت ان اللہ تعالیٰ یقول وماھم بخارجین منھا فقال جابر اقرأ ما قبلھا ان الذین کفروا ذالک الکفار۔

وفی روایۃ عن یزید قال سألت جابرا عن الشفاعۃ فقال یعذب اللہ تعالیٰ قوما من اھل الایمان بذنوبھم ثم یخرجھم بشفاعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقلت فاین قول اللہ علیہ وسلم فذکر الحدیث الی اخرہ۔

شفاعت کا بیان!

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے صدقے مومنین (گنہگاروں کو) کو دوزخ سے نجات دے گا۔ (ان کے شاگرد) یزید کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو یوں فرماتا ہے وماھم بخارجین منھا کہ وہ (اہل دوزخ) وہاں سے نکالے جانے والے نہیں۔ حضرت جابر نے فرمایا ذرا اس سے ماقبل تو پڑھو ان الذین کفروا کہ یہ تو (عدم خروج) کفار کے حق میں ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ اہل ایمان سے ایک قوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے صدقے دوزخ سے نکلے گی۔ یزید کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو یوں فرماتا ہے کہ وہ اس سے نکالے جانے والے نہیں حضرت جابر نے کہا اس سے ماقبل کا حصہ تو پڑھو ان الذین کفروا یہ ہی کافر تو ہیں (جن کی طرف اشارہ ہے) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ یزید سے اس طرح آیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر سے شفاعت کے بارہ میں دریافت کیا آپ نے کہا کہ اہل ایمان سے ایک قوم کو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کے سبب سے عذاب دے گا پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا وسیلہ انکو دوزخ سے نکال لے گا (یزید) کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ قول کدھر گیا۔ پھر آخر تک حدیث ذکر کی۔

تشریح:- یہ باب شفاعت کے بیان میں ہے جان لیجئے کہ یہاں یہ احادیث جو قدر پر ایمان ثابت کرتی ہیں۔ اور قدریوں کی مذمت ظاہر کرتی ہیں۔ اور کھلے الفاظ میں شفاعت کے وجود اور حقیقت کو تسلیم کرنے پر دلالت کرتی ہیں ان سب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم فرقہ قدریہ کے مخالف اور شفاعت کو ماننے والے تھے۔ امام صاحب کی ان مرویات کو دیکھنے کے بعد اگر کوئی افتراء پرداز اب بھی امام صاحب کی طرف اعتزال کی نسبت کرے تو یہ انصاف نہ ہوگا۔ بلکہ صاف ظلم واتہام ہے۔

مسئلہ شفاعت میں اہل سنت والجماعت اور معتزلہ کے درمیان اختلاف ہے معتزلہ کا کہنا ہے کہ چھوٹے گناہ توبہ سے یا بلاتوبہ معاف ہوجاتے ہیں اور کبیرہ گناہ بلاتوبہ معاف نہیں ہوتے اور شفاعت محض ثواب کے درجات کی بلندی کے لئے ہے۔ نہ کہ معافی گناہ کبیرہ کے لئے ہے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک شفاعت سے گناہ کبیرہ بھی معاف ہوجاتے ہیں۔ معتزلہ اپنے خیال باطل کے ثبوت میں عقلی دلیل لاتے ہیں وہ اس سے گناہگار کو گناہ پر جری کرنا اور جرم پہ آمادہ کرنا ہے۔ کہ اس سے سزا سے بچاؤ کا ایک راستہ مل جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کی معافی بشفاعت وبلاشفاعت جائز ہے واجب نہیں کہ گناہ گار کو بھروسہ کی گنجائش پیدا ہو یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر بدکاری کی پاداش نہ ملے تو یہ ایک قسم کی خلاف وعدگی بھی ہے اور غلط بیانی کہ کہا تو یوں من یعمل سوء یجز بہ یا جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا یا من اساء فعلیہا لیکن شفاعت سے معاف کرکے برے کو برائی کا بدلہ نہ دیا بدکو بدی کی سزا نہ دی۔ مجرم کو جرم کی پاداش بھگتنی نہ پڑی تو یہ صاف غلط بیانی ہوگی یہ کھلی خلاف ورزی نہیں تو کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وعدہ بھلائی میں خلاف کرنا عیب ہے۔ مگر عفو جرم یا معافی سزا خلاف وعدگی ہرگز نہیں۔ یہ تو درحقیقت ایک صاحب حق کا اپنے حق سے دست بردار ہونا ہے جسطرح کوئی قرض خواہ اپنے حق سے دست بردار ہوجائے اور قرضدار کو معاف کردے اور اس میں کوئی عیب نہیں بلکہ خوبی ہے۔ معتزلہ اپنے مذہب کے ثبوت میں قرآن کی یہ آیات پیش کرتے ہیں۔ مثلاً فرمایا لا تقبل منہا شفاعۃ۔ یا ما للظالمین من حمیم ولا شفیع یطاع یا فما تنفعہم شفاعۃ الشافعین یا ما من شفیع الا من بعد اذنہ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیات کفار کے حق میں ہیں اس لئے انہیں کے ساتھ مخصوص رہینگی اور یہاں بحث گناہگار مومنین کی ہے نہ کہ کفار کی اور تخصیص کیوں نہ کی جائے جبکہ بغیر شفاعت مومنین کے گناہوں کی معافی قرآن سے ثابت ہے تو شفاعت سے معافی کیوں نہ ہو کہ فرمایا ویعفو عن کثیر یا ارشاد ہوا ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء جو گناہ صغیرہ وکبیرہ سب کو عام ہے۔ اور پھر جبکہ احادیث مشہورہ بھی شفاعت کے ثبوت میں موجود ہیں تو اب تو اس میں مزید کلام کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور پچھلی آیت تو خود ان کے خیال کی تردید کررہی ہے اور ان کے شک کا جواب اسی میں ہے۔ کہ اذن کے بغیر کسی کو شفاعت کا حق نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اذن حاصل ہے اور قیامت میں بھی اذن حاصل ہوگا۔ پس ثابت ہوگیا کہ شفاعت حق ہے۔

۲۴
۷۴

ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراہیم عن الاسود عن ربعی بن حراش عن حذیفۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یخرج اللہ تعالے قوما من الموحدین من النار بعد ما امتحشوا وصاروا فحما فیدخلہم اللہ تعالے الجنۃ فیستغیثون الی اللہ تعالی مما تسمیہم اھل الجنۃ الجھنمیین فیذھب اللہ تعالیٰ عنہم ذلک ؛

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ سے مومنین کی ایک جماعت کو نکالے گا۔ جبکہ وہ جل کر کوئلہ ہوجائیں گے اور ان کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ پھر وہ اللہ سے فریاد کریں گے۔ کیونکہ جنتی جہنمی کے نام سے انکو پکاریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے یہ نام دور کردے گا ؛

تشریح: حاسدین امام اعظمؒ پر مرجیہ کا اتہام لگایا تھا اور اس حدیث سے یہ الزام دور ہوگیا۔ کیونکہ مرجیہ اس بات

کے قائل ہیں کہ ایمان کے بعد کوئی گناہ مومن کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ وہ بے کھٹکے اور بغیر روک ٹوک جنت میں جائے گا اور یہ حدیث اس خیال کی بیخ کنی کرتی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گنہگار مومنین دوزخ میں جائیں گے۔ پھر اللہ کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے اور اللہ بہت سے گنہگار مومنوں کو عذاب دوزخ سے نجات دے گا۔ امام صاحب کی اس روایت کے بعد کوئی نہیں کہہ سکتا کہ امام صاحب مرجیہ تھے۔

ابوحنيفة عن عطية عن ابي سعيد ۲۵/۳

عن النبي صلى الله عليه وسلم في قوله تعالىٰ عسى ان يبعثك ربك مقامًا محمودًا قال المقام المحمود الشفاعة يعذب الله تعالى قومًا من اهل الايمان بذنوبهم ثم يخرج بشفاعة محمد صلى الله عليه وسلم فيؤتى بهم نهرًا يقال له الحيوان فيغتسلون فيه ثم يدخلون الجنة فيسمون في الجنة الجهنميين ثم يطلبون الى الله تعالىٰ فيذهب عنهم ذالك الاسم ÷

وفي رواية قال يخرج الله تعالىٰ قومًا من اهل النار من اهل الايمان والقبلة بشفاعة محمد صلى الله عليه وسلم وذالك هو المقام المحمود فيؤتى بهم نهرًا يقال له الحيوان فيلقون فيه فينبتون به كما ينبت الثعارير ثم يخرجون منه ويدخلون الجنة فيسمون فيها الجهنميين ثم يطلبون الله تعالىٰ ان يذهب عنهم ذالك الاسم فيذهب عنهم۔

وزاد في اخره وعتقاء الله تعالىٰ۔

وروى ابوحنيفة هذا الحديث عن ابي روبة شداد بن عبد الرحمٰن

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا (کہ پہنچائے گا تم کو تمہارا رب مقام محمود پر) کے ذیل میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مقام محمود سے مراد شفاعت ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی ایک جماعت کو ان کے گناہوں کے سبب عذاب دیگا پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے وسیلے سے انکو نکالے گا پھر وہ حیوان نامی نہر پہ لائے جائیں گے اور اس میں غسل کریں گے پھر جنت میں لیجائے جائیں گے تو جنت میں ان کا نام جہنمی پڑ جائے گا۔ لہذا وہ اللہ تعالےٰ کی حضور اس بارہ میں التجا کریں گے اور اللہ تعالےٰ انکے اس نام کو مٹا دیگا۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالےٰ دوزخ میں داخل ہونے والے اہل ایمان اور اہل قبلہ کی ایک جماعت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے دوزخ سے نکالے گا اور یہی مقام محمود ہے پھر وہ نہر پر لائے جائیں گے جسکو حیوان کہا جاتا ہے پس وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو وہ (تر وتازہ) ککڑیوں کی طرح اس میں (فوراً) اگ آئیں گے۔ پھر اس سے نکل کر جنت میں چلے جائیں گے اور وہاں ان کا نام جہنمی پڑ جائے گا۔ پھر وہ اللہ تعالےٰ سے گذارش کریں گے کہ وہ ان کا یہ نام مٹا دے۔ تو یہ نام ان کا مٹ جائے گا۔ اور اس روایت کے آخر میں عتقاء اللہ زیادہ کیا (یعنی وہ اس نام سے موسوم ہوں گے۔ کہ اللہ کے آزاد کئے ہوئے) امام ابوحنیفہؒ نے اس حدیث کو ابی روبہ شداد بن عبدالرحمن سے بھی روایت

عن ابی سعید ؛

کیا ہے اور وہ ابی سعید سے روایت کرتے ہیں ؛

تشریح :- شفاعت کے باب میں جو ملتی جلتی حدیثیں وارد ہیں وہ تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔ اور ان ہی ابی سعید سے امام مسلم ایک طویل حدیث لائے ہیں۔ جو اسی مفہوم کی ہے۔ بزاز ابی ہریرہ سے بسند ثقات حدیث مرفوع روایت کرتے ہیں۔ طبرانی اوسط میں مغیرہ سے مرفوع روایت لائے ہیں اور اوسط میں انس سے صرف الفاظ میں کسی کسی جگہ تھوڑا سا اختلاف ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی کنز مدفون میں لکھتے ہیں کہ شفاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھ اقسام ہیں۔ ایک [۱] شفاعت عظمٰی کے نام سے موسوم ہے جو تمام انبیاء و رسل علیہم السلام میں آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور وہ اس وقت کی جائے گی کہ ساری مخلوق کے مقدمات فیصل ہوتے ہوں گے۔ دوسری [۲] شفاعت جو اس امت کا حساب جلد لینے کے لئے کی جائے گی۔ چنانچہ ابن ابی الدنیا نے ایک لمبی مرفوع حدیث ان الفاظ سے نقل کی ہے۔ یا رب عجل حسابھم کہ اے میرے رب ان کا حساب جلد لے لیجئے۔ تو وہ بلائے جائیں گے۔ تیسری [۳] شفاعت جو اس لوگوں کے بارہ میں کی جائے گی جنکو دوزخ میں لیجانیکا حکم ہوگا۔ پھر وہ اس شفاعت کے سبب نجات پائیں گے۔ ابن ابی الدنیا نے اس کو بھی ایک مرفوع حدیث میں روایت کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت کی ایک جماعت کو دوزخ لے جانے کا حکم ملے گا۔ تو وہ کہنے لگیں گے۔ اے محمد سفارش کیجیے۔ میں فرشتوں سے کہوں گا۔ ذرا ان کو روک رکھو پھر میں چلا جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ سے حاضری کی درخواست کروں گا تو مجھ کو سجدہ کی اجازت ملے گی پھر مجھ سے کہا جائیگا کہ جاؤ اور انکو نکال لاؤ۔ چوتھی شفاعت جو آپ اپنے چچا حضرت ابی طالب کے حق میں فرمائینگے کہ انکا عذاب گھٹ جائے۔ پانچویں شفاعت جو آپ چند اقوام کے بارہ میں فرمائینگے کہ وہ بلا حساب جنت میں جائیں۔ قاضی عیاض نے بھی اسکا ذکر کیا ہے۔ چھٹی شفاعت جو آپ مومنین جنت میں داخل ہونے کے بارہ میں کریں گے۔ ساتویں شفاعت جو آپ جنتیوں کے بارہ میں فرمائیں گے کہ ان کے درجات بلند ہوں اور ان کے اعمال سے زائد ان کو اعزاز نصیب ہو۔ معتزلہ اسی شفاعت کو مانتے ہیں۔ آٹھویں شفاعت جو آپ مرتکبین گناہ کبیرہ کے حق میں فرمائیں گے جو دوزخ میں بھیجے جا چکے ہیں۔ اور وہ آپ کی شفاعت سے دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ امام غزالی نے احیاء میں بھی اس کو مفصل بیان کیا ہے۔

۲۶ ح

حماد عن ابی حنیفۃ رح عن عطیۃ العوفی قال سمعت ابا سعید الخدری یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ عسی ان یبعثک ربک مقامًا محمودًا قال یخرج اللہ تعالیٰ قومًا من النار من اھل الایمان والقبلۃ بشفاعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فذلک ھو المقام المحمود فیؤتی بھم نھرا یقال لہ الحیوان فیلقون فیہ فینبتون کما ینبت الثعاریر ثم یخرجون فیدخلون الجنۃ فیسمون الجھنمیین ثم

حضرت ابی سعید کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت تلاوت کرتے سنا عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودًا پھر کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے طفیل اللہ تعالیٰ اہل ایمان اور اہل قبلہ کے ایک گروہ کو دوزخ سے نکالے گا۔ اور یہی مقام محمود ہے پھر وہ ایک نہر حیوان نامی پر لائے جائیں گے اور اس میں ڈالے جائیں گے تو وہ ترو تازہ ہو کر یوں باکھیروں کی طرح اگ آئیں گے۔ پھر نکل کر جنت میں داخل جائیں گے وہاں انکا نام جہنمی پڑ جائے گا۔ پھر وہ اللہ کی جناب میں عرض

الاسم فیذهب عنهم ؛ کریں گے کہ وہ ان کا یہ نام مٹائے تو اللہ تعالیٰ ان کا نام مٹا دے گا۔

تشریح: یہ حدیث امام محمد اپنی کتاب آثار میں لائے ہیں۔ امام احمد، امام مسلم اور محدث ابن ماجہ نے اسی مفہوم کی حدیث اپنے اپنے مجموعہ احادیث میں درج کی ہے۔ یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ عقیدہ کا فساد اگر انسان کو کفر کی حد تک نہ پہنچائے تو آخرت میں اس کا نفس ایمان بالآخر اس کو دوزخ سے کھینچ لائے گا۔ اگرچہ اس کا فسق بہت بڑھ چکا ہو۔ اسی لئے رافضیوں، خارجیوں اور معتزلیوں کے بارے میں یہ فیصلہ اقرب الی الصواب ہے، کہ اگر انکے عقائد حد کفر تک نہ پہنچیں تو یہ فرقے خلود فی النار کے مستحق نہیں آخر کار دوزخ سے نجات پاجائیں گے۔

۲۷/۷۵ **حماد** عن ابی حنیفة عن عبد الملك عن ابن عباس عن النبی صلی الله علیه یوم القیمة النار بذنوبهم فیقول لهم المشرکون ما اغنی عنکم ایمانکم ونحن وانتم فی دار واحدة نعذب فیغضب الله عزوجل لهم، فیأمر ان لا یبقی فی النار احد یقول لا اله الا الله فیخرجون وقد احترقوا حتی صاروا کالحممة السوداء الا وجوههم فانه لا یزرق اعینهم ولا تسود وجوههم فیؤتی بهم نهرًا علی باب الجنة فیغتسلون فیه فیذهب کل نتنة واذی ثم یدخلون الجنة فیقول لهم الملك طبتم فادخلوها خالدین فیسمون الجهنمیین فی الجنة ؛

قال ثم یدعون فیذهب عنهم ذلك الاسم فلا یدعون به ابدًا۔

فاذا خرجوا قال الکفار یالیتنا کنا مسلمین فذلك قول الله تعالی عزوجل ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین ؛

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ کہ قیامت کے دن اہل ایمان ایک گروہ اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوگا۔ تو مشرک ان سے کہیں گے کہ تم کو تمہارے ایمان نے نفع نہ دیا۔ کہ ہم تم ایک ہی گھر میں پڑے عذاب بھگت رہے ہیں۔ اس پر اللہ تعالےٰ کا غضب جوش میں آئے گا اور حکم صادر فرمائے گا کہ دوزخ میں ایک بھی لا الہ الا اللہ کہنے والا نہ رہے۔ پس وہ اس حالت میں نکالے جائیں گے کہ وہ جل کر سیاہ کوئلے کی طرح ہو گئے ہوں گے سوائے ان کے چہروں کے۔ کیونکہ نہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی نہ ان کے چہرے کالے پھر وہ اس نہر پر لائے جائیں گے تو جو دروازہ جنت پر ہوگی اور اس میں وہ غسل کریں گے تو اس سے ان کی طبیعت کی پلیدی اور جسمانی سوزش فی الفور ختم ہو جائیگی۔ پھر جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے تو ان سے داروغہ جنت کہے گا کہ پاک ہوگئے۔ تم اب جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہو جنت میں ان کا نام جہنمی پڑ جائیگا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر وہ جناب باری میں دعا کریں گے تو ان کا یہ نام مٹ جائے گا۔ پھر وہ اس نام سے کبھی نہیں پکارے جائیں گے۔ جب یہ (گناہگار) دوزخ سے نکلیں گے تو کافر کہیں گے کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ یہی معنی ہیں اللہ تعالےٰ کے اس قول کے ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین

کہ لبسا اوقات کافر کہیں گے کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے۔

تشریح:۔ اسی آیت قرآنی کی تفسیر میں ابن المبارک۔ ابن جریر۔ بیہقی نے انس اور عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ میں گنہگار مسلمانوں اور مشرکوں کو جمع کرے گا تو مشرک کہیں گے کہ جس کی تم عبادت کیا کرتے تھے اس نے تم کو نفع نہیں دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوگا اور ان گنہگاروں کو دوزخ سے اپنے رحم سے نکالے گا حماد اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اور بیہقی نے ابن عباس سے یوں نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شفاعت اور رحم کی بنا پر گنہگار مسلمانوں کو جنت میں داخل کرتا رہیگا۔ یہاں تک کہ یہ فرمائے گا کہ جو بھی مسلمان ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے۔ اللہ تعالےٰ کا یہ قول اسی طرف اشارہ کرتا ہے (ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین) طبرانی اوسط میں سند صحیح سے حضرت جابر سے مرفوع حدیث لائے ہیں (کہ فرمایا آپ نے) کہ میری امت میں سے بہت سے لوگوں کو دوزخ میں عذاب دیا جائے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ پھر پوری حدیث بیان کی اور اس میں کافروں کا یہ قول بھی ہے۔ پھر مسلمانوں کو نکالا جائے گا۔ اور پھر یہ آیت آپؐ نے پڑھی ربما یود الذین کفروا۔ اور طبرانی نے ابی سعید سے مرفوعاً اسی قصہ کو روایت کیا ہے۔ اس میں شفاعت انبیاء۔ ملائکہ اور مومنین کا بھی تذکرہ ہے۔

۲۸/۲۶

ابوحنیفة۔ عن حماد عن ابراهیم عن علقمة عن عبد الله بن مسعودؓ قال، جاء رجل الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله هل یبقی احد من الموحدین فی النار قال نعم رجل فی نعر جهنم ینادی بالحنان المنان حتی یسمع صوته جبرئیل علیه السلام فیتعجب من ذلك الصوت فقال العجب العجب ثم لم یصبر حتی یصیر بین یدی عرش الرحمٰن ساجدا فیقول الله تبارك وتعالیٰ ارفع رأسك یا جبرئیل فیرفع رأسه فیقول ما رأیت من العجائب والله اعلم بما رآه، فیقول یا رب سمعت صوتا من قعر جهنم ینادی بالحنان المنان فتعجبت من ذلك الصوت فیقول الله تبارك وتعالیٰ یا جبرئیل اذهب الی مالك قل له اخرج العبد الذی ینادی بالحنان

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے کہا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا یا رسول اللہ کیا موحدین میں سے بھی کوئی دوزخ میں باقی رہیگا۔ (یعنی مسلمانوں کے نکالے جانے کے بعد) آپؐ نے فرمایا ہاں ایک شخص ہوگا۔ دوزخ کے پیندے میں پکارتا ہوگا۔ یا حنان یا منان یہاں تک کہ جبرئیل علیہ السلام اس کی آواز سن لیں گے اور اس آواز پر تعجب کریں گے کہیں گے العجب العجب پھر صبر نہ کر سکیں گے اور عرش کے سامنے سجدہ میں گر پڑیں گے پھر اللہ تعالےٰ فرمائے گا اے جبرئیل اپنا سر اٹھاؤ تو وہ اپنا سر اٹھائیں گے اللہ تعالےٰ ان سے کہے گا کہ تم نے کیا تعجب کی بات دیکھی حالانکہ اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہوگا جو کچھ انہوں نے دیکھا پس وہ کہیں گے اے میرے رب میں نے جہنم کے پیندے سے ایک آواز سنی کہ کوئی پکارتا ہے اے حنان اے منان مجھ کو اس آواز پر حیرت ہوئی اس پر اللہ تعالےٰ فرمائے گا اے جبریل داروغہ جہنم کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ اس آدمی کو نکالے جو حنان اور منان کی آواز لگا رہا ہے

المنّان فيذهب جبرئيل عليه السلام الى باب
من ابواب جهنم فيضربه فيخرج اليه مالك
فيقول جبرئيل عليه السلام ان الله تبارك
وتعالى يقول اخرج العبد الذى ينادى
بالحنّان المنّان فيدخل فيطلبه فلا
يوجده وانّ مالكا اعرف باهل النار
مِنَ الامّ باولادها فيخرج فيقول
لجبرئيل ان جهنم زفرت زفرةً
لا اعرف الحجارة من الحديد ولا
الحديد من الرجال فيرجع جبرئيل
عليه السلام حتى يصير بين يدى
عرش الرحمٰن ساجدًا فيقول الله
تبارك وتعالى ارفع رأسك يا جبرئيل
لم لم تجئ بعبدى فيقول يارب ان مالكا
يقول ان جهنم قد زفرت زفرةً
لا اعرف الحجر من الحديد ولا الحديد من
الرجال فيقول الله عزوجل قل لمالك ان
عبدى فى قعر كذا وكذا فى ستر كذا وكذا
وفى زاوية كذا وكذا فيدخل جبرئيل
فيخبره بذلك فيدخل مالك فيجده
مطروحا منكوسا مشدودا ناصيته
الى قدميه ويداه الى عنقه واجتمعت
عليه الحيّات والعقارب ثم يجذبه
جذبة اخرى حتى تنقطع منه
السلاسل والاغلال ثم يخرجه
مِنَ النار فيصيره فى ماء الحياة
ويدفعه الى جبرئيل فياخذ بناصيته
ديمدّه مدًّا انما مرّ به جبرئيل على
ملأ من الملائكة الا وهم يقولون افّ

لہٰذا حضرت جبریل جائیں گے وہ دوزخ کے کسی
دروازہ پر اور دروازہ کھٹکھٹائیں گے داروغہ نکل کر انکے
پاس آئیگا اور اس سے جبریل علیہ السلام کہیں گے کہ اللہ
تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ اس بندہ کو نکالو جو حنان
اور منان پکارتا ہے۔ وہ (داروغہ دوزخ) اندر جائیگا
اور اس ڈھونڈے گا مگر نہ پائے گا۔ حالانکہ ماں اپنی
اولاد کو اتنا نہیں پہچانتی جتنا داروغہ دوزخیوں کو
پہچانتا ہے تو حیران ہو کر نکل آئے گا اور حضرت جبریلؑ
سے کہے گا کہ دوزخ نے اس وقت ایک ایسی سانس لی
ہے کہ میں پتھر اور لوہے اور لوہے اور آدمی میں تمیز
نہیں کر سکتا۔ حضرت جبریل واپس جائیں گے۔ اور
عرش کے سامنے سر بسجود ہو جائیں گے پھر اللہ تبارک
وتعالیٰ فرمائے گا اے جبریل اپنا سر اٹھاؤ کیوں کیا تم میرے
بندہ کو نہیں لائے پس وہ کہیں گے اے میرے رب داروغہ
جہنم نے کہا کہ دوزخ نے ایک ایسا سانس لیا ہے کہ میں
پتھر لوہے اور آدمی میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اس پر اللہ
عزوجل فرمائے گا کہ داروغہ دوزخ سے جا کر کہو کہ میرا
بندہ ان گڑھوں میں ایسی ایسی پوشیدگیوں میں اور اس
اس طرح کے کونوں میں ہے۔ حضرت جبریل جا کر داروغہ
کو اس کی خبر دیں گے داروغہ اندر جائے گا تو اس کو
اس حال میں پڑا ہوا پائے گا کہ پیشانی پیروں سے
بندھی ہوئی اور ہاتھ اس کی گردن میں پڑے ہوئے ہونگے۔
سانپ بچھو اس پر لپٹے ہوئے۔ پس داروغہ ایک ایسا جھٹکا دے
گا کہ سانپ بچھو اس پر سے گر جائیں گے پھر دوسری بار
جھٹکا دے گا کہ تمام ہتھکڑیاں، بیڑیاں اور طوق ٹوٹ
کر گر پڑیں گے پھر اس کو آگ سے نکال کر چشمہ حیات میں
اس کو ڈالے گا۔ اور حضرت جبریل کے حوالے کر دے گا۔
حضرت جبریل اس کو پیشانی سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے لے
چلیں گے۔ حضرت جبریل اس کو لئے ہوئے فرشتوں کی

لهذا العبد حتى يصير بين يدى عرش الرحمن ساجدا فيقول الله تبارك وتعالى ارفع رأسك يا جبريل ويقول الله تبارك وتعالى عبدى الم اخلقك بخلق حسن الم ارسل اليك رسولا الم يقرأ عليك كتابى الم يأمرك وينهك حتى يقر العبد فيقول الله تعالى فلم فعلت كذا وكذا فيقول العبد يا رب ظلمت نفسى حتى بقيت فى النار كذا وكذا اخر يفا لم اقطع رجائى منك يا رب دعوتك بالحنان المنان واخرجتنى بفضلك فارحمنى برحمتك فيقول الله تبارك وتعالى اشهدوا يا ملائكتى بانى رحمته۔

جس جماعت سے گذریں گے وہ کہیں گے تف ہے اس بندہ پر پھر جبریل عرش کے سامنے سجدہ میں گر پڑیں گے اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیگا۔ اے جبریل اپنا سر اٹھا۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کہے گا کہ اے میرے بندے کیا میں نے تجھ کو اچھی صورت پر نہیں پیدا کیا۔ کیا میں نے تیری طرف پیغمبر نہیں بھیجا۔ کیا اس نے میری کتاب تجھ پر نہیں پڑھی۔ کیا تجھ کو اچھائی کا حکم نہیں دیا اور برائی سے نہیں روکا۔ بندہ ہر ایک بات کا اقرار کرتا جائے گا۔ پھر اللہ تعالےٰ فرمائیگا تو پھر تو نے ایسا ایسا کیوں کیا۔ بندہ کہے گا اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا کہ (جس کی سزا میں) میں دوزخ میں اتنے اتنے سال پڑا رہا (مگر) میں نے تجھ سے امید نہیں توڑی کہ تجھ کو حنان اور منان کہہ کے پکارتا رہا۔ اور تو نے اپنے فضل سے مجھے نکال لیا۔ تو اب اپنی رحمت کے طفیل مجھ پر رحم فرما اس پر اللہ تبارک و تعالےٰ فرمائے گا۔ کہ فرشتو گواہ رہو میں نے اس پر رحم کیا۔

تشریح:۔ یہ حدیث صاف فرقہ معتزلہ کی تردید کر رہی ہے۔ کہ جس طرح نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام، اولیاء، شہداء، علماء، واقرباء کی شفاعتوں سے عاصی موحد کا دوزخ سے خروج ہوگا۔ اسی طرح اس سے بھی کہ حقدار اپنے حق سے دست بردار ہو جائے۔ چنانچہ اس کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرشتو گواہ رہو کہ میں نے اس پر رحم کیا۔ اور کیوں نہ ہو اس کی رحمت سب کو محیط ہے خود فرماتا ہے وسعت رحمتی کل شئ۔ خواہ یوں کہیں کہ اس کی بخشش وکرم سے مجرم کی سزا کم ہو جائے گی۔ یا یوں مانیں کہ سزا پوری ہونے پر اللہ تعالےٰ اپنے انصاف سے نکالے گا۔ بہرحال دوزخ سے نکالنا مسلّم ہے اور معتزلہ کا مذہب رد ہوا کیونکہ ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ تائب اور مرتکب گناہ صغیرہ ہر دو دوزخ میں جائیں گے۔ اور کفار اور مرتکب گناہ کبیرہ دوزخ میں جائیں گے مگر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پھر وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔

روایت ہے کہ حسن بصری کی محفل درس میں ذکر ہوا کہ دوزخ سے سب سے آخر میں نکلنے والا شخص ہناد نامی ہوگا جب کہ وہ ایک ہزار سال کی سزا کاٹ چکے گا اور یاحنان اور یامنان کی آواز بلند کرے گا۔ اس پر حسن بصری رو پڑے اور فرمایا اے کاش میں ہناد ہوتا۔ لوگوں نے تعجب کیا کہ یہ کیسی آرزو ہے۔ تو آپ نے فرمایا افسوس کیا اس کے لئے وہ دن نہیں ہوگا کہ وہ دوزخ سے نکلے گا اور اس میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ امام غزالی نے، منہاج العابدین میں اس کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔

یہ اس شخص کا بیان تھا جو دوزخ سے سب سے آخر میں نکلے گا۔ سیوطی الکنز المدفون میں رقم طراز ہے کہ دوزخ میں سب سے پہلے قدم رکھنے والی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی قاتلہ ہو گی۔ جس کا نام زبہ یا ازمیل تھا۔ د بائیل میں اس عورت کا نام سلومی ہے۔ یہ ان سے پہلے ستر انبیاء کو قتل کر چکی تھی۔ توریت میں اس کا نام ور مقتلۃ الانبیاءؑ ہے یہ دوزخ میں ایک اونچے مقام پر کھڑی چیختی ہو گی۔ کہ اس کی چیخ کی آواز دوزخ کے اس کنارہ والے سنتے ہوں گے۔ اعاذنا اللہ منہا ومن کل کرب عظیم ؏

29 **ابوحنیفۃ** عن محمد بن منصور بن ابی سلیمان البلخی ومحمد بن عیسی ویزید الطوسی عن القاسم بن امیۃ الحذاء الھدی عن نوح بن قیس عن یزید الرقاشی عن انس بن مالك قال قلنا یا رسول اللہ لمن تشفع یوم القیمۃ قال لاھل الکبائر واھل العظائم واھل الدماء ؏

حضرت انس کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن آپ کن کی شفاعت فرمائیں گے آپ نے فرمایا اہل کبائر کی اہل عظائم کی اور جنہوں نے ناحق خون کیا ؏

تشریح :- اہل کبائر سے تو وہ لوگ مراد ہیں جو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے۔ ان کی شفاعت ہو گی۔ خواہ دوزخ میں جانے سے قبل ہو یا کچھ سزا بھگتنے کے بعد۔ لفظ عظائم کے معنی میں چند احتمالات ہیں۔ یا تو یہ کبائر ہی کی تفسیر ہے کیونکہ کوئی مزید یا مختلف معنی نہیں رکھتا۔ یا کبائر سے مراد حقوق اللہ ہوں اور عظائم سے مراد حقوق العباد۔ یا یہ تخصیص بعد التعمیم کی صورت ہو کہ کبائر سے عام گناہ کبیرہ مراد ہوں اور عظائم سے مراد وہ کبیرہ گناہ ہوں جو اپنے اندر بہت ہی زیادہ بے حیائی رکھتے ہیں۔ مثلاً ترک نماز، زناکاری، لواطت وغیرہ یا یہ تعمیم بعد التخصیص کی شکل ہو کہ کبائر سے مراد گناہ کبیرہ ہوں۔ اور عظائم سے مراد ہر گناہ خواہ وہ صغیرہ ہو خواہ کبیرہ کیونکہ صغیرہ بھی اللہ کے مقدس بندوں کے نزدیک بڑے ہی ہوتے ہیں جو اللہ کے حکم سے ذرہ برابر انحراف کرنا اپنے لئے قیامت سمجھتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالےٰ نے فرمایا:۔ وھو عند اللہ عظیم ؏ یا عظائم سے مراد ہر گناہ ہے چاہے چھوٹا ہو یا بڑا۔

یہ حدیث بھی اس امر کو واضح کرتی ہے کہ مرتکب گناہ کبیرہ مومن ہے اور شفاعت کا مستحق ہے کیونکہ کافر کی شفاعت نہ قرآن کریم سے ثابت ہے نہ حدیث پاک سے۔ قرآن مجید کی یہ آیت فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین بہ بانگ دہل کہہ رہی ہے کہ کافروں کے لئے شفاعت کا دروازہ قطعی بند ہے اور احادیث میں یہ حدیث ذیل یا اور احادیث مشہورہ قریب متواترہ کے اس پہ دال ہیں۔ مثلاً یہ حدیث کہ شفاعتی لاھل الکبائر من امتی۔ اس کی روایت احمد۔ ابوداود۔ ترمذی۔ ابن حبان اور حاکم نے اپنی مستدرک میں ترمذی۔ ابن ماجہ۔ ابن حبان اور حاکم نے حضرت جابر سے اور طبرانی نے حضرت ابن عباس سے اور خطیب نے ابن عمر سے غرض یہ حدیث بھی خوارج معتزلہ اور مرجیہ کے خیالات باطلہ پر ایک کاری ضرب ہے اور ان کو سراسر لغو باطل اور بے اصل ثابت کرتی ہے ؏

۳۰/۸

حماد عن ابی حنیفة عن اسمٰعیل بن ابی خالد و بیان بن بشر عن قیس بن ابی حازم قال سمعت جریر بن عبد الله یقول قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انکم سترون ربکم کما ترون هذا القمر لیلة البدر لا تضامون فی رؤیته فانظروا ان لا تغلبوا فی صلوٰة قبل طلوع الشمس وقبل غروبها۔

قال حماد یعنی الغداة والعشی ؎

قیس بن ابی حازم فرماتے ہیں کہ میں نے جریر بن عبد اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جسطرح تم چاند کو چودھویں رات میں دیکھتے ہو نہیں ایذا دیے جاؤ گے تم اس کے دیکھنے میں (بھیڑ یا ازدہام کے باعث) پس دھیان رکھو کہ (شیطان کے اثر سے) کہیں طلوع آفتاب سے پہلے والی نماز (نماز فجر) اور غروب آفتاب سے قبل والی نمازوں (نماز ظہر وعصر) کی ادائیگی سے رک نہ جاؤ (کہ ادا نہ کر سکو) حماد نے ہر دو مواقعات کی نمازوں کی تفسیر نماز فجر و نماز ظہر وعصر سے کی ہے ؎

تشریح :- اس حدیث میں دو اہم مسائل ہیں۔ ایک مسئلہ رویت باری تعالیٰ کہ مومنین قیامت میں اپنی ان مادی آنکھوں سے خدا تعالیٰ کا دیدار کریں گے، قرآن مجید۔ حدیث پاک اور اجماع صحابہ وتابعین وسلف صالحین سے اس کا ثبوت موجود ہے۔ اس لئے اہل سنت جماعت کا یہی مذہب ہے کہ رویت حق ہے اور قطعی ثبوت قرآن کا یہ ارشاد ہے وجوہ یومئذ ناضرة الی ربھا ناظرة کہ آج کے دن (بروز قیامت) کچھ چہرے تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔ یہاں رویت کے حقیقی معنی مراد کیوں نہ لیں جبکہ احادیث مشہورہ جو تقریباً متواتر الثبوت ہیں۔ اس کی تائید کرتی ہیں۔ احادیث میں حدیث ذیل بھی ہے اور حضرت جریر ہی سے صحاح ستہ اور مسند احمد میں اس معنی کی رویت مذکور ہے کہ عنقریب تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جسطرح تم اس چاند کو دیکھتے ہو نہیں شک کرو گے اس کے دیکھنے میں پس اگر طاقت رکھو تو ایسا نہ ہو کہ طلوع آفتاب سے پہلے والی نماز اور غروب آفتاب سے قبل والی نماز کی ادائیگی سے تم مجبور ہو جاؤ (اور ادا نہ کر سکو) مزید براں اجماع امت بھی رویت باری تعالیٰ ثابت کرتا ہے۔ لہٰذا ان حالات کے تحت کسی کو رویت سے انکار کرنے یا اس میں تاویل کرنے کی کچھ گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جنت میں عورتوں کو رویت نہیں ہو گی۔ کیونکہ فرمان خداوندی حور مقصورات فی الخیام کہ حوریں ہیں خیموں میں بٹھائی ہوئی کے پیش نظر عورتیں پردہ میں ہوں گی۔ یہ ایک بے سرو پا بات ہے کیونکہ جنت کے خیمے حجاب کے سبب نہیں بنیں گے۔ پھر عورتیں مردوں کی ہم جنس ہیں اور شریک حال کہ فرمایا انما النساء شقائق الرجال (ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت عائشہ سے اس کی روایت کی ہے اور بزاز نے حضرت انس سے مرفوع روایت کی ہے۔ اس کے علاوہ یہ کس طرح ممکن ہو جبکہ عورتوں میں حضرت فاطمہ زہرا حضرت خدیجہ کبریٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ جیسی نیک ہستیاں موجود ہیں اور یہ عورت ہونے کے سبب اس رویت کی نعمت عظمیٰ سے نعوذ باللہ محروم ہوں اور وہ مرد جوان کے خاک پا نہ بن سکیں وہ اس نعمت سے بہرہ مند ہوں ایک عاقل اور دانا آدمی اس بات کو کیسے تسلیم کر سکتا ہے۔ پھر قرآن کی آیت

اور احادیث کے الفاظ عام ہیں یعنی کہ ہر مومن جنت میں خدا تعالیٰ کو دیکھے گا ان میں مردوں کی تخصیص نہیں ہے بعض کہتے ہیں کہ رویت باری تعالیٰ فرشتوں اور جنوں کو نہیں ہوگی۔ یہ قول بھی قابل قبول نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی صحیح ثبوت ہے۔

فلاسفہ خوارج معتزلہ اور بعض مرجیہ کا رویت میں کے باب اہل سنت والجماعت سے اختلاف ہے۔ یہ عقلی پیچیدگیوں اور فلسفیانہ موشگافیوں میں الجھ کر رہ گئے کہتے ہیں کہ رویت کیلئے مکان۔ جہت۔ مقابلہ۔ لون وغیرہ ضروری ہیں جو صفات اجسام ہیں اور ان سے ذات باری منزہ ہے پھر رویت کس طرح ممکن ہوگی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرما دیا کہ ناظرۃ الیٰ ربھا تو پھر کیوں اور کیسے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ کیا اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ سب شروط عادۃ رویت کیلئے ضروری نہیں۔ یہ شروط عقلیہ نہیں کہ بغیر ان کے رویت ممکن نہ ہو کیا خدا تعالیٰ نعوذ باللہ اس سے عاجز ہے کہ ان مادی آنکھوں کو مجرد کی رویت کی طاقت دے جس طرح اس نے زبان میں قابلیت پیدا کی کہ بات کرے پھر دیدار الٰہی جو اللہ پر کچھ مشکل نہیں اس کا کیسے انکار کیا جائے۔

دوسرا اہم حسن سے یہ حدیث بحث کرتی ہے وہ فلسفہ نماز ہے۔ نماز کی تمام تر خوبی یہ ہے کہ نماز خشوع وخضوع کا ایک مرقع اور پیشگاہ الٰہی میں حضوری کی ایک تصویر ہو۔ نماز دراصل یہ ہے کہ چہرہ کا رخ اگر قبلہ کیطرف ہو تو قلب کا رخ ذات خداوندی کی طرف ہو۔ چہرہ کی آنکھیں ذات باری پر۔ بلکہ بمطابق فرمان نبوی کانك تراہ یہ پختہ تصور ہو کہ چہرہ کی آنکھیں ذات باری پر قائم ہیں اور مشاہدہ قلبی کے ساتھ ساتھ مشاہدہ عینی بھی ہے۔ جس طرح کسی محبوب کے دیدار سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو خوشی ہوتی ہے۔ اسی طرح نماز میں یہ کیفیت پیدا ہونے لگے چنانچہ خود اپنی نماز کی ترجمانی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا قرۃ عینی فی الصلوٰۃ کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ نہ زبان ہمکلامی کا مزہ لوٹے آنکھیں دیدار کا لطف اور دل تصور یار کا یہی درحقیقت وہ نماز ہے جس کو معراج المومنین سے تعبیر فرمایا کہ یہ بیک وقت ملاقات کے سارے پہلوؤں پر محتوی ہے۔ لہٰذا اسی حقیقت کے پیش نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ رویت حقیقی گو آخرت میں ہوگی مگر اس کی اہمیت یہیں دنیا سے اپنے اندر پیدا کرو کہ نمازوں کی سخت پابندی کرو۔ پھر نمازوں میں بھی صرف تین نمازوں کو تاکید سے مخصوص فرمایا۔ کیونکہ یہ ہر سہ نمازیں نمازی پر اکثر شاق ہوتی ہیں اور بھاری صبح کی نماز میں میٹھی میٹھی نیند سے ہے کہ ایسے وقت صرف دیدار الٰہی کا سچا عاشق اور متوالا ہی بستر راحت کو چھوڑ کر نماز کے لئے جاتا ہے اور نیند کے مزہ کو نماز کے مزہ پر قربان کرتا ہے۔ اسی طرح ظہر کی نماز میں صبح سے دوپہر تک کے کام کاج کی تکان ودرماندگی سے انسان دوچار ہوتا ہے اور دل مشورہ دیتا ہے کہ تھوڑی دیر آرام کر لو اتنے میں وقت ختم ہو لیتا ہے۔ اس سے بھی اہم عصر کی نماز ہے کہ دن بھر کے سودا سلف کا یہ خاص وقت ہے۔ تمام کام سمٹ کر اس وقت جمع ہوتے ہیں۔ بازاروں میں چہل پہل رونق ہے سب لوگ بازار ہاٹ میں دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ادھر مسجدیں مرثیہ خوان کے نمازی نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اوقات پنجگانہ میں مساجد میں عصر کے وقت نمازی کم دکھائی دیتے ہیں مگر جو اللہ کے دیدار کا حقیقی طالب ہوتا ہے۔ وہ ان نمازوں میں بھی تمام دنیوی رکاوٹوں۔ اور طبعی بندشوں کو توڑ کر نماز کی طرف رخ کرتا ہے اور اللہ کا دیدار کر کے دل کو شاد کرتا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نمازوں کی اسی اہمیت کو مدنظر رکھ کر ان پر پابندی کرنے کی خاص تاکید فرمائی کہ جو ان پر پابند ہو جائے گا وہ دوسری نمازوں کی لامحالہ پابندی کرے گا۔

کتاب العلم

باب ۱۲ فرضیۃ طلب العلم

ابوحنیفۃ عن حماد عن ابی وائل عن عبد الله قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم۔

کتاب العلم!

طلب علم کی فرضیت کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان پر علم کا سیکھنا فرض ہے۔ ۳۱/۱

تشریح:- علم کی ہزاروں شاخیں ہیں اور ان میں بعض کی فرضیت وعدم فرضیت باختلاف حالات ہر شخص کی پر عائد ہوتی ہے۔ مثلاً ارکان اسلام کا علم اور فرائض کا جاننا عاقل بالغ مرد وعورت آزاد وغلام پر فرض ہے۔ ان کو کسی حال میں اس کی فرضیت سے سبکدوشی نہیں مل سکتی۔ علم معاملات کی تحصیل ہر شخص پر اس وقت فرض ہوتا ہے۔ جبکہ وہ ان خاص معاملات سے دوچار ہو۔ جس کا تعلق معاملات سے ہو۔ مثلاً اگر اسے بیع کے معاملات پیش آئیں۔ تو اس کے ضروری مسائل سیکھنے اس کے لئے ضروری ہیں۔ اگر صنعت وحرفت سے اس کا تعلق ہے تو ان کے زیادہ تر پیش آنے والے جزئیات کو جاننا اس کے لئے لازم ہے۔ اگر ملازمت کرتا ہے تو اس کے متعلق مسائل جاننا اس کے لئے ناگزیر ہے وعلی ہذا القیاس۔ اب رہا پورے علم فقہ کا سیکھنا جن کی ضرورت عام طور پر شہروں اور آبادیوں میں ہوتی ہے تو یہ ہر شخص پر فرض عین نہیں۔ بلکہ فرض کفایہ ہے یعنی یہ کہ اگر پوری آبادی میں سے ایک شخص جان لے تو سب کے سر سے یہ فرض اتر جاتا ہے۔ اگر کوئی بھی حصول علم کیطرف پیش قدمی نہ کرے تو سب پر فرض کا بوجھ رہے گا۔ اور سب جواب دہ ہوں گے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے قرآن مجید کو اس قدر حفظ کرنا جس سے نماز صحیح ہو سکے اور یہ ہر شخص پر فرض عین ہے مگر پورے قرآن کو یاد کرنا فرض کفایہ اور ہر شخص پر سنت عین ہے نہ فرض عین۔

یہ حدیث مختلف طرق سے مروی ہے ابن عدی نے اپنی کامل میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ خطیب نے تاریخ بغداد میں حضرت مرتضیٰ اور حسین بن علی سے۔ طبرانی نے اوسط میں ابن عباس۔ ابن مسعود اور ابی سعید سے اور صغیر میں حسین بن علی سے اور فوائد میں ابن عمر سے اسے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ نے بھی حضرت انس سے اس کی روایت قدرے زیادتی کے ساتھ کی ہے تو گویا یہ حدیث سات صحابہ سے مختلف طرق مروی ہے جس کی وجہ سے یہ حدیث حسن کے درجہ سے کم نہیں اس لئے ملا علی قاری نے کہا ہے۔ کہ چونکہ یہ حدیث طرق مختلفہ متعددہ سے منقول ہے۔ اس کو کم از کم حسن ماننا لازمی ہے۔ لہذا اس کو ضعیف کہنا درست نہیں۔ جیسا کہ نووی نے بیہقی کی متابعت میں کہدیا ہے۔ عراقی نے کہا ہے کہ بعض علماء نے اس کے بعض طرق کو صحیح بتایا ہے حافظ مزی نے بتایا ہے کہ یہ حدیث اتنے طرق سے مروی ہے کہ اس کو درجہ حسن تک پہنچانے کے لئے کافی ہے۔ اور اصول حدیث میں حسن کا درجہ معلوم ہے۔

۳۲/۲
ابوحنیفۃ عن ناصح عن یحیٰی عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلب العلم فریضۃ علی کل مُسلمٍ ؛

ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے ؛

تشریح :- یہ حدیث الفاظ و معنی کے اعتبار سے مکرر ہے - علم کی فضیلت و اہمیت میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں مثلاً دیلمی نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباس سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ علم کا طلب کرنا اللہ کے نزدیک نماز - روزہ - حج - وجہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے اسی طرح یہ حدیث کہ ایک ساعت کا علم سیکھنا بے ریا شب بیداری سے افضل ہے اور علم کا طلب کرنا ایک دن تین دن کے روزوں سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے - ابن عدی بیہقی اور ابن عبد البر نے انس سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ علم طلب کرو اگرچہ تمھیں چین تک جانا پڑے - یعنی کتنا ہی دور کیوں نہ ہو علم حاصل کرو -

باب ۱۳ فضیلۃ التفقّہ

علم فقہ کی تحصیل کی فضیلت

۳۳/۱
قال ابوحنیفۃ وُلدتُ سنۃ ثمانین وحججت مع ابی سنۃ ستٍ وتسعین وانا ابن ست عشرۃ سنۃ فلمّا دخلت المسجد الحرام ورایت حلقۃً عظیمۃً فقلتُ لابی حلقۃ من ھٰذہ فقال حلقۃ عبد اللہ بن الحارث بن جزءِ الزبیدی صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتقدمتُ فسمعتہ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول مَنْ تفقہ فی دین اللہ کفاہ اللہ تعالٰی مھمہٗ ورزقہٗ من حیث لا یحتسب ؛

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوا اور اپنے والد کے ساتھ ۹۶ھ میں میں نے حج کیا - اس وقت میری عمر سولہ سال کی تھی جب میں مسجد حرام میں گیا تو بہت سے لوگوں کو حلقہ بنائے بیٹھے دیکھا - میں نے اپنے والد سے پوچھا یہ حلقہ کس بزرگ کی خاطر ہے - انہوں نے فرمایا یہ حلقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی عبد اللہ بن حارث بن جزء الزبیدی کا ہے میں آگے بڑھا اور ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے اللہ کے دین کی مکمل سمجھ اور اسکا علم حاصل کیا - تو اللہ تعالٰی اسکے لئے کافی ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرمائے گا جہاں کا اس کو گمان بھی نہ ہوگا -

تشریح :- عبد اللہ بن حارث کے انتقال میں بعض نے اختلاف کیا ہے کہ ان کی وفات ہجری سال کے پچاسی سے اٹھاسی تک کے مابین کسی سال ہوئی تو گویا امام صاحب کی عمر ان کی وفات کے وقت پانچ سے آٹھ سال ہجری سال کے تک کے درمیان قرار پائی ہے اور انھوں نے حج اپنے والد کے ساتھ ۹۶ھ میں کیا تو یوں امام صاحب کی ملاقات حضرت عبد اللہ سے ثابت نہیں ہوتی - مگر برہان الاسلام حسین بن علی بن حسین غزنوی نے کہا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن حارث کی وفات ۹۹ھ میں ہوئی - لہٰذا اس حقیقت

رکھ کے پیش نظر ملاقات قرین قیاس ہے۔ اور روایت قریب الامکان ہے۔
رسول اللہ کے ارشاد میں کفاہ اللہ تعالیٰ مھمّہ سے دنیا وآخرت ہر دو جہان کی ذمہ داری مراد ہے جس طرح کہ دوسری حدیث میں بھی آیا ہے آنحضور نے فرمایا کہ جس نے اپنے سارے غموں اور فکروں کا ذمہ دار اور کفیل ہوگیا۔ اور رزقہ من حیث لا یحتسب سے قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب خطیب نے اپنی تاریخ میں زیاد بن حارث ابدانی سے مرفوع روایت کی ہے من طلب العلم تکفل اللہ لرزقہ کہ جس نے علم سیکھا اللہ اس کے رزق کا کفیل ہوگیا؟

٣٤/٢ ابوحنیفة عن اسمٰعیل عن ابی صالح عن ام ھانی قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا عائشة لیکن شعارک العلم والقرآن

ام ہانی سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عائشہ کو خطاب فرماکر) اے عائشہ علم وقرآن کو اپنا شعار بنالو۔

تشریح:- حدیث اگرچہ مختصر ہے مگر جامع الفاظ میں علم وقرآن کی اہمیت وفضیلت کو بیان کرتی ہے یعنی علم وقرآن سے تم کو اس قدر وابستگی، دلبستگی اور اس میں تم کو اتنا انہاک اور مشغولیت ہو تم اس کے رنگ میں اس طرح رنگ جاؤ اور اس کے لباس میں ایسے ملبوس ہو جاؤ کہ وہ تمہارا اوڑھنا اور بچھونا بن جائے۔

بَابُ ١٤ فَضِیلَةِ اَهلِ الذِّکر

اہل ذکر کی فضیلت

٣٥/١ ابوحنیفة عن علی بن الاقمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرّ بقوم یذکرون اللہ تعالیٰ فقال انتم من الذین امرت ان اصبر نفسی معھم وما جلس عدد لکم من الناس یذکرون اللہ الا حفتھم الملائکة باجنحتها وغشیتھم الرحمة وذکرھم اللہ فیمن عندہ۔

علی بن اقمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ ایک جماعت پر آپ کا گزر ہوا یہ جماعت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھی (یعنی تلاوت قرآن، تسبیح وتحمید کا ورد جاری تھا) آپ نے فرمایا تم ان لوگوں میں سے ہو جن کے ساتھ رہنے کے لئے میں مامور ہوں۔ اور تم جیسے لوگ جب بھی اللہ کے ذکر کے لئے بیٹھتے ہیں تو فرشتے انہیں اپنے پروں کے سایہ میں لے لیتے ہیں اور رحمت الٰہی ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ ان کا تذکرہ ان (مقرب فرشتوں) میں کرتا ہے جو اس کے پاس حاضر ہیں۔

تشریح:- یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے ابی ہریرہ اور ابی سعیدؓ سے باضافہ الفاظ "ونزلت علیھم السکینة" روایت کیا ہے یعنی ان پر اطمینان وسکون کا نزول ہوتا ہے اور دل کے خواہشات نفسانی کا طوفان فرو ہوتا ہے۔ اور ذات الٰہی سے محبت والفت پیدا ہو جاتی ہے قرآن میں اسی طرف اشارہ ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کہ دلوں کو اطمینان اللہ کے ذکر ہی سے نصیب ہوتا ہے یعنی اطمینان قلبی کا علاج

ذکر الٰہی ہے۔ ذکر ہی کی برکت سے انسان رحمت خداوندی کا مستحق بنتا ہے۔ پھر فرمایا وذکرھم اللہ فیمن عندہ کا یہ تذکرہ مقرب فرشتوں کے سامنے انسان کی رفعتِ شان کے طور پر ہوگا اور انسانوں کی خدا شناسی اور خدا ترسی پر ان کے روبرو مسرت کا اظہار کیا جائے۔ اور نیز اس رازِ ازل کا انکشاف کیا جائے جو ان کی خلقت میں ابتدائے آفرینش سے موجود تھا جس سے فرشتے ناواقف تھے۔ اور انسان پر بالفاظ اتجعل فیہا من یفسد فیہا سے معترض ہوئے تھے۔ اللہ ذکر کرتے ہوئے فرمائے گا کہ اے فرشتو! یہ وہ ہی انسان تو ہے جن میں تم کو فساد اور خونریزی کے عیب دیکھ رہے تھے۔ دیکھو یہ وہی ہیں کہ کس جذبہ و شوق سے ذکر آلٰہی میں مشغول ہیں اور رحمت آلٰہی نے انہیں اپنے آغوش میں لے لیا ہے۔

۳۶ **ابوحنیفة** عن حماد عن ابراھیم عن علقمة عن عبد اللہ ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجمع اللہ العلماء یوم القیٰمة فیقول انی لم اجعل حکمتی فی قلوبکم الا وانا ارید بکم الخیر اذھبوا الی الجنة فقد غفرت لکم علی ما کان منکم۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علماء کو ایک جگہ جمع فرمائے گا اور ان سے خطاب کرے گا کہ میرا تمہارے دلوں میں حکمت (علم کتاب و سنت) رکھنا محض تمہارے ساتھ خیر و بھلائی کی غرض سے تھا۔ تو جاؤ جنت میں۔ میں نے تمہارے گناہ بخش دیئے وہ جو کچھ بھی تھے۔

تشریح:۔ اسی سلسلہ کی مرفوع حدیث ابوبکر بن ابی عاصم اور صاحب حلیہ ابونعیم ابی موسیٰ سے روایت کرتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت بندوں کو اٹھائے گا۔ پھر ان میں عالموں کو چھانٹے گا۔ اور ان کو خطاب فرمائے گا۔ کہ اے علما کی جماعت میں نے کچھ جان کر تم کو علم دیا تھا۔ اور علم اس لئے نہیں دیا تھا۔ کہ تم کو عذاب دوں۔ پس جاؤ میں نے تم سب کو معاف کیا۔ اسی طرح طبرانی ثقہ رجال سے اور ٹھیک سند سے ثعلبہ بن حکیم سے مرفوع حدیث لائے ہیں جس کی تلخیص یہ ہے کہ بروز قیامت جب اللہ تعالیٰ بندوں کے فیصلہ کے لئے کرسی عدالت پر رونق افروز ہوگا تو علماء سے فرمائے گا کہ میں نے تم کو علم و حکمت سے اس ارادہ سے نوازا تھا۔ کہ تمہارے گناہ معاف کروں۔ وہ جو کچھ بھی ہوں۔ اور میں اس کی پرواہ نہیں کرتا۔

فرمان رسالت میں فی قلوبکم سے اس حقیقت کیطرف اشارہ ہے کہ علم وہ معتبر ہے جو دل میں جگہ لے اور وہ ہی تقویٰ اور خوف آلٰہی کا موجب ہے۔ ابن ابی شیبہ اور حکیم نے حسن سے مرسل اور خطیب نے انہیں سے پھر جابر سے مرفوع روائت کی ہے کہ علم دو انواع پر تقسیم ہے ایک وہ جو صرف زبان پر جاری ہو دل میں گھر نہ کرے۔ یہ اللہ کے لئے بندہ کے خلاف حجت بنتا ہے۔ دوسرا علم وہ جو صرف دل میں جگہ پکڑے۔ یہ علم نفع بخشتا ہے۔ دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت علی سے روایت کی ہے کہ جو شخص علم میں آگے بڑھے مگر دنیا میں زہد میں ترقی نہ دکھائے تو وہ اللہ کی ذات سے دور ہی ہوتا جائے گا۔

باب ۱۵ فی التغليظ في عمد الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جان بوجھ کر جھوٹ بات کی نسبت کرنے پر وعید!

۳۷/۱ ابوحنيفة عن القاسم عن ابيه عن جده قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كذب علىّ متعمدا او قال مالم اقل فليتبوأ مقعده من النار۔

حضرت ابوبکر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بات کی نسبت کی یا وہ بات جو میں نے نہیں کہی۔ میری طرف منسوب کر کے کہی تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کر لے۔

تشریح:- یہ حدیث مشہور ہے اور قریب ہے کہ تواتر کی حد تک پہنچے بلکہ اکثر اس کی کثرت طرق کو دیکھ کر اس کے متواتر ہونے کے قائل ہیں کیوں کہ ساٹھ سے کچھ اوپر صحابہ سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے چنانچہ ارشاد الساری حاشیہ بخاری میں ہے - وهو حديث فی غاية الصحة و نهاية القوة وقد اطلق القول بتواتره جماعة - یعنی یہ حدیث صحت وقوت میں بلند درجہ پر فائز ہے اور ایک جماعت نے اس کا اطلاق متواتر ہونے پر کیا ہے - اصحاب صحاح ستہ - حاکم - طبرانی - دارقطنی - خطیب اور دوسروں نے متعدد روایات اور مختلف صحابہ سے جن میں عشرہ بشرہ بھی ہیں اس حدیث کو انہی الفاظ سے روایت کیا ہے کسی میں، من كذب علی متعمدا فليتبوا مقعده من النار کے الفاظ ہیں اور کسی میں من قال مالم اقل ہے

یہ حدیث ذیل کے سلسلہ سند سے گو منقطع ہے - کیونکہ محمد بن ابی بکر نے جو اپنے والد کی وفات کے وقت کم سن تھے - اپنے والد سے حدیث نہیں سنی - لیکن راوی جب ثقہ ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک منقطع حدیث قابل اعتبار ہے - اور حجت - دوسری مسانید کے نسخوں میں جو سلسلہ سند ہے وہ زیادہ قرین قیاس ہے اور اس کی رو سے انقطاع بھی نہیں رہتا - وہ یہ کہ امام صاحب روایت کرتے ہیں قاسم بن عبدالرحمن سے اور وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن مسعود سے - ابوداؤد نے بھی اسی طریق سے اس کی تخریج کی ہے -

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے پر یہ شدید وعید و تہدید اس لئے ہے کہ حدیث میں جھوٹ بولنا یا شامل کر دینا گویا ان گنت انسانوں کو گمراہ کر دینا ہے اور دینی شیرازہ کو منتشر کر دینے کا مرادف ہے جس کے گناہ اور پاداش کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا - ایک طرف اگر ترویج حدیث و اشاعت دین کا بے پناہ اجر و ثواب رکھا ہے تو دوسری طرف دین میں غلط رسم یا غلط بات کو رواج دینا نہایت سنگین جرم قرار دیا گیا ہے - کیونکہ حدیث ہی قرآن کے بعد بنائے دین و شریعت ہے جب حدیث ہی میں غلط بیانی سے خلل پڑا تو پورے دین کی عمارت ڈھا دی اور ہمیشہ کے لئے دین برباد ہوا - مسلمانوں میں ایک تاریک دور آیا

چکا ہے کہ جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے بکثرت پیدا ہو گئے تھے چنانچہ موضوعات اکبیر میں ملا علی قاری نے ایسی تمام جھوٹی حدیثیں جمع کر دی ہیں اور کئی ایسے لوگوں کا ذکر بھی کیا ہے جو جھوٹی حدیثیں بڑی شتاقی لسانی سے بیان کر کے بھولے بھالے عوام کو دھوکا دیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کا یہ کام تھا کہ حدیثیں گھڑیں گویا یہ دین کو پارہ پارہ کر دینا چاہتے تھے۔ مگر اللہ جزا دے ان ناقدین رواۃ اور ماہرین اسماء الرجال کو جنہوں نے ہر شخص کے حالات میں ایسی چھان پھٹک کی کہ گویا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا اور جھوٹے کو سچے سے اور کھوٹے کو کھرے سے الگ کر دیا۔ احادیث کے انواع مقرر کئے اور تمام احادیث کو انہیں انواع کے ماتحت پرکھا دیکھا اور ترتیب دیا کہ کسی کو غلط ملط کرنے کی گنجائش نہ رہی۔ اگر محدثین یہ جان توڑ کوششیں اس سلسلہ میں عمل میں نہ لاتے تو سارا حدیث کا ذخیرہ نعوذ باللہ ایک بے ثبات تاریخی ذخیرہ ہو کر رہ جاتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہمیشہ ہمیش کیلئے پردہ تاریکی میں چھپ جاتی۔

۴۸ / ۷۲ **ابوحنیفة** عن عطیة عن ابی سعیدؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار ورواه ابوحنیفة عن ابی رُوبة شدّاد بن عبد الرحمٰن عن ابی سعیدؓ۔

حضرت ابو سعیدؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عمداً مجھ پر جھوٹ باندھا تو وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا ڈھونڈ لے۔ ابوحنیفہؒ نے ابی روبہ شداد بن عبد الرحمٰن سے بھی اس کی روایت کی ہے اور انہوں نے حضرت ابو سعید سے۔

تشریح:- حدیث میں فلیتبوا صیغہ امر ہے جس کے مفہوم بظاہر صحیح نہیں بیٹھتا کیونکہ دوزخ میں اول کوئی کیوں اپنا ٹھکانا ڈھونڈنے لگا جبکہ ہر شخص اس ہولناک مقام سے بچنا چاہتا ہے۔ یوں غفلت میں کوئی کچھ بھی کر گذرے مگر جب اس ہیبت ناک مقام کا خیال دل میں آتا ہے تو بدن لرز جاتا ہے اور اس سے خلاصی کا طلبگار ہوتا ہے اس لئے اس میں اپنے لئے جگہ تلاش کرنا کجا۔ پھر یہ اس کے اختیار میں بھی نہیں سزا و جزا اور اس کے درجات کا انتخاب خدا تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ انسان اس میں محض عاجز ہے اور بے بس۔ بدیں وجہ بعض کہتے ہیں کہ یہاں امر بد دعا کے معنی میں ہے یعنی ارشاد نبوی ہے کہ جو شخص میرے بارہ میں ایسی جسارت سے کام لے کہ بقصد و ارادہ میری طرف جھوٹ بات کی نسبت کرے تو خدا کرے ایسے گستاخ کا دوزخ ٹھکانہ ہو۔ بعض کا خیال ہے کہ امر بمعنی خبر ہے یعنی خبر دی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں ٹھکانا دے گا۔ اور اس کے رہنے کا وہی مقام ہو گا۔ چنانچہ دوسری روایت میں یلج النار ہے۔ یعنی وہ دوزخ میں داخل ہو گا ایک اور روایت میں اس طرح ہے بنی له بیت فی النار کہ اس کے لئے دوزخ میں گھر بنایا جائے گا۔ لیکن اگر انسان اس کلام کی گہرائی تک پہنچے اور معنی کی دقت اور خوبی کلام پر نظر ڈالے تو سمجھے گا کہ کہ امر یہاں اپنے حقیقی معنی میں ہے نہ بد دعا یا خبر کے معنی میں اور اس صورت میں مطلب و معنی کی خوبی دو چند ہو جاتی ہے۔ حقیقت میں یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بات جوڑنے پر سخت وعید و تہدید مقصود ہے اور اسی غرض کلام کے ماتحت اس کو ڈانٹتے ہوئے اور اس پر طنز کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ سنگین جرم بھول کر بھی کرنے کا نہیں تھا۔ مگر جب اس گستاخ نے اس کو بھی بھول کر نہیں بلکہ جانکر کیا تو اب اسکو

اس کی سزائے دوزخ میں بھی اپنے قصد و ارادہ کو کام میں لانا چاہیئے اور وہاں کی کوئی جگہ جو اس کو پسند آئے چھانٹ لینی چاہیئے بجائے اس کے کہ کوئی اور اس کے لئے وہاں جگہ مقرر کرے۔ یہ حقیقت جب سامنے آئی تو ذرا سوچئے کہ اگر یوں سیدھے سادھے الفاظ میں کہہ دیا جاتا کہ ایسے گنہگار کی سزا دوزخ ہے تو بات مستقبل میں آنے والے ایک واقعہ کو ظاہر کرتی۔ معنی و مطلب میں شدت پیدا نہیں کرتی نہ مجرم کو اتنا شرمندہ کرتی ؛

۳۵
۴

حماد عن ابی حنیفة عن عطیة العوفی عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار قال عطیة و اشهد انی لم اکذب علی ابی سعید وان اباسعید لم یکذب علی رسول الله صلی الله علیه وسلم ؛

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھ پر جھوٹ بولا وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنالے عطیہ نے کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں (قسم کھاتا ہوں) کہ میں نے ابوسعید پر جھوٹ نہیں بولا اور نہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ؛

تشریح : یہ وعید کی وہ خاص حدیث ہے جس کی وجہ سے بعض کبار صحابہ اور ائمہ عظام حدیث کی روایت سے حتی الوسع بچتے تھے اور آنحضرت کی بات کو نقل کرتے ہوئے لرز جاتے) یہاں تک کہ حدیث کم بیان کرنا ان کی سوانح کا ایک ناقابل تردید واقعہ بن گیا۔ یہ بزرگ حالات سے مجبور ہوکر جب آنحضرت سے کوئی بات نقل کرتے تو خوف الٰہی سے مجسمہ بن جاتے صرف اس لیے کہ کہیں اس وعید کے مصداق نہ بن جائیں اور زبان آخر ہے تو گوشت پوست کی غلط بیانی کر کے جادہ صداقت سے نہ ہٹ جائے۔ اور آنجناب کی ذات کیطرف اس بات کی نسبت کر بیٹھے جو آپ نے نہیں فرمائی۔ چنانچہ روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر روایت کم کرتے اور اسی حدیث کو سامنے رکھتے۔ بعض طرق روایت میں یوں آیا ہے کہ آپ سے عرض کیا گیا کہ حضرت ہم آپ کو حدیث بیان کرتے ہوئے کم کیوں پاتے ہیں جبکہ فلاں فلاں اور ابن مسعود نے اتنی اتنی حدیثیں بیان کی ہیں۔ یعنی آپ کو شرف صحبت میں امتیاز ہے پھر آخر اس احتیاط کی کیا وجہ ہے۔ سائل سے فرمایا اے صاحبزادے جب سے میں اسلام لایا ہوں حضور سے جدا نہ ہوا۔ لیکن میں نے آنجناب کو یہ کہتے ہوئے سنا من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار (ان کی روایت میں متعمدا کا لفظ نہیں) لہٰذا اس حدیث کی وعید خدا ترسوں کی قوت گویائی کو سلب کر لیتی تھی اور اشاعت دین کے بڑھتے ہوئے جوش کو ایک دم سرد کر دیتی تھی لیکن اس حقیقت نے کبھی ان کی شخصیت کو نہیں گھٹایا۔ کبھی ان کی ذات کو عیب دار نہیں کیا۔ اور نہ کبھی خدا کی پناہ انکی علمیت پر بٹہ لگایا۔ پھر اسی اعلیٰ طبقہ میں حضرت ابوبکر صدیق کی ذات پر نظر ڈالئے۔ کہ ان سے کس قدر احادیث مروی ہیں اور دیگر صحابہ سے کس قدر کیا اس کی یہ ترجمانی کی جاتی ہے کہ ان کو سماعت حدیث نہ تھا۔ یا ان کو شرف صحبت کم تھا۔ العیاذ باللہ۔ بلکہ یہ اس کی نشانی تھی کہ ان بزرگوں پر اللہ کا خوف غالب تھا۔ یہ روایت سے پہلے خوب غور و فکر کرتے عذاب کا نقشہ سامنے لاتے اور احتیاط بہت کرتے اگر حالات ناگزیر ہوتے تو لب کشائی کرتے ورنہ چپ ہی رہتے ان کی بے پناہ علمیت پر کس بے سمجھ کو شک ہو سکتا ہے۔ اب رہے وہ صحابہ کرام جن سے احادیث بکثرت نقل ہیں۔ مثلاً ابوہریرہؓ عبداللہ بن عمرو بن عاص وغیرہ تو ان

بزرگوں پر کوئی اور عیب چھپایا ہوا تھا۔ کیونکہ ان کے سامنے وہ احادیث تھیں جن میں حق چھپانے پر سخت وعید آئی ہے کہ قیامت میں ایسے شخص کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ جو دنیا میں علم دین لوگوں سے چھپاتا تھا اور اس کی اشاعت سے کام لیتا تھا۔ مگر انداز میں فرق ہے اور ذرا سا نظریہ کا اختلاف۔ کوئی خدائے قہار کے کسی تیور سے لرزتا اور کانپتا تھا اور کوئی کسی سے۔

ائمہ عظام میں ہم عمر میں بزرگ ترین زمانہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے قریب ترین امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مثال سامنے رکھتے ہیں کہ بعض ناسمجھ مذکورہ بزرگوں کے حالات سے قطعی چشم پوشی کرتے ہوئے یا یوں کہئے کہ اپنی نادانی کم علمی رکھتے ہیں کہ بعض ناسمجھ مذکورہ بزرگوں کا ثبوت دیتے ہوئے کہہ بیٹھتے ہیں کہ امام صاحب سے احادیث کا کم مروی ہونا۔ ان کی کم علمی کی نشانی ہے کیا عجب کہ آپ اس وعید کی حدیث کے پیش نظر زیادتی روایت سے بچتے ہوں کیونکہ آپ نے صحابہ کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور انکے وہ حالات آپ پر روشن تھے جو بعد کے آنے والے پر نہیں تھے۔ آپ حدیث کی روائت سے حتی الوسع بچتے تھے اور صحابہ کے زیادہ تر عمل کو سامنے رکھتے اور اسی کو معیار دین ٹھہراتے۔ ورنہ آپ کے تبحر علمی پر کسی کو شک نہیں ہو سکتا۔ آپ کی پیدائش بدھ کو کوفہ میں ہوئی ہو جو صحابہ کا مرکز تھا۔ اور اس وقت بعض صحابہ بقید حیات تھے۔ اور بعض سے آپ کو شاگردی کا فخر بھی حاصل تھا۔ اور امام محمد جیسے جلیل القدر امام فقہ آپ سے نسبت تلمذ رکھتے تھے اور ان کے شاگرد حضرت امام شافعی تھے۔ اور قاضی ابو یوسف کو ان سے نسبت شاگردی نصیب ہوا اور ان سے حضرت امام احمد حنبلؒ کو غرض جو لوگ مذاہب ثلاثہ کا منبع و سرچشمہ ٹھہریں کیا ان میں کسی ایسے شخص کو جو ان ہر سہ ائمہ کے مسلک میں سے کسی مسلک سے رشتہ رکھتا ہے حق حاصل ہے کہ وہ ان میں (امام اعظم میں) کوئی علمی سقم یا ذاتی عیب نکالے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو گویا وہ اپنے پاؤں خود ہی کاٹتا ہے اور اپنے گھر کی دیوار خود اپنے ہاتھ سے گراتا ہے۔ اگر کوئی تقلیل حدیث کی کسوٹی لے کر سب کے محاسن و معائب جانچنے لگے اور اس سے علم کا اندازہ لگائے تو نہ صرف امام اعظمؒ اس کی جانچ میں پورے اتریں گے بلکہ خدا کی پناہ صحابہ کبار بھی۔ حضرت امام مالکؒ کا بھی یہی حال ہے کہ ان کی مرویہ احادیث امام احمد کی روایات سے بہت ہی کم ہیں۔ اور صحاح ستہ سے تو کوئی نسبت نہیں تو کیا اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ حضرت امام احمد کی روایات کا پایہ علمی ان کے پچھلوں سے کچھ کم تھا۔ بلکہ امام اعظم کی شان میں بعض نے زبان کو یہاں تک آزادی دے دی ہے کہ کہتے ہیں کہ وہ صرف سترہ ۱۷ حدیثیں جانتے تھے۔ کیا خوب اگر وہ صرف سترہ حدیثیں جانتے تھے۔ تو استاد کا علم تو بہرحال شاگرد سے زائد ہوتا ہی ہے انکے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں نے کسطرح یہ ہزاروں حدیثوں کے دفتر کے دفتر تیار کر لئے۔ نعوذ باللہ من ذالک ایک طفل مکتب بھی تو اس لغویت کو نہیں مانے گا۔ پھر رب العزت کے نزدیک اس بہتان کی جو کچھ سزا ہے اسے تو وہی خوب جانتا ہے۔

۴۴ ابوحنیفہؒ عن سعیدؒ عن ابراہیم عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ ؕ

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے عمداً میری طرف جھوٹ کی نسبت کی تو وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا تلاش

مقعدہٗ من النار ؕ   کرلے ؕ

تشریح :۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ تہدیدی حکم ہر جھوٹ کو شامل ہے خواہ یہ جھوٹ دینی معاملات میں ہو یا دنیا کے معاملات میں بعض اس کو دینی امور سے خاص کرتے ہیں۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ تہدید خاص طور سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جبکہ ایک شخص نے آنحضرتؐ کی طرف سے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے ایک قوم سے جاکر کہدیا تھا کہ مجھے تم میں فیصلہ کے لئے بھیجا گیا ہے۔ مگر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ہر جھوٹ کو شامل ہے۔ یعنی ہر جھوٹ پر یہی وعید ہے۔

۴۱/۷۵ **ابو حنیفة** عن الزهری عن انسؓ ان النبی صلی الله علیه وسلم قال من کذب علیّ متعمدًا فلیتبوأ مقعدہ من النار ورواہ ابو حنیفة عن یحیٰی بن سعیدؒ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھ پر جھوٹ بولا اور اس جھوٹ میں قصد و ارادہ شامل تھا تو وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنالے امام ابو حنیفہ اس حدیث کی روایت یحیٰی بن سعید سے بھی کرتے ہیں

تشریح :۔ وہ روائتیں جن میں رسولؐ پر جھوٹ کی نسبت کرنے پر یا عام جھوٹ پر وعید آئی ہے یہاں ختم ہو جاتی ہیں اور اس بارے میں مکمل تشریح و مفہوم گذشتہ صفحات میں ہم بیان کرچکے ہیں وہیں دیکھ لی جائیں۔

کتاب الطہارۃ

طہارت کا بیان

باب ۱۶ فی النّهی ان یبول فی الماء الدّائم

باب ۱۶ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنیکی ممانعت

۴۲/۷۱ **ابو حنیفة** عن ابی الزبیر عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یبولن احدکم فی الماء الدائم ثم یتوضأ منه

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے اور پھر اس سے وضو کرے ؕ

تشریح :۔ پانی کے طہارت کے شرائط میں فقہاء نے پانی کو دو حال پر تقسیم کیا ہے ایک ماء قلیل اور دوسرا ماء کثیر ماء قلیل تھوڑا پانی، اور ماء کثیر زیادہ پانی ماء قلیل میں نجاست و ناپاکی پڑجانے سے ناپاک ہو جاتا ہے۔ یہ ٹھہرے ہوئے پانی کا حکم ہے ماء جاری اور کثیر اس حکم سے مستثنیٰ ہے اس کی تصریح اس حدیث سے ملتی ہے جو شیخین نے ابی ہریرہؓ سے مرفوع بیان کی ہے کہ نہ پیشاب کرے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں جو جاری نہ ہو پھر اس میں غسل کرے۔ اسی طرح وہ پانی بھی اس حکم سے خارج ہے جو گو جاری نہ ہو۔ مگر از روئے اجماع یہ پانی جاری کے حکم میں ہو۔ پانی کے پاکی اور ناپاکی کے بارے میں ہو۔ ائمہ کا اختلاف ہے شافعیؒ کے نزدیک پاک وہ پانی ہے جو مقدار قلتین ہو یا زائد۔ امام مالکؒ کے نزدیک جب تک پانی کے یہ تین وصف رنگ۔ بو۔ مزہ۔ نہ بدلیں۔ پانی میں نجاست پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا امام ابو حنیفہؒ

کے نزدیک وہ لمبا چوڑا ٹھہرا ہوا پانی۔ تالاب یا حوض ہے۔ جس کے ایک کنارہ پر پانی کو حرکت دینے سے دوسری جانب پانی میں حرکت نہ پیدا ہوتی ہو۔ متاخرین علمائے احناف کے نزد اس کا اندازہ وہ در دہ سے کیا گیا ہے۔ یعنی سو مربع فٹ کی جگہ میں وہ پانی ہو۔ یہ حدیث ان ہر دو مذاہب کے خلاف حجت ہے کہ اس میں نہ اوصاف کی شرط ہے۔ نہ قلتین کی قید گویا کہ آپ نے فرمایا کہ ٹھہرا ہوا پانی پیشاب سے نجس ہو جاتا ہے۔ اس سے وضو کرنا روا نہیں۔ پھر قلتین والی حدیث میں کئی طرح کا تردد ہے اول تو ایک جماعت نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ جن میں علی بن مدینی شیخ بخاری بھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث قلتین کا ثبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں۔ نہ صحیحین میں یہ روایت آئی ہے۔ اور اجماع صحابہ کے بھی خلاف ہے کہ جب زنجی چاہ زمزم میں گرا تو حضرات ابن عباس اور ابن زبیر نے پورا کنواں صاف کرایا۔ حالانکہ اس حدیث کی رو سے وہ کنواں ناپاک نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اور ان ہر دو حضرات کے اس عمل پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ مزید براں طحاوی نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ یہ حدیث اگرچہ صحیح ہے۔ مگر ہمارا عمل اس پر نہیں کیونکہ لفظ قلہ گھڑے مشک اور پہاڑ کی چوٹی تین معانی میں مشترک ہے اور ہم کو نہیں معلوم کہ یہاں کونسے خاص معنی مراد ہیں لہذا اس حدیث پر عمل دشوار ٹھہرا اور دوسری حدیث صاف اور واضح موجود ہے تو اس پر عمل لازمی بھی نہیں ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت نے فرمایا ہے۔ کہ پانی پاک ہے تاوقتیکہ اس کی بو مزہ اور رنگ نہ بدلے اس نجاست کی وجہ سے جو اس میں پڑی ہو۔ یہ روایت ضعیف ہے اور قابل حجت نہیں بیہقی نے خود اس کی صراحت کی ہے دوسری وہ حدیث جس میں آپ سے بیر بضاعہ کے بارہ میں پوچھا گیا ہے اور آپ نے فرمایا۔ ان الماء طھور لا ینجسہ شئ کہ پانی پاک ہے اسے کوئی شے ناپاک نہیں کرتی۔ یہ حدیث بیر بضاعہ کے بارہ میں مفید ہے اور اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ مطلق نہیں اور اس کا پانی جاری تھا کیونکہ وہاں سے باغات میں پانی سینچا جاتا تھا۔ اس کے اطلاق کو یہ حدیث بھی باطل کرتی ہے اور وہ بھی جس میں آپ نے فرمایا۔ کہ تم میں سے جب کوئی نیند سے جاگے تو وہ برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک ہاتھوں کو تین مرتبہ دھو نہ لے۔ یہاں نجاست نہیں ہے۔ بلکہ شبہ نجاست ہے جب شبہ نجاست سے پانی پلید ہوتا ہے تو نجاست سے پلید کیوں نہ ہو۔ اب جب احادیث وارد ہے اس پانی کا اندازہ شرعی قائم نہ ہو سکا جو جاری پانی کے حکم میں ہے تو بصورت مجبوری معاملہ ظن غالب پر رکھا گیا کہ پانی کا طول و عرض اس قدر ہو کہ ایک طرف نجاست پڑنے سے گمان ہو کہ دوسری جانب اس کا اثر نہ پہنچ سکے گا تو یہ پانی حکم میں جاری پانی کے ہے اور امام ابو حنیفہ کا مسلک یہی ہے۔

۴۳
۷۲ ابو حنیفة عن الھیثم الصوّاف عن محمد بن سیرین عن ابی ھریرة قال نھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان یبال فی الماء الدائم ثم یغتسل منہ او یتوضأ ؛

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے اور پھر اسی سے غسل یا وضو سے منع فرمایا ہے ؛

تشریح :۔ بیہقی نے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔ جب حدیث سے ٹھہرے ہوئے پانی میں

پیشاب کرنا منع ہے۔ تو پاخانہ کرنا بذریعہ اولیٰ منع ہوگا۔ فرمان نبوی کا مقصد یہ ہے کہ کوئی نجاست اس میں نہ ڈالی جائے ورنہ پھر پانی غسل یا وضو کے قابل نہ رہے گا۔ یہاں حدیث میں غسل سے مراد غسل جنابت ہے چنانچہ مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ تم میں سے کوئی ٹھیرے ہوئے پانی میں بحالت ناپاکی غسل نہ کرے۔ مگر غسل کے لئے یہ حکم امتناعی پلید و غیر پلید دونوں کو شامل ہے کیونکہ جب پانی ناپاک ہوگیا۔ تو ہر دو کے لئے اسکا استعمال بے سود ہوا۔ جنبی کے لئے یوں کہ ناپاک ہے اس کو پاک پانی کی ضرورت ہے اور پانی چونکہ خود پلید ہے۔ وہ اس کو پاک کیسے کرے گا۔ غیر جنبی کے لئے اس طرح کہ وہ اس پلید پانی سے خود پلید ہو جائے گا۔ اب پاک کیسے ہو۔ تو گویا پہلی صورت میں پلید چیز پاک نہ ہو سکی اور دوسری صورت میں پاک چیز ناپاک ہوگئی ؛

بَابُ الوُضُوءِ مِنْ سُورِ الهِرَّةِ

بلّی کے جھوٹے پانی سے وضو کرنے کا بیان

۳۴ **ابوحنیفۃ** عن الشعبی عن مسروق عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضأ ذات یوم فجاءت الھرۃ فشربت من الاناء فتوضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہ ورش مابقی ؛

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ علیہ وسلم نے وضو کا ارادہ فرمایا کہ (اتنے میں) ایک بلّی آئی اور وضو کے پانی سے پانی پی گئی آپ نے اسی پانی سے وضو کیا۔ اور بچا ہوا پانی زمین پر چھڑک دیا ؛

تشریح :۔ طحاوی اور دار قطنی نے عائشہ سے اس طرح روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلی کی طرف برتن جھکا دیا کرتے۔ تاکہ وہ اس سے پانی پی لے۔ سور ہرہ (بلی کے جھوٹے) میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ وہ پاک ہے یا نہیں ؟ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ بغیر کراہت کے پاک ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ وہ مکروہ تنزیہی ہے اور ائمہ کی دلیل حدیث کے بالکل ظاہری الفاظ ہیں۔ اور اسی ذیل کی دوسری حدیث میں یوں فرمایا کہ یہ تم پر چکر لگانے والی ہیں اور تمہارے پاس چلتی پھرتی رہتی ہیں گویا ان کا جھوٹا پاک ہے کیونکہ اس سے کسی طور پر بچنا ممکن نہیں۔ ان کی دلیل تو صاف اور کھلی ہے۔ امام صاحب کا مذہب کراہت بھی انہی حدیثوں سے ثابت ہے۔ لیکن تمام الفاظ اور موقع سامنے رکھ کر۔ حدیث ذیل میں گو آنحضرتؐ کا وضو فرمانا طہارتِ پانی پر دال ہے۔ مگر اختتام حدیث پر نظر ڈالیے وَرَشَّ مَا بَقِیَ بچے ہوئے پانی کو آپ نے زمین پر چھڑک دیا۔ کہ دوسرا اس کو استعمال نہ کر سکے کیونکہ آپ کا استعمال محض اس لئے تھا کہ اس کے جواز کی تعلیم دی جائے کہ پانی گو مکروہ ہے لیکن بصورت مجبوری اور پانی میسر نہ آنے پر استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ دوسرے کو یہ مرتبہ کب حاصل۔ وہ لامحالہ اس کو مطلق سمجھ کر پاک جانکر استعمال کرے گا۔ لہذا آپ نے اسے پھینک دیا یہ ایک اشارہ تھا جو آنحضرت نے اس کی کراہت کی طرف فرمایا دوسری

جگہ زبان مبارک سے یوں ارشاد فرمایا کہ یہ نجس نہیں طوافون علیکم ۔ یہ تو تم پر چکر لگانے والوں یا چکر لگانے والیوں میں سے ہے اس ارشاد سے حقیقت کو واضح فرمایا کہ جھوٹا پانی اگرچہ نجس ہے مگر کسی مجبوری سے اس کو جائز رکھا اور اس کو صرف کراہت کا درجہ دیا یعنی یہ کہ بروئے حدیث الهرة سبع کہ بلی از قسم درندہ ہے جہاں اور درندوں کا جھوٹا نجس ہے اس کا جھوٹا بھی نجس ہونا چاہیئے تھا مگر بلی چونکہ گھر کا ایک جانور ہے ۔ اس کے جھوٹے کو نجس قرار دینے میں گھر والوں کے لئے سخت تنگی کا سامنا کہ گھر ہی میں سب چیز بس کا رہنا اور گھر ہی میں بلی کا چلنا پھرنا کہاں تک چیزوں کو اس سے بچائیں ۔ اور کہاں تک اس کے جھوٹے کو پھینکتے پھریں ۔ گھر میں رہنا عذاب جان بن جائے ۔ لہذا آنجناب نے ان الفاظ طوافون علیکم سے وجہ جواز کو آشکارا فرمایا اور مجبوری ظاہر فرمائی کہ بلی کا چونکہ ہر وقت تمہارے پاس آنا جانا ہے ۔ اس لئے اس عذر کے تحت اس کا جھوٹا جائز رکھا گیا اور تم کو بڑی دقت اور ہر وقت کی مصیبت سے بچا لیا ۔ پس امام صاحب نے اپنی فراست دینی سے یہ فیصلہ دیا کہ بلی کا جھوٹا پاک مکروہ تنزیہی ہے ۔

اسلام میں مجبوری اور تنگی کے وقت اس قسم کی رعایت و مہلت عام ہے ۔ مثلاً گھر میں آنے کے لئے اجازت طلب کرنا ضروری ہے لیکن قرآن پاک میں بایں عذر طوافون علیکم بعضکم علی بعض غلاموں اور نابالغ بچوں کو مستثنیٰ فرما دیا ۔ بلکہ یہ ہی مقصد رعایت پورے دین میں موجود ہے ۔ کیونکہ دین آسانی کے لئے ہے تنگی کے لئے نہیں اسی لئے قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔ ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطھرکم ۔

باب[۱۸] البول قائماً

باب[۱۸] کھڑے ہو کر پیشاب کرنا

۴۵ / ۱۸ **ابو حنیفة** عن منصور عن ابی وائل عن حذیفة قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یبول علی سباطة قوم قائماً ؛

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم کے کوڑے پر کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا ؛

تشریح : ۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں دو طرح کی احادیث وارد ہیں ایک سے یہ امر مجبوری و عذر شرعی رخصت کا پتہ چلتا ہے ۔ دوسری سے عدم رخصت کا ۔ رخصت کی احادیث میں سے حضرت حذیفہؓ کی حدیث ہے ۔ یہ حدیث مختصر الفاظ میں تو امام صاحب سے نقل کر دی گئی ہے ۔ اور کچھ مزید الفاظ سے مسلم ۔ ترمذی ۔ ابن ماجہ وغیرہ نے اس کو نقل کیا ہے عدم رخصت کے سلسلہ میں فیصلہ کن حدیث حضرت عائشہ کی روایت ہے جس کو ترمذی احمد ۔ نسائیؒ نے روایت کیا ہے کہ من حدثکم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یبول قائما فلا تصدقوہ ما کان یبول الا قاعدًا ! یعنی جو تم سے یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے ۔ تو اسے سچا نہ جانو آپ تو بیٹھ ہی کر پیشاب کیا کرتے تھے ۔ یہ ہر دو احادیث آپس میں متعارض ہوں تو ان میں تطبیق کی شکل یہ ہوگی کہ عائشہؓ آنحضرتؐ سے بہت قریب تھیں اور ان کی عادات سے پوری واقف اور حذیفہ ایک خاص واقعہ

کو بیان کرتے ہیں جو کسی عذر یا مجبوری کی بنا پر وقوع پذیر ہوا ہوگا ۔ یہ چونکہ گھر سے باہر کا واقعہ ہے ۔ عائشہؓ کے علم میں نہیں تھا ۔ اس لئے دونوں حدیثیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں مگر ایک جگہ مداومت اور دوسری جگہ وقتی مجبوری پس کہاں ایک پختہ عادت اور کہاں عذر و مجبوری پر مبنی ایک خصوصی واقعہ ۔ ایسے واقعات ، اصول نہیں بنتے ۔ نہ مسئلوں کی بنیاد ہوتے ہیں ۔ البتہ یہ امر مجبوری و عذر رخصت و اجازت کا ایک طریقہ بن جاتے ہیں ۔ اسی لئے علماء نے اس پر اتفاق کیا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہے ۔ کیونکہ اس میں ستر زیادہ کھلتا ہے ۔ بدن میں نجاست لگنے کا امکان ہوتا ہے ۔ تہذیب متانت سنجیدگی اور انسانیت کے سراسر خلاف ہے ۔

اب وہ عذر جس کی بنا پر آنحضرتؐ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا اس بارے میں مختلف بیانات ہیں یا تو آپ کی پشت مبارک میں درد تھا ۔ آپ مجبوراً کھڑے ہوئے جگہ اونچی تھی اور آپ نشیب میں تھے ۔ اور اگر آپ اس جگہ بیٹھتے تو پیشاب بہ کر آپ ہی کی طرف آتا ۔ اور آپ کو نجس کرتا اگر بلندی پر بیٹھتے تو گذرگاہ سامنے تھی ستر دکھائی دیتا ، بے حجابی ہوتی جو آپؐ کو بہت ناپسندی تھی مستدرک حاکم میں ابن عمرؓ سے یوں نقل ہے کہ آپؐ کے گھٹنوں میں درد تھا ۔ اس لئے بیٹھ نہ سکے ۔ بعض فقہا کہتے ہیں کہ اس سے یہ ظاہر فرمانا مقصود تھا کہ یہ امر مجبوری بہ صورت قابل عفو ہے ۔

بَابُ[19] عَدَمِ الوضوء مِنْ شُرْبِ اللَّبَن

دودھ پی کر نیا وضو نہ کرے

۸۶ ابو حنیفۃ عن عدی عن ابن جبیر عن ابن عباسؓ قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرب لبنا فتمضمض و صلی ولم یتوضا ۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے دودھ پی کر کلی کی اور نماز پڑھی اور نیا وضو نہیں کیا ۔

تشریح :- شیخین نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے مگر اس میں صلی ولم یتوضا کا ٹکڑا نہیں بلکہ یوں ہے ان لہ دسما کہ اس میں چکنائی ہوتی ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وضو ہو تو دودھ پینے سے وضو نہیں ٹوٹتا ۔

بَابُ[20] عَدَمِ الوضوء مِنَ اللَّحْمِ

بابؐ گوشت کھا کر نیا وضو نہ کرے

۸۷ ابو حنیفۃ عن ابی الزبیر عن جابرؓ قال

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔

اکل النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرقًا بلحمٍ ثم صلّٰی ؎

شوربا گوشت تناول فرمایا پھر نماز پڑھی (یعنے نیا وضو نہیں کیا) ؎

تشریح :- اس جگہ یہ مسئلہ ہے کہ آگ پہ پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹے گا یا نہیں ؟ وضو نہ ٹوٹنے کی دلیل یہی حدیث ہے ۔ بخاری میں سعید بن حارث سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت جابر سے پوچھا کہ کیا تم آگ پہ پکی ہوئی چیز کے کھالینے سے وضو کرتے ہو ۔ انہوں نے کہا نہیں ۔ پھر امام احمد نے اپنے مذہب کی تائید میں براء بن عازب کی مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ نے فرمایا وضو اونٹوں کے گوشت سے کرو اور بکریوں کے گوشت سے نہیں ۔ وہ بھی اسی حدیث کی تائید میں ہے ۔ ابوداؤد ۔ ترمذی ۔ ابن ماجہ وغیرہ نے اپنی کتابوں میں اس کی تخریج کی ہے ۔ اسی میں حضرت جابر کی وہ حدیث بھی ہے جس کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل یہی تھا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو نہ فرماتے دوسروں کا خیال ہے کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے کہ اس بارے میں ابی بکر ۔ عمر ۔ عثمان ۔ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہم سے روایتیں موجود ہیں ۔ مرفوع اور موقوف دونوں بعض ہر دونوں نوع کی احادیث میں یہ مطابقت دیتے ہیں کہ وضو کا حکم یا تو استحباب کے لئے مانا جائے ۔ یا یہ کہ وضو سے لغوی معنی مراد لئے جائیں ۔ یعنی ہاتھ دھونا ۔ کلی کرنا ۔ نہ شرعی معنی ۔ اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں سوائے امام احمد کے جو اونٹ کے گوشت سے وضو ٹوٹ جانے کے قائل ہیں ؎

باب ۲۱ الامر بالسواك

مسواک کرنے کا حکم

ابوحنیفة عن علی بن الحسین الزّرّاد عن تمّام عن جعفر بن ابی طالب ان ناسًا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخلوا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال مالی اراکم قلحًا استاکوا فلولا ان اشقّ علی امّتی لامرتھم بالسواك عند کل صلوٰۃ ۔ ۴۸/۱

وفی روایۃ مالی اراکم تدخلون علیّ قلحًا استاکوا فلولا ان اشقّ علی امّتی لامرتھم ان یستاکوا عند کل صلوٰۃ او عند کل وضوء ؎

حضرت جعفر بن ابی طالب سے مروی ہے ۔ کہ کچھ لوگ صحابہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تمہارے دانتوں کو زرد دیکھتا ہوں ۔ مسواک کیا کرو ۔ اگر میں اپنی امت پر اس کو مشکل نہ جانتا تو ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کے لئے حکم دیتا ۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا کیا وجہ ہے ۔ کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم میرے پاس آتے ہو ۔ اور تمہارے دانت زرد ہوتے ہیں ۔ مسواک کیا کرو ۔ اگر میں اپنی امت پر اس کو مشکل نہ جانتا ۔ تو ان کو ہر نماز یا ہر وضو کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا ؎

تشریح :- مالک ۔ احمد ۔ شیخین ۔ ترمذی ۔ نسائی ۔ ابن ماجہ سب نے اس حدیث کو روایت کیا ہے ۔

یہ حدیث مسواک کرنا واجب نہیں ہے پر دلالت کرتی ہے - اس میں مسواک کرنا مستحب موکد ہے - خصوصًا جبکہ دانت زرد ہوں - منہ سے بو آتی ہے - یا نیند سے انسان ابھی جاگا ہو اور اب نماز کا ارادہ ہو اور وضو کرنے بیٹھے جن روایات میں عند کل وضوء ہے وہ تو اپنے حقیقی معنی میں ہے یہی کہ وقت مسواک کرنے کا ہے - اور احناف کا مذہب یہی ہے - اب جن روایات میں عند کل صلوٰۃ ہے اس کی تفسیر عند کل وضوء کی روایت کو پیش نظر رکھ کر یوں کرنی پڑے گی کہ ہر وضو کے وقت جو نماز کے لئے کیا جائے - کیونکہ فرمان نبوی کی غرض یہ ہے کہ آنجنابؐ فرماتے ہیں کہ میری نظر میں مسواک کے بیش بہا منافع ہیں لیکن تمہاری وہ تکالیف بھی ہے جو مسواک کے واجب ہونے پر تم کو پیش آئی - کہ کبھی تمہارے پاس ہے کبھی نہیں - کبھی تم سفر میں ہو کبھی حضر میں - کبھی تندرست ہو کبھی بیمار - غرض ہر وقت مسواک ملنا مشکل ہے - لہذا اگر اس کو واجب قرار دوں - تو اس کا نباہنا تم پر دوبھر ہے - اور تمہاری تکالیف چونکہ مجھ پر شاق ہیں - اس لئے اس کے بارہ میں کوئی وجوبی حکم نہیں دیتا - تو گویا یہاں آنجنابؐ نے اپنی امت کا آسان بہترین پہلو سامنے رکھا - اب اگر "عند کل صلوٰۃ" کی روایت کو اپنے حقیقی معنی پر لیں - اور ہر نماز کے وقت مسواک کرنی ہو تو جس دقت سے آنجنابؐ اپنی امت کو بچایا تھا وہ پھر سامنے آئی - کہ اگر ایک وضو سے چار نمازیں پڑھنا چاہیں تو چار ہی مرتبہ مسواک کرنی ہو - پھر جانے دیجیے اس تکلیف کو بھی ذرا غور تو کیجیے کہ مسواک کرنے سے دانتوں سے خون جاری ہونا یقینی امر ہے اور شبہ تو ہے ہی خصوصًا انکے لیے جن کے دانت کسی مرض کا شکار ہیں - وضو میں تو پانی خون بند کر دیتا ہے - مگر نماز میں یہ بات ناممکن ہے - لہذا ان تمام قباحتوں کو پیش نظر رکھ کر عند کل وضوء کی روایت قرین قیاس ہے - اسی طرح نسائی - ابن حبان - ابن خزیمہ حاکم نے اپنی اپنی صحاح میں یہ روایت کی ہے ؛

باب[۲۲] الوضوء ثلثًا ثلثًا — وضو میں اعضاء تین تین بار دھونے ہیں

۴۹
۲
حمّاد عن ابی حنیفۃ عن خالد بن علقمۃ عن عبد خیر عن علی بن ابی طالب انّہٗ توضأ فغسل کفیہ ثلثًا ومضمض ثلثًا واستنشق ثلثًا وغسل وجہہٗ ثلثًا وذراعیہ ثلثًا ومسح راسہ وغسل قدمیہ وقال ھذا وضوء رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم؛

عبد خیر حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت کرتے ہیں - کہ آپ نے وضو کیا تو ہاتھ تین بار دھوئے پھر تین بار کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا اور تین مرتبہ چہرہ دھویا - اور تین مرتبہ (کہنیوں تک) ہاتھ دھوئے اور سر کا مسح کیا اور دونوں پاؤں دھوئے اور فرمایا کہ یہ ہے وضو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا؛

تشریح :- یہ حدیث مختلف الفاظ سے عبد خیر اور دوسرے راویوں ابوحیہ - ذر بن حبیش -

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ ابن عباس نزال بن سبرہ سے بھی مروی ہے۔

۵۰/۷۲ **ابوحنیفۃ** عن خالد عن عبد خیر عن علی انه دعا بماء فغسل کفیه ثلثاً وتمضمض ثلثاً واستنشق ثلثاً وغسل وجهه ثلثاً وذراعیه ثلثاً ومسح راسه ثلثاً وغسل قدمیه ثلثاً ثم قال هذا وضوء رسول الله صلے الله علیه وسلم۔

عبد خیر حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی نے پانی منگایا، اور اس سے تین بار ہاتھ دھوئے تین بار کلی کی تین بار ناک میں پانی ڈالا، تین بار منہ دھویا، تین بار کہنیوں تک ہاتھ دھوئے، تین دفعہ سر کا مسح کیا، اور تین مرتبہ پاؤں دھوئے، پھر کہا یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو۔

تشریح: فتح القدیر میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی تئیس صحابہ نے ہو بہو نقل اتاری ہے۔ ان میں علی اور عثمان بھی ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ وضاحت عبداللہ بن زید بن عاصم نے کی ہے۔ اسی لئے ان کی حدیث اس باب میں اصل ہے، اور حجت ہے اور ان کو حاکی وضوء صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے۔ گویا آنجناب کے وضو کی نقل اتارنے والے دراصل یہی ہیں۔ انہیں نے مسیلمہ کو وحشی کی شرکت میں قتل کیا تھا۔ اور انہیں سے شیخین مالک نسائی روایتیں لائے ہیں یہ وہ عبداللہ نہیں، جو عبداللہ بن زید بن عبدربہ کے نام سے مشہور ہیں جو موذن تھے۔

مضمضہ و استنشاق میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا اختلاف ہے کیونکہ احادیث مختلف الالفاظ ہیں بعض میں ثلاث غرفات کا لفظ ہے یعنی آپ نے تین بار چلو میں پانی لیا۔ اور بعض میں غرفہ واحدہ کا لفظ یعنی آپ نے ایک چلو لیا۔ امام شافعی غرفہ واحدہ کی روایت کے پیش نظر کہتے ہیں۔ کہ ہر مرتبہ ایک غرفہ پانی لیں اور اس سے کلی بھی کرتے جائیں اور ناک میں پانی بھی ڈالتے جائیں، یوں گویا تین مرتبہ تین غرفے پانی لیے امام صاحب تین غرفات کو سامنے رکھ کر یہ معنی کرتے ہیں، کہ منہ و ناک کو علیحدہ علیحدہ صاف کریں اور ہر ایک کے لئے تین بار تین پانی لیں گویا کل چھ چلو لئے امام صاحب کی حجت یہی حدیث ہے۔ کہ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ منہ و ناک کے لیے الگ الگ پانی لیا اور ہر ایک کے لئے تین چلو عثمان کی حدیث جو ابوداؤد دلائے ہیں۔ وہ بھی اس کی تائید میں ہے اس سے زیادہ صاف شہادت طلحہ بن مصرف کی حدیث ہے، جس کی تخریج ابوداؤد نے کی ہے۔ اس کے الفاظ ہیں۔ کہ آنجناب مضمضہ و استنشاق میں جدائی فرمایا کرتے، گو اس حدیث کے پیچھے بعض صاحب مذہب لگ پڑے ہیں، مگر یہ بے جا مذہبی جوش ہے، پھر قیاس سے مذہب امام صاحب کی پرزور تائید ہوتی ہے کہ منہ و ناک اور اعضا کی طرح جدا جدا عضو ٹھہرے تو ان کی صفائی میں ایک کیسے سمجھا جائے، لہٰذا از روئے قواعد اصول جو روایتیں موافق قیاس ہیں وہ ہی قابل ترجیح اور قابل حجت ہیں۔

وفی روایۃ عن خالد عن عبد خیر عن علی انه دعا بماء فغسل کفیه ثلثاً واستنشق ثلثاً وغسل وجهه ثلثاً وذراعیه ثلثاً ومسح براسه مرۃ وغسل قدمیه ثلثاً ثم قال هذا وضوء رسول الله صلی الله علیه وسلم کاملاً۔

ایک روایت میں عبد خیر سے یوں ہے کہ علیؓ نے پانی منگایا، تین دفعہ ہاتھ دھوئے، تین دفعہ ناک میں پانی ڈالا تین دفعہ چہرہ دھویا تین دفعہ ہاتھ کہنیوں تک دھوئے، ایک دفعہ سر کا مسح کیا اور تین دفعہ پاؤں دھوئے، پھر فرمایا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وفی روایۃ انہ دعا بماء فأتی باناء فیہ ماء وطست قال عبد خیر ونحن ننظر الیہ فاخذ بیدہ الیمنی الاناء وکفاہ علی یدہ الیسریٰ ثم غسل یدیہ ثلث مرات لم ادخل یدہ الیمنی الاناء غسل یدہ ومضمض واستنشق فعل ھذا ثلث مرات ثم غسل وجہہ ثلث مرات ثم اخذ الماء بیدہ ثم مسح براسہ مرۃ واحدۃ ثم غسل قدمیہ ثلثا ثلثا ثم غرف بکفہ فشرب منہ ثم قال من سرہ ان ینظر الی طھور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھذا طھورہ وفی روایۃ انہ دعا بماء فغسل کفیہ ثلثا ومضمض ثلثا وغسل وجہہ ثلثا وغسل ذراعیہ ثلثا ثم اخذ ماء فی کفہ فصبہ علی صلعتہ ثم قال من سرہ ان ینظر الی طھور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلینظر الی ھذا وفی روایۃ عن علی انہ توضاء ثلثا ثلثا وقال ھذا الوضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال عبد اللہ بن یعقوب یعنی بہ من روی عن ابی حنیفہ فی ھذا الحدیث عن خالد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسح راسہ ثلثا علی انہ وضع یدہ علی یافوخہ ثم مر بیدیہ الی مؤخر راسہ ثم الی مقدم راسہ فجعل ذلک ثلث مرات وانما ذلک مرۃ واحدۃ لانہ لم یباین یدہ ولا اخذ الماء ثلث مرات فھو کمن جعل الماء فی کفہ ثم سدہ الی کوعہ الا تری انہ بیّن فی الاحادیث التی روی عنہ وھم الجارود بن زید وخارجۃ بن مصعب واسد بن عمرو ان المسح کان مرۃ

کا پورا وضو اسی طرح ہے یعنی اس طرح کے وضو میں فرض، سنت اور مستحب سب شامل ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ علی نے پانی منگایا تو آپ کے پاس پانی کا برتن اور ایک طشت لایا گیا عبد خیر نے کہا کہ ہم انہیں دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے سیدھے ہاتھ سے برتن پکڑا اور اس کو جھکا کر الٹے ہاتھ پر پانی ڈالا پھر ہاتھ تین دفعہ دھوئے پھر سیدھا ہاتھ پانی میں ڈالا اور اس کو پانی سے بھر کر ناک و منہ میں پانی ڈالا، اور یہ اس طرح تین دفعہ کیا پھر چہرہ کو تین دفعہ دھویا۔ پھر ہاتھوں کو تین مرتبہ دھویا پھر ہاتھ میں پانی لے کر ایک مرتبہ سر کا مسح کیا پاؤں تین تین دفعہ دھوئے پھر ایک چلو میں پانی لیکر پی لیا، پھر کہا کہ جو چاہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کو دیکھے، تو یہ ہے آپ کا وضو اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے پانی منگایا اور ہاتھ تین دفعہ دھوئے تین دفعہ مضمضہ کیا اور تین دفعہ استنشاق اور تین دفعہ ہاتھ کہنیوں تک پھر ہاتھ میں پانی لے کر اپنے تالو پر ڈالا پھر کہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کو دیکھنا چاہے تو دیکھے وہ یہ ہے علی سے ایک روایت میں اسطرح ہے انہوں نے اعضائے وضو تین تین دفعہ دھوئے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو یہ ہے عبد اللہ بن محمد بن یعقوب جو ابو حنیفہ سے اسی حدیث کی خالد سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کا مسح تین بار اس طرح کیا کہ اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھا اور سر کے پیچھے تک کھینچ کر لے گئے پھر پیشانی کی طرف کھینچکر لائے اس طرح تین دفعہ کیا تو ایک دفعہ مسح کیا، کیونکہ نہ ہاتھ سر سے جدا ہوا۔ نہ پانی تین بار بدلا۔ یہ ایسا ہے کہ کوئی ہتھیلی میں پانی لے اور اس کو ہتھیلی تک لے جائے تم نہیں دیکھتے کہ وہ احادیث جو جارود بن زید اور خارجہ بن مصعب و اسد بن عمر نے حضرت

واحدة وبيّن ان معناه ما ذكرنا قال وقد روى من جماعة من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم كثيرة على هذا اللفظ ان النبى صلى الله عليه وسلم مسح راسه ثلثا منهم عثمان وعلى وعبد الله بن مسعود وغيرهم رضى الله عنهم قال البيهقى و قد روى من اوجه غريبة عن عثمان تكرار المسح الا انه مع خلاف الاحفاظ بحجة عند اهل العلم فهل كان معناه الا على ما ذكرنا من جعل اباحنيفة غالطًا فى رواية المسح ثلثا فقد رهم وكان هو بالغلط اولى واخلق وقد غلط شعبة فى هذه الحديث غلطا فاحشا عند الجميع وهو رواية هذا الحديث عن مالك بن عرفطة عن عبد خير عن على فصحف الاسمين وفى اسناده فقال بدل خالد مالك وبدل علقمة عرفطة ولو كان هذا لغلط من ابى حنيفة لنسبوه الى الحمد الذى وقلة المعرفة ولاخرجوه الدين وهذا من قلة الورع واتباع الهوى :

علی سے روایت کی ہے۔ اور فرمایا کہ حضرت نے فرمایا کہ مسح ایک بار تھا اور اس کے وہ ہی معنی بیان کیے جو اوپر بیان کئے۔ کہا ابو حنیفہ نے کہ صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے یہی لفظ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کا مسح تین دفعہ کیا ان میں سے عثمان علی عبداللہ بن مسعود وغیرہم ہیں۔ بیہقی نے کہا کہ سر کا مسح کرنے والی حدیث عثمان سے غریب طرق سے مروی ہے مگر یہ حفاظ حدیث کی روایت کے بھی خلاف ہے اور اہل علم کے نزدیک حجت نہیں لہٰذا سر کا مسح کے وہی معنی ہو سکتے ہیں۔ جو ذکر ہوئے اب جو تین دفعہ مسح کرنے کی روایت میں امام ابو حنیفہ کی طرف غلطی کی نسبت کرتا ہے اس سے خود غلطی ہوئی اور البتہ شعبہ نے اس حدیث کے اسناد میں تمام محدثین کے نزدیک فاش غلطی کی ہے وہ یہ کہ روایت کی اس حدیث مالک بن عرفطہ سے اور انہوں نے عبد خیر سے اور انہوں نے علی سے کہ باپ بیٹے ہر دو کے نام بدل دیے۔ خالد کی جگہ مالک لے آئے اور علقمہ کی جگہ عرفطہ اگر یہ غلطی کہیں ابو حنیفہ سے سرزد ہوتی تو کہتے کہ وہ علم حدیث سے جاہل ہیں اور اس میں کوتاہ علم اور دین ہی سے ان کو خارج کر دیتے یہ اتہام تقویٰ کی کمی اور خواہش نفسانی کی اتباع کی وجہ سے ہے۔

تشریح:۔ مسح کے بارہ میں امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعی کا اختلاف ہے امام صاحب کے نزدیک ایک دفعہ مسح کرنا سنت ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک تین دفعہ اور ہر بار نئے پانی سے امام شافعی نے اسے غسل پر قیاس کیا اور حدیث توضا ثلاثا ثلاثا کو سامنے رکھتے ہیں، یعنی کہ آپ نے سب اعضا تین تین دفعہ دھوئے، کیونکہ وضو غسل و مسح ہر دو کو شامل ہے۔ امام اعظم کی دلیل وہ احادیث ہیں۔ جن میں ایک دفعہ مسح کا حکم ہے ان میں اور نزاع کا سبب یہی ہے۔ چنانچہ دارقطنی نے حضرت ابو یوسف کے طریق سے امام صاحب کی روایت نقل کر کے سب سے پہلے یہ اعتراض کیا کہ ان اباحنيفة خالف الحفاظ فى ذلك فقال ثلاثا ثلاثا وانما هو مرة واحدة مع خلافه ايا هم قال ان السنة فى الوضوء مسح الراس مرة" یعنی ابو حنیفہؒ نے اس میں حفاظ حدیث کی مخالفت کی اور قول کیا تین مرتبہ مسح کرنے کا اور ان کی مخالفت کے ساتھ ساتھ کہا کہ وضو میں سنت ایک مرتبہ مسح کرنا ہے۔ حالانکہ یہ شبہ بے بنیاد اور واقعیت کے خلاف ہے، امام صاحب کی روایت میں یہاں تثلیث کا لفظ ہے، وہاں وہ تثلیث مراد نہیں جو امام شافعی کے نزدیک ہے۔ کہ نئے پانی سے تین بار مسح کیا جائے۔ یہ صرف تین بار سر پر ہاتھ پھیرنے سے عبارت ہے بغیر نیا پانی لئے ہوئے اور ہاتھ سر سے جدا کئے ہوئے اس کی وضاحت خود ان کی

روایات میں آچکی ہے، بلکہ بمطابق روایت حسن امام صاحب اسی طریق کو مسنون کہتے ہیں، جب نہ پانی لیا نہ ہاتھ سر سے جدا کیا تو یہ صورت درحقیقت ایک مرتبہ مسح کی ہوئی۔ اس میں تثلیث کہاں، ہدایہ میں ہے کہ مسح کی یہی صورت ہے۔ اور امام صاحب سے مروی پھر امام صاحب کی روایات کئی قسم کی ہیں۔ بعض میں ایک مرتبہ کی تصریح ہے، بعض مجمل اور محتمل اور بعض ساکت لامحالا ساکت و محتمل کو تصریح شدہ پر محمول کریں گے، قطع نظر اس کے ذرا سوچنے کی بات ہے کہ مسح کی بنا آسانی و سہولت پر رکھی گئی ہے گویا غسل کی دقت یا مشقت سے اس میں مہلت ملی، اور طہارت میں ایک گونہ رعایت نصیب ہوئی جب ہر سہ بار نیا پانی لیا تو وہ تو غسل ہو گیا، مسح کب رہا اور پھر رعایت و سہولت کدھر گئی۔ اور مقصد مسح فوت ہوا۔ لہذا ایک ہی مرتبہ مسح کرنا قرین قیاس اور عقل کے عین مطابق پس امام ابو حنیفہ کا مذہب مسح ہے۔

51/42 ابو حنيفة عن عطاء عن حمران مولى عثمان ان عثمان توضأ ثلثا ثلثا وقال هكذا رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ۔

حمران مولی عثمان رضؓ حضرت عثمان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے تین دفعہ دھویا اور کہا کہ اسی طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا۔

تشریح تین دفعہ مسح کرنے کا ثبوت اس حدیث سے اخذ کرنا ضعف علم ہے، مگر افسوس جانبداری حقیقت کا راز کھلنے نہیں دیتی آنکھوں پر تعصب کے چشمے چڑھے ہوئے ہیں یہ سراسر بے انصافی ہے امام شافعی کا تثلیث کا مذہب مشہور ہے۔ لیکن جب امام صاحب کی روایت میں تثلیث کا لفظ آگیا۔ اور یہ ان کے مذہب کے بظاہر مخالف تھا۔ تو ان پر سخت گرفت کی گئی کہ اول تو تثلیث کا مذہب ویسے ہی کمزور صحیح روایات سے ثابت نہیں، پھر خود ان کے مذہب کے خلاف یہ کیا ماجرا ہے؟ غرض ہر طرف سے اعتراض ہونے لگے مگر جب امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہی دیکھا تو اب بڑی پیچیدگی نظر آئی، کیونکہ تمام اعتراضات کا رخ ادھر جاتا تھا۔ لہذا بعض نے تو انکار ہی کر دیا چنانچہ ترمذی کی عبارت اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔ کہ وہ توحید کے قائل تھے بعض سکوت کر گئے اور بعض آخر نہ رہ سکے۔ تو اقرار کر بیٹھے چنانچہ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں

انه لم يرد في طرق من الصحيحين ذكر عدد المسح وعليه اكثر العلماء الا الشافعي هو القائل، بالتثليث کہ صحیحین کے کسی طریق سے ایک سے زائد مسح کرنے کی روایت نہیں آئی اور اس مذہب پر اکثر علماء ہیں سوائے شافعیؒ کے وہ جو تثلیث کے قائل ہیں۔

باب الوضوء مرة مرة ۲۳

وضو ایک ایک مرتبہ ہے

52/1 ابو حنيفة عن علقمة عن ابن بريدة عن ابيه ان النبي صلى الله عليه وسلم توضأ مرة مرة

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مرتبہ وضو کیا یعنی وضوئے اعضا ایک ایک دفعہ دھوئے۔

تشریح :- یہ حدیث اس بارے میں ہے کہ وضو کے اعضاء تین تین دفعہ دھونا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے آپ نے ایک ایک دفعہ بھی اعضائے وضو دھوئے کہ یہ واجب ہے اور دو دو مرتبہ بھی کہ یہ بھی جائز ہے اور تین تین دفعہ بھی اور اسی کی زیادہ روایات ہیں، کیونکہ آنجناب کا اکثر عمل اسی پر تھا۔

۵۳/۲ **ابوحنیفة** عن محارب عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویل للعواقب من النار۔

ابن عمر رض سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ویل ہے دوزخ میں ایڑیوں کے لئے

تشریح :- ویل جہنم کی ایک وادی ہے، یعنی جو لوگ وضو میں اپنی ایڑیاں خشک رکھتے ہیں، دوزخ کی اس وادی میں ان کے لئے آگ کا عذاب ہے، یوں تو وضو میں کوئی عضو خشک نہ رہنا چاہئے لیکن ایڑیوں کی وعید اس لئے خاص طور سے فرمایا کہ جلد بازی اور بے احتیاطی میں ایڑیاں اکثر و بیشتر سوکھی رہ جاتی ہیں اور اس تھوڑی سی بد احتیاطی سے سارا وضو برباد ہو جاتا ہے، بعض روایتوں میں تلوے بھی اس وعید میں شامل ہیں۔

باب [۲۴] نضح الفرج بفضل الوضوء

وضو کے بچے ہوئے پانی کو اپنی رومالی پر چھڑکنا !!

۵۴/۱ **ابوحنیفة** عن منصور عن مجاهد عن رجل من ثقیف قال لہ الحکم او ابن الحکم عن ابیہ قال توضا النبی صلی اللہ علیہ وسلم واخذ حفنة من ماء فنضحه فی موضع طهوره۔

حکم ثقفی سے روایت ہے کہ وضو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ایک چلو پانی لے کر اپنے موضع طہور (رومالی) پر چھڑکا۔

تشریح :- اس حدیث پر اکثر منہ پھٹ اور زبان دراز لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کیا ہے اور کیوں ہے اس اعتراض میں شیعہ رافضی اور جدید نظریات کی حامل وہ نسل شامل ہے جو رات دن فلمیں دیکھتے ہیں دراصل یہ اس قسم کے ناول اور جنسی افسانے پڑھ پڑھ کر ان کے قلوب سیاہ ہو چکے ہیں۔ رات دن کا عمل اگر دیکھو تو شیطان بھی پناہ مانگے لیکن حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی پاکیزہ اور سبق آموز حدیث پر بڑی بے جگری سے اعتراض کرتے ہیں۔ اس قسم کے کئی لوگوں نے خود راقم الحروف کے سامنے اسی حدیث پر اعتراض کیا احقر نے سکوت اختیار کیا کیوں کہ احقر کا خیال ہے کہ اس قسم کے لوگ مجبور محض ہیں ان سے بحث بے کار اور بے سود ہے۔

میرے عزیز! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پاکیزہ تعلیم صرف اس لئے تھی کہ انسان شکی مزاج ہے اور شک کی وجہ سے عبادت میں خلل پڑنے کا احتمال ہے پس رومالی پر پانی چھڑکنے کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی کو قطرات بول کا شک ہو تو دور ہو جائے۔ اگر حضور اکرم سے سچی محبت اور دین کی سچی حمیت ہو تو بلاچون وچرا اس حدیث پر عمل ہو ورنہ بد فطرت کے لئے ہزاروں بہانے ہیں۔ اور یہ حکم تو حضرت جبرئیل

علیہ السلام لیکر نازل ہوئے تھے پھر شک کرنا کیسا؟

باب ۲۵ المسح علی الخفین

موزوں پر مسح کرنا!

۵۵/۱ **ابوحنیفة** عن الحکم عن القاسم عن شریح قال سألت عائشةؓ أمسح علی الخفین قالت ائت علیاً فاسأله فانه کان یسافر مع النبی صلی الله علیه وسلم قال شریح فاتیت علیاً فقال لی امسح:

حضرت شریح نے عائشہؓ سے پوچھا۔ کیا میں موزوں پر مسح کروں (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت ہے کہ میں بھی ایسا ہی کروں) آپ نے فرمایا۔ کہ جا کر حضرت علیؓ سے پوچھو۔ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر کیا کرتے تھے شریح کہتے ہیں کہ پھر میں علیؓ کے پاس آیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ مسح کرو:

تشریح: موزوں پر مسح کرنے کی احادیث حدِ تواتر تک پہنچتی ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ اس کے رواۃ کی تعداد اسی تک پہنچتی ہے۔ جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔ اسی لئے سلف میں سے کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا۔ البتہ امام مالکؒ سے ایک ضعیف روایت ہے کہ وہ مقیم کیلئے مسح خفین روا نہ رکھتے تھے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں مسح علی الخفین کو جائز نہیں رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ اس باب میں آثار و احادیث روز روشن کی طرح میرے سامنے آگئیں۔ اور میں ماننے پر مجبور ہوا۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ مسح کی احادیث چونکہ مشہور ہیں اس لئے مسح کا نہ ماننے والا بدعتی ہے۔ کرخی نے کہا کہ میں اس کے بارہ میں کفر کا خوف رکھتا ہوں۔ ایسا ہی امام ابوحنیفہ سے مروی ہے۔ فرمان الٰہی یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر کے تحت اللہ تعالیٰ نے مسح خفین کے جواز سے ایک بڑی آسانی و سہولت کا راستہ کھولدیا کہ اس کو سنت نبوی قرار دیا۔ جو چاہے پاؤں دھوئے صرف وضو کا ثواب لے جو چاہے مسح کرے رعایت سے فائدہ اٹھائے۔ اور سنت کا ثواب بھی حاصل کرے بلکہ علماء نے لکھا ہے کہ انسان اگر خوارج و روافض سے دوچار ہو تو ان کی تردید کرنے کی غرض سے مسح کرنے میں پاؤں دھونے سے زیادہ ثواب ہے:

۵۶/۲ **ابوحنیفة** عن علقمة عن سلیمان بن بریدة عن ابیه ان رسول الله علیه وسلم توضأ ومسح علی الخفین وصلی خمس صلوات:

حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا اور اس سے پانچ نمازیں ادا فرمائیں:

تشریح: بعض حضرات کا خیال ہے کہ مسح علی الخفین طہارت ناقصہ ہے پس رسول اللہ کا موزوں پر مسح کرکے پنجگانہ نماز ادا کرنے سے اس باطل خیال کی بھی تردید ہوگئی۔

۵۷/۳ **ابوحنیفة** عن علقمة عن ابن بریدة عن ابیه ان النبی

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم فتح مکہ کو موقعہ پر ایک وضو سے پانچ نمازیں

صلی اللہ علیہ وسلم یوم فتح مکۃ صلی خمس صلوات بوضوء واحد ومسح علی خفیہ فقال لہ عمر ما رایناک صنعت ھذا قبل الیوم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عمداً صنعتہ یا عمر ؛

ادا کیں ۔ اور قدیم عادت کے خلاف) موزوں پر مسح کیا ۔ حضرت عمرؓ نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ آج سے پہلے ہم نے آپکو ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا نبی صلی اللہ علیہ نے فرمایا اے عمرؓ میں نے قصداً ایسا کیا ہے ؛

تشریح :- اس حدیث میں عمرؓ کی حیرت کا سبب دراصل دو وجہ سے ہے ۔ ایک یہ کہ آپ نے پاؤں نہیں دھوئے اور ان پر مسح کیا ۔ دوسرے ایک وضو سے آنجناب نے کئی نمازیں ادا فرمائیں ۔ آنجناب نے بھی اپنے ان الفاظ سے "عمداً صنعتہ یا عمر" یہ واضح فرمایا کہ میں ان ہی ہر دو امور کی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ مسح دین میں ایک جائز فعل ہے اور یہ کہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنا میرے لئے واجب و فرض نہیں ۔ ایک وضو سے میں بھی تمہاری طرح چند نمازیں ادا کر سکتا ہوں ۔ مسح کے بارہ میں آنحضرت حضرت عمرؓ کے سامنے خاص طور سے مسح کی حقیقت مزید واضح کر دینا چاہتے تھے ۔ ورنہ مسح فتح مکہ سے پہلے ہی جائز ہو چکا تھا ۔ اس کے جواز کا آغاز فتح مکہ سے ہرگز نہیں رہا ایک وضو سے چند نمازیں ادا کرنے کا معاملہ تو یہ قابل تسلیم ہے کہ آنجناب کی پچھلی زندگی میں یہ عمل اپنی مثال نہیں رکھتا ۔ یہ بالکل نیا ہی تھا ۔ تو اس پر تعجب قرین قیاس نہیں پھر اس کا انکشاف کہ فتح مکہ سے قبل آپ ہر نماز کے لئے نیا وضو کیا کرتے تھے اس کا کوئی حل نہیں ۔ ممکن ہے استحباباً اس پر آنجناب نے پابندی کی ہو ۔ فرضیت کے سبب سے نہیں اور ہو سکتا ہے کہ آیت واذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے اپنے لئے جدید وضو کو لازم قرار دیا ہو ۔ جسطرح بعض کا خیال ہے کہ یہ آئیت صرف محدث ہی کے لئے نہیں بلکہ طاہر اور غیر طاہر سب کے لئے ہے کہ جب بھی تم نماز کا ارادہ کرو وضو کرو یعنی نیا چنانچہ دارمی نے عکرمہ سے روایت نقل کی ہے ۔ کہ سعد سب نمازیں ایک وضو سے ادا کرتے اور علی ہر نماز کے لئے نیا وضو کرتے اور اس آیت کو پڑھتے مگر خود دارمی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل اس طرف اشارہ ہے ۔ کہ یہ آیت محدث کے لئے ہے نہ طاہر کے لئے اور اس حدیث سے دلیل لاتے ہیں کہ لا وضوء الامن حدث کہ وضو حدث ہی سے ہے یعنی وضو ٹوٹے تو وضو کرو نہ ٹوٹے تو نہ کرو ۔ حالانکہ اس اشارہ کی کوئی خاص دلیل ممکن نہیں ہے ۔ بہرحال اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وضو کرنا آپ کے لئے بھی فرض تھا ۔ خواہ اس آئت سے ہو یا دوسرے طریق سے ۔ فتح مکہ پر وہ فرض منسوخ ہوا ۔ اور اس کے نسخ کو آنجناب نے اپنے عمل سے قصداً اظاہر فرمایا ۔ یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ امت کے لئے وضو کی پابندی نہ تھی ۔ کیونکہ بخاری ۔ ابوداؤد ابن ماجہ وغیرہ میں انس بن مالک کی یہ روایت موجود ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے وضو کرتے ان سے دریافت کیا گیا کہ حضرت آپ لوگ کیا کرتے تھے کہا کہ ہم لوگوں کو ایک ہی دفعہ کافی ہوتا جب تک وہ نہ ٹوٹ جاتا ۔ اسی طرح ترمذی

میں بھی حضرت انس سے روایت ہے اس حدیث سے ان کا خیال بھی رد ہوا جو کہتے ہیں کہ نیا وضو سب ہی پر فرض تھا۔ فتح مکہ پر وہ منسوخ ہوا۔ ملا علی قاری اس کی شرح لکھتے ہیں کہ آنجنابؐ اس عمل سے مسح کے جواز کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں اور اس جانب بھی کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ "ارجلکم" کی جر و نصب کی دونوں قراءتیں اپنے معنی پر دال ہیں نصب کی غسل رجلین پر اور جر کی مسح خفین پر۔ لیکن یہ خیال بھی خلش سے خالی نہیں کیونکہ مسح کے لئے کعبین کی حد نہیں۔ یہاں کعبین کی حد ہے۔

۵۸/۴ **ابوحنیفة عن عبد الکریم ابی امیة عن ابراهیم حدثنی من سمع جریر بن عبد الله یقول رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یمسح علی الخفین بعد ما انزلت سورة المائدة۔**

حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا اور سورۃ مائدہ نازل ہو چکی تھی۔

تشریح:۔ ابن ماجہ بھی ابراہیم کے ذریعہ حدیث لائے ہیں کہ حضرت جریر نے پیشاب کیا اور پھر وضو کرنے کے بعد موزوں پر مسح کیا۔ لوگ حیران ہوئے کہ یہ کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ لوگوں کا تعجب اس بنا پر تھا کہ جو مسح خفین کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ مسح سورہ مائدہ کے نزول سے قبل تھا۔ اس کے بعد صرف غسل رہ گیا۔ اسی شبہ کو حضرت جریر نے دور کر دیا کہ میں نے آنحضرت کو سورہ مائدہ کے نزول کے بعد موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے ما اسلمت الا بعد نزول المائدۃ کہ میں اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا جب تک کہ سورہ مائدہ نازل نہیں ہوئی یعنی میں سورہ مائدہ کے نازل ہونے کے بعد مسلمان ہوا۔

۵۹/۵ **ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم عن همام بن الحرث انه رای جریر بن عبد الله توضأ ومسح علی خفیه فسألہ عن ذلك فقال انی رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یصنعه وانما صحبته بعد ما نزلت المائدة۔**

ہمام بن حارث نے جریر بن عبداللہ کو دیکھا کہ وضو کیا۔ اور موزوں پر مسح کیا۔ ہمام نے اس بارے میں دریافت کیا تو (جریر) کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے اور مجھ کو شرف صحبت (یعنے صحابی ہونے کا فخر) نزول مائدہ کے بعد حاصل ہوا ہے۔

تشریح:۔ حضرت جریرؓ آنحضرت کے وصال سے چالیس دن پہلے اسلام لائے ہیں۔

۶۰/۶ **ابوحنیفة عن حماد عن الشعبی عن ابراهیم بن ابی موسی الاشعری عن المغیرة بن شعبة انه خرج مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فی سفر فانطلق رسول الله صلی الله علیه وسلم تقضی حاجته ثم رجع وعلیه جبة رومیة ضیقة الکمین**

مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں نکلا (یعنے تبوک کی طرف) آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے اور بعد فراغت واپس تشریف لائے آپ نے تنگ آستینوں والا رومی جبہ زیب تن فرمایا تھا۔

فَرَفَعَهَا رسول الله صلى الله عليه وسلم من ضيق كمّها قال المغيرة فجعلت اصب عليه من الماء من اداوة معى فتوضأ وضوءه للصلوٰة ومسح على خفيه ولم ينزعهما ثمّ تقدّم و صلّی ؛

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اٹھایا۔ ہاتھ سے آستینیں اٹھتی نہیں تھیں اس لئے آپ نے جبّہ اوپر اٹھالیا۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ پھر میں آپ پر چھاگل سے جو میرے پاس تھی۔ پانی ڈالتا رہا۔ آپ نے نماز کے لیے وضو کیا اور موزے اتارے بغیران کے مسح کیا پھر آگے بڑھ کر نماز ادا فرمائی۔

تشریح :- یہ واقعہ تفصیل سے بہ اختلاف۔ الفاظ صحاح ستہ میں موجود ہے ان سب روایات سے کئی اہم مسائل اخذ ہوتے ہیں وہ یہ کہ مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھا۔ آپ نے اثنائے سفر میں سواری بٹھائی اور قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے واپسی پر میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا آپ نے ہاتھ دھوئے۔ پھر منہ دھویا پھر کہنیوں تک ہاتھ دھو کر سر کا مسح کیا اور پھر موزوں پر مسح کیا وضو سے فراغت کے بعد ہم آگے بڑھے تو دیکھا گیا کہ لوگ عبدالرحمٰن بن عوف کو امام بنائے ہوئے فجر کی نماز میں مشغول ہیں۔ عبدالرحمٰن نے سلام پھیرا تو آنحضرت نے پہلی رکعت پوری فرمائی۔ لوگ آپ کو دیکھ کر گھبرا گئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں پہل کر بیٹھے۔ آپ نے فرمایا نہیں ٹھیک کیا تم نے یہ واقعہ مجمل ہے۔ بہ نظر عمیق حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو کئی ایک مسائل اس واقعہ میں حل ہوتے نظر آئیں گے۔

مثلاً آپ نے جو جبّہ زیب تن فرمایا تھا اس کی آستینیں تنگ تھیں۔ گویا تنگ آستینوں والا جبہ پہنا جا سکتا ہے۔ خصوصاً جہاد میں کہ اس میں چستی درکار ہے۔ ڈھیلے کپڑوں میں چستی ممکن نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر بہ طور ثواب کوئی دوسرا وضو کرائے تو جائز ہے۔ مسح خفین کا مسئلہ بھی اسی سے حل ہوا۔ اور امسحوا برؤسکم کا اجمال دور ہو گیا۔ اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وقت کی تاخیر کا اگر خوف ہو تو امام کا انتظار ضروری نہیں۔ پھر یہ بات بھی اس سے واضح ہوئی کہ افضل مفضول کی اقتدار کر سکتا ہے۔ کیونکہ آپ نے اپنی امت کے ایک فرد کے پیچھے نماز ادا فرمائی۔ اس کا بھی اس سے ثبوت ملا کہ موزے پہنتے وقت پاؤں کی پاکی شرط ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں یوں ہے کہ مغیرہ موزے اتارنے کے لئے جھکے تو آپ نے فرمایا نہیں رہنے دو میں نے اس وقت موزے پہنے تھے۔ جبکہ میرے پیر پاک تھے ؛

۶۱/۷ ابوحنيفة عن حماد عن الشعبى عن المغيرة بن شعبة قال وَضَّأْتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليه جبّة رومية ضيقة الكمين فاخرج يديه من تحتها ومسح على خفية وَفى رواية ان رسول الله صلى

حضرت مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا۔ اور آپ رومی جبّہ تنگ آستینوں والا زیب تن کئے ہوئے تھے۔ تو آپ نے اپنے ہاتھ اس کے نیچے سے نکالے اور موزوں پر مسح فرمایا ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ نے موزوں

اللہ علیہ وسلم مسح علی الخفین وعلیه
جبة شامية ضيقة الكمين فاخرج يديه
من اسفل الجبة ؛

پر مسح کیا۔ اور آپ شامی جبہ تنگ آستینوں والا
زیب تن فرمائے ہوئے تھے تو آپ نے اپنے ہاتھ
جبہ کے نیچے سے نکالے ؛

تشریح :- یہ جبہ وہی ہے جس کا ذکر پچھلی حدیث میں آچکا ہے کہیں رومی کے نام سے ہے اور کہیں شامی کے نام سے بات ایک ہی ہے۔ بہر حال اس حدیث سے بھی وہ تمام مسائل حل ہوئے جو گذشتہ تشریح میں بیان کئے گئے ہیں بلکہ اگر کوئی مدبر فقیہ ہو تو مزید مسائل بھی حل کر سکتا ہے۔

٦٢/٨ **ابو حنيفة** عن حماد عن الشعبي عن
المغيرة بن شعبة قال رأيت رسول الله صلى الله
عليه وسلم يمسح ؛

مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ؛

تشریح :- یہ حدیث حضرت مغیرہ کی مفصل حدیث کا اختصار ہے ؛

٦٣/٩ **ابو حنيفة** عن ابی بکر بن
ابی الجهم عن ابن عمر رضؓ قال
قدمت على غزوة في العراق
فاذا سعد بن مالك يمسح على
الخفين فقلت ما هذا
فقال يا ابن عمر اذا قدمت
على ابيك فسئله عن ذالك
قال فاتيته فسألته فقال
رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم
يمسح فمسحنا ؛

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں جہاد کی غرض سے
عراق گیا تو سعد بن مالک کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے
دیکھا۔ میں نے کہا حضرت یہ کیا۔ کہا اے ابن عمر جب
اپنے والد کے پاس جاؤ تو اس کے بارہ میں ان سے
دریافت کرنا۔ (ابن عمر) کہتے ہیں کہ جب میں والد کے
پاس پہنچا۔ تو ان سے (اس بارہ میں) پوچھا انہوں
نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ تو ہم بھی مسح کرنے
لگے ؛

وفي رواية قال قدمت
العراق للغزو فاذا سعد بن
مالك يمسح على الخفين
فقلت ما هذا ؛
قال اذا قدمت على عمر رضؓ
فسئله ؛
فقال قدمت على عمر رضؓ
فسألته ؛
فقال رأيت رسول الله

ایک روایت اس طرح ہے کہ ابن عمر رضؓ نے
کہا کہ میں جہاد کے لئے عراق گیا تو (وہاں) سعد
بن مالک (یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) کو موزوں
پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے کہا حضرت
یہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب تم (اپنے والد)
حضرت عمرؓ کے پاس جاؤ تو ان سے اس کے بارہ
میں دریافت کرنا ابن عمر کہتے ہیں کہ جب میں
حضرت عمر کے پاس آیا تو ان سے میں نے اس کے
متعلق دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم یمسح ، فمسحنا ؛

وفی روایۃ قال قدمتُ العراق لغزوۃ جلولا فرأیتُ سعد بن ابی وقاصٍ یمسح علی الخفین ۔

فقلت ماھذا یا سعد ۔

فقال اذا لقیت امیرالمؤمنین فاسأله ۔

قال فلقیت عمر فاخبرته بما صنع ۔

فقال عمر صدق سعد رأیت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنعه فصنعنا ؛

وفی روایۃ قال قدمنا علی غزوۃ العراق فرأیت سعد بن ابی وقاص یمسح علی الخفین فانکرت علیه فقال لی اذا قدمت علی عمرؓ فاسأله عن ذالک قال ابن عمر فلما قدمت علیه سألته وذکرتُ له ما صَنَعَ سعد فقال عمك افقهُ منك رأینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح فمسحنا ؛

صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پہ مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے تو ہم بھی مسح کرتے ہیں ؛

ایک روایت یہ ہے کہ ابن عمرؓ نے کہا کہ میں غزوہ جلولا میں شمولیت کی غرض سے عراق پہنچا تو سعد بن ابی وقاص کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے کہا اے سعد یہ کیا ہے۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ جب تم امیرالمؤمنین (عمرؓ) سے ملو۔ تو ان سے اس کے بارہ میں پوچھنا۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب میں حضرت عمرؓ سے ملا تو میں نے سعد کے مسح کرنے کی خبر ان کو پہنچائی۔ عمرؓ فرمانے لگے سعد سچے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا۔ تو ہم نے بھی ایسا ہی کیا۔

ایک روایت میں اس طرح سے ہے کہ کہتے ہیں کہ ہم جہاد کے لئے عراق گئے تو سعد بن ابی وقاصؓ کو موزوں پہ مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے اس کو نئی بات جانا تو مجھ سے کہنے لگے جب تم عمرؓ کے پاس جاؤ تو اس کے بارہ میں ان سے دریافت کرنا۔ ابن عمر کہتے ہیں۔ کہ جب میں انکے (عمرؓ کے) پاس پہنچا میں نے ان سے بیان کیا۔ فرمانے لگے تمہارے چچا حضرت سعد تم سے زیادہ عالم و فقیہ ہیں۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تو ہم نے بھی مسح کیا ؛

تشریح :۔ محدثین ایک کے گروہ سے یہ حدیث مروی ہے۔ بخاری نے مرفوعًا روایت کیا ہے ان کے الفاظ اس طرح ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ نے عمرؓ سے دریافت کیا تو آپ نے ان سے فرمایا بے شک جب سعد تم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کریں تو پھر کسی دوسرے سے نہ دریافت کرو۔

عبداللہ بن عمرؓ کی اس مسئلہ سے لاعلمی یا تو اس بنا پر تھی کہ اس وقت تک ان کو اس مسئلہ کی سرے سے خبر ہی نہ ہوئی تھی یا پھر وہ یہ سمجھتے رہے کہ مسح علی الخفین صرف سفر میں ہے۔ حضر میں نہیں اسلئے جب

حضرت سعد کو حضر میں مسح کرتے دیکھا تو حیران ہو گئے اور فوراً موافقت نہیں کی آخر والد سے اس مسئلہ کی تحقیق کی۔ اور ایک نتیجہ پر پہنچے ورنہ یہ کیسے قرین قیاس ہو۔ جبکہ انہیں سے دو جگہ مسح خفین کی مرفوع روایت موجود ہے۔

٦٤/١٠ **ابوحنیفة** عن حماد عن سالم بن عبداللہ بن عمر انه تنازع ابوہ وسعد بن ابی وقاص فی المسح علی الخفین فقال سَعْد امسح وقال عبداللہ ما یعجبنی قال سَعْد فاجتمعنا عند عمرؓ فقال عمرؓ عمك اَفْقَه منك سنةً ؛

سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے کہتے ہیں۔ کہ مسح خفین کے بارہ میں سعد بن ابی وقاص اور میرے والد کے درمیان اختلاف رائے ہوا حضرت سعد نے کہا کہ میں مسح کرتا ہوں۔ عبداللہ نے کہا کہ مجھے یہ پسند نہیں۔ سعد کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اپنے صاحبزادہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تمہارے چچا (سعد) تم سے زیادہ سنت کے عالم ہیں ؛

تشریح :- اس حدیث کی بھی حسب سابق شرح ہے۔

باب ٢٦ توقیت المسح

مسح کی مدت مقرر کرنا !

٦٥/١ **ابوحنیفة** عن عبداللہ بن دینار عن ابن عمر رایت النبی صلعم یمسح علی الخفین فی السفر ولم یوقّتهُ ؛

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر میں موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ اور آپ نے اس کی مدت نہیں مقرر کی ؛

تشریح :- ابن عمرؓ لم یوقته کے یہ معنی کرتے ہیں کہ میرے علم میں آپ نے اس کی مدت مقرر نہیں فرمائی یہ نہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اس کی کوئی مدت متعین نہیں کیونکہ مسافر و مقیم ہر دو کے مسح کی مدت بروایات صحیحہ ثابتہ مقرر ہے۔ غالباً ابن عمرؓ کا یہ واقعہ حضرت سعد سے مسئلہ مسح میں عدم آگہی کا موجب ہوا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسی روایت کی روشنی میں امام مالکؒ نے مسافر کے لئے کوئی مدت مقررہ کی نہیں۔ اور مسح صرف مسافر کے لئے جائز قرار دیا ہو نہ کہ مقیم کے لئے جو ایک روایت میں ان سے ثابت ہے ملا علی قاری نے کہا کہ عدم توقیت کے لئے یہ حدیث حجت نہیں بن سکتی کیونکہ یاد کرنے والا نہ یاد کرنے والے سے زیادہ قابل حجت ہے۔ صحیح مسلم میں علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے تین دن رات مقرر کئے اور مقیم کے لئے ایک دن رات اگرچہ مدت مقررہ نہ کرنے کی روایات بھی ابوداؤد۔ ابن ماجہ میں موجود ہیں مگر ان کو ضعیف قرار دیا گیا ہے صحیح روایات وہ ہیں جن میں مدت مقرر ہے۔

٦٦/٢ **ابوحنیفة** عن حماد عن ابراهیم النخعی عن ابی عبداللہ الجدلی عن

حضرت خزیمہ بن ثابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے مسح خفین کے بارہ میں

خزيمة بن ثابت عن النبی صلعم انه قال فی المسح علی الخفين للمقيم يوما وليلة وللمسافر ثلثة ايام وليا ليها لا ينزع خفيه اذا لبسها وهو متوضئ۔ وفی رواية المسح علی الخفين للمسافر ثلثة ايام وللمقيم يوما وليلة ان شاء اذا توضأ قبل ان يلبسهما ؛

مقیم کے لیے ایک دن رات کی مدت مقرر فرمائی اور مسافر کیلئے تین دن رات کی (فرمایا) اگر باوضو ہو کر ان کو پہنا ہو تو انہیں نہ اتارے اور ایک روایت میں ہے کہ موزوں پر مسح کرنے کی مدت مسافر کے لئے تین دن تین رات ہے اور مقیم کیلئے ایک دن رات اگر چاہے بشرطیکہ پہننے سے پہلے وضو کیا ہو ؛

تشریح :۔ اس حدیث کی سند میں منقطع ہے کیونکہ ابراہیم تیمی اور عمرو بن میمون درمیان سے چھوٹ گئے ہیں۔ اور ابراہیم نخعی کا سماع ابی عبداللہ حدبی سے نہیں مانا جاتا۔ اس انقطاع کے سبب حدیث میں سقم ہے اور اس کی صحت میں کلام ہے۔ ہمارا کہنا ہے کہ اول تو اس پر اتفاق نہیں تہذیب التہذیب میں کہا ہے کہ ابراہیم نخعی کو ابی عبداللہ حدبی سے سماع حاصل تھا۔ اگر سماع نہ بھی مانا جائے تو امام صاحب کے نزدیک منقطع حدیث حجت ہے بشرطیکہ راوی ثقہ ہو۔ اور ابراہیم ثقہ ہیں۔ تقریب میں ہے کہ ابراہیم ثقہ ہیں۔ البتہ یہ اکثر ارسال کرتے ہیں۔ پھر اس حدیث کو ابوداؤد و ترمذی بھی لائے ہیں۔ اور ان کے نزدیک یہ صحیح ہے۔ اور ترمذی نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ابن حبان نے بھی اس کو صحیح کہا ہے تعجب یہ ہے کہ ان تمام حقائق سے چشم پوشی کر کے نووی شرح المہذب میں کہہ بیٹھے کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے ایسا دعوی کرنا جو حقیقت کے خلاف ہے نووی کے شایان شان نہیں ؛ یا پھر انہیں حقیقت معلوم نہ ہو سکی۔

مسح کی مدت معین کرنے میں بھی شریعت کا خاص راز ہے۔ اکثر و بیشتر کاموں کی مدت کا اندازہ کم از کم ایک دن سے لگایا جاتا ہے چنانچہ مقیم کے لئے شریعت نے یہ ہی مدت رکھی اور آسانی و رعایت کے لئے رات کو بھی اس میں شامل کیا۔ پھر مسافر کے لئے یہ مدت تین حصے بڑھا دی۔ کیونکہ مسافر سفر کی وجہ سے مصیبتوں میں ہوتا ہے۔ سفر آخر ہے ہی تکلیف کی نشانی۔ سفر میں آخر کیا کچھ تکلیف نہیں پہنچتی ہے۔ لہذا اس میں جس قدر سہولت پیدا کی جا سکے پیدا کی جانی چاہیے۔ پھر سفر میں عام طور پر پانی کبھی ہے کبھی نہیں۔ اگر ہے تو صرف پینے کے مقدار اس لئے اس کے حق میں پانی کی بچت نہایت مناسب ہے۔ تیسرے جس طرح مسافر کے پاس پانی کی کمی ہوتی ہے وقت کی بھی اس کے پاس کمی ہوتی ہے۔ ان شرعی عذر کی بنا پر اس کے لئے آسانی و سہولت کر دی گئی۔ لہذا اور شریعت نے اس کو تین دن تین رات کی مہلت دیکر اس پر احسان کیا۔ اور دو کی تعداد اسلئے ناپسند کیا ہے۔ کہ اللہ تعالی فرد ہے اور وتر کو محبوب رکھتا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ مرتبہ اقل جمع صرف تین ہی ہے۔ غرض شریعت کی ہر بات پُر از حکمت ہے۔

٦٧/٣ **ابوحنیفة** عن سعید عن ابراھیم التیمی عن عمرو بن میمون الاودی عن ابی عبد اللہ الجدلی عن خزیمة بن ثابت ان النبی صلعم سئل عن المسح علی الخفین قال للمسافر ثلثة ایام ولیالیھن وللمقیم یوما ولیلة ؎

خزیمہ بن ثابت کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسح خفین کی مدت کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا مسافر کے لئے تین دن تین راتیں اور مقیم کے لئے ایک دن رات ؎

تشریح :۔ مسح کا وقت کب سے شروع ہوجاتا ہے اس بارے میں امام شافعی اس کے قائل ہیں۔ کہ موزہ پہننے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حدث کے بعد سے۔ یعنی فرض کیجئے کوئی مقیم صبح موزہ پہن کر مسح کرتا ہے اور ظہر کی نماز بھی اسی وضو سے پڑھتا ہے۔ اور بعد نماز ظہر اس کا وضو ٹوٹتا ہے تو دوسرے دن کی ظہر کے بعد تک مسح کی مدت باقی رہے گی۔ نہ دوسرے دن کی صبح تک۔ یہی مذہب قرین قیاس ہے۔ کیونکہ موزہ کا کام یہ ہے کہ ناپاکی کو پاؤں تک نہ پہنچنے دے اور اس کا یہ اثر اسی وقت سے شروع ہوگا۔ کہ جب سے وضو ٹوٹے اس سے پہلے تو وہ طاہر ہے۔ اس وقت ناپاکی روکنے کا کیا ذکر۔ پھر یہ بھی ہے کہ فرض کیجئے ایک شخص نے موزہ پر مسح کیا اور ایک دن ایک رات اس کا وضو نہیں ٹوٹا۔ تو کیا اس کو موزہ اتار دینا چاہئے۔ نہیں۔ جب اس کے لئے موزہ اتارنا لازم نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ مدت مسح حدث سے شمار ہوتی ہے نہ کہ پہننے کے بعد سے اور یہی امام اعظم کا مذہب ہے۔

٦٨/٤ **ابوحنیفة** عن الحکم عن القاسم بن محمد عن شریح بن ھانیٔ عن علی عن النبی صلعم یمسح المسافر علی الخفین ثلثة ایام ولیالیھن والمقیم یوما ولیلة ؎

حضرت علی روایت کرتے ہیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کہ مسافر موزوں پر مسح کرے تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن ایک رات تک ؎

تشریح :۔ یہ حدیث مکرر ہے اس لئے اوپر کی تشریح دیکھ لی جائے۔

باب ٢٧ فی الجنب اذا اراد العود

جنابت کی حالت میں دوبارہ جماع کرنا

٦٩/١ **ابوحنیفة** عن ابی اسحق عن الاسود عن الشعبی عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلعم یصیب من اھلہ من اول اللیل فینام ولا یصیب ماء فاذا استیقظ من اخر اللیل عاد و اغتسل ؎

عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ مطہرہ سے صحبت کرتے۔ شروع رات میں پھر سو رہتے اور پانی نہ چھوتے پھر اخیر رات میں جب بیدار ہوتے تو پھر صحبت کرتے اور غسل فرماتے ؎

تشریح :۔ اسی راوی سے دوسری صحیح مرفوع روایات بطریق عائشہؓ مروی ہیں ان میں ہے

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمانے سے پہلے وضو کیا کرتے اور اس میں اس طرح ہے کہ بغیر پانی چھوئے آرام فرماتے بعض نے ابواسحاق کیطرف وہم و غلطی کا احتمال کیا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ وہ ثقہ۔ اور اہل صدق ہیں تقریب میں بھی اس کی صراحت ہے۔ پھر وہ اس روایت میں منفرد بھی نہیں۔ چنانچہ ہشیم عبدالملک نے اور وہ عطا سے اور وہ عائشہ سے یہ ہی روایت لائے ہیں۔ ایسے ہی ابن خزیمہ۔ ابن حبان اپنی اپنی صحیح میں ابن عمرؓ سے اسے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا ہم میں سے کوئی ناپاک سو سکتا ہے آپ نے کہا ہاں۔ اگر چاہے تو وضو کر لے۔ گویا یہاں مرضی پر انحصار ہے کہ اگر وضو نہ کرے کوئی حرج نہیں اگر ابواسحاق منفرد بھی ہوں تو چونکہ وہ ثقہ ہیں ان کی زیادتی معتبر ہے۔ لہٰذا اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ ہر دو قسم کی روایات میں مطابقت پیدا کی جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو یہ کہا جائے کہ آنجناب غسل کے لئے پانی کو نہ چھوتے تھے۔ اس سے وضو کا انکار نہیں یہ تطبیق بیہقی نے اختیار کی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ یہ دونوں واقعات مختلف وقتوں کے ہیں۔ اکثر وضو فرما یا کرتے اور کبھی نہ بھی۔ صرف جواز بتانے کے لئے اور تاکہ آپ کی ہمیشگی سے وجوب کا خیال پیدا نہ ہو یہ طریق تطبیق نووی کی ہے ؛

۲۷ **حماد** عن ابی حنیفة عن ابی اسحٰق عن الاسود عن عائشة قالت کان رسول اللّٰہ صلعم یصیب اھله اول اللیل ولا یصیب ماء فاذا استیقظ من آخر اللیل عاد واغتسل ؛

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اول شب میں اپنے اہل سے صحبت کرتے اور پانی نہ چھوتے پھر آخر رات میں جب بیدار ہوتے۔ صحبت کرتے اور غسل فرما لیتے ؛

تشریح :۔ چونکہ حدیث مکرر ہے اس لئے تشریح اوپر دیکھ لی جائے۔

باب ۲۸ لا ینام الجنب حتّٰی یتوضّأ !

جنبی اس وقت تک نہ سوئے جب تک وضو نہ کر لے !

۱ **ابو حنیفة** عن حماد عن ابراھیم عن الاسود عن عائشة قالت کان رسول اللّٰہ صلعم اذا اراد ان ینام وھو جنب توضأ وضوءہ للصلوٰة ؛

عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بحالت جنابت سونے کا ارادہ فرماتے تو نماز کے وضو کی طرح وضو فرما لیا کرتے تھے ؛

تشریح :۔ مسلم میں بطریق اسود حضرت عائشہ سے روایت ہے اس میں یاکل کا لفظ زیادہ ہے، یعنی جب آپ جنب ہوتے اور کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو نماز جیسا وضو کرتے۔ بخاری میں عروہ کے طریق سے حضرت عائشہ سے اس طرح روایت ہے کہ جب آنجناب بحالت جنابت سونے کا ارادہ فرماتے۔ تو استنجا فرما لیا کرتے نماز جیسا وضو کر لیا کرتے تھے۔ گویا اس

ہیں استنجا کا ذکر زیادہ ہے صحاح میں یہ حدیث مختلف طرق سے موجود ہے۔ مزید تفصیل کے لئے وہیں دیکھ لیا جائے۔

۲۹ بَابُ الْمُؤْمِنُ لَا یَنْجُسُ

مومن ناپاک نہیں ہے

۱/۴۲ ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن رجل عن حذیفۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدّ یدہٗ الیہ فنحاعنہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک قال انی جنبٌ قال لہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارنا یدیک فان المؤمن لیس بنجس وفی روایۃ المؤمن لاینجس ؛

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف بغرض مصافحہ دست مبارک بڑھایا تو حذیفہ نے ہاتھ کھینچ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تم کو کیا ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں ناپاک ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذرا اپنے دونوں ہاتھ دکھاؤ بے شک مومن ناپاک نہیں ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ مومن ناپاک نہیں ہوتا ؛

تشریح :۔ امام بخاری و مسلم اور دیگر اصحاب صحاح نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ابوداؤد حذیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملے تو انکی طرف جھکے۔ حذیفہ نے کہا کہ میں ناپاک ہوں آپ نے فرمایا مومن نجس نہیں ہے اس میں بجائے مومن کے مسلم کا لفظ ہے اس سے اس کا پتہ چلا کہ شریعت کی اصطلاح میں مومن و مسلم ایک ہی معنی میں مستعمل ہے اگرچہ لغت میں ان کے درمیان فرق کیا جاتا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنابت کی نجاست نجاست حکمی ہے۔ یہ نماز کی ادائیگی۔ مسجد میں داخلہ اور قرآن چھونے سے مانع ہے۔ یہ نجاست حقیقی کی طرح انسان کی جلد کو ناپاک نہیں کرتی۔ اس سے نہ خود مومن ناپاک ہوتا ہے۔ نہ ناپاکی دوسرے تک متعدی ہے اسی لئے جنبی کا پسینہ یا لعاب ناپاک نہیں۔ یہ ہی حال چھوٹی نجاست کا ہے کہ مثلاً وضو ٹوٹنے سے انسان کا بدن ناپاک نہیں ہوتا۔ نہ اس کا پسینہ یا تھوک ناپاک ہوتا ہے۔ نہ یہ دوسرے کو ناپاک کرتا ہے۔ البتہ انسان نماز پڑھنے سے رک جاتا ہے۔ دوسرے رخ میں حدیث ذیل سے اس کا ثبوت ملا کہ کافر حقیقتاً نجس و ناپاک ہے۔ اسی لئے ارشاد باری ہے۔ انما المشرکون نجس یعنی نہیں سوائے اس کے کہ مشرک نجس ہیں ؛

۲/۴۳ ابوحنیفۃ عن حماد عن حذیفۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدّ یدہ الیہ فامسکھا عنہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المؤمن لاینجس ؛

حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کیطرف بڑھایا۔ تو حذیفہ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ مومن ناپاک نہیں ہوتا ؛

تشریح :۔ مفہوم کے لئے حدیث گذشتہ کی تشریح دیکھ لی جائے۔

؏

۷۴/۳ **ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم**
عن الاسود عن عائشۃ ان رسول اللہ صلعم
قال لہا ناولینی الخمرۃ فقالت انی حائض
فقال ان حیضتک لیست فی یدک ؛

عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے چٹائی یا بوریا طلب فرمایا حضرت عائشہ
نے جواب دیا کہ میں حائضہ ہوں آپ نے ارشاد
فرمایا کہ تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے ؛

تشریح :۔ ترمذی نے اپنے سلسلہ اسناد سے قاسم بن محمد سے روایت کی ہے اور انہوں نے عائشہ سے کہ آنجناب نے مجھ سے فرمایا۔ کہ ذرا مسجد سے چٹائی اٹھاؤ۔ میں نے کہا میں تو حائضہ ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ حیض نجاست حکمی ہے۔ حقیقی نہیں۔ چنانچہ احادیث سے اس کا ثبوت ہے کہ جنبی اور حائضہ کا جھوٹا اور پسینہ پاک ہے ، نیز یہ کہ حائضہ عورت مسجد سے بغیر اس میں داخل ہوئے کوئی چیز اٹھا کر لا سکتی ہے۔ ہاں داخلہ جائز نہیں۔ اسی دخول مسجد کے ممانعت کی وجہ سے حضرت عائشہؓ مصلی لانے سے رکیں اور عدم تعمیل حکم کا عذر پیش فرمایا ان کو یہ خیال رہا۔ کہ نجاست حقیقی کی طرح حیض کی نجاست پورے بدن کو ناپاک کر دیتی ہے۔ اس میں ہاتھ بھی شامل ہے۔ تو ناپاک ہاتھ سے مصلی کس طرح چھوئیں۔ لہذا آنحضرت نے تعلیم فرمائی کہ یہ دکھنے والی نجاست کیطرح بدن میں نہیں سرایت کرتی ؛

بَابُ الْمَرْأَۃِ تَرٰی فِیْ مَنَامِھَا مَا یَرَی الرَّجُلُ

نیند میں عورت بھی ایسے ہی دیکھتی ہے جسطرح مرد دیکھتا ہے!

۷۵/۱ **ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم**
قال اخبرنی من سمع ام سلیم انہا سألت
النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن المرأۃ تری ما
یری الرجل فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
تغتسل ؛

ام سلیمؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستورات
کے بارے میں دریافت کیا کہ اگر وہ خواب میں وہ
دیکھے جو مرد دیکھتا ہے (یعنی اگر وہ خواب میں احتلام
ہو تو اسکا کیا حکم ہے) آپ نے فرمایا کہ وہ غسل کرلے ؛

تشریح :۔ بخاری زینب بنت ابی سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ام المومنین ام سلمہؓ نے کہا کہ ابوطلحہ کی بیوی ام سلیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہنے لگیں یا رسول اللہ۔ اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا کیا عورت پر غسل ہے جب اس کو احتلام ہو آپ نے فرمایا ہاں جب تری دیکھے ؛

اس میں مسئلہ یہ ہے کہ غسل کا مدار تری دیکھنے پر موقوف ہے۔ اگر احتلام ہونا یاد ہے تری نہیں دیکھی تو غسل بھی نہیں۔ اگر احتلام یاد نہیں مگر تری دیکھ لی۔ تو غسل کرنا واجب ہے ، چنانچہ بیہقی نے عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ جب تم میں سے کوئی نیند سے جاگے اور تری دیکھ لے اور اس کو احتلام یاد نہ ہو تو وہ غسل کرلے اور جب اس کو خیال ہو کہ احتلام ہوا ہے۔ مگر تری نہ دیکھے تو اس پر غسل نہیں۔ ابوداؤد

بھی ایک طریق سے قاسم سے اور وہ عائشہؓ سے اسی طرح کی روایت بیان کرتے ہیں ؂

بَابُ ٣١ بِئْسَ الْبَيْتُ الْحَمَّامُ

باب ٣١ حمام بدترین جگہ ہے!

ابو حنيفة عن عطاء عن عائشة قالت قال رسول الله صلعم بئس البيت الحمام هو بيت لا يستر وماء لا يطهر.

عائشہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حمام بدترین جگہ ہے جہاں ٧٦/١
بے پردگی ہے اور جہاں کا پانی ناپاک ہے ؂

تشریح:- حمام کی برائی میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ بیہقی عائشہؓ سے اور ابن عدی ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حمام بدترین جگہ ہے۔ اس میں آوازیں اٹھتی ہیں اور ستر کھلتے ہیں۔ مگر جو عرب میں اس زمانہ میں رائج تھے۔ کہ ایک چھوٹا سا حمام ہوتا۔ لوگ ننگے اس سے پانی لے کر غسل کرتے۔ اگر حماموں میں پاک پانی مہیا کیا جائے اور ستر کا بھی مناسب انتظام ہو تو پھر حماموں میں جانا منع نہیں۔ چنانچہ طبرانی نے کبیر میں حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس مضمون کی روایت کی ہے کہ بچو اس گھر سے جس کو حمام کہتے ہیں جو اس میں داخل ہو وہ ستر ڈھانک کر۔ طبرانی کی روایت میں یوں ہے کہ اس میں ستر پوش ہی جائے۔ بیہقی میں اس طرح ہے کہ نہ داخل ہو اس میں مگر رومال کے ساتھ غرض ان احتیاطوں سے اگر حماموں کا استعمال ہو تو مضائقہ نہیں۔

بَابُ ٣٢ فَرْكُ الْمَنِيِّ مِنَ الثَّوْبِ

باب ٣٢۔ کپڑے سے منی کو کھرچ دینا!

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن همام بن الحارث عن عائشة قال كنت افرك المني من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم.

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نبی صلے اللہ علیہ ٧٧/١
وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ کر صاف کر دیا کرتی تھی ؂

تشریح:- اس حدیث کی تشریح اس سلسلے کی اگلی حدیث کی تشریح میں آرہی ہے۔

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن همام ان رجلا اضافته عائشة، ام المومنين فَاَرْسَلَتْ اِلَيْهِ ملحفة نالتحف بها الليل فاصابته جنابة نغسل الملحفة كلها فقالت ما اراد

ہمام سے روایت ہے کہ ام المومنین عائشہ نے ٧٨/٢
کسی صاحب کو مہمان ٹھہرایا۔ اور ان کے لئے آپ نے ایک لحاف بھیجا۔ رات کو انہوں نے اس کو اوڑھا اس میں ان کو احتلام ہوا۔ انہوں نے سارا لحاف دھو ڈالا جب آپ کو پتا چلا تو فرمایا کہ سب لحاف کیوں دھویا

بغسل المحفة انما کان یجزیہ ان یفرکہ لقد کنت افرکہ من ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم یصلی فیہ ؛

اس کو تو کھرچ دینا کافی تھا۔ البتہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی چٹکی سے مسل کر صاف کر دیا کرتی۔ پھر آپ اس میں نماز ادا فرماتے ؛

تشریح:۔ منی کی نجاست وطہارت کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ اس کو پاک مانتے ہیں امام مالکؒ۔ امام ابو حنیفہؒ اور ایک روایت میں امام احمد اس کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ امام شافعیؒ واحمد روایت ور ایت نقل وعقل ہر دو سے اپنے مذہب پر دلیل لاتے ہیں۔ روایت ونقل میں ان کی دلیل ابن عباس کی حدیث ہے جس میں ہے کہ منی کھنکار کے مانند ہے اس کو صاف کر دو۔ یہ حدیث موقوف بھی ہے اور مرفوع حدیث بھی مگر مرفوع میں علت ہے اس لئے صرف موقوف ہی صحیح ہے۔ چنانچہ بیہقی بطریق عطا ابن عباس سے یہ مرفوع حدیث لائے ہیں مگر کہا موقوف ہی صحیح ہے۔ حدیث عائشہ سے بھی دلیل لاتے ہیں۔ جس کو ابن خزیمہ دار قطنی بیہقی نے نقل کیا ہے کہ فرماتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ دیا کرتی۔ اور آپ اس میں نماز پڑھ لیتے تھے جس طرح کہ اس حدیث میں ہے عقل ودرایت میں کہتے ہیں کہ منی کی نجاست کس طرح قرین قیاس ہو گی جبکہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کی تخلیق اسی سے ہوتی ہے۔ ایسی ناپاک چیز سے مقدس شخصیتوں کی پیدائش کس طرح سمجھ میں آسکتی ہے ؛

طہارت کے باب میں امام مالکؒ وامام ابو حنیفہؒ میں بھی تھوڑا سا اختلاف ہے۔ امام مالک کہتے ہیں۔ کہ جب تک منی کو دھویا نہ جائے کپڑا پاک نہیں ہوتا۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ خشک کو کھرچ دینے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے اور تر منی بغیر دھوئے پاک نہیں ہوتی۔ امام مالک اس کو خون کے حکم میں رکھتے ہیں۔ کہ وہ بھی بغیر دھوئے پاک نہیں ہوتا۔ اب امام صاحب کی نقلی دلیل حضرت عائشہ کی وہ حدیث ہے جو صحیح ابو عوانہ میں ہے آپ فرماتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ دیا کرتی جب خشک ہوتی۔ اور جب تر ہوتی دھو دیا کرتی اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت فرمانا کھلی دلیل ہے کہ یہ نجس ہے۔ ورنہ آپ کیوں بلا وجہ پانی بہانے کی اجازت دیتے۔ اس سے بھی بڑی دلیل یہ ہے کہ مسلم نے عائشہ رضؓ سے روایت کی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منی کو دھویا کرتے۔ اور پھر اسی کپڑا میں نماز کو تشریف لے جاتے۔ اور فرماتی ہیں کہ میں اس میں دھونے کا اثر دیکھا کرتی۔ یا تو خود بنفس نفیس دھویا کرتے یا دھونے کا حکم دیتے۔ ہر دو صورتیں اس کی نجاست کی دلیل ہیں۔ پھر دار قطنی۔ عمار بن یاسر سے حدیث نقل کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا۔ یا عمار انما یغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقیئ والدم والمنی کہ اے عمار کپڑا پانچ چیزوں سے دھویا جاتا ہے۔ پاخانہ۔ پیشاب۔ قے۔ خون اور منی سے۔ اس میں آپ نے منی کو پانچ نجس چیزوں میں شمار فرمایا۔ پس اگر حدیث ابن عباس کو صحیح مانا جائے تو منسوخ ہو گی۔ صرف فرک منی سے کپڑا پاک ہو جانا حدیث ذیل سے بھی ثابت ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ نفاست کی وجہ سے تھا۔ نہ اس لئے کہ یہ نجس ہے۔ تو اس دعوی پر کوئی دلیل نہیں ؛

دلیل عقلی یہ ہے کہ منی کا خروج سب سے بڑی نجاست مانی گئی ہے اسی لیے اس پر طہارت کبریٰ لازم آتی ہے اور غسل واجب ہوتا ہے ہم نے اسی سے اس کو ان چیزوں میں شمار کیا جن سے حدث اصغر وضو واجب ہوتا ہے۔ پھر منی کو طاہر کہنے والوں کی دلیل کا مسکت جواب یہ ہے۔ کہ اگر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کی تخلیق منی سے ہونا اس کی طہارت کی دلیل ہے تو کافر مشرک ابوجہل وابولہب کی پیدائش کس سے ہے وہاں کیا دلیل ہے پھر ناپاک چیز کی تخلیق میں کیا قباحت ہے جبکہ دودھ خون سے پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ نجس چیز سے پاک چیز کی تخلیق قدرت الٰہی کا زیادہ مظہر ہے اور دیگر یہ کہ اگر یہ پاک ہے تو اس کے نکلنے سے طہارت کیوں ختم ہو جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس میں امام شافعیؒ کی دلیل درست نہیں۔

باب ۲۳ ایما اھاب دبغ فقد طھر

کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے!

ابوحنیفة عن سماك عن عكرمة عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ايما اهاب دبغ فقد طهر ۞

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کھال دباغت کر لی گئی۔ وہ پاک ہو گئی۔ ۷۹/۱

تشریح: مسلم میں بھی یہ مرفوع حدیث ابن عباس سے مروی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں اذا دبغ الاھاب فقد طھر۔ کہ جب کھال رنگ لی گئی تو البتہ وہ پاک ہو گئی۔ ترمذی نے بھی اس کو روایت کیا ہے ابن ماجہ اور دارقطنی ابن عمرؓ سے روایت لائے ہیں۔ اس حکم کے تحت خنزیر بہ نجس عین ہونے کی وجہ سے خارج ہوا اور آدمی شرافت و بزرگی کے سبب سے امام شافعیؒ کتے کی کھال بھی اس عام حکم سے خارج کرتے ہیں۔ امام صاحب کے نزدیک نجس نہیں۔ کیونکہ وہ خنزیر کی طرح نجس عین نہیں۔ اسی لئے اس اس سے نفع اٹھانا جائز ہے۔ اور اسی طرح اس کا شکار کیا ہوا حلال ہے۔ اور ادھر حدیث کے الفاظ بھی عام ہیں جو سب کو شامل ہے۔ استثنا کا بظاہر کوئی خاص سبب نہیں۔ یہ ہی حدیث امام مالک اور اصحاب احمد کے خلاف بھی حجت ہے۔ کہ وہ جلد میتہ سے نفع لینا جائز نہیں جانتے اور وہ اس حدیث ممانعت کو سامنے رکھتے ہیں جو ابوداؤد و نسائی۔ ابن ماجہ۔ ترمذی عبداللہ بن حکیم سے لائے ہیں کہ (عبداللہ بن حکیم کہتے ہیں) ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر آئی۔ کہ نہ نفع اٹھاؤ میتہ (مردار) کی کھال اور پٹھے سے۔ کیونکہ اہاب جس سے نفع لینے سے آنجناب نے روکا ہے۔ وہ بے رنگی کھال کا نام ہے۔ تو اس سے نفع اٹھانا تو اس حدیث کی رو سے بھی ناجائز ہے۔ اس حدیث کے ماتحت بھی کھال جب تک نہ رنگ لی جائے۔ پاک نہیں۔ اس سے نفع اندوزی منع ہے۔ تو اب ہر دو احادیث میں تعارض کب دافع ہوا کہ اگر نہی کی حدیث مان لیجائے

تو حدیث ذیل سے انکار لازم آئے۔ اور میتہ کی جلد سے نفع اندوزی کا قول متعذر ہو:

ابو حنیفۃ عن سماکؒ عن عکرمۃ عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرّ بشاۃٍ میتۃٍ لسودۃ فقال ما علیٰ اھلھا لو انتفعوا باھابھا فسلخوا جلد الشاۃ فجعلوہ سقاءً فی البیت حتّٰی صارت شنًّا۔ ۸۰/۲

ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سودہ کی مری ہوئی بکری پر سے گذرے آپؐ نے فرمایا کہ اس کے مالکوں کو کیا ہوا کاش وہ اس کی کھال سے نفع اٹھاتے (چنانچہ) انہوں نے اس بکری کی کھال کھینچی اور اس سے گھر کے استعمال کے لیے ایک مشکیزہ بنا لیا جو استعمال کرتے کرتے کافی پرانا ہو گیا۔

تشریح:۔ یہ اس حدیث کی تشریح اور مفہوم اوپر گذر چکا ہے۔

كِتَابُ الصَّلوٰة

نماز کا بیان!

ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن عبد اللہ عن ابی ذر انہ صلی صلوٰۃً فخففھا واکثر الرکوع والسجود، فلما انصرف قال لہ رجل انت صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتصلی ھٰذہ الصلوٰۃ فقال ابو ذر الم اُتمّ الرکوع والسجود قال بلیٰ قال فانی سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول مَن سجدَ للہِ سجدۃً رفع بھا درجۃ فی الجنّۃ فاَحببتُ ان تؤتیٰ لی درجات او تکتب لی درجات۔ ۸۱/۱

وفی روایۃ عن ابراھیم النخعی عمن حدثہ انہ مرّ بابی ذرؓ رضؓ بالربذۃ وھو یصلی صلوٰۃ خفیفۃ یکثر فیھا الرکوع والسجود فلما سلم ابو ذر قال لہ الرجل تصلی ھٰذہ الصلوٰۃ وقد صحبتَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال

روایت ہے کہ حضرت ابو ذر رضؓ نے نماز پڑھی۔ اور اس کو ہلکا کیا (یعنی کئی رکعتیں ادا کیں۔ مگر قیام میں کم وقت لگاتے گئے) اور رکوع سجدے کثرت سے کیے (یعنی رکعتیں تعداد میں زیادہ ادا کیں) جب واپس پھرے تو ایک شخص نے آپ سے کہا۔ کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور پھر ایسی نماز پڑھتے ہیں۔ ابو ذر بولے کیا میں نے رکوع اور سجدے اچھی طرح نہیں کئے۔ اس شخص نے کہا کیوں نہیں تو آپ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سے سنا فرمایا کہ جس نے اللہ کے لئے ایک سجدہ کیا تو اللہ نے اس کا ایک درجہ جنت میں بلند کیا۔ تو مجھ کو یہ بات پسند آئی کہ مجھ کو (کئی) درجے لکھے جائیں۔ ایک روایت میں اسطرح ہے کہ ایک شخص کا مقام ربذہ میں حضرت ابو ذر کے پاس سے گذرا ہوا۔ اور وہ ہلکی ہلکی نماز پڑھ رہے تھے اور رکوع سجدے کثرت سے کر رہے تھے (یعنی رکعتوں کی ادائیگی میں کم وقت لگا رہے تھے۔ مگر تعداد میں وہ زائد تھیں) جب انھوں نے سلام پھیرا تو اس شخص نے کہا کہ تم ایسی نماز پڑھتے ہو اور تم نے رسول

ابو ذر سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من سجد للہ سجدۃ رفعہ اللہ بہا درجۃ فی الجنۃ فلذلک اکثر فیہا السجود۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے اللہ کے لئے ایک سجدہ کیا اللہ نے جنت میں اسکا ایک درجہ بلند کیا اس لئے میں ان میں سجدے زیادہ کرتا ہوں (یعنی رکعتوں کی تعداد بڑھاتا ہوں)۔

تشریح:- یہاں ایک لطیف بحث ہے وہ یہ کہ کیا نماز کے قیام میں زیادہ دیر لگانا اور نماز لمبا کرنا - افضل و بہتر ہے یا رکعتوں کی تعداد بڑھا کر رکوع اور سجدوں کی تعداد میں اضافہ کرنا زیادہ اجر و ثواب کا سبب ہے۔ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض قیام کی درازی کو افضل اور باعث ثواب سمجھتے ہیں بعض سجدوں کی کثرت اور انکے طول کو اچھا خیال کرتے ہیں بعض ہر دو کو برابر جانتے ہیں۔ گویا یہاں تین قسم کے خیالات ہیں احادیث صحیحہ ہر دو کی فضیلت پر دال ہیں۔ امام احمد نے فرمایا کہ ہر دو کے ثبوت میں احادیث موجود ہیں اس لئے ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں اس لیے خود بھی کوئی فیصلہ نہیں دیا۔ جو کثرت سجود اور درازی کی فضیلت کی طرف جھکے - ان کے پیش نظر حدیث یہی ہے - اور نیز وہ حدیث جو مسلم میں ابو ہریرہ سے ہے کہ آنجناب فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ کے سب سے زائد قریب اس وقت ہوتا ہے کہ جبکہ وہ سر بسجود ہو - تو اس میں دعا زیادہ پڑھو - اس سے سجدہ کی افضلیت اور اس میں زیادہ دیر لگانے کی برتری ثابت ہوتی ہے اور جو اصحاب طول قیام کو ترجیح دیتے ہیں انہوں نے اپنے سامنے وہ احادیث رکھیں جن میں قیام میں زیادہ وقت صرف کرنے کی تعریف کی گئی ہے - مثلاً صحیح مسلم میں حضرت ابو جابر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل الصلوٰۃ طول القنوت کہ نماز کی فضیلت زیادہ تر قیام کو طول دینا ہے پھر اس میں یہ وجہ عقلی بھی نظر آتی ہے کہ قیام قرارت پر مشتمل ہے اور سجدہ تسبیح پر اور قرارت بہر حال تسبیح سے افضل ہے یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیام میں سجدہ سے زیادہ وقت لگایا کرتے تھے - پھر اجر بقدر مشقت ہوتا ہے - قیام میں جو بدنی کوفت اور مشقت جسمانی ہوتی ہے - وہ سجدہ میں نہیں - بدیں وجہ قرین قیاس یہی ہے کہ طول قیام طول سجدہ سے افضل ہو - یہ ہی ہر سہ ائمہ احناف کا مذہب ہے۔ اسحاق بن راہویہ نے ان خیالات میں عجیب پر لطف نکتہ پیدا کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ دن کی نمازوں میں رکوع سجدوں کی کثرت مناسب ہے، اور رات کی نمازوں میں طول قیام - ترمذی ان کے اس کلام کی یہ نفیس ترجمانی کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ اس بنا پر کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نمازوں میں آپ کا قیام میں زیادہ وقت لگانا بنسبت دن کی نمازوں کے زیادہ مروی اور منقول ہے اس لئے گویا یہ خیال سنت ہونے پر منحصر ہے یعنی یہ بھی سنت ہے۔

۳۴ باب ما بین السرۃ والرکبۃ عورۃ

ستر کی حد ناف سے لیکر گھٹنوں تک ہے

ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراہیم قال قال عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما بین السرۃ والرکبۃ عورۃ۔

عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ناف اور گھٹنے کے درمیان ستر ہے۔ ۸۲/۲۱

تشریح :۔ دار قطنی کی روایت ہے کہ ابوایوب نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ گھٹنوں سے اوپر اور ناف سے نیچے ستر ہے۔ امام احمد نے روایت کی کہ ناف کے نیچے سے تک غرضیکہ کہ مرد کے لئے ناف سے لیکر گھٹنوں تک کی جگہ ستر ہے۔ اور اس کا چھپانا لازم اور ظاہر کرنا حرام ہے ؛

حدیث ذیل مسئلہ ستر پر روشنی ڈالتی ہے۔ ستر کے بارہ میں احادیث مذکورہ کے پیش نظر ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ناف اور گھٹنوں کا درمیانی حصہ ستر ہے۔ اور اس پر بھی کہ ناف ستر میں شمار نہیں۔ البتہ گھٹنوں کے ستر ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔ امام مالک۔ شافعی اور احمد فرماتے ہیں کہ گھٹنے ستر میں شامل نہیں۔ احادیث مذکورہ کے ظاہری الفاظ کی رو سے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گھٹنے ستر میں شامل ہیں۔ اور یہ اس حدیث کی رو سے جس کو دار قطنی عقبہ بن علقمہ کے طریق سے علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ الرکبۃ من العورۃ کہ گھٹنہ ستر ہے۔ چنانچہ امام صاحب کے نزدیک ما بین السرۃ والرکبۃ کے معنی دراصل ما بین السرۃ ومنتہی الرکبۃ کے ہوں گے۔ یعنی یہ کہ ستر ناف سے گھٹنے کے آخر تک ہے۔ تاکہ تمام احادیث اپنے اپنے معنے پر باقی رہیں۔ ستر میں گھٹنوں کے شامل کرنے سے ہی صحیح ستر ہو سکے گا ورنہ مشاہدہ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر گھٹنے ستر میں شامل نہ کئے جائیں تو ستر دشواری ہی ہو گا ؛

بَابُ ۳۵ جوازُ الصَّلٰوۃِ فِی الثَّوبِ الواحِدِ

باب ۳۵۔ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا !

ابو حنیفۃ عن عطاء عن جابر انہ امھم فی قمیص واحد وعندہ فضل ثیاب لیعرّفنا بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؛

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک قمیص میں نماز پڑھائی۔ اور انکے پاس فاضل کپڑے بھی تھے تاکہ ہم کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم دیں ؛ ۸۳/۱

ابو قرۃ قال ذکر ابن جریج عن الزھری عن ابی سلمۃ عن عبد الرحمٰن عن ابی ھریرۃ ان رجلا قال یا رسول اللہ یصلی الرجل فی الثوب الواحد فقال النبی صلعم اَوَ لکلکم ثوبان ؛

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آدمی ایک کپڑے میں نماز پڑھ لے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہیں ؛

قال ابو قرۃ فسمعت اباحنیفۃ یذکر عن الزھری عن سعید عن المسیب عن ابی ھریرۃ انہ سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الصلٰوۃ

ابو قرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ کو زہری کی روایت کرتے سنا وہ سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ ابوہریرہ سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

فی الثوب الواحد فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس کلکم یجد ثوبین۔

ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارہ میں دریافت کیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ تم سب کو دو کپڑے میسر نہیں ہیں۔

تشریح:۔ ابن ابی شیبہ نے اسماء بنت ابی بکر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ وہ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہیں۔ میں نے کہا اباجان آپ ایک کپڑہ میں نماز پڑھتے ہیں اور آپ کے پاس کپڑے رکھے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹی! آخری نماز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پیچھے ادا فرمائی۔ وہ ایک کپڑے میں تھی۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ ابی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما میں ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارہ میں اختلاف ہو گیا۔ ابیؓ نے فرمایا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں نماز ادا فرمائی ہے ابن مسعود نے فرمایا کہ یہ وہ وقت تھا جبکہ لوگوں کے پاس کپڑے نہ تھے مگر جب ان کو کشادگی ہوئی تو اب نماز دو کپڑوں میں ہے حضرت عمرؓ نے منبر پہ کھڑے ہو کر حضرت ابیؓ کی رائے پر فیصلہ دیا۔ لیکن فضیلت کا جہاں تک سوال ہے حق ابن مسعود ہی کے ساتھ ہے کہ ایک کپڑا میں نماز اسی وقت تھی کہ لوگوں میں تنگی تھی۔ جب لوگ خوشحال ہو گئے۔ اور ایک سے زائد کپڑے انہیں نصیب ہوئے تو افضلیت نماز کی دو کپڑوں میں ہوئی۔ البتہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے جواز کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اگر ہر دو حضرات کے درمیان اختلاف تھا جیسا کہ بعض جگہ شبہ ہوتا ہے تو پھر حق حضرت ابی کے ساتھ ہے اور حضرت عمرؓ کا فیصلہ حق بجانب ہے۔

ابوحنیفة عن ابی الزبیر عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی ثوب واحد متوشحا بہ فقال بعض القوم لابی الزبیر غیر المکتوبة قال المکتوبة وغیر المکتوبة۔ ۸۴/۲

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑا پہن کر میں نماز پڑھی متوشح ہونے کی صورت میں۔ بعض لوگوں نے ابی الزبیر سے کہا۔ کیا یہ نوافل میں ہے۔ انہوں نے کہا نوافل اور غیر نوافل (فرضوں) سب میں ہے۔

تشریح:۔ متوشح کے معنی ہیں۔ ایک کپڑا سیدھی بغل سے نکال کر دوسری طرف کے کاندھے پر ڈالیں اور الٹی بغل سے نکال کر سیدھے کاندھے پر ڈالیں، اور ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ پھر سینہ پر اسکو باندھ بھی لیں۔

۳۶ باب الصلوٰة فی مواقیتها

باب ۳۶۔ نماز اپنے وقت میں پڑھنا

ابوحنیفة عن طلحة بن نافع عن جابر قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای العمل افضل قال الصلوٰة فی مواقیتها۔ ۸۵/۲

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ کہ کونسا عمل افضل ہے آپ نے فرمایا وقت پہ نماز پڑھنا۔

تشریح:۔ بخاری میں عبداللہ بن مسعودؓ کی مرفوع روایت اسطرح ہے کہ ای الاعمال احب الیہ

نال الصلوٰۃ علی وقتہا۔ کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ترین عمل کونسا ہے آپ نے فرمایا نماز اپنے وقت پر پھر کونسا۔ آپ نے فرمایا والدین کے ساتھ حسن سلوک۔ پوچھا پھر کون سا۔ آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ اس حدیث میں نماز کے اوقات کی پابندی کی تاکید ہے۔ اور صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سب سے افضل عمل وقت پر نماز پڑھنا ہے۔

باب ۳۷ فضیلۃ الاسفار!

اسفار کی فضیلت کا بیان!

86
1

ابوحنیفۃ عن عبد اللہ عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسفروا بالصبح فانہ اعظم للثواب ٭

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں (کہ آپ نے فرمایا) نماز صبح کی ادائیگی کے لئے۔ صبح کو خوب ظاہر ہونے دو۔ کیونکہ اس میں زیادہ ثواب ہے۔ ٭

تشریح:۔ یہ حدیث ائمہ میں ایک مختلف فیہ مسئلے کو حل کرتی ہے مسئلہ دراصل صبح کی نماز کے وقت کے بارے میں ہے ہر سہ ائمہ صبح کے وقت میں غلس کے قائل ہیں اور امام اعظم اسفار کے غلس یعنی صبح کا وہ وقت جس میں اندھیرا چھایا ہوا ہو اور آدمی اپنے ہم جلیس کو نہ پہچان سکتا ہو۔ امام صاحب کے مذہب کا مدار اس حدیث کے لفظ اسفار پر ہے جو مختلف مگر ہم معنی الفاظ سے صحاح ستہ میں منقول ہے۔ ابن ماجہ میں رافع بن خدیجؓ سے مرفوع روایت ہے اصبحوا بالصبح فانہ اعظم للاجر کہ اچھی طرح صبح ہونے دو کیونکہ اس میں بہت ثواب ہے۔ ابوداؤد میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ ترمذی میں ہے۔ اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر ترمذی نے کہا۔ کہ یہ رافع بن خدیج کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اور صحابہ و تابعین میں بہت سے اہل علم حضرات اسی کے قائل ہیں۔ سفیان ثوری کا مذہب بھی یہی ہے۔ نسائی۔ ابن حبان طبرانی میں بھی تقریباً انہی الفاظ میں یہ حدیث منقول ہے۔ پھر اس حدیث کی تائید میں کئی دوسری صحیح حدیثیں بھی ہیں۔ مثلاً حضرت بلال سے آنحضرت نے فرمایا کہ صبح میں روشنی آنے دو اس قدر کہ اسفار کے سبب لوگ اپنے گرنے کی جگہیں دیکھ سکیں۔ مصنف میں ابن ابی شیبہ اور اسحٰق ابوداؤد نے اپنی اپنی مسانید میں اس کو روایت کیا ہے۔ اور فیصلہ کرنے والی اور وجہ نزاع ختم کر دینے والی وہ حدیث ہے۔ جو ابن مسعود سے صحیحین میں مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوائے دو نمازوں کے ہر نماز کو اپنے وقت پر پڑھتے دیکھا ہے۔ ایک جمع میں آپ کا نماز مغرب و عشاء کو جمع کرنا دوسرے مزدلفہ میں صبح کی نماز وقت معمول و معتاد سے پہلے ادا کرنا۔ یہ نماز آپ نے غلس میں ادا فرمائی تھی۔ کیونکہ مسلم میں ہے۔ قبل میقاتہا بغلس یہ اس لئے کہ وقوف کا وقت زیادہ مل سکے۔ ابن مسعود جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم ہیں۔ اور جن کو آنحضرت کی خانگی۔ بیرونی۔ سفر و حضر شب و روز کی زندگی سے گہری واقفیت رکھنے کا سب سے زیادہ شرف حاصل ہے جب کہیں کہ آنحضرت اسفار میں نماز پڑھنے کے عادی تھے۔ تو کیا اب بھی اس میں کسی اور کی شہادت درکار ہوگی۔ مزید براں طحاوی شرح معانی

الآثار میں ابراہیم نخعی سے صحیح سند سے روایت لاتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی امر پر ایسا اتفاق نہیں کیا۔ جسطرح اسفار میں نماز پڑھنے پر یہ نقل و روایت سے امام صاحب کے مذہب کا ثبوت تھا۔ قیاس بھی اس مذہب کا ثبوت ہے۔ کیونکہ اس حد تک اگر نمازیوں کو جماعت میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت کا موقع دیا جائے تو بہتر در مصلحت کے موافق ہے اور لوگوں کے سامنے ایسی وقتیں رکھنی کہ وہ جماعت میں شریک نہ ہوسکیں۔ مذہبا قابل تحسین نہیں۔ بلکہ قابل سرزنش۔ معاذ بن جبلؓ سے قرات میں طول کر دینے کی حرکت سرزد ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا اَفَتَّانٌ یا مُعَاذُ۔ اے معاذ کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہو؟ پس اس حدیث اور دیگر احادیث کی روشنی میں صبح کی نماز میں اسفار ہے نہ کہ غلس۔

اب لفظ غلس کی تشریح میں دیکھیے کہ کیا کیا روایتیں آئی ہیں۔ جو اصحاب فجر کی نماز غلس میں پڑھنے کی رائے رکھتے ہیں۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ کی وہ روایت ہے جسے صحیح مسلم و بخاری نے روایت کیا ہے روایت یوں ہے کہ ان رسول اللہ علیہ وسلم لیصلی الصبح فتنصرف النساء متلفعات بمروطهن ما یعرفن من الغلس۔ یعنی آنحضرت صبح کی نماز ادا فرماتے تو عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی واپس ہوتیں اور غلس (اندھیرے) کے سبب پہچان میں نہ آتیں، پہچان میں نہ آنے سے معلوم ہوا۔ کہ کافی اندھیرا ہوتا تھا۔ لیکن فی الحقیقت پہچان میں نہ آنے کے دو وجوہ تھے ایک اندھیرا دوسرا ان کا چادروں میں لپٹا ہونا۔ دوسرا سبب متلفعات کے سلسلے میں بیان ہوا۔ اور پہلا من الغلس کے لفظ سے۔ اگر محض اندھیرا ہی پہچان میں نہ آنے کا سبب ٹھہرتا۔ تو زیادہ اندھیرے کا ثبوت ملتا۔ چادروں میں لپٹ کر معمولی اندھیرا بھی نہ پہچانے جانے کا سبب ہوسکتا ہے۔ اور یہ معمولی اسفار میں بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ احناف کے نزدیک نماز صبح کا منتخب وقت وہ ہے کہ انسان ساٹھ سے سو آیات تک پڑھ سکے پھر اگر وضو ٹوٹے تو اسی قدر قرات سے پھر نماز دوہرا سکے۔

نیز اس وقت کا ذکر ہے جبکہ ابتدائے اسلام میں عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت تھی۔ مگر جب اجازت منسوخ ہوئی اور عورتوں کا گھروں میں قرار ہوا تو ممکن ہے ایسا نہ رہا ہو اور وقت میں تبدیلی ہوئی ہو۔ ان سب احتمالات سے نکالنے پر عبداللہ بن مسعود کا بیان مجبور کرتا ہے کہ ان کا علم بہت وسیع اور قابل ترجیح۔ مزید یہ کہ حضرت عائشہ کی حدیث فعلی ہے اور اسفار کی حدیث قولی۔ اور احناف کے نزدیک قول کو فعل پر ترجیح ہوتی ہے۔ اس جگہ ہر دو احادیث کی تطبیق بھی ممکن ہے وہ یہ کہ غلس سے مراد ہلکا ہلکا ملگجا اندھیرا ہو اور اسفار سے وہ وقت جس میں کچھ تاریکی بھی ہو جس کو غلس سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال اگر تقابل ہو تو اسفار میں فجر کی نماز ادا کرنا درست ہے۔ اگر اسفار کے معنی ملگجا اندھیرا ہو تو پھر غلس کی نسبت یہ زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

باب ۳۸ وعید تفویت صلوٰۃ العصر

نماز عصر کے قضا ہو جانے پر سخت وعید ہے

ابوحنیفة عن شیبان عن یحییٰ عن ابن بریدة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بکّروا بصلوٰة العصر وفی روایة عن بریدة الاسلمی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بکّروا بصلوٰة العصر ۔

وفی روایة عن بریدة الاسلمی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بکّروا بصلوٰة العصر فی یوم غیم فان من فاته صلوٰة العصر حتّٰی تغرب الشمس فقد حبط عمله ۔

ابن بریدہ رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عصر کی نماز ادا کرنے میں جلدی کرو ایک روایت میں بریدہ اسلمی سے یوں مروی ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھنے میں عجلت سے کام لیا کرو۔

بریدہ اسلمی کی ایک اور روایت اس طرح ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ کہ نماز عصر کی ادائیگی میں ابر کے دن جلدی کیا کرو۔ کیونکہ جس کسی کی نماز عصر فوت ہو گئی اور سورج غروب ہو گیا۔ تو اس کا عمل برباد ہوا۔

تشریح :- اس حدیث میں نماز عصر کی تاکید اور اس کے مناسب وقت کے بارے میں بحث ہے۔ نیز یہ کہ اس مسئلہ میں کیا اختلاف ہے۔ جلدی کس کے نزدیک مستحب ہے۔ اور تاخیر کس کے نزدیک افضل ہے۔ امام احمد، شافعی، مالک رحمہم اللہ تعجیل کے قائل ہیں کہ نماز عصر بالکل شروع وقت میں ادا کرنی چاہئے۔ اور امام ابوحنیفہؒ تاخیر کے قائل ہیں۔ ہر دو خیالات کی تائید میں موقوف اور مرفوع احادیث مروی ہیں۔ امام صاحب دراصل ہر دو احادیث جمع کرتے ہیں۔ اس طرح کہ تعجیل کی احادیث کو ابر والے دن سے مخصوص کرتے ہیں اور تاخیر کو صاف اور کھلے دن کے ساتھ۔ تعجیل کی یہ حدیث ذیل حدیث بریدہ اسلمی حجت ہے، کہ ابر والے دنوں میں ابر کی وجہ سے نماز فوت و قضا ہونے کا خطرہ ہے اس لئے بعد کی ادائیگی میں جلدی کرنا مناسب ہے کہ قضا نہ ہو جائے اور ثواب سے محرومی کا سبب نہ ہو۔ اور تاخیر کی وہ حدیث دلیل ہے۔ جو ام سلمہ سے ترمذی میں مروی ہے کہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز ادا کرنے میں تم سے زیادہ تعجیل کرتے ۔ یہ حدیث عصر کی نماز کی تاخیر پر دلالت کرتی ہے۔

تعجیل کے سلسلہ میں جو احادیث مروی ہیں وہ مبہم ہیں کہ تعجیل کے مذہب کا ثبوت بوضاحت ان سے نہیں ملتے۔ یا محتمل کہ امام صاحب کے مذہب تاخیر کی بھی وہ ترجمانی کرتی ہیں۔ مثلاً حضرت انسؓ کا قول کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر ادا فرماتے اور ایک شخص عوالی مدینہ شہر سے باہر جاتا اور ابھی سورج بلند

ہوتا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس سے وقت کا تعین نہیں ہو سکتا۔ یا رافع بن خدیج کی روایت کہ ہم آنحضرت کے ہمراہ نماز عصر ادا کر کے جانور ذبح کرتے ان کو تقسیم کرتے اور غروب آفتاب سے پہلے ہم گوشت پکا کر کھا لیتے۔ کہ جانوروں کا ذبح کرنا اور ان کو تقسیم کر کے پکا کر کھا لینا کسی قطعی بات کا ثبوت نہیں جبکہ یہ سارے کام تھوڑے وقت میں تیزی سے بھی انجام دیئے جا سکتے ہیں اور آہستگی سے بھی۔ یا عائشہ کی حدیث جو ترمذی وغیرہ میں نقل ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے اس وقت نماز عصر ادا فرمائی کہ ابھی دھوپ آپ کے حجرہ میں تھی۔ کہ باختلاف اوقات وجگہ سایہ اونچا نیچا ہوتا رہتا ہے۔ یا مثلاً وہ احادیث جن میں نماز عصر کی ادائیگی ایسے وقت میں ظاہر کی گئی ہے کہ سورج کی روشنی سفید ہوتی تھی۔ یہ احادیث امام صاحب کے مذہب تاخیر پر صحیح منطبق ہیں۔ کیونکہ وہ بھی تاخیر سے یہی معنی مراد لیتے ہیں کہ مکروہ وقت سے پہلے پہلے جبکہ سورج روشن چمکتا ہوا ہو نماز عصر ادا کی جائے۔ زردی نہ آئے ہو۔ چنانچہ امام محمد موطا میں کہتے ہیں۔ کہ عصر کی تاخیر ہمارے نزدیک افضل ہے جبکہ سورج کی روشنی سفید ہو۔ اس میں زردی نہ آئی ہو۔ احادیث بھی اسی مضمون کی تائید میں ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ چنانچہ ابوداؤد کی حدیث جو علی بن شیبان سے مروی ہے وہ اس کا فیصلہ کر دیتی ہے اور کوئی شبہ باقی نہیں رہتا اور وہ یہ ہے کہ قدمنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ فکان یوخر الصلوٰۃ مادامت الشمس بیضاء نقیۃ یعنی ہم جب آنحضرت کی خدمت میں مدینہ آئے تو نماز عصر میں تاخیر کی جاتی تھی اور دھوپ سفید اور صاف ہوتی۔ یہ امام صاحب کے مذہب کی پوری تائید ہے اور تعجیل والی احادیث کا مقصد صرف یہ ہے کہ نماز عصر کا وقت چونکہ مختصر ہے اور اس میں بھی کچھ حصہ مکروہ اس لئے جلدی کی جائے کہ وقت مکروہ نہ ہو جائے۔ اور اس سے پہلے پہلے جبکہ سورج کی روشنی سفید ہو نماز ادا کر لی جائے اور اگر غفلت کی گئی تو نماز قضا ہونے کا خطرہ موجود ہے۔ صرف اسی خطرہ کے پیش نظر تعجیل ہے ورنہ نماز کا صحیح وقت وہ ہے جو امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔

پھر دینداروں کی دینی مصلحت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ عصر کی نماز میں تاخیر کی جائے۔ کیونکہ نفلوں کی ادائیگی بہت اجر و ثواب کا باعث ہے اور عصر کے بعد ادائیگی نفل ممنوع ہے لہٰذا نماز عصر میں تاخیر کرنی چاہئے کہ نفلوں کا زیادہ سے زیادہ موقع مل سکے۔ اول وقت میں یہ بات نصیب نہیں۔

٨٨/٢ **ابوحنیفۃ** عن شیبان عن یحیٰی عن ابن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فاتتہ صلوٰۃ العصر فکانما وتر اھلہ ومالہ؛

ابن بریدہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ جس کی نماز عصر فوت ہوئی تو گویا اس کے بال بچے اور مال لٹ گیا۔

تشریح: یہ سخت وعید اور تہدید صرف اس لئے ہے کہ نماز عصر کو خاص اہمیت حاصل ہے جو اور نمازوں کو نہیں اور یہ نماز وسطیٰ ہے۔ جس کی اہمیت پر قرآن پاک بھی گویا ہے۔ اکثر احادیث اسی نماز عصر کے صلوٰۃ وسطیٰ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

مال واسباب اور بال بچے لٹ جانے کے یہ معنی ہیں کہ ان سے برکت ورحمت سلب ہو جاتی ہے۔ اوران میں نشوونما اور اضافہ رک جاتا ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے اہم حق کی ادائیگی میں انسان نے غفلت ولاپرواہی برتی اور اس میں سستی سے کام لیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے سبب اس کی محبوب ترین اشیاء سے برکت ورحمت اٹھالیتا ہے۔

۸۹/۳
ابوحنیفة عن عبد الملک عن قزعة

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوٰة بعد الغدوة حتی تطلع الشمس و لا بعد صلوٰة العصر حتی تغیب ولا یصام ھذان الیومان الاضحی والفطر ولا تشد الرحال الا الی ثلثة مساجد الی المسجد الحرام والمسجد الاقصی والی مسجدی ھذا ولا تسافر المرأة یومین الا مع ذی محرم۔

ابوسعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز فجر کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک سورج طلوع نہ ہو۔ اور نہ نماز عصر کے بعد نماز ہے جب سورج غروب نہ ہو جائے۔ اور عید الضحیٰ اور عید الفطر کے دن روزہ نہ رکھا جائے اور سفر نہ کیا جائے مگر تین مجدوں کیطرف (یعنی) مسجد حرام۔ مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد (یعنی مسجد نبوی) کیطرف۔ اور نہ سفر کرے عورت دو دن کا مگر محرم کے ساتھ۔

تشریح:۔ صحاح میں متعدد طرق میں ہم معنی الفاظ سے اس حدیث کی روایت آتی ہے۔ بلکہ اس قدر کثیر تعداد صحابہ سے اس کی روایت ہے کہ احناف نے اس کو متواتر مانا ہے۔

اس حدیث میں کئی اہم مسائل بیان ہوئے ہیں۔ پہلا مسئلہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے قبل اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب سے پہلے نماز مکروہ ہے۔ اس امر کی وضاحت کہ ان لوگوں کا قول رد ہوا۔ جو عصر کے بعد دو رکعتیں جائز قرار دیتے ہیں۔ یا اس نماز فجر کے قائل ہیں جس میں سورج نکل آئے۔ یا جو نماز فجر کے بعد سنتوں کی قضا جائز جانتے ہیں۔ یا جو جمعہ کے روز مکروہ اوقات میں نماز نفل کے جواز کے قائل ہیں۔ ان چاروں اقوال کی تردید اس حدیث کے ابتدائی حصہ سے ہوئی۔ بعد عصر دو رکعت کی ادائیگی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض روایات صحیحہ مرفوعہ میں ثابت ہے۔ چنانچہ شیخین نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ بلکہ آنحضرت سے اس پر مداومت ومواظبت کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ لیکن اس حدیث کے پیش نظر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے مخصوص تھی۔ امت کے لئے یہ ہی کھلا ہوا حکم امتناعی ہے جس میں جواز کا کوئی راستہ نہیں۔ مثلاً صوم وصال آپ خود رکھتے۔ مگر امت کو منع کر دیا۔ آنحضرت کے اعمال کی یہ خصوصیت ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتی ہے۔

مسئلہ دوم روزہ کا ہے جس کو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ دونوں عیدوں کو روزہ رکھنا ممنوع ہے۔ شیخین نے ابی سعید خدری سے روایت کی ہے نھی صوم الفطر والنحر کہ آنحضرت نے عید الفطر اور عید الضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ عید الضحیٰ کے ساتھ ایام تشریق (گیارہویں، بارہویں۔ تیرہویں) تاریخ ذی الحجہ بھی اس حکم امتناعی کے تحت آتے ہیں۔ کیونکہ مسلم میں نبیشہ سے

مرفوع روایت ہے ایام التشریق ایام اکل وشرب وذکر اللہ کہ ایام تشریق کھانے پینے اور ذکر الٰہی کے دن ہیں۔ تو پھر روزہ رکھ کر کھانا پینا خود پر حرام کرنا کس طرح جائز ہوگا۔ غرض ان ایام میں روزہ کے حرام ہونا پر ائمہ متفق ہیں۔ مگر ان ایام میں حنفیہ کے نزد بالخصوص نذر کا روزہ ماننا جائز ہے۔ اس خیال کہ نذر عبادت ہے۔ روزہ کے لئے دن مقرر کرنے سے اور روزہ کا حرام ہونا فعل روزہ کو روکتا ہے۔ نہ دن کی تعیین کو۔ لہٰذا اس فرق کا یہ نتیجہ ہوگا کہ ان ایام میں نذر کا روزہ تو صحیح ہوگا۔ مگر حدیث ذیل کے سبب روزہ رکھنے کی کوئی سبیل نہ ہوگی۔ اور اسی نذر کی قضا دوسرے کسی دنوں میں کرنی ہوگی۔

تیسرا مسئلہ اس حدیث میں یہ ہے کہ زیارت وحصول ثواب کی غرض سے کن مساجد کیطرف سفر جائز ہے اور کن کیطرف نہیں۔ بعض محدثین اور ائمہ ظاہر پر محمول کر کے دوسری مساجد کیطرف سفر ناجائز قرار دیتے ہیں۔ مگر وہ مقصد سفر میں ایک گونہ خصوصیت مان کر دوسری مساجد کو اس حکم سے نکالتے ہیں یعنی اس ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کا تقرب اگر حاصل کرنا ہو تو ان ہی تین مساجد کیطرف سفر کیا جائے کیونکہ ان کو باقی تمام مساجد سے خاص شرف وعزت حاصل ہے۔ البتہ اگر تحصیل علم۔ تجارت واداے حق کے پیش نظر سفر اختیار کیا جائے تو ایسا سفر دوسری مساجد کیطرف بھی جائز ہے اور وہ اس حکم کے تحت نہیں آتا۔ چنانچہ ملا علی قاری کی عبارت اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ بعض ممانعت کو افضلیت کے ساتھ خاص کرتے ہیں کہ سفر ان تین مسجدوں کیطرف دوسری مساجد کی نسبت افضل وزیادہ مہتم بالشان ہے۔ نووی نے اس خیال کو جمہور علماء کیطرف منسوب کیا ہے۔ پھر بعض مستثنیٰ منہ کے دائرہ کو اور وسیع مان کر زیارت قبور صالحین واخوان وسیر وتفریح کو بھی اس حکم کے تحت برا سمجھتے ہیں۔ اور خلاف شرع۔ لیکن درحقیقت یہ امور مذکورہ اس حکم کے تحت نہیں آتے یہ حدیث اس حکم کی افضلیت سے صرف دوسری مساجد کو نکالتی ہے۔ ان میں زیارت قبور کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ بعض نے اس کو مباح قرار دیا ہے اور بعض نے اس سے منع کرتے ہیں۔ البتہ زیارت صالحین واخوان یا تجارت کے لئے سفر بلا کراہت جائز ہے۔ چنانچہ عرانی نے اس حقیقت کو خوب کھول کر بیان کیا ہے۔ بلکہ روایت امام احمد میں اس کی تصریح بھی ہے۔

چوتھا مسئلہ دو حال پر ہے اول یہ کہ کیا عورت بغیر اپنے خاوند اور محرم یعنی بیٹے، بھائی۔ ماموں چچا کے تنہا سفر کر سکتی ہے؟ دوسرا اس کی مدت سفر کا مسئلہ ہے۔ اور بعض میں ایک دن اور ایک رات بھی ہے۔ اور اگر سفر کے لغوی معنی لیں تو ایک دن ایک رات سے کم میں بھی سفر ممنوع قرار پاتا ہے۔ چنانچہ مسلم کی بعض روایتوں میں ایک رات ہے اور بعض میں ایک دن اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف سے ایک روایت ایسی بھی ہے کہ عورت ایک دن کے لئے بھی بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ مگر مختار مذہب یہ ہی ہے کہ کم سے کم مدت سفر میں عورت بغیر خاوند ومحرم کے سفر کر سکتی ہے۔

باب ۲۹ الاذان والاقامة

۹۰ ابوحنيفة عن علقمة عن ابن
بريدة ان رجلا من الانصار مرّ برسول
الله صلى الله عليه وسلم،
فراه حزينا وكان الرجل اذا طعم
يجمع اليه فانطلق حزينا بما رأى
من حزن رسول الله صلى الله عليه و
سلم فترك طعامه وما كان
يجتمع اليه ودخل مسجده يصلّى
فبينما هو كذلك اذ نعس فاتاه آتٍ
فى النوم فقال هل علمت مما حزن
رسول الله صلى الله عليه وسلّم
قال لا قال فهو لهذا التأذين فأته
فمره ان يأمر بلالا ان يؤذن۔
فعلّمه الاذان الله اكبر الله اكبر
مرّتين اشهد ان لا اله الا الله
مرّتين اشهد ان محمّدا رسول الله
مرّتين حىّ على الصلوٰة مرتين حىّ على
الفلاح مرّتين الله اكبر الله اكبر لا اله
الا الله ثم علمه الاقامة مثل ذلك وقال
فى آخره قد قامت الصلوٰة قد قامت الصلوٰة
الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله كاذان الناس
واقامتهم فاقبل الانصارى فقعد على
باب النبى صلى الله عليه وسلّم فمر
ابو بكرؓ فقال استأذن لى
وقد رأى مثل ذالك فاخبر به
النبى صلى الله عليه وسلّم ثم
استأذن للانصارى فدخل

اذان اور اقامت کا بیان!

ابن بریدہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔
اور آپ کو غمگین دیکھا۔ اور یہ شخص (انصاری)
متمول آدمی تھے۔ فقراء ان کے پاس (جمع
ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غمگین دیکھنے
کے سبب یہ بھی وہاں سے چلے۔ کھانا بھی چھوڑا اور
جمع ہونے والے لوگوں کو بھی عزیز و اقارب فقراء وغیرہ
کو) یا کھانے کے ساز و سامان کو بھی اور اپنے محلہ کی مسجد
میں جا کر نماز پڑھنے لگے۔ اسی حالت میں ان کو اونگھ سی
آگئی انہوں نے خواب دیکھا کہ کوئی آنے والا آیا اور اس
نے ان سے کہا کیا تم جانتے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کیوں غمگین ہیں انہوں نے کہا نہیں۔ اس شخص
نے کہا اسی اذان کے بارہ میں (وہ غمگین ہیں) تو
جاؤ ان کے پاس اور ان سے کہو کہ بلال کو حکم فرمائیں
کہ وہ اذان کہیں۔ پس اس شخص نے ان کو اذان سکھائی
اس طرح اللہ اکبر۔ اللہ اکبر ہر دو دو دفعہ گویا کل چار
بار) اشہد ان لا الہ الا اللہ دو بار اشہد ان محمدا
رسول اللہ دو مرتبہ حی علی الصلوٰۃ دو مرتبہ حی علی الفلاح
دو بار اللہ اکبر اللہ لا الہ الا اللہ پھر ان کو اقامت سکھائی
اسی طرح۔ اور اس کے آخر میں کہا قد قامت الصلوٰۃ قد
قامت الصلوٰۃ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ (راوی کہتا
ہے) جس طرح آجکل لوگوں کی اذان و اقامت ہے پھر یہ
انصاری (ان انصاری کا نام عبداللہ بن زید بن عبدربہ
ہے) مسجد سے نکلے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر جا
بیٹھے (دانتے ہیں) ابو بکر تشریف لائے انصاری نے
ان سے کہا ذرا میرے لئے اجازت طلب فرمائیں۔ اور ابو بکر
نے بھی یہی خواب بیان کیا پھر انصاری کیلئے اجازت چاہی

فاخبره بالذی رأی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد اخبرنا ابوبکر مثل ذالک فامر بلالاً یؤذن بذالک ۔

وفی روایۃ ان رجلا من الانصار مر برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرآہ حزیناً وکان الرجل ذا طعام یعشی معہ فانصرف لما رأی من حزن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وترک طعامہ فدخل مسجدہ یصلی فبینما ھو کذلک اذ نعس فاتاہ آت فی النوم فقال لہ أتدری ما أحزن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ۔

قال ھو النداء فأته بأن یامر بلالاً ۔

قال الرجل نعلمہ الاذان ۔ اللہ اکبر اللہ اکبر مرتین اشھد ان لا الہ الا اللہ مرتین اشھد ان محمداً رسول اللہ مرتین حی علی الصلوٰۃ مرتین حی علی الفلاح مرتین اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ ثم علمہ الاقامۃ کذلک ثم قال فی اخرہ قد قامت الصلوٰۃ مرتین کاذان الناس واقامتھم فانتبہ الانصاری فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجلس بالباب فجاء ابوبکر فقال الانصاری استأذن لی فدخل ابوبکرؓ فاخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمثل ذالک ثم دخل الانصاری

تو انصاری آئے اور انہوں نے جو کچھ خواب میں دیکھا تھا وہ کہہ سنایا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، ابوبکرؓ نے بھی ہم سے ایسا ہی خواب بیان کیا ہے۔ پھر آنجنابؐ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ اسی طرح اذان دیں ۔

اور ایک روایت میں اسطرح ہے کہ انصار میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کو فکر مند پایا۔ اور یہ شخص رات کا کھانا لوگوں کے ساتھ کھاتا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غم و فکر دیکھا تو کھانا چھوڑ چھاڑ کر واپس لوٹ گیا۔ مسجد میں جاکر نماز ادا کرنے لگا اس حال میں اس پر غنودگی طاری ہوگئی۔ اور خواب میں کوئی شخص انکے پاس آیا اور کہنے لگا کیا تم جانتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس چیز نے فکر مند کیا ہے انہوں نے کہا نہیں۔ اسنے کہا یہ اذان ہی تو ہے تم آنحضور کے پاس جاؤ اور عرض کرو کہ آپ بلال کو حکم دیں پھر اس آدمی نے ان کو اذان سکھائی (اسطرح اللہ اکبر اللہ اکبر دو مرتبہ دگو یا کل چار بار) اشھد ان لا الہ الا اللہ دو مرتبہ اشھد ان محمد رسول اللہ دو بار حی علی الصلوٰۃ دو مرتبہ حی علی الفلاح دو بار اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ پھر اسی طرح ان کو اقامت سکھائی۔ پھر آخر میں کہا قد قامت الصلوٰۃ دو بار (راوی کہتے ہیں) جسطرح آجکل لوگوں کی اذان و اقامت ہے۔ پس انصاری چونک کر اٹھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آئے اور دروازہ پر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ابوبکرؓ تشریف لائے۔ انصاری ان سے بولے ذرا میرے لئے اجازت تو طلب کرنا۔ ابوبکرؓ اندر تشریف لے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انصاری جیسا خواب بیان کیا۔ پھر انصاری اندر آئے

فاخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالذی رأی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد اخبرنا ابو بکر فقال مر بلالاً بمثل ذالک؛	اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ دیکھا تھا بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو بکر بھی یہی بیان کر چکے ہیں۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ بلال کو حکم دو کہ وہ ایسی ہی اذان دیں؛

تشریح:۔ اذان واقامت میں ائمہ کا اختلاف ہے کیونکہ احادیث اس بارہ میں مختلف النوع وارد ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزد اذان میں تمام کلمات دو دو بار ہیں اور اقامت میں قد قامت الصلوٰۃ کے علاوہ سب کلمات ایک ایک بار نیز وہ اذان میں ترجیع کے قائل ہیں یعنی پہلی مرتبہ شہادتین کو نیچی آواز سے دو دو مرتبہ ادا کرنا پھر دو دو مرتبہ بلند آواز سے گویا ہر دو چار چار مرتبہ ہے۔ افراد اقامت (یعنی اقامت میں کلمات کو ایک ایک مرتبہ کہنا) ہیں ان کی مذہب کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت انس سے بخاری میں مروی ہے اَمَرَ بِلَالًا اَنْ یَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَیُوْتِرَ الْاِقَامَۃَ اِلَّا الْاِقَامَۃ کہ حضرت بلال کو حکم دیا گیا۔ کہ اذان میں کلمات دو دو بار ادا کریں اور اقامت میں ایک ایک مرتبہ مگر قد قامت الصلوٰۃ کی ترجیع کے بارے میں ان کے مسلک کی دلیل حدیث حضرت ابی محذورہ کی حدیث ہے جس کو مسلم نے نقل کیا ان کا کہنا ہے کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کی تعلیم فرمائی۔ اور ترجیع کا بھی حکم دیا۔ امام مالک بھی ترجیع وافراد دونوں کے قائل ہیں۔ مگر وہ قد قامت الصلوٰۃ میں بھی افراد کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک ترجیع اور افراد کے ثبوت میں حدیث محذورہ اور حدیث انس ہے۔ مگر افراد میں حضرت انسؓ کی اس روایت کو لیتے ہیں جن میں الا قامۃ کا لفظ نہیں جو ایک اور طریق سے بخاری میں مروی ہے۔ امام احمد ترجیع کے قائل نہیں۔ امام ابو حنیفہ نہ ترجیع کے قائل ہیں نہ افراد اقامت کے بلکہ اذان واقامت ہر دو میں ان کے نزدیک کلمات دو دو مرتبہ ہیں۔ سوائے کلمات تکبیر کے کہ وہ چار بار ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے پاس ہر دو امور میں فیصلہ کن حدیث یہی حدیث جو عبداللہ بن زید بن عبدربہ سے مروی ہے۔ جو طرق صحیح سے ترجیع اور افراد دونوں کا رد کرتی ہے اس کو ابوداؤد مفصل لائے ہیں۔ ترجیع کو اس طرح کہ اس میں شہادتین دو دو بار ہیں۔ اور ترجیع میں چار چار بار ہیں اور افراد کو اس طرح کہ اس میں انصاری کو اقامت بھی اسیطرح سکھائی۔ ابن ابی شیبہ بھی رجال صحیحین سے روایت لائے ہیں کہ عبداللہ بن زید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا کہ میں نے خواب میں ایک شخص کو دو سبز چادریں اوڑھے دیکھا۔ جس نے دیوار پہ کھڑے ہو کر اذان واقامت کہی دو دو مرتبہ کلمات کی ادائیگی سے۔ تیسرے طحاوی ہیں کہ آثار اس بارے میں متواتر ہیں کہ حضرت بلالؓ اذان واقامت میں ہر دو اپنی وفات تک کلمات کو دو دو مرتبہ ادا کرتے رہے۔ چوتھے ابی محذورہ کی یہ حدیث جو امام صاحب کے مذہب کے لئے قوی حجت ہے کیونکہ ان کی مفصل حدیث میں ابی محذورہ وغیرہ کے پیش نظر اس کو منسوخ ماننا پڑے گا پھر بہت ممکن ہے۔ ایک بار تعلیم فرمائی ہو تو ایسا فعل نہ مستقل سنت بنتا ہے نہ ثبوت مسلک قرار پاتا ہے۔ یہ تو تھا معاملہ افراد کا۔ اب ذرا ترجیع کے مسئلہ کو لیجئے تو اس میں ابی محذورہ کی ترجیع والی حدیث کے

مقابلہ میں عبداللہ بن زید کی حدیث ہے جو دربارہ اذان اصل اصول او حجت ہے۔ جو اپنی صحت کی بنا پہ ناقابل تردید ہے۔ دوسری ابن عمر کی حدیث ہے جسے ابوداؤد۔ نسائی۔ دارمی وغیرہ لائے ہیں۔ ان میں مذکور ہے کہ اذان میں کلمات دو مرتبہ ہیں تیسرے اللہ اور اس کے رسول کے محبوب مؤذن حضرت بلالؓ کا عمل بھی اس باب میں قوی حجت ہے۔ انکی اذان میں بھی ترجیع نہ تھی۔ حضور رسول اللہ کے دوسرے مؤذن حضرت ابن ام مکتوم کی اذان میں بھی ترجیع نہ تھی اور اسی طرح حضرت سعد کی اذان میں بھی ترجیع نہ تھی جو مسجد قبا کے مؤذن تھے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ان حضرات کا عمل خلاف سنت ہو۔ اسکے علاوہ امکان ہے کہ ابی محذورہ سے تعلیماً تکرار کرائی ہو نہ کہ شرعی یا سنت نبوی کی حیثیت سے کہ انہوں نے اول کلمات شہادت کی نیچی آواز سے ادائیگی کی ہو اور آنجناب نے انکو پھر دوبارہ زور سے کہنے کا حکم دیا ہو۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ امر سنت بن گیا۔ طحاوی نے بھی یہ ہی کہا ہے۔ پھر اس احتمال کی بھی زبردست دلیل یہ ہے کہ انہی ابی محذورہ کی حدیث دوسرے طریق سے ترجیع کے بے خالی معلوم ہوتی ہے کہ یہ ایک وقتی بات تھی۔ ابن جوزی محقق ظاہر کرتے ہیں کہ ابی محذورہ نئے نئے ایمان لائے تھے۔ تو آنجناب نے کلمات شہادت کو مکرر کہلوایا۔ تاکہ یہ کلمات ان کے ذہن نشین ہو جائیں اور اپنے مشرکین ساتھیوں کے سامنے بھی ان کو دوہرائیں وہ یہ سمجھے ہوں کہ یہ زائد کلمات اذان کا جزو ہیں۔ اسی لئے تعداد بتاتے وقت انیس کلمات گنائے گئے۔ ویسے بھی ذرا عقل سے سوچئے تو تکرار کے زیادہ حق دار تو حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کے کلمات ہیں جو بلانے کے کام میں آتے ہیں جب انہی میں یہ تکرار نہیں تو دوسرے کلمات میں کیوں ہونے لگی۔ یا دوسری طرف یوں دیکھئے کہ اقامت اذان کی جانشین ہے۔ یا قائم مقام اگر اذان غائبین کے بلانے کے لیے ہے تو یہ حاضرین کے بلانے کیلئے تو تقاضائے عقل یہ ہے کہ یہ ہر دو ایک ہی صورت میں ہوں اور اقامت میں تو ترجیع نہیں تو اذان میں بھی نہیں ہونی چاہیئے۔

۹۱/۲ **ابوحنیفة** عن عبد الله قال سمعت ابن عمر يقول كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا اذن المؤذن قال مثل ما يقول المؤذن.

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم موذن کی اذان پہ وہ ہی الفاظ اپنی زبان مبارک سے ادا فرماتے جو موذن کہتا۔

تشریح:۔ امام بخاری ابی سعید سے مرفوع روایت لاتے ہیں۔ کہ جب تم اذان سنو تو جیسا موذن کہتا جائے۔ تم بھی کہتے جاؤ۔ ابن ماجہ میں ابی ہریرہ سے مرفوعاً روایت لاتے ہیں۔ کہ جب موذن اذان دے تو جیسا وہ کہے تم بھی کہو۔ غرض صحاح وسنن میں قریب قریب انہی الفاظ سے یہ حدیث موجود ہے لیکن جب موذن حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کے الفاظ ادا کرے تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ کہنا چاہیئے۔ کیونکہ طحاوی و مسلم میں ہے کہ جب آنحضرت موذن کی آواز سنتے تو موذن کے مثل کلمات ادا فرماتے اور جب موذن حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کہتا ہے تو آپ فرماتے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ بے شک ان کلمات کے دوہرانے کا ثواب بھی بہت زیادہ ہے جیسے کہ بعض محدثین نے بیان کیا ہے کہ جو شخص اذان کے کلمات کا جواب دے گا وہ قیامت کے دن سب لوگوں میں عزت و شرف کے لحاظ سے بلند و نمایاں ہوگا۔ اور بھی بہت سی مصلحتیں ہیں۔

بَابُ مَنْ بَنیٰ لِلّٰہِ مَسْجِدًا

جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی

۹۲/۱ ابوحنیفۃ قال سمعت عبداللہ بن ابی اوفیٰ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من بنی للہ مسجدًا ولو کمفحص قطاۃ بنی اللہ تعالیٰ لہٗ بیتًا فی الجنۃ ۝

عبداللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اللہ کیلئے مسجد بنائی اگرچہ وہ قطاۃ کے گھونسلے کے مانند ہو اس کے اجر میں اللہ نے اس کیلئے جنت میں ایک گھر بنا دیا۔

تشریح: اس حدیثؓ کی تشریح سے پہلے دو لفظوں کے معنی سمجھ لیجیے ایک لفظ قطاۃ ہے قطاۃ عربی زبان میں ایک پرندے کو کہتے ہیں جسے اردو میں سنگ خوار کہا جاتا ہے اور دوسرا لفظ مفحص ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا گڑھا ہے جو قطاۃ انڈے دینے کے لئے بناتا ہے۔ ویسے مفحص سے چھوٹا سا چھوٹا اور معمولی سا گھر مراد لیا جاتا ہے۔ عربی زبان کا محاورہ ہے "لیس لہ مفحص قطاۃ" یعنی اس کے پاس قطاۃ کے گڑھے جیسا گھر بھی نہیں ہے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ قطاۃ مفحص کی تشبیہ اس وجہ سے دی کہ وہ زمین پر بنایا جاتا ہے اور مسجد بھی زمین پر بنائی جاتی ہے۔ لیکن احقر کا خیال ہے کہ اس سے معمولی سی معمولی اور چھوٹی سی چھوٹی مسجد مراد ہے۔

حدیث میں مسجد تعمیر کرنے کی ترغیب ہے، مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں مسجد کو کس قدر اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ مسجد ہی عبادت کی جگہ عدالت کی جگہ کہ یہاں فیصلے کیے جاتے تھے، مسجد ہی غیر ممالک کے وفود کے ساتھ گفت وشنید کی جگہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہیں پر وفود سے ملاقات کیا کرتے تھے، یہی مدرسہ تھا کہ لوگ تعلیم حاصل کرتے یہاں ذکر واذکار کی آوازیں بلند ہوتی تھیں، مسجد ہی سکون وطمانیت کے حصول کی جگہ کہ تمام دنیا سے گھبرا کر مسجد ہی میں آئیے۔ اور اللہ کے آغوش رحمت میں سکون سے اپنا دامن بھر لیجیے۔ غرضیکہ مسجد ہی سب کچھ ہے۔ جس محلہ میں مسجد نہیں وہ ایک ویرانے کی طرح ہے۔ اگر دیکھا جائے تو مسلمان کی زندگی کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے کہ پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے اور اسی طرح انتہا بھی یہیں ہے کہ فوت ہو جائے تو یہیں سے جنازہ اٹھتا ہے۔ اور میت کے لئے دعائے خیر کی جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مسجد ہی ہے جس سے ایک مسلمان کی زندگی میں نظم وضبط پیدا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے بھی یہی مراد ہے کہ مسجد مسلمان کی زندگی کا ایک جزو لاینفک ہے۔ پس آپ ترغیبا ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ جس نے مسجد بنائی اللہ اسکے لیے آخرت میں گھر بنا دے گا۔

باب ۴۱ النهى عن انشاد الضوالي في المسجد

گمی ہوئی چیزوں کو مسجد میں تلاش کرنیکی ممانعت

۹۳/۱

ابو حنيفة عن علقمة عن ابن بريدة عن ابيه ان النبى صلى الله عليه وسلم سمع رجلا ينشد جملا فى المسجد فقال لا وجدت ۔

وفى رواية سمع رجلا ينشد بعيرا فقال لا وجدت ان هذه البيوت بنيت لما بنيت له ؛

وفى رواية ان رجلا اطلع رأسه فى المسجد فقال من دعا الى الجمل الاحمر فقال له صلى الله عليه وسلم ماوجدت انما بنيت هذه المساجد لما بنيت له ؛

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو مسجد میں اپنا اونٹ تلاش کرتے ہوئے سنا کہ وہ اپنے اونٹ کے گم ہو جانے کا اعلان کر رہا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ نہ ملے تجھ کو ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے سنا کہ ایک شخص اونٹ ڈھونڈتا ہے مسجد میں تو آپ نے فرمایا نہ ملے تجھکو البتہ یہ گھر بنائے گئے ہیں اسی کام کیلئے جس کیلئے یہ بنائے گئے ہیں ؛

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے اپنا سر مسجد داخل کیا اور کہا کہ مجھ کو میرے سرخ اونٹ کا پتا کون بتلائے گا ۔ تو آپ نے فرمایا نہ پائے تو البتہ مسجد یں تو اسی کام کے لئے ہیں جس کام کے لئے وہ بنائی گئی ہیں ؛

تشریح:۔ یہ حدیث کتب صحاح میں مختلف طرق سے مروی ہے ۔ دارمی میں ابی ہریرہ سے مرفوع روایت اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو تم خرید وفروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے یا دیکھو کہ کوئی اپنی گم شدہ چیز تلاش کر رہا ہے ۔ تو کہو اللہ کرے تیری گم شدہ چیز تجھے نہ ملے ۔

لیکن آنحضرتؐ نے ان هذه البیوت بنیت لما بنیت لہٗ سے ممانعت کا ایک معیار بھی بیان فرمایا اور اس طرف اشارہ فرمایا کہ ہر وہ عمل اور کام جو تعمیر مسجد کی غرض وغایت کے خلاف ہو وہ سخت ناجائز ہے اور شریعت میں حرام ہے ۔ مسجد کی تعمیر کی غرض وغایت نماز و ذکر الٰہی ہے لہٰذا جو کام بھی اس مقصد کے لئے خلاف ہو یا اس میں مخل اور دخل انداز ہو وہ سخت ممنوع ہے اور اور اس پر سخت وعید ہے ۔ مثلاً محض دنیوی معاملات میں بات چیت ۔ سینا پرونا ۔ دستکاری کا کاروبار اجرت پر لکھنا پڑھنا ۔ اسیطرح ہر وہ کام جو نمازی کو وحشت میں ڈالے مثلاً اونچی آواز سے بولنا یہاں تک کہ علماء نے ذکر جہری سے بھی روکا ہے ۔ بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ ہر اس سائل کو خیرات دینا منع ہے ۔ جو چلا چلا کر مانگ رہا ہو ۔ یا عین خطبہ کے وقت وہ سوال کر رہا ہو ۔ بہر حال اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں اپنی گمشدہ اشیاء کے ڈھونڈنے کی ممانعت کر

دی گئی ہے۔

باب ۴۲ افتتاح الصلوٰۃ

۹۴/۱ ابو حنیفۃ عن عاصم عن ابیہ عن وائل بن حجر ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ حتی یحاذی بہما شحمۃ اذنیہ؛

وفی روایۃ عن وائل انہ رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ فی الصلوٰۃ حتی یحاذی شحمۃ اذنیہ۔

باب ۴۲۔ افتتاح نماز کا بیان

حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (نماز شروع کرتے وقت) اپنے ہاتھوں کو یہاں تک اٹھاتے کہ وہ کانوں کی لو کے برابر ہو جاتے؛

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت وائلؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے شروع میں ہاتھ اٹھاتے دیکھا یہاں تک کہ وہ آپ کے کانوں کی لو تک آ گئے۔

تشریح:۔ اس میں یہ مسئلہ ہے کہ نماز شروع کرتے وقت رسول اللہ کا کیا عمل تھا تو جواب یہ ہے کہ آپ ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ آپ کے شانوں کے برابر آجاتے۔ کہیں اس طرح ہے کہ ہاتھ یہاں تک اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کے برابر آجاتے، اور کہیں ایسا بھی ہوتا کہ ہاتھ شانوں کے برابر آتے اور انگوٹھے کانوں کے برابر۔

اس مسئلے میں حنفیہ اور شافعیہ کا اختلاف ہے کہ ہاتھوں کو نماز کے شروع میں شانوں تک اٹھانا افضل ہے یا کانوں کی لو تک شافعیہ پہلی صورت کو اختیار کرتے ہیں اور حنفیہ دوسری کو حنفیہ کے پیش نظر حدیث ذیل بھی ہے اور اسکے ہم معنی احادیث جو صحیح طرق سے منقول ہیں جن میں ہاتھوں کے اٹھنے کی آخری حد کانوں یا کانوں کی لو بتائی ہے اور شافعیہ اپنے پیش نظر وہ احادیث رکھتے ہیں جن میں شانوں کی حد کا اظہار ہے مثلاً ابی حمید ساعدی کی حدیث یا ابن عمرؓ وغیرہ کی حدیث۔

مسالک کا یہ اختلاف معمولی ہے۔ اور نزاع محض لفظی سا ہے۔ ہر دو طرف میں احادیث صحیح ہے جن میں تطبیق آسان ہے خود حدیث کے الفاظ بھی تطبیق کیطرف رہنمائی کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک بار امام شافعیؒ مصر گئے تو لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ ان احادیث میں تطبیق کی بھی کوئی صورت ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں مع پہنچوں کے شانوں کے مقابل رہیں اور انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر اور انگلیوں کے پوروے کانوں کے اوپری حصہ کی محاذات میں حنفیہ نے بھی یہ مطابقت پسند کی ہے اور احناف میں سے صاحب فتح القدیر نے اسی کو اختیار فرمایا ہے ان احادیث میں اس طرح بھی تطبیق دی جاسکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی خاص پابندی کے ہاتھ کبھی شانوں تک اور کبھی کانوں کی لو تک اٹھا لیتے۔ اور کبھی کانوں کے بالائی حصہ تک سر کے برابر تک لیجاتے؛

☆

ابوحنیفۃ عن عاصم عن عبد الجبار بن وائل بن حجر عن ابیہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ عند التکبیر ویسلم عن یمینہ ویسارہ۔

حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا اور آپؐ دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرتے۔

تشریح:- اس حدیث میں دو امور قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ ہاتھوں کا اٹھنا اور کلمۂ تکبیر کی ادائیگی ایک ساتھ ہوں۔ یا ایک کے بعد ایک پھر اس میں بھی یہ ہے کہ آیا ہاتھ پہلے اٹھیں؟ تکبیر بعد میں؟ یا اس کے برعکس گویا پہلی وجہ میں تین صورتیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ نماز کے آخر میں دو سلام ہیں یا ایک پہلی صورت کو اکثر فقہاء حنفیہ مثلاً طحاوی، قاضی خاں اور امام ابو یوسف نے اختیار کیا ہے اور کئی دوسری احادیث مثلاً حدیث وائل ابی ہریرہ۔ ابن عمر علی بن ابی طالب براء بن عازب اسی خیال کی تائید میں ہے۔ نیز کسی میں یہ ہے کہ آپ جب تکبیر کہتے تو شانوں تک ہاتھ اٹھاتے۔ یا جب نماز میں داخل ہوتے تکبیر کہتے ہاتھ اٹھاتے کہ ان میں ہر دو کا اظہار شرط وجزا کی صورت میں ہے یا معیت کی صورت میں شرط وجزا بھی مقارنت و معیت زمانی کو مستلزم ہے یہ بھی حجت لاتے ہیں کہ ہاتھوں کا اٹھانا تکبیر کی سنت ہے، تو لازماً اسی کے ساتھ اس کو ادا ہونا چاہیئے۔ دوسری صورت امام ابو حنیفہؒ امام محمد کے مسلک کی ترجمانی کرتی ہے۔ ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ اٹھانا غیر اللہ کا انکار ہے اور تکبیر اور ہاتھ اٹھانے میں اس کا اثبات ہے اور نفی چونکہ اثبات پر مقدم ہوتی ہے اس لئے رفع یدین تکبیر سے پہلے وقوع میں آنا چاہیئے۔ چنانچہ لا الہ الا اللہ میں بھی نفی لا الہ اثبات الا اللہ پر مقدم ہے۔ نسائی نے اسی کو صحیح بتایا ہے اور عام مشائخ بھی اسی طرف گئے ہیں اور اپنے مذہب کی تائید میں ابن عمر کی مرفوع حدیث پیش کرتے ہیں جس کو ابو داؤد و نسائی نے نقل کیا ہے۔ کان یرفع یدیہ حذاء منکبیہ ثم یکبر کہ آپ شانوں تک ہاتھ اٹھاتے پھر تکبیر کہتے اس میں ثم کا لفظ تاخیر کو ثابت کرتا ہے یا ابی حمید ساعدی کے بعض طرق کی حدیث کہ اس میں بھی ثم کا لفظ ہے تیسری صورت کی طرف علامہ ابن ہمام نے اشارہ کیا ہے کہ بعض نے اس کا بھی قول کیا ہے ان کی دلیل یا تو حضرت انس کی مرفوع حدیث ہے جو بیہقی لائے ہیں کہ اذا افتتح الصلوٰۃ کبر ثم رفع کہ آنحضرت نماز کی ابتدا فرماتے تو تکبیر کہتے پھر ہاتھ اٹھاتے۔ یا وائل بن حجر کی حدیث بعض طرق سے جس میں یوں ہے فکبر فرفع یدیہ کہ آپؐ نے تکبیر کہی اور پھر ہاتھ اٹھائے۔ ان احادیث میں تطبیق کی شکل بہتر یہ ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف اوقات کے مختلف عمل ہیں۔ بروئے قیاس جس کو بھی افضل سمجھ لیا جائے۔ وہی بہتر ہے۔

دوسری قابل توجہ بات سلام کے بارہ میں ہے۔ تمام ائمہ سوائے امام مالک کے سب متفق ہیں کہ دو سلام ہیں۔ تقریباً پندرہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طرق سے اس کی روایت ہے اور اسی پر آنحضرت کا ہمیشہ عمل رہا اور عام صحابہ تابعین کا بھی یہی طریقہ تھا۔ البتہ امام مالک ایک سلام مانتے ہیں۔ اسطرح کہ اگر کوئی اکیلا نماز پڑھتا ہے۔ تو اسلام علیکم کہے اور سر تھوڑا سا سیدھی جانب

پھیرلے - اور پھر سامنے لے آئے اگر مقتدی ہے تو تھوڑا سا سیدھی جانب پھیرے پھر امام کی طرف سر کرکے اشارہ کرے اس کا ثبوت حدیث عائشہ ہے جس میں سند کے اعتبار سے کلام ہے پھر اگر صحیح بھی مانیں تو وہ مطلب برآری نہیں کرتی کیونکہ اس میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سلام ایسی اونچی آواز سے پھیرتے کہ ہمیں جگا دیتے اس سے دوسرے سلام سے انکار نہیں نکلتا کیا بعید ہے کہ دوسرا سلام پھیرتے ہوں مگر ایسے زور سے نہیں کیونکہ جگانے کے لیے اول ہی سلام کافی ہوتا -

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم ۹۶ / ۴۳

انه قال فی وائل بن حجر اعرابی لم یصل مع النبی صلی الله علیه وسلم صلوٰة قبلها قط أهو اعلم من عبد الله و اصحابه حفظ ولم یحفظوا یعنی رفع الیدین - و فی روایة عن ابراهیم انه ذکر حدیث وائل بن حجر فقال اعرابی صلّٰی مع النبی صلی الله علیه وسلم ما صلی صلوٰة قبلها هو اعلم من عبد الله ::

و فی روایة ذکر عنده حدیث وائل بن حجر انه رأی النبی صلی الله علیه وسلم رفع یدیه عند الرکوع و عند السجود فقال هو اعرابی لا یعرف الاسلام لم یصلّ مع النبی صلی الله علیه وسلم الا صلوٰة واحدة وقد حدثنی من لا احصی عن عبد الله بن مسعودؓ انه رفع یدیه فی بدء الصلوٰة فقط وحکاه عن النبی صلی الله علیه وسلم وعبد الله عالم بشرائع الاسلام وحدوده متفقد لاحوال النبی صلی الله علیه وسلم ملازمه له فی اقامته و فی اسفاره وقد صلی مع

حضرت وائل بن حجر کے بارہ میں ابراہیم نخعی کی جرح ہے کہ وہ ایک دیہاتی آدمی ہیں انہوں نے اس سے پہلے کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز نہیں پڑھی - کیا وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب سے زیادہ جانتے ہیں کہ انہوں نے تو یاد کر لیا اور اصحاب عبد اللہ یاد نہ رکھ سکے ایک روایت ہے کہ ابراہیم نے وائل بن حجر کی حدیث بیان کی پھر کہا کہ وہ ایک گنوار آدمی ہیں - اس نماز سے پہلے کوئی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں پڑھی کیا وہ عبد اللہ بن مسعود سے زیادہ جانتے ہیں -

ایک روایت میں ہے کہ ان کے سامنے حدیث وائل بن حجر کا ذکر آیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکوع اور سجدہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو انہوں نے (ابراہیم نے) کہا یہ گنوار آدمی ہیں (یہ عبد اللہ بن مسعود کی طرح) اسلام کے فقیہ نہیں ہیں - انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ایک بار نماز پڑھی (یا ایک آدھ بار) اور مجھ سے بے گنتی راویوں نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے صرف ابتدائے نماز میں ہاتھ اٹھائے اور اسی کی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کی اور عبد اللہ شرائع و حدود اسلام کو جاننے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی کرید اور ٹوہ میں رہنے والے اور سفر و حضر میں آنجناب

النبی صلی اللہ علیہ وسلم مالا یحصی ؕ کے رفیق وساتھی ہیں۔ اور آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بے حساب نمازیں پڑھی ہیں ؕ

تشریح :۔ رفع یدین مختلف فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے جس میں ائمہ کرام کی آراء کا اختلاف ہے اور ہر فریق اپنے مسلک کے ثبوت میں اس پر سخت دلائل قائم کرتا ہے اور فریق ثانی کی کمزوری کو ثابت کرتا ہے۔ یہ حدیث اس اہم مسئلہ کی پہلی حدیث ہے مسئلہ کی تحقیق اور اختلاف آئندہ حدیث میں بیان کیا جارہا ہے۔ یہاں اس حدیث میں ابراہیم نخعی کی ایک رائے بیان کی گئی ہے اور ان کا منصفانہ فیصلہ جو انہوں نے وائل بن حجر اور عبداللہ بن مسعود کی احادیث میں کیا ہے اور ہر دو کا آپس میں موازنہ کیا ہے کیونکہ کلام کا زور متکلم کے حالات اور اس کے مقدار علم سے ہوتا ہے۔ مگر فریق ثانی نے ابراہیم کی اس رائے پر الٹے سیدھے اعتراضات کر دیئے جس کا اس کلام سے کوئی رابطہ اور کوئی مناسبت نہیں ہر دو اعتراضات کے حالات سے پتا چلتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود کی حدیث حدیث وائل بن حجر کے مقابلہ میں زیادہ وزن دار، قابل حجت اور پر اعتماد ہے کون نہیں جانتا کہ وائل بن حجر کو خواہ دربار رسالت میں کچھ بھی اعزاز و فخر حاصل تھا مگر آنجنابؐ کی ہمراہی رفاقت مزاج شناسی میں عبداللہ بن مسعود سے ان کا کوئی مقابلہ نہیں۔ تو ایسے مختلف الحال شخصیتوں میں کسی بات پر رائے کا ٹکراؤ ہو جائے تو کس کی بات حجت ہوگی۔ یہ ہر شخص جانتا ہے۔ اور منصفانہ بات وہی ہے۔ جو ابراہیم کہتے ہیں۔ بات گو حق تھی مگر چونکہ مذہب پر ٹھیس لگتی ہے اس لئے بات کو موڑ توڑ کر اعتراض کے قابل بنایا اور پھر اس پر اعتراضات کی بھرمار شروع کردی بیہقی کہتے ہیں کہ وائل ہی کی حدیث ماننی پڑے گی اور ان سے کم مرتبہ آدمی کے قول سے اس کو رد نہیں کیا جاسکتا حالانکہ ابراہیم اپنے قول سے ان کی حدیث کو کب رد کر رہے ہیں۔ بلکہ حضرت عبداللہ کی حدیث کو حضرت وائل کی حدیث پر بنا پر حالات و واقعیۃ ترجیح دے رہے ہیں۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ یہ محض ابراہیم کا ظن ہے وائل نے اور اصحاب کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر بات اصل نقطہ بحث سے ہٹ گئی۔ کہ معرفت مسائل میں وہ عبداللہ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے اور عبداللہ سے ابراہیم کو عدم رفع کی روایات تواتر پہنچی ہیں، تو اب شک کیسا۔ بعض نے ابراہیم کو چھوڑ کر حضرت عبداللہ کا تعاقب کیا۔ کہ وہ بہت سی باتیں بھول جاتے تھے۔ تو کیا عجب ہے یہ بھی بھول گئے ہوں۔ مثلاً قرآن میں معوذتین کا بھول جانا۔ جمع صلوٰۃ کی کیفیت بھول جانا۔ وغیرہ وغیرہ اس سے بھی ان کے کلام کی تردید نہیں ہوتی کیونکہ یہ پیش کردہ امور جو نماز کے مقابلہ میں نادر الوقوع ہیں۔ ان میں بھول چوک کا امکان ہے۔ مگر نماز جو دن رات میں پانچ وقت پڑھی جاتی ہے اور جب کہ حضرت عبداللہ خدمت نبوی میں ہر وقت موجود ہوں کیا اس میں بھی بھول چوک کا احتمال ہے پھر یوں بھول کس کو نہیں ہوتی نبی بھی بھولے ہیں کہ فرمایا فنسی ولم یخذ لہ عزعا۔ یا لیلۃ القدر میں آنجنابؐ کے بھول جانے کا واقعہ یا ذی الیدین کا واقعہ۔

۹۷
۱۴۸ سفیان بن عیینۃ قال اجتمع ابوحنیفۃ والاوزاعی فی دار الحناطین بمکۃ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ اور اوزاعی گیہوں کی منڈی میں اکٹھے ہوگئے اوزاعی نے

فقال الاوزاعی لابی حنیفة ما بالکم لا ترفعون ایدیکم فی الصلوٰة عند الرکوع وعند الرفع منه فقال ابوحنیفة لاجل انه لم یصح عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فیه شئ قال کیف لا یصح وقد حدثنی الزهری عن سالم عن ابیه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰة وعند الرکوع وعند الرفع منه فقال له ابوحنیفة حدثنا حماد عن ابراهیم عن علقمة والاسود عن ابن مسعود انّ رسول الله صلی الله علیه وسلم کان لا یرفع یدیه الا عند افتتاح الصلوٰة ولا یعود لشئ من ذالك فقال الاوزاعی احدثك عن الزهری عن سالم عن ابیه و تقول حدثنی حماد عن ابراهیم

فقال له ابوحنیفة کان حمادٌ افقه من الزهری وکان ابراهیم افقه من سالم وعلقمة لیس بدون ابن عمر فی الفقه وان کانت لابن عمر صحبة وله فضل صحبة فالاسود له فضل کثیر وعبد الله هو عبد الله فسکت الاوزاعی ؛

ابو حنیفہ سے کہا تم تمہارا کیا حال ہے - کہ نماز میں تم رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے - ابو حنیفہ نے کہا اس سبب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں کوئی صحیح (غیر متعارض) حدیث نہیں ملی - اوزاعی نے کہا صحیح حدیث کیوں نہیں ہے اور البتہ حدیث بیان کی مجھ سے زہری نے انہوں نے سالم سے روایت کی انہوں نے اپنے والد عبداللہ بن عمر سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ جب نماز شروع فرمانے تو ہاتھ اٹھاتے تھے اور رکوع کرنے اور اس سے اٹھنے کے وقت تو ابو حنیفہ نے ان سے کہا کہ روایت بیان کی مجھ سے حماد نے انہوں نے روایت کی ابراہیم سے انہوں نے علقمہ اور اسود سے انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور پھر دوبارہ ایسا کچھ نہ کرتے (اس پر اوزاعی کہنے لگے کہ میں تم سے حدیث بیان کرتا ہوں - زہری سے وہ سالم سے اور اپنے والد سے (گویا علوئے سند سے حدیث کو ترجیح دینا چاہتے ہیں) اور تم کہتے ہو حدیث بیان کی مجھ سے حماد نے اور انہوں نے روایت کی ابراہیم سے (گویا اس سلسلہ کو وہ نصیب نہیں تو ابو حنیفہ نے اسکا جواب دیا (انکے خیال پر تنقید کرتے ہوئے کہ حدیث کو ترجیح فقاہت راوی سے ہوتی ہے نہ کہ علو روایت سے کہ حماد زہری سے زائد فقیہ ہیں اور ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ اور علقمہ حضرت ابن عمرؓ سے فقہ میں کچھ کم نہیں (زیادہ فقیہ اور بانہیں کہا اگرچہ ابن عمر کو شرف صحبت نصیب ہے تو اسود کو اور کچھ) بہت فضیلت حاصل ہے اور پھر عبداللہ تو عبداللہ ہی ہیں اس پر اوزاعی چپ ہو گئے ؛

تشریح :- امام اوزاعی و امام ابو حنیفہ کا یہ مناظرہ چند حقائق کو سامنے لاتا ہے اور ایک حیثیت سے

نہایت مفید ہے۔ اس سے امام صاحب کی اعلیٰ ذوہنی قابلیت اور ذہن رسا فہم کا اندازہ ہوتا ہے جس کی روشنی میں آپ احادیث نبویہ کو جانچ کر ان سے مسائل اخذ کیا کرتے تھے۔ حدیث کی صحت کا دارو مدار رواۃ پر ہوتا ہے اس لئے آپ رواۃ کی جانچ میں ایسی کڑی سخت جانچ سے کام لیتے کہ کوئی بھی کمزور روایت آپکی تیز نظروں سے بچکر نہیں جاسکتی تھی۔ فضلیت و برتری میں ایک روایت کو دوسرے پر جو باریک سی فوقیت نصیب ہوتی ہے اسکو بھی نظر انداز نہ کرتے۔ لہٰذا یہ مناظرہ اگر ایک طرف امام صاحب کی اس صفت کو ظاہر کرتا ہے تو دوسری طرف ان غلط بیانی سے کام لینے والوں کا منہ توڑ جواب ہے، جو آپ کو صاحب الرائے کہتے ہیں کہ گویا آپکے مذہب کا مدار عقل ورائے وقیاس پر رکھتے ہیں کیا امام اوزاعی کے مقابلہ میں انہوں نے اپنی رائے پیش کی یا حدیث نبوی پھر وہ حدیث باعتبار سند حدیث اوزاعی کے مقابلہ میں انہوں سے قوی تر تھی یا کمزور یہ مناظرہ رواۃ کو پرکھنے کا ایک بہترین اصول بھی تبلاتا ہے۔ وہ یہ کہ رواۃ کی برتری تفقہ و تبحر علمی پر ہے۔ نہ علو سند یا عدالت پر۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ فقاہت اور تبحر علمی فضیلت صحبت سے افضل ہے بشرطیکہ دونوں کو نبیؐ کی صحبت نصیب ہوئی ہو۔ چنانچہ آپ نے کہا کہ علقمہ ابن عمرؓ سے کچھ کم نہیں غرض اس سے امام اعظم کا ادب اور فہم حدیث میں فوقیت صاف ظاہر ہے۔

مسئلہ رفع یدین کی نوعیت اور اس میں اختلاف کی حقیقت یہ ہے کہ نماز میں رفع یدین پر ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ابتدائے نماز کے علاوہ رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت بھی ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ ہاتھ صرف شروع نماز میں اٹھائے جائیں بعد میں کہیں نہیں۔ امام مالک سے دو روایتیں ہیں ایک میں امام شافعی کی موافقت ہے اور دوسری امام صاحب کی تائید ہے مگر ان کے زیادہ تر شاگرد پہلی روایت کے حامی ہیں شافعیہ اپنے مذہب کی تائید میں بہت سے صحابہ سے روایتیں لاتے ہیں جن میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں باعتبار متن احادیث یا الفاظ روایات کے ان کی نقل کردہ احادیث دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جس میں رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت یا ہر تکبیر کے وقت یا ہر مرتبہ جھکتے اور اٹھتے وقت بہر حال باقی حدیثوں میں اضطراب ہے، جن سے صحیح عمل کی طرف راہنمائی نہیں ہوتی بلکہ مخالف خیال بات کی بھی اس میں آمیزش ہے جس کو نہ وہ مانتے ہیں نہ ہم یعنی احناف۔

لہٰذا درحقیقت ان کی صحیح حدیثیں وہی ہیں جن میں رکوع کے علاوہ اور جگہ رفع یدین سے انکار ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ صحابہ میں عبداللہ بن مسعود سے جس قدر بھی روایات ہیں خواہ ان کو شافعیہ لائے ہوں یا حنفیہ ان سے عدم رفع یدین کا ہی ثبوت ہے، رفع یدین کا نہیں ان کے علاوہ بہت سے صحابہ سے مثلاً خلفائے سے یہ رفع یدین کی روایتیں لاتے ہیں اور حنفیہ عدم رفع یدین کی اس لئے ان میں سے جو یہ کہے کہ عدم رفع میں عشرہ مبشرہ یا خلفائے ہمارے ساتھ ہیں یا کوئی اس غلط بیانی سے بھی کام لے کہ سب صحابہ ہمارے ساتھ ہیں تو یہ قطعاً لغو ہے۔ آئندہ آنے والی روایات میں سے اندازہ لگائے کہ

اہل حدیث حضرات رفع یدین کے بارے جو اس قدر تشدد سے کام لیتے ہیں کس حد تک جائز اور درست ہے۔ بخاری میں ابن عمرؓ سے اس بارے میں حدیث ہے کہ آنحضرتؐ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ شانوں کے برابر آجاتے اور رکوع کے لئے تکبیر کہتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی ایسا ہی کرتے اور سجدوں میں ایسا نہ کرتے مسلم میں بھی اسی کے ہم معنی الفاظ ہیں یا مثلاً حضرت علی کی روایت جو اصحاب سنن لائے ہیں اس کے آخر میں یہ ہے کہ جب آپ سجدوں سے اٹھتے تو اس طرح ہاتھ اٹھاتے رفعیدین کے قائلین کا استدلال یہی ہے اب احناف کا استدلال دیکھئے اس کو ذرا تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ مشہور یہ ہے کہ احناف کے پاس اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ؛

سب سے پہلے تو یہی حدیث بالا جو عبداللہ بن مسعود سے ہے جس میں صاف لا یعود کا لفظ ہے اس کے راویوں کے خلاف تو کوئی دم کیوں مارے جب ان کے امام الامام اوزاعی جن کی ہم رکابی میں اپنے کو امام مالک و ثوری جیسی جلیل القدر ہستیاں اپنے لئے فخر جانیں دم بخود ہیں تو ان کے پچھلوں کی کیا مجال کہ کلام کریں جب معاملہ دیگر راویوں سے گزر کر صحابیوں پر آیا ہے تو اس کو امام صاحب نے مختصر الفاظ سے یوں حل فرمایا کہ عبداللہ تو پھر عبداللہ ہی ہیں یہ الفاظ انکی فوقیت پر دلالت کرتی ہیں جو عبداللہ ابن مسعود حالات پڑھیگا کہ وہ آنحضرتؐ کے ہر دم کے ساتھی و رفیق ہیں وہ فوراً یہ باور کرنے پر مجبور ہوگا۔ کہ تعارض کے وقت ان کی بات سب پر وزنی ہونی چاہیئے۔ چنانچہ متاخرین میں ابن حجر نے اصحابہ میں عبداللہ بن مسعود کو ابن عمر پر ترجیح دی ہے اور انکی فضیلت ثابت کی ہے طحاوی حصین و ابراہیم کے طریق سے نقل کرتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن مسعود نے سوائے شروع نماز کے کہیں ہاتھ نہ اٹھائے امام محمد بھی اپنی موطا میں اسی معنی کے الفاظ لائے ہیں ابو داؤد اپنی سنن میں عاصم بن کلیب سے اور وہ عبدالرحمٰن بن اسود سے اور وہ علقمہ سے اور وہ ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں۔ الا اصلی لکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فصلے فلم یرفع یدایہ الا مرۃ کہ انہوں نے کہا کہ کیا میں تم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سی نماز پڑھ کر نہ بتاؤں کہا کہ پھر انہوں نے نماز پڑھی اور صرف ایک مرتبہ ہاتھ اٹھائے ایک روایت میں یوں ہے کہ صرف ابتدائی بار مرتبہ ہاتھ اٹھائے مخالف مذہب حدیث اگر مخالف ہی کی کتاب میں آجائے تو بادل ناخواستہ گوارا کی جاسکتی ہے۔ مگر جو بہر صورت اپنے ہی بات کو اونچا رکھنا چاہیئے اور دوسرے کو نیچا اس سے یہ کب گوارا ہوسکتا ہے کہ ہم مشرب ہی کی کتاب میں مخالف حدیث آجائے چنانچہ بیچارے عاصم بن کلیب کو نشانہ بازی کے لئے تاک لیا۔ ایک نے کہا یہ حدیث ثابت نہیں ایک بولا ضعیف ہے کسی نے کہا صحیح نہیں اور کسی نے اور کچھ کہا نووی تو اکثر ایسے امور میں دو قدم آگے گئے ہیں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے پر سب کو اتفاق ہے نہ معلوم انہوں نے اتفاق کن افراد کے اجتماع کا نام رکھا ہے۔ یا صرف اپنی رائے کو اتفاق سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ زرکشی سے نہ رہا گیا تو کہہ بیٹھے کہ نقل الاتفاق لیس بجید کہ اتفاق کا نقل کرنا تو ٹھیک نہیں جب کہ ابن حزم دارقطنی ابن قطان نے اسکی

تصحیح کی ہے اور نسائی نے ترک رفع یدین میں رخصت پر باب باندھا ہو اب یہ ہی عاصم جس کی بنا پر ان بزرگوں نے اس قدر لے دے مچائی یہ کون ہے؟ یہ وہ جس سے مسلم نے تخریج حدیث کی ہے اور شیخ نے لعام میں کہا ہے کہ عاصم ثقہ ہے اگر عبد الرحمٰن میں کچھ شک ہے تو ان سے بھی مسلم تخریج حدیث کرتے ہیں تو اب حدیث میں کیا سقم نکل آیا۔ دوسرے مسلک کی حدیث کو اس قسم کی گروہ بندی سے کمزور دکھانا علماء کی شان کے خلاف ہے۔ اسی عاصم کے طریق سے عبد اللہ بن مسعود سے یہ ہی حدیث ترمذی میں بھی ہے۔ اور کہا ہے کہ عبد اللہ بن مسعود کی حدیث حسن ہے اور بہت اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین اہل علم اس طرف گئے ہیں اور سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا مسلک بھی یہی ہے جب خود اہل حدیث علماء اس حدیث کے راویوں کو مانیں اور اس حدیث کو حسن کہیں تو پھر دوسرے اس کو ضعیف کیسے کہہ سکتے ہیں۔

بعض نے یہ نکتہ نکالا کہ عبد الرحمٰن نے علقمہ سے سماع نہیں کیا خوب جب عبد الرحمٰن کی وفات اناسی ہجری میں ہوئی جو ابراہیم نخعی کی حیات کا زمانہ ہے اور ان کو تو علقمہ سے بالاتفاق سماع ہے تو کیا عجب ہے کہ عبد الرحمان کو بھی سماع ہو مزید برآں خطیب نے کتاب المتفق والمتفرق میں عبد الرحمٰن کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے بھی سماع حدیث کیا ہے اور علقمہ سے بھی۔ لہٰذا اب ہر پہلو سے اس حدیث پر طعن باقی نہ رہا۔

اب دیکھئے خلفاء میں سے ابو بکرؓ اور عمرؓ کے کا مسلک کیا ہے؟ دار قطنی اور ابن عدی محمد بن جابر سے حدیث بیان کرتے ہیں وہ روایت کرتے ہیں حماد بن ابی سلیمان سے وہ ابراہیم سے وہ علقمہ سے وہ عبد اللہ بن مسعود سے قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر فلم یرفعوا ایدیھم الا عند افتتاح الصلوٰۃ۔ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی اور ابو بکرؓ و عمرؓ کے ہمراہ بھی ان میں کسی نے بھی اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے مگر نماز شروع کرتے وقت اس روایت کی بعد میں ان کو محمد بن جابر ابن یسار ملے جن کو قابل گرفت سمجھا اور کہنے لگے کہ محمد بن جابر میں کلام ہے واقعہ مختصراً یوں ہے کہ جن محمد بن جابر سے ایوب ابن عوف ہشام بن حسان۔ ثوری۔ شعبہ۔ ابن عیینہ جیسے جلیل القدر اصحاب نے روایت کی ہو وہ کیا کچھ درجہ علمی نہ رکھتے ہوں گے۔ ان کے مرتبہ کو کون گرا سکتا ہے مذہب حنیفہ کا پلہ صحت نہایت وزنی ہو گیا اور عبد اللہ اول تو خود کیا کچھ کم ہیں۔ پھر وہ تصدیق میں آنحضرت کے ساتھ ابو بکر صدیق کی صداقت اور عمر فاروق کی فقاہت کو بھی ملا لیں۔ تو نور علی نور بلکہ یہ حدیث درحقیقت حدیث شیخین ابو بکر و عمر کی ہوئی جو نمونہ رسول ہیں اور جن کا قدم عمل نبوی سے نہیں ہٹ سکتا یہ حدیث گویا مسلک احناف کی دوسری قوی دلیل ہے۔

خلیفہ چہارم حضرت علی کے مسلک کے سلسلہ میں آپ کو طحاوی اور امام محمد کی صحیح حدیث ہے ابی بکر نہشلی سے وہ عاصم سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان علیا کان یرفع فی اول تکبیرۃ من الصلوٰۃ ثم لا یعود کہ علیؓ اول تکبیر کہتے وقت نماز میں ہاتھ اٹھاتے پھر دوبارہ الیسا نہ کرتے دار قطنی نے بھی اسی نہشلی ہی سے یہ حدیث روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث

موقوف صحیح ہے نہ مرفوع۔ محمد بن ابان بھی عاصم سے اسی طرح کی روایت لاتے ہیں دارمی نے اس پر بڑی طرز سے اعتراض اٹھایا ہے۔ ان کے الفاظ کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ علی سے واہیات طریق سے روایت ہے کہ وہ اول تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھایا کرتے پھر ایسا نہ کرتے یہ بالکل ضعیف روایت ہے کیونکہ علی کے بارہ میں ایسا کیسے گمان کیا جائے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف کریں گے۔ حالانکہ آپ سے یہ مروی ہے کہ آپ رکوع میں جاتے اور راس سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھایا کرتے تھے ان کا کہنا تو یہ ہے کہ علی کا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کا ہے اور رفع یدین کے نسخ کو ثابت کرتا ہے۔

پس آپ لوگ اپنے خیال کے موافق ایک بنیاد قائم کرتے ہیں اور اسی پر اعتراض کی عمارت اٹھاتے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔ دارمی پر گرفت کے بعینہ یہی الفاظ ابن دقیق العید نے بھی کہے ہیں۔

حضرت علی سے ہی رفع یدین کے قائل مرفوع روایت لاتے ہیں۔ جس کو ابوداؤد۔ ابن ماجہ اور ترمذی نے نقل کیا ہے۔ مگر پرپیچ ہے۔ اوّل تو ابوداؤد کی روایت میں عبدالرحمٰن بن زناد ہیں۔ تقریب میں کہا ہے کہ یہ صدوق ہیں مگر جب بغداد آئے تو ان کے حافظہ میں نقص آچکا تھا۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اس میں اذا قام من السجدتین رفع یدیہ کذلک کی کھٹک ہے۔ جو سب کے نزدیک یا تو منسوخ ہے یا غیر ثابت پھر اگر ابوداؤد کی حدیث کو صحیح بھی مان لیا جائے تو وہ آخر مرفوع ہے جو آپ کے عمل کو ظاہر کرتی ہے اور یہ حدیث مذکور موقوف جو خود علی کا عمل بتاتی ہے۔ یوں کیوں نہ سمجھا لیا جائے کہ پہلے علیؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ کے عمل کی پھر جب ان کو رفع کا نسخ ثابت ہوگیا تو خود اس عدم رفع یدین پر عمل کرنے لگے۔ جس کی صحیح حدیث امام محمد سے ابھی بیان ہوئی۔ یہ بات امر قرین قیاس ہے اور موافق عقل مگر ان کو ایک ہی ترکیب یاد ہے کہ احناف کی حدیث ضعیف ثابت کردو۔ مخالف کی حدیث صحیح مان لو۔ تو بس معاملہ ختم ہے۔ لیکن ایسا کب ہوتا ہے۔

اس کی تائید میں ایک اور روایت ہے وہ یہ ہے کہ طحاوی اور بیہقی حسن بن عباس کے طریق سے بسند صحیح اسود سے حدیث لاتے ہیں قال رایت عمر بن الخطاب رفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود قال و رایت ابراھیم والشعبی یفعلان ذلک کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عمرؓ کو دیکھا کہ آپ نے اول تکبیر پر ہاتھ اٹھائے پھر ایسا نہیں کیا۔ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم و شعبی کو بھی ایسا ہی کرتے دیکھا۔ اس پر طحاوی لکھتے ہیں کہ حسن بن عباس جن پر یہ حدیث مدار رکھتی ہے ثقہ ہیں اور اہل جرح و تعدیل میں سے یحییٰ بن معین اور کئی دیگر نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ یہ انہوں نے اس لئے کہا کہ جانتے تھے کہ پوری سند میں نشانہ بازی کے لئے انہیں غریب کو چھانٹا جائے۔ لہذا پہلے سے پیش بندی کردی۔ حاکم نے اس کے خلاف آواز اٹھائی کہ طاؤس کے طریق سے ابن عمرؓ سے اس کے خلاف صحیح حدیث موجود ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب یہ حدیث باعتبار سند صحیح ہے تو مخالفت ہوتی رہے آخر ہیں تو دونوں آحاد پھر اس کی تائید حدیث ابن مسعود کی تقویت کررہی ہے۔

اور عبداللہ بن مسعود کی فضیلت ابن عمر پر جو کچھ ہے۔ اسے سب اہل جرح و تعدیل و ائمہ حدیث جانتے ہیں؟

رفع یدین کے قائل حضرات کو اس پر ناز ہے کہ ابن عباس اور ابن عمر کا مسلک ہمارے مذہب کے موافق ہے سنیئے وہ احادیث بھی دیکھ لیجیے۔ کہ یہ کس کے مسلک کے موافق ہیں۔ بخاری نے کتاب المفرد میں بسلسلہ وکیع ابن ابی لیلےٰ حکم مقسم ابن عباس سے حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاتھ صرف سات جگہ اٹھائے جاتے ہیں۔ ابتدائے نماز میں استقبال قبلہ میں صفا و مروہ عرفات پر جمع ہیں۔ منیٰ میں اور جمرتین ہیں۔ اور بزاز نے نافع کے طریق سے ابن عمرؓ سے یہی حدیث نقل کی ہے۔ تو ان میں رکوع میں رفع یدین کا کہاں ذکر ہے ان روایتوں میں یہ خلش نکالتے ہیں کہ ابن ابی لیلےٰ قابل حجت نہیں۔ حالانکہ یہ ایسے تابعی ہیں جنہوں نے ایک سو بیس صحابہ کو دیکھا ہے انہیں کی مرفوع حدیث نہ مانی جائے تو کس کی مانی جائے دوسرے یہ کہتے ہیں کہ یہ موقوف صحیح ہے جو بطریق وکیع ہے نہ مرفوع اس لئے معلوم ہوا کہ مسلک ابوحنیفہ درست ہے۔

مزید احناف کی تائید میں حضرت براء بن عازب حضرت جابر بن سمرہ اور ابوسعید خدریؓ سے بھی صحیح روایات موجود ہیں جن کو اس معاملے میں نظر انداز کیا گیا ہے۔ پایہ ثبوت کو پہنچی۔ کہ احناف کا مسلک صحیح احادیث پر مبنی ہے اب جو انہیں ضعیف بتاتا ہے۔ وہ اپنی جہالت کا اقرار کرتا ہے۔ بلکہ حق و انصاف کو چھپانے کا بھی مرتکب ہے۔ اس بحث و تمحیص کے بعد احناف اپنا کیا عقیدہ قائم کرتے ہیں۔ اس سے آپ ان کے جذبہ حق و انصاف پسندی پر نظر ڈالیئے۔ ان کا یہ مسلک نہیں کہ حدیث دانی کے ٹھیکہ دار ہم ہیں۔ جب کسی مخالف کی حدیث ملے اس کے راویوں کو موڑ توڑ کر ختم کر دیا جائے اور مشہور یہ کیا جائے کہ مخالفین کے پاس کوئی صحیح حدیث نہیں۔ یہ تو اہل الرائے ہیں اہل حدیث ہم ہیں۔ یہاں احناف کا منصفانہ فیصلہ یہ ہے کہ رفع بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے اور عدم رفع بھی اور ان ہر دو نوع احادیث میں تعارض ہے تو لامحالہ تطبیق کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ تطبیق اسطرح کہ رفع و عدم رفع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف اوقات کے دو مختلف عمل ہیں۔ بعد میں رفع منسوخ ہو گیا اور عدم رفع باقی رہا۔ چنانچہ بعض صحابہ مثلاً ابن عمرؓ وغیرہ جو رفع کے راوی ہیں خود رفع نہیں کرتے ان کا یہ عمل ظاہر کرتا ہے کہ وہ نسخ کے قائل تھے۔ کیونکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ جب کوئی صحابی حدیث کی روایت کر کے خود اس کے خلاف کرے یہ دلیل ہے کہ اس کے نزدیک اس کا نسخ ثابت ہو چکا۔ ورنہ حضرت ابن عمر حضرت علی وغیرہ ہما کے بارہ میں کیسے متصور ہو سکتا ہے اور کیسے یہ ممکن ہے کہ وہ حدیث رسول کے خلاف کریں گے ادھر یہ اصول بھی ہے کہ جب صحیح احادیث آپس میں متعارض ہوں تو بذریعہ قیاس ترجیح دینی درست ہے۔ اور قیاس کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ عدم رفع ہو۔ کیونکہ رفع سکون و خشوع و خضوع میں فرق لاتا ہے جو عین مقصد نماز ہے اور اس کا خاص جوہر نماز میں بہت سے ایسے عمال منسوخ ہو چکے جس سے نماز کے خشوع و خضوع میں

فرق اتنا تھا کیا عجب رفع یدین بھی انہی میں سے ہو۔ بعض شافعیہ بھی دعوی کرتے ہیں کہ احادیث رفع متواتر اور مشہور ہیں یہ بے اصل اور بے بنیاد بات ہے۔ ہر دو قسم احادیث درجہ احاد میں ہیں کہ احادیث رفع ہو نا متواتر اور مشہور ہیں یہ بے اصل اور بے بنیاد بات ہے۔ ہر دو قسم احادیث درجہ احاد میں ہیں اور ان میں تطبیق کی یہی واحد شکل ہے جو بیان ہوئی اس میں حق کا پاس بھی ہے اور مخالف کی دلجوئی بھی۔

۹۸/۷۵ **ابوحنیفة** عن طریف ابی سفیان عن ابی نضرة عن ابی سعید الخدری ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الوضوء مفتاح الصلوٰة والتکبیر تحریمها والتسلیم تحلیلها وفی کل رکعتین فسلم ولا تجزیٔ صلوٰة الا بفاتحة الکتاب ومعها غیرها۔

ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو نماز کی کنجی ہے اور تکبیر تحریمہ اسکی تحریم (یعنی خلاف نماز ہر حرکت کو حرام کر دینے والی) اور سلام اس کی تحلیل (یعنی سلام حرام ہونے والی حرکات وافعال کو پھر حلال کر دیتا ہے) اور ہر دو رکعت پر سلام (یعنی تشہد پڑھو) اور کوئی نماز بغیر الحمد اور دوسری سورت ملائے پوری نہیں ہوتی۔

وفی روایة اخری عن المقری عن ابی حنیفة مثله وزاد فی اخره قلت لابی حنیفة ما یعنی بقوله فی کل رکعتین فسلم فقال یعنی التشهد قال المقری صدق۔

اور ایک روایت میں مقری سے ابوحنیفہؒ سے اسکے مثل الفاظ منقول ہیں مگر آخر میں اتنا زیادہ ہے کہ میں نے ابوحنیفہ سے کہا کہ ہر دو رکعت پر سلام کرنے کے کیا معنی ہیں آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد (تشہد) پڑھنا ہے) مقری نے کہا سچ ہے۔

وفی روایة نحوه وزاد فی اخره ولا یجزئ صلوٰة الا بفاتحة الکتاب ومعها شئ۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اور آخر میں اتنا زیادہ ہے کہ کیا کوئی نماز بغیر فاتحہ الکتاب (الحمد) اور سورت ملانے کے کافی وافی نہیں ہوتی۔

تشریح:۔ اس میں کئی مسائل حل طلب اور قابل تشریح ہیں مثلاً فرمایا۔ الوضوء مفتاح الصلوٰة اس سے اس مسئلہ کی وضاحت نہایت لطیف اور عقلی اشارہ سے کی کہ وضو میں نیت واجب نہیں بلکہ سنت ہے کیونکہ جب وضو کی حیثیت نماز کی کنجی کی سی ہوئی کہ وہ اس نماز کو کھولتا ہے اس کی حقیقت کو قائم کرتا ہے اور اس کو وجود میں لاتا ہے جو محض ایک عبادت ہے تو وہ خود عبادت میں شمار نہ ہوا۔ بلکہ آلہ عبادت وذریعہ عبادت ٹھیرا۔ اور نیت عبادت کی صحت کے لئے شرط ہے کہ وہ نیت کے بغیر ثواب سے خالی ہوتی ہے۔ جب ثواب سے خالی ہوئی تو اس کی صحت گئی یہ کیفیت آلہ عبادت کے ساتھ نہیں باقی اس مسئلہ کی صاف اور کھلے الفاظ میں دلیل ابوداؤد

ابن ماجہ کی وہ حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ لا صلوٰۃ لمن لا وضوء لہ ولا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ کہ اس کی نماز نہیں جس کا وضو نہ ہو وہ وضو نہیں جس پر اللہ کا نام نہ ہو۔

پھر ارشاد ہوا والتکبیر تحریمھا اس میں اختلاف ہے کہ تکبیر تحریمہ کن الفاظ سے کہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ سوائے اللہ اکبر یا اللہ الاکبر کے کوئی دوسری صورت جائز نہیں یعنی اکبر کو نکرہ یا معرفہ لایا جائے امام مالک اور احمد کے نزدیک صرف نکرہ کی صورت جائز ہے۔ قاضی ابو یوسف کہتے ہیں کہ اللہ الکبیر بھی جائز ہے گویا ان کے نزدیک اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ الکبیر تینوں صورتیں جائز ہوئیں امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ ہر اس لفظ کو تکبیر میں ادا کرنا روا رکھتے ہیں۔ جو اللہ کی تعظیم و بڑائی ظاہر کرتا ہو۔ یہ ادائیگی فرض کی حد سے باقی سنت وہ اللہ اکبر ہے جو حدیث کے ظاہری الفاظ ہیں امام ابو حنیفہ کا مسلک کافی باریک بینی کا طلب گار ہے اس لئے یہ وضاحت طلب ہے۔ در اصل تکبیر تحریمہ کی فرضیت سب کے نزدیک آیت وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ سے ثابت ہے۔ دیگر ائمہ بلحاظ لفظ آیت اس کو لفظ اکبر میں محدود کرتے ہیں اور امام صاحب معنی پر نظر رکھ کر فرماتے ہیں کہ تکبیر لغت میں تعظیم کے معنی میں ہے جس لفظ سے بھی تعظیم ہوتی ہو اسے تکبیر تحریمہ ہی کہیں گے۔ خواہ وہ اللہ اکبر یا اللہ اجل۔ اللہ اعظم ہو خواہ الرحمٰن الرحیمُ مثلاً دوسری جگہ فرمایا فلما راینہ اکبرنہ یعنی جب دیکھا انہوں نے اس کو تو بڑا سمجھا اس کو کہ یہاں بھی بزرگ ہی مراد ہے ایک اور جگہ نماز کے سلسلہ میں ارشاد ہوا واذکر اسم ربہ فصلی کہ اس میں ذکر سے مراد تکبیر تحریمہ ہے تو گویا یہاں تکبیر کا اطلاق مطلق ذکر پر کیا لہذا اس کو کس طرح اکبر کے لفظ سے مخصوص کیا جائے۔ بلکہ لفظ، اسم کے پیش نظر فلہ الاسماء الحسنیٰ یا حدیث میں وارد ہے۔ امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ اگر کسی نے کہا لا الٰہ الا الرحمٰن تو وہ مسلمان مانا جائے گا۔ اور اس کا جان و مال محفوظ ہو جائے گا۔ جب اصل میں یہ وسعت معتبر ہے تو نماز میں جو فرع ہے کیوں نہ وسعت معتبر ہوگی۔

پھر ارشاد ہوا والتسلیم تحلیلھا اس میں شافعیہ و حنفیہ کا اختلاف ہے کہ نماز سے نکلنے کے لئے لفظ سلام کی ادائیگی فرض ہے یا واجب۔ امام شافعی و احمد اس کو فرض کہتے ہیں اور امام ابو حنیفہ اس کو واجب قرار دیتے ہیں اور یہ ہی مذہب ہے حضرت مرتضیٰ۔ ابن مسعود، ابن مسیب۔ ابراہیم نخعی۔ سفیان ثوری اور اوزاعی کا۔ امام شافعی کی دلیل ایک تو مندرجہ حدیث کے یہ الفاظ ہیں والتسلیم تحلیلھا کہ اس میں بظاہر تحلیل (نماز سے خارج ہونے) کو تسلیم (لفظ سلام کی ادائیگی) میں محدود کیا ہے یا حدیث صلوا کما رایتمونی اصلی کہ جس طرح مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو تم بھی ایسی ہی نماز پڑھو اور آپ لفظ سلام ادا فرماتے پھر وہ تکبیر تحریمہ پر قیاس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نماز میں داخل ہونے کے لئے تکبیر کہنا بالاتفاق فرض ہے تو ایسے ہی سلام کہنا نماز سے خارج ہونے کے لئے فرض ہوگا امام صاحب کی دلیل ابن مسعود کی حدیث ہے جس کو ابو داؤد نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے کہ اذا قلت ھذا او قضیت ھذا فقد قضیت صلوتک کہ جب تو نے ایسا کیا یا اس کو پورا کیا تو تو نے اپنی نماز پوری کر لی کہ اس میں قول و فعل میں اختیار دیا گیا ہے اگر سلام فرض

دنا تو فرض میں اختیار دینا کیسا پھر اعرابی کی وہ حدیث بھی ان کی حجت ہے جس میں آپ نے اس کو نماز سکھائی مگر سلام کا ذکر نہ فرمایا۔ اگر فرض ہوتا تو اس کو چھوڑ دیتے۔ ہاں دوسرا اسلام کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں تو اس پر قیاس کر کے یہ بھی کیوں فرض ہو۔ اب ان کے قیاس کا مسکت جواب یہ ہے کہ تکبیر و سلام میں زمین و آسمان کا فرق ہے، یہ ہر دو حقیقت وحالت اور تاثیر میں ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ تکبیر چونکہ محض ثنا ہے اس لئے خالص عبادت ہے بحالت استقبال ادا ہوتی ہے اور اس کی تاثیر یہ کہ یہ عبادت نماز میں داخل کر دیتی ہے تو نماز کی طرح یہ بھی فرض ہوئی۔ بخلاف سلام کے کہ وہ ایسا نہیں وہ ایک حیثیت سے کہ اللہ تعالیٰ کے نام سلام پر مشتمل ہے ثنا ہے اور ایک حیثیت سے کہ وہ انسانوں سے خطاب ہے۔ لوگوں سے بات چیت ہے چنانچہ اسی حیثیت سے سلام کرنا منع ہوا نماز میں اور قبلہ سے روگردانی کر کے ادا کیا گیا۔ ایسا ہی وہ تاثیر میں بھی تکبیر سے جدا ہے کہ اگر وہ عبادت میں داخلہ کا سبب ہے تو یہ اس سے خارج ہونے کا تو بس اسی فرق کی بنا پر یہ سلام تکبیر کی طرح فرض نہ ہوا مگر ایک حیثیت سے چونکہ یہ سلام ثنا بھی ہے یہ نفل و فرض کے بیچ میں درجۂ وجوب میں رکھا گیا رہے حدیث مندرجہ کے یہ الفاظ والتسلیم تحلیلھا تو اس سے حصر کا ثبوت نہیں کہ تحلیل سلام ہی سے ہے، پھر یہ اخبار آحاد ٹھہریں اور آحاد سے فرضیت کا ثبوت کیسا؟ البتہ آنحضرت صلعم کے ہمیشگی فرمانے یا حکم فرمانے سے وجوب کا ثبوت ملتا ہے اور یہ ہی امام صاحب کا مسلک ہے۔

ایک اور اختلافی مسئلہ لا تجزئ صلوٰۃ الخ کے ضمن میں ہے۔ جو پھر کسی موقع پر انشاء اللہ بیان کر دیا جائے گا۔

وفی کل رکعتین فسلّم کے الفاظ دو معنی پر محتمل ہیں یا تو یہ الفاظ ظاہر پر محمول کئے جائیں گے اور ہر دو رکعت سے نفل مراد نفل ہوگا اور ندب کے حکم میں ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرو۔ جیسا کہ صاحبین کا مذہب ہے کہ نفلیں دو دو رکعت کر کے پڑھنی چاہیئیں۔ مطابق حدیث الصلوٰۃ مثنی مثنی یا فسلّم میں سلام سے مراد حقیقی سلام مراد نہ ہو بلکہ تشہد مراد ہو۔ جیسا کہ اسی حدیث سے خود پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب نے اس کی یہ ہی تشریح فرمائی۔ اس صورت میں یہ امر نوافل میں وجوب بمعنی فرض کے لئے ہوگا کہ قدر تشہد ان میں بیٹھنا واجب ہے یا بمعنی واجب ہی ہو تین رکعت یا چار رکعت والی فرض نمازوں میں۔

ابوحنیفۃ عن عطاء بن ابی رباح عن ابی هریرۃ قال نادی منادی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ لا صلوٰۃ الا بقراءۃ ولو بفاتحۃ الکتاب ۞　۹۹ ح ۲

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ منادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ندا دی کہ بغیر پڑھے کوئی نماز نہیں۔ اگرچہ پڑھی جانے والی چیز (الحمد) ہی کیوں نہ ہو۔

تشریح:۔ طبرانی نے اوسط میں امام صاحب ہی کے طریق سے ان الفاظ سے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ امرنی رسول اللہ صلعم ان انادی فی اھل المدینۃ الحدیث کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ میں ندا دینے کا حکم دیا۔ دار قطنی بھی قریب قریب یہی مضمون لائے ہیں۔

اس میں اختلاف یہ ہے کہ آیا نماز میں فاتحہ پڑھنا اور اس کے ساتھ سورت ملانا فرض ہے یا واجب یا

سنت امام شافعی و امام مالک قرأۃ فاتحہ فرض مانتے ہیں اور سورت ملانا ان کے نزدیک سنت ہے اور امام ابوحنیفہ فاتحہ پڑھنے اور سورت ملانے ہر دو کو واجب کہتے ہیں۔ امام شافعی و امام مالک کی دلیل فاتحہ کے فرض ہونے پر مسلم کی یہ حدیث ہے من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج ثلاثا غیر تمام کہ جس نے ایسی نماز پڑھی جس میں الحمد نہ پڑھی تو وہ نماز خداج ہے۔ تین بار فرمایا یعنی نامکمل ہے اور سورت ملانے کے سنت ہونے پر یہ دلیل لاتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اوّل دو رکعت میں سورت ملانے پر ہمیشگی کی۔

امام صاحب کے مسلک کے ثبوت میں کئی دلائل ہیں۔ فرضیت قرأت کی سب سے پہلی دلیل قرآن کی یہ آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰن ہے یعنی قرآن کا جس قدر حصہ آسان ہو پڑھو۔ یہ قرآن کے الفاظ عام ہیں اور کم سے کم ایک پوری آیت تک کو شامل ہیں پھر حدیث ظنی سے قرآن کے قطعی حکم میں فاتحہ کی قید لگا کر اس کے عموم و اطلاق کو کس طرح توڑا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ تو ایک طرح کا نسخ کہ قید سے ایک شے کل کی حیثیت سے نکل کر جزو میں داخل ہوتی ہے اور وہ اپنی کل کی حیثیت کھو بیٹھتی ہے۔ تو یہ نسخ ہوا اور نسخ کرنے والی شے منسوخ ہونے والی سے اقوی ہونی چاہیے۔ حالانکہ حدیث ظنی قرآن قطعی سے بدرجہا اضعف و کمزور ہے لہٰذا امام صاحب نے مطلق قرآن کا پڑھنا تو آیت قرآن کے ماتحت فرض مانا اور حدیث چونکہ عمل کے وجوب کو ثابت کرتی ہے اس لئے اس کے پیش نظر قرأت فاتحہ و سورت ملانے کو واجب قرار دیا۔ قرآن و حدیث ہر دو پر عمل ہوا۔ بخلاف فاتحہ کی قرأت کو فرض ماننے والوں کے کہ ان کے مذہب پر آیت قرآنی کا ترک لازم آتا ہے اور سنت پر عمل:

دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں آنحضرتؐ نے اعرابی کو نماز سکھائی ہے کہ پوری شرح و بسط کے ساتھ نماز کی حقیقت کو واضح فرماتے ہیں، مگر اس میں فاتحہ کا کہیں ذکر نہیں۔ اگر اس کی قرأت فرض ہوتی تو اس کا ترک کیسا؟ البتہ اتنا ضرور فرمایا ثم اقرا ما تیسر معک من القرآن یعنی پھر قرآن جو تجھ کو یاد ہو پڑھو۔

تیسری دلیل یہ ہی ابی ہریرہ کی حدیث ہے جس کو وہ خود اپنی دلیل میں لاتے ہیں کہ اس کے الفاظ درحقیقت ان کے مطلب کی طرف راہنمائی نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ امام صاحب کے مذہب کی طرف تائید میں ہے کہ فرمایا فہی خداج۔ خداج کے معنی لغت میں ناقص کے ہیں جس کی ضد تام ہے، خود حدیث کے الفاظ غیر تام پتہ دے رہے ہیں کہ ناقص مقابل تام مراد ہے، فاسد کے معنی نہیں جو وہ سمجھتے ہیں۔ ناقص ہونے کے معنی یہ ہیں کہ فاتحہ نہ پڑھنے سے واجب ترک ہوا تو نماز ناقص ہوئی۔ اگر قرأت فاتحہ فرض ہوتی تو اس کے ترک سے نماز فاسد و باطل ہوتی ناقص و غیر تام نہ کہلاتی۔

چوتھی دلیل حدیث ذیل ہے کہ اس میں ارشاد ہوا ولو بفاتحۃ الکتاب اگرچہ سورت فاتحہ ہو۔ یہ صاف کھلا ہوا اشارہ ہے کہ قرأت فاتحہ کی تخصیص نہیں یعنی قرآن کا خواہ کوئی حصہ بھی ہو۔ اگرچہ سورت فاتحہ ہی ہو۔

پانچویں دلیل یہ کہ اگر سورت فاتحہ کو فرض مان کر ان الفاظ حدیث کے یہ ہی معنی مراد لیں کہ نماز ہوتی ہی نہیں۔ تو یہ الفاظ آنحضرتؐ نے ان احادیث میں بھی فرمائے ہیں لا صلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد

کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں ولا صلوٰۃ للعبد الآبق حتی یرجع کہ بھاگے ہوئے غلام کی نماز نہیں جب تک وہ نہ لوٹے ولا وضوء لمن لم یسم اور نہیں وضو ہے اس کا جو وضو سے پہلے بسم اللہ نہ کہے۔ حالانکہ یہاں کمال کی نفی ہے نہ اصل کی۔

:: چھٹی دلیل یہ کہ فرضیت فاتحہ کے قول پر ایک اور اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ سورت کا ملانا بھی ساتھ ساتھ فرض ہو جاتا ہے۔ کیونکہ لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ کے ساتھ وسورۃ معہا وغیرہ کا ٹکڑا بھی تو ہے تو فاتحہ کی لپیٹ میں سورت ملانے کی فرضیت کا زبردستی اقرار کرنا پڑتا ہے اور اس پر وہ بھی راضی نہیں۔

بابُ ۴۳: لَا یَجْهَرَ بِسْمِ اللهِ فِی الصَّلٰوۃ

باب ۴۳ - نماز میں بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھیں

۱۳۳ **ابو حنیفۃ** عن حماد عن انسؓ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابو بکر وعمر لا یجھرون ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر و عمر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔

تشریح: بسم اللہ کو الحمد سے پہلے بلند آواز سے پڑھنے اور نہ پڑھنے میں امام شافعیؒ و امام ابو حنیفہؒ کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے ہم خیال ابن مسعود، ابن زبیر، عمار بن یاسر، عبداللہ بن مغفل، حسن، شعبی، نخعی، اوزاعی، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، قتادہ، عمر بن عبدالعزیز، اعمش، زہری، مجاہد، حماد، احمد، اسحٰق ہیں۔ اور احادیث صحیحہ سے یہ مسلک درست قرار پاتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت انسؓ ہی سے امام بخاری بھی ان الفاظ سے یہ حدیث لائے ہیں۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابابکر وعمر کانوا یفتتحون الصلوٰۃ بالحمد للہ رب العالمین۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و عمر الحمد للہ رب العالمین سے نماز شروع کیا کرتے تھے۔ مسلم کے الفاظ یہ ہیں: صلیت خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان فلم اسمع احدا منھم یقرأ ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کہ میں نے نماز پڑھی ہے نبی صلعم ابو بکرؓ، عمرؓ، وعثمانؓ کے پیچھے میں نے ان میں سے کسی کو بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ امام شافعیؒ اس روایت کو پیش نظر رکھتے ہیں جو دارقطنی میں محمد بن السری سے نقل ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے معتمر بن سلیمان کے پیچھے بے شمار نمازیں پڑھی ہیں صبح و مغرب مگر اس حدیث کا خلاصہ ابن خزیمہ اور طبرانی کی روایت سے تعارض ہے جو وہ اسی معتمر کے طریق سے انس سے بیان کرتے ہیں اس میں یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ نہیں آواز سے پڑھا کرتے غرض ان کی تمام پیش کردہ روایات میں کوئی نہ کوئی طعن ہے۔ اور یہ روایت منقم ہے پھر اگر چاہیں کہ ہر دو نوع کی احادیث کو جمع کریں تو تاویل کا یہ پہلو نکل سکتا ہے کہ جہر کی حدیثوں کو محض تعلیم کے لئے مانیں۔ یا یوں کہیں کہ خفیف سا جہر

تھا۔ جسکو بالکل قریب کا آدمی سن سکتا ہے۔ مقتدی اگر امام سے قریب ہو تو اس کی آہستگی بھی جہر کیطرح سنائی دیتی ہے فی الحقیقت یہ جہر نہیں۔ جسطرح روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ظہر کی سری قرارت میں ایک دو آیتیں اس طرح پڑھتے کہ اقتدا کرنے والے صحابہ کبھی کبھی سن لیا کرتے۔ یا اس طرح کہا جائے کہ پہلے جہر پر عمل تھا بعد میں ترک ہوا۔ اور منسوخ۔ چنانچہ ابوداؤد نے سعید بن جبیر سے جو روایت نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ فامر الله رسوله باخفائها فما جهر حتى مات کہ پھر اللہ نے اپنے رسول کو نیچی آواز سے پڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ نے بعد میں تاوفات جہر نہیں کیا ؛

ابوحنيفة عن ابی سفيان عن يزيد بن عبد الله بن مغفل انه صلى خلف امام فجهر ببسم الله الرحمٰن الرحيم فلما انصرف قال يا عبد الله احبس عنا نغمتك هذه فانی صليت خلف النبی رسول الله صلى الله عليه وسلم وخلف ابی بكر وعمر وعثمان فلم اسمعهم يجهرون بها وهذا صحابی قال الجامع وروت جماعة هذا الحديث عن ابی حنيفة عن ابی سفيان عن يزيد عن ابيه عن النبی صلى الله عليه وسلم قيل وهو الصواب لان هذا الخبر مشهور عن عبد الله بن مغفل ؛ ١٠١/ح٢

یزید بن عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مغفل نے کسی امام کے پیچھے نماز پڑھی۔ پس اس نے بسم اللہ بلند آواز سے پڑھی۔ یہ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس سے کہا اے اللہ کے بندے اپنا یہ نغمہ بند کر۔ (یعنی زور سے بسم اللہ پڑھنا چھوڑ) کیونکہ میں نے نماز پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اور ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ کے پیچھے میں نے ان کو بسم اللہ کو جہر سے پڑھتے نہیں سنا۔ اور یہ عبداللہ بن مغفل صحابی ہیں۔ جامع نے کہا کہ اس حدیث کو ایک جماعت نے ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں ابی سفیان سے وہ یزید سے وہ اپنے والد (عبداللہ بن مغفل) سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (گویا یہ حدیث مرفوع ہے) اور یہی ٹھیک ہے کیونکہ یہ حدیث عبداللہ بن مغفل سے ہی مشہور رہی ہے ؛

تشریح :۔ عبداللہ بن مغفل کی حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے۔ ترمذی نے یہ بحث دو باب پر تقسیم کی ہے۔ ایک باب ترک جہر میں دوسرا جہر میں۔ پہلے میں عبداللہ بن مغفل کی حدیث لائے ہیں اور دوسرے اس کی تشریح پہلے آچکی ہے وہیں سے دیکھ لی جائے۔

ابوحنيفة عن عدی عن البراء قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم العشاء وقرأ بالتين والزيتون ؛ ١٠٢/ح٣

حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی عشاء کی تو پڑھی آپ نے اس میں وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ؛

تشریح :۔ یعنی والتین آنجناب نے عشا کی پہلی رکعت میں پڑھی اور دوسری رکعت میں انا انزلناه فی لیلة القدر۔ اور صحیحین میں ہے کہ آپ نے عشا کی نماز میں اذا السماء انشقت پڑھی۔ اور حضرت معاذ سے آنحضرت

نے فرمایا۔ نماز عشاء میں تم سورہ بروج اور انشقاق کے مانند کیوں نہیں پڑھتے۔ صحاح کی تمام کتابوں نے بھی اس روایت کو درج کیا ہے اور انہی الفاظ میں اسے ترمذی نسائی احمد و مالک نے بھی لکھا ہے۔

۱۰۳/۴ **ابوحنيفة** ومسعر عن زياد عن قطبة بن مالك قال سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقرأ فى احدى ركعتى الفجر والنخل باسقٰت لها طلع نضيد ؛

حضرت قطبہ بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی ایک رکعت میں والنخل باسقات لها طلع نضيد پڑھتے سنا ؛

تشریح :۔ ان احادیث کے پیش نظر احناف نے فجر کی نماز میں طوال مفصل کا پڑھنا مسنون قرار دیا۔ لیکن زیادہ تر مدار ان کے خیال کا حضرت عمرؓ کا وہ فرمان شاہی ہے جو ایک دینی دستور کے طور پر مختلف عمال کے نام دربار خلافت سے جاری ہوا ؛

باب ۴۴ قراءة الامام قراءة لمن خلفه

باب ۴۴ ۔ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے !

۱۰۴/۱ **ابوحنيفة** عن موسىٰ عن عبدالله بن شداد عن جابر بن عبد الله ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من كان له امام فقراءة الامام له قراءة ۔

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کا کوئی امام ہو۔ تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے ؛

وفى رواية ان رجلا قرأ خلف النبى صلى الله عليه وسلم فى الظهر او العصر واومأ اليه رجل فنهاه فلما انصرف قال أتنهانى ان اقرأ خلف النبى صلى الله عليه وسلم فتذاكرا ذلك حتى سمع النبى صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى خلف الامام فان قراءة الامام له قراءة ۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ظہر یا نماز عصر میں قراءت کی اور ایک شخص نے اشارہ سے منع کیا جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو کہنے لگا۔ کہ کیا تو مجھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھنے سے روکتا ہے پس اس پر بحث ہونے لگی یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا۔ اور فرمایا کہ جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے ؛

وفى رواية قال جابر قرأ رجل خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فنهاه رسول الله صلى الله عليه وسلم

ایک اور روایت میں یوں ہے کہ حضرت جابر نے کہا کہ ایک شخص نے نبی صلعم کے پیچھے پڑھا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو اس سے منع فرمایا ؛

وفى رواية قال صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت جابر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو

بالناس فقرأ رجل خلفه فلما قضى الصلوٰة قال ايكم قرأ خلفى ثلث مرات فقال رجل انا يا رسول الله فقال من صلى خلف الامام فان قراءة الامام له قراءة ؛

وفى رواية قال انصرف النبى صلى الله عليه وسلم من صلوٰة الظهر او العصر فقال من قرأ منكم سبح اسم ربك الاعلى فسكت القوم حتى سأل عن ذلك مرارًا فقال رجل من القوم انا يا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لقد رايتك تنازعنى او تخالجنى القرآن ؛

نماز پڑھائی۔ تو آپ کے پیچھے کسی شخص نے قرارت کی جب آپ نے نماز ختم کی تو فرمایا کہ میرے پیچھے تم میں سے کس نے قرارت کی تین بار یہ سوال فرمایا تو ایک شخص نے عرض کیا میں نے یا رسول اللہ تو آپ نے فرمایا جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت جابرؓ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر یا عصر سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا تم میں سے کس نے سبح اسم ربك الاعلیٰ پڑھا سب بلیا چپ رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے تین بار یہی سوال فرمایا۔ تو مقتدیوں میں سے ایک نے عرض کیا کہ میں نے یا رسول اللہ آپ نے فرمایا البتہ میں نے دیکھا تجھ کو کہ گویا میرے ساتھ قرآن میں جھگڑ رہا ہے۔ یا (یہ راوی کی طرف سے شک ہے) قرآن پڑھنے میں مجھ کو خلجان میں ڈال رہا ہے ؛

تشریح :- یہ حدیث ایک اختلافی مسئلہ قرارت فاتحہ خلف الامام یعنی امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے کے بارے میں ہے۔ جس پر ائمہ کرام کی آرا مختلف ہیں اختلاف یہ ہے کہ امام اعظم فرماتے ہیں۔ کہ مقتدی خواہ جہری نماز میں ہو یا سری کسی میں بھی فاتحہ نہ پڑھے۔ یہی مذہب جابر بن عبداللہ۔ زید بن ثابت علی بن ابی طالب عمر بن خطاب۔ ابو بکر الصدیق۔ عبداللہ بن مسعود کا ہے۔ اور یہی سفیان ثوری۔ سفیان بن عیینہ ابن ابی لیلی۔ حسن بن صالح بن حسن۔ ابراہیم نخعی وغیرہ کا قول ہے غرض مشاہیر صحابہ و تابعین اسی خیال کے پیرو ہیں۔ عینی نے کہا ہے کہ کبار صحابہ میں سے اسی صحابہ منع قرأت کے حامی ہیں بعض کے نزدیک اس سے بھی زیادہ تعداد ہے کہ جن کا اتفاق بمنزلہ اجماع کے ہے، امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے جبکہ آپ مصر میں تھے کہ ہر دو نوع نماز جہری و سری میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنی فرض ہے، یہی رائے حضرت عبادہ بن صامت، عروہ بن زبیر، سعید بن جبیر، اور اوزاعی حسن بصری لیث بن سعد۔ ابو ثور وغیرہ کی ہے انہی کے ہم خیال امام مالکؒ ہیں، جہری نماز میں امام صاحب کی موافقت کرتے ہیں اور سری میں امام شافعیؒ کی، یہی قول ہے سعید بن مسیب، عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، سالم بن عبداللہ بن عمر کا اور یہی رائے زہری، قتادہ ابن المبارک و اسحاق کی ہے، امام احمد امام مالک سے متفق ہیں۔ البتہ جہری نماز میں ان سے خفیف سا یہ اختلاف کرتے ہیں کہ اگر مقتدی امام سے اس قدر فاصلہ پر ہو کہ قرارت امام نہ سن سکے تو وہ فاتحہ پڑھ لے۔ امام شافعی بھی اسی خیال کے حامی تھے جب آپ عراق میں تھے حضرت ابی بن کعب وغیرہ کا یہی مذہب ہے،۔

امام صاحب کا مسلک نہایت مضبوط دلائل پر قائم ہے کیونکہ اس کی حقیقت پر قرآن کریم بھی گویا ہے اور حدیث نبوی بھی شاہد ہے نیز قیاس اس کی تائید کرتا ہے اور اکثر صحابہ کا اتفاق جو قریب قریب اجماع کے ہے اس کی موافقت

میں ہیں۔ لوگ دین کے محکم ستون ہیں۔ پہلے قرآن مجید کی آیت دیکھیں۔ کہ فرمایا اذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور چپ رہو۔ اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے بارے میں اتری ہے۔ جب ایک شخص نے آنحضرت کے پیچھے فاتحہ پڑھ لی تھی۔ تو نازل ہوئی بیہقی نے امام احمد سے نقل کیا ہے اجمع الناس علی ان ھذہ الاٰیۃ فی الصلوٰۃ کہ لوگوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ یہ آیت نماز کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور مجاہد سے یہ بات نقل کی ہے کہ نبی صلعم نماز میں قرارت فرما رہے تھے۔ کہ آپ نے ایک انصاری کی قرارت کی آواز سنی۔ تو یہ آیت کریمہ اتری۔ ابن مردویہ نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت قرارت خلف الامام کے بارہ میں اتری ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی خیال رہے۔ کہ اصول میں یہ بات مسلم ہے کہ مطلق کو اپنے طلاق پر بحال رہنا چاہیئے۔ اور مقید کو اپنی تقیید پر جب یہ ہر دو حقائق سامنے آ گئے۔ تو آیت مذکورہ میں اذا قری القرآن میں قرارت مطلق ہے یعنی قرات جہری و سری ہر دو کو شامل ہے۔ اسی طرح انصتوا میں انصاف "خاموش رہنا" بھی مطلق و عام ہی ہے خواہ نماز جہری ہو خواہ سری ہر ایک میں چپ رہنے کا حکم ہے۔ البتہ فاستمعوا میں استماع "سننا" نماز جہر کے ساتھ خاص ہے کہ بغیر جہر کے کوئی کیا سنے تو گویا پوری آیت کے تفصیلی معنی یہ ہو گئے کہ جب قرآن کی قرأت کی جائے خواہ جہری قرأت ہو یا سری ہو تو جہری میں اس کو سنو اور جہری و سری ہر دو میں چپ رہو۔ اب چونکہ اس آیت میں نماز میں اترنا بالاتفاق ثابت ہوا نماز میں تو بہر حال خصوصاً جہری میں تو امام کے پیچھے قرأت کرنا مکروہ تحریمی ہو گا۔ بلکہ خارج نماز بھی چنانچہ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اگر ایک شخص اونچی آواز سے قرآن پڑھ رہا ہے اور اس کے پہلو میں ایک اور شخص مثلاً فقہ کے لکھنے میں ایسا مصروف ہے کہ قرآن سننے سے عاجز ہے تو قرآن پڑھنے والا گناہگار ہو گا۔ کیونکہ لکھنے والے پر سننا واجب تھا۔ جب نہ سن سکا تو اس کا گناہ قاری کے سر پر آیا۔ اسی طرح اگر کوئی رات کو چھت پر زور زور سے قرآن پڑھ رہا ہے اور لوگ سو رہے ہیں تو بھی قاری قرآن ہی گناہگار ہو گا۔ اس سے صاف پتہ چلا کہ قرآن کا سننا نماز اور غیر نماز میں دونوں واجب ہے۔ اگرچہ سبب حکم خاص ہو۔ مگر لفظ عام ہونے کے سبب حکم عام ہی رہتا ہے۔ بعض لوگوں کو فاستمعوا لہ وانصتوا میں جو ایک دوسرے پر عطف ہے اس سے دھوکا ہوا ہے وہ ہر دو کو ایک حکم میں لے کر انصتوا کو بھی جہر کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ حالانکہ عطف اس کو نہیں چاہتا کہ معطوب و معطوف علیہ حکم کے مورد و محل میں بھی ایک ہوں۔ مثلاً اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ۔ بلکہ ایسے مال میں سے زکوٰۃ واجب ہے۔ تو قرآن سننا اور چپ رہنا علیحدہ علیحدہ حکم ہیں ایک خاص ہے دوسرا عام۔ نہ ہی یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ آیت نماز جہری میں اتری ہے۔ اس لیے ہر دو حکم جہر کے ساتھ خاص ہوں گے۔ کیونکہ لحاظ و اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے۔ نہ خصوص مورد کا۔ اب رہا یہ شک کہ بدیں شک یہ آیت آیت فاقرءوا ما تیسر من القرآن سے متعارض ہے۔ جو اپنے عموم کے سبب امام مقتدی منفرد سب پر قرارت واجب کرتی ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ان آیات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ از روئے حدیث صحیح "قراءۃ الامام لہ قراءۃ" مقتدی دراصل شرعاً قاری ہی مانا جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ امام کی قرارت حقیقی ہے اور مقتدی کی حکمی۔ یا اس کی ادائیگی الفاظ کی شکل میں اور اس کی سکوت کی صورت میں تو اب آیت فاقرءوا کے خلاف کب لازم آیا کہ اس سے تعارض ہوتا۔ دوسرا

جواب یہ ہے کہ وہ شخص جو رکوع میں شریک ہوکر رکعت پالے وہ تو بہر حال اس آیت سے مستثنیٰ ہے ہی پس اگر حدیث مذکور کے پیش نظر مقتدی کو بھی مستثنیٰ کر لیں تو اس میں کیا برائی ہے یوں بھی ہر دو آیات میں تعارض مٹ گیا اب حدیث کو لیجئے - قرأت خلف الامام کی ممانعت میں مختلف صحابہ سے احادیث صحیحہ مرفوعہ موقوفہ اور مراسیل مروی ہیں جن میں حضرت جابر بن عبداللہ - ابی ہریرہ - ابی الدرداء - اور عمران بن حصین ہیں - ان میں سے حضرت جابر کی حدیث کا ذکر پہلے کیا جاتا ہے - کیونکہ یہ حدیث مسند بھی انہیں سے مروی ہے - اور یہ ہی دراصل احناف کے مسلک کی بڑی دلیل ہے - اور اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ حدیث ہے جس کی تردید کے لئے اہل حدیث نے اپنی پوری طاقت صرف کر دی ہے - اور مخالفت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لہٰذا اس حدیث کی صحت کی پہ بیان کو قدرے تفصیل دی جاتی ہے پھر حدیث کی تشریح کی جائے گی - دراصل یہ حدیث جابر بھی متعدد صحابہ مثلاً عبداللہ بن عمر ابو سعید خدری انس بن مالک - ابو ہریرہ اور ابن عباس سے مروی ہے - حدیث جابر ذیل میں مرفوع نقل ہے مخالفین نے جب اس کی سند پر نظر ڈالی - تو ان کو اس کی کمزور رگ یہ دکھائی دی کہ موسیٰ بن ابی عائشہ سے کسی نے اس کو صحیح طریق سے بیان نہیں کیا - بلکہ یہ حدیث مرسل صحیح ہے یعنی عبداللہ بن شداد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں بغیر واسطہ حضرت جابر کے - چنانچہ دارقطنی نے جو اپنے زبردست مذہب کے مروجہ ہیں - اور جو احناف پر بے باک اور بے دھڑک تلوار چلانے کے ماہر ہیں - خاص طور پر صدا بلند کی کہ یہ حدیث مرسل صحیح ہے اور مسند صحیح نہیں - کیونکہ سفیانین - ابا الاحوص - شعبہ اسرائیل - ابا خالد الدالانی - شریک وغیرہ سے یہ حدیث مرسل ہی نقل ہے - اب سوال یہ رہتا تھا کہ آخر امام ابو حنیفہ جیسے جلیل القدر امام سے یہ حدیث مرفوع مروی ہے - اس کا کیا جواب ہے، یہ تو بہر حال صحیح ماننی چاہئے - دارقطنی زور میں کہہ گئے ھذا الحدیث لم یسندہ عن جابر بن عبداللہ غیر ابی حنیفۃ والحسن بن عمارۃ وھما ضعیفان یعنی اس حدیث کو مسند جابر بن عبداللہ سے سوائے ابو حنیفہ اور حسن بن عمارۃ کے کوئی نہیں لایا اور یہ دونوں ضعیف ہیں - معوذ باللہ جب اتنا بڑا امام جس میں کسی نے بھول کر بھی کلام نہیں کیا ضعیف ٹھہرا ہو - تو اب عدالت کہاں باقی رہی - اور قوی کون ٹھہرا - ایک لمحہ کے لئے بھی تو نہیں سوچتے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اور کس کے بارہ میں کہہ رہے ہیں - جس کی خود مسند میں احادیث سقیمہ - معلولہ - منکرہ - غریبہ - موضوعہ بھری ہوئی ہوں کیا اس کو جرأت ہو سکتی ہے کہ امام صاحب جیسی زبردست ہستی کو ضعیف کہے پہلے اپنی تو خبر لے پھر دوسرے پر زبان کھولے - جن کی شان میں مخالف موافق کسی نے نکتہ چینی کے لئے لب کشائی نہ کی ہو - جن کے علم و فضل سے سفیان ثوری - ابن المبارک - حماد بن زید - ہشیم - وکیع بن جراح جیسے جلیل الشان اشخاص نے خوشہ چینی کی ہو - جن کی رائے پر ائمہ ثلاثہ امام مالک - شافعیؒ - احمدؒ نے فتاویٰ صادر کئے ہوں - ان کو ضعیف کہنا انصاف سے بعید ہے اور خود اپنی رسوائی کرنا ہے - بہر حال اس دلخراش بات کا جواب یہ ہے کہ اگر تمہارے نزدیک یہ حدیث مسلسل ہی صحیح ہے تو احناف کے نزدیک مرسل بھی قابل حجت ہے - تو جھگڑا رفع ہوا پھر یہ بھی سراسر غلط ہے کہ سوائے ابو حنیفہ کے موسیٰ سے کسی نے

اس کو مسند بیان نہیں کیا۔ کیونکہ احمد بن منیع نے اپنی مسند میں دو صحیح طرق سے اس حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے۔ ایک میں سفیان و شریک موسیٰ سے روایت کرتے ہیں۔ اور دوسرے میں جریر وغیرہ پہلی اسناد شرط شیخین پر صحیح ہے اور دوسری شرط مسلم پر۔ تو اب دارقطنی کا دعویٰ کہ سفیان شریک اور جریر وغیرہ سے بواسطہ موسیٰ یہ حدیث مرفوع نہیں غلط ثابت ہوا۔ پھر بیہقی دارقطنی طحاوی۔ ابن عدی ایک اور طریق سے اس کو مرفوع لاتے ہیں۔ مگر اس میں بیہقی نے جابر جعفی اور لیث بن ابی سلیم کو نشانہ بنایا۔ جو ابی الزبیر سے روایت کرتے ہیں اور کہا جابر و لیث لا یحتج بھما کہ جابر اور لیث قابل حجت نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک راوی کا ضعیف ہونا خود راوی کے حالات پر موقوف نہیں بلکہ ثقہ سے ثقہ راوی کا مخالف کا حدیث میں آجانا بس یہی اس کے ضعف کی نشانی ہے ان کا کہنا ہے۔ احناف کے پاس تو حدیث بھی نہیں۔ اسماء الرجال بھی نہیں سب کچھ انہی کا ہے۔ مگر حنفیوں کی تردید میں کم از کم ایک زبان تو ہو جائیں۔ حقیقت میں "حق بر زبان جاری"۔ انہیں میں سے کسی کے منہ کے اللہ احناف کی موافقت میں بات نکلوا دیتا ہے۔ جو احناف کے لئے حجت بن جاتی ہے۔ ورنہ یہ ہم میں سے کس کی ماننے لگے۔ چنانچہ اسی جابر کی توثیق وکیع۔ شعبہ اور سفیان ثوری وغیرہ جیسے ائمہ جرح والتعدیل نے کی ہے۔ ابن عبدالحکیم نے کہا ہے۔ کہ امام شافعی سے بھی اس کی توصیف میں نے سنی۔ اور لیث کے بارہ میں ابن معین نے کہا ہے لا باس بہ عبدالوارث نے کہا ہے۔ کان من اوعیۃ العلم اور پھر جس سے شعبہ نے حدیث بیان کی ہو جیسا کہ میزان میں ہے تو اس میں کیونکر شک کیا جا سکتا ہے اسی طرح ابن ابی شیبہ ابی الزبیر کے واسطہ سے جابر سے یہی مرفوع حدیث لائے ہیں۔ جوہر نقی میں کہا ہے کہ اس کے رجال سب ثقہ ہیں۔ ابو نعیم بھی اس کو مرفوع ہی لائے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے مان لیں۔ کہ یہ حدیث کسی اور طریق سے مرفوع صحیح نہیں۔ تو امام صاحب کا اس کو مرفوع لانا یقیناً قابل حجت ہوگا۔ یہ اس حدیث کے رفع پر بحث تھی۔ یہ موقوف بھی صحیح طریق سے مروی ہے۔ چنانچہ امام محمد مالک کے واسطے سے وہب بن کیسان سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت جابر کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا وراء الامام کہ جس شخص نے ایک رکعت پڑھی۔ اور اس میں سورت فاتحہ نہ پڑھی تو گویا اس نے نماز نہ پڑھی مگر جبکہ امام کے پیچھے ہو۔

مندرجہ بالا بیان حدیث جابر کی بحیثیت سند تحقیق تھی۔ اب حدیث کی تشریح ملاحظہ فرمائیں پہلی روایت درحقیقت اصل حدیث کا ایک حصہ ہے جو اور روایات میں بھی ہے۔ حضرت جابر کبھی محل حکم بیان فرماتے ہیں اور کبھی پوری تفصیل اس میں ضم فرماتے ہیں۔ دوسری۔ چوتھی۔ پانچویں روایات سے دو امور کی وضاحت ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ قرأت خلف الامام سے ممانعت سری نمازوں میں بھی ہے کیونکہ ظہر و عصر جو سری نمازیں ہیں انہی کا یہ واقعہ ہے۔ اس سے امام مالک وغیرہ کے مذہب کی تردید صاف دکھلے لفاظ میں ہوگئی۔ دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے من صلی خلف الامام کے الفاظ یاد آتیے تنازعنی کی عبارت سے قرأت خلف الامام سے منع فرمایا یہ الفاظ

پکار پکار کر اس حقیقت کو کھول رہے ہیں۔ بعض نے یہاں مطلب غت ربود کر دیا ہے اور اپنا مطلب نکالنے کی کوشش کی ہے کہ آنحضرتؐ نے صرف یہ فرمایا کہ امام کی قرارت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ اگر چاہے خود بھی پڑھ لے یہ معنی نہیں کہ وہ خود ہرگز نہ پڑھے۔ اگر ایسا ہوتا تو جب قاری اور مانع کا معاملہ آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش ہوا۔ تو آپ منع کرنے والے کی تائید کیوں فرماتے اور قاری کی تردید کیوں کرتے کیونکہ ان الفاظ میں تو آپ نے کھلم کھلا قرارت سے روکا ہے کہ جب امام کی قرارت کافی ہوئی تو اب تم بلا وجہ کیوں پڑھتے ہو پھر اگر قرارت و عدم قرارت ہر دو کا مجاز ہوتا تو پانچویں روایت میں جو آپ نے سوال فرمایا۔ من قرأ منکم سبح اسم ربك الاعلى تو سب کے سب نادیدہ اور رعب نبوت سے چپ رہے کسی نے جواب نہیں دیا۔ معلوم ہوا کہ آں حضرتؐ کے چہرہ مبارک سے ناراضگی و خفگی کے آثار نمودار تھے۔ سب اس کو تاڑ گئے اور کسی کو جواب دینے کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر آنجنابؐ کو تین دفعہ سوال کرنا پڑا۔ اگر قرارت جائز ہوتی۔ تو آپ سوال ہی کیوں کرتے اور کرتے بھی تو پڑھنے والا اول ہی مرتبہ کہدیتا۔ کہ حضور قرارت میں نے کی تھی۔ تھوڑی دیر کے لئے اگر مان بھی لیں۔ کہ کافی ہونے کے یہ معنی ہیں تو اس کا صاف یہ مطلب ہوگا کہ مقتدی کی قرارت کار کن امام بس یہی ہے کہ اس کیطرف سے امام قرارت کرے تو اب اگر مقتدی بھی قرارت کرے تو لامحالہ یہ قرارت اس حصہ پر زیادتی ہوگی۔ جو شریعت اس کے لئے مقرر کر چکی ہے۔ اور اس قسم کی زیادتی شرعاً جائز نہیں۔ پھر یہ بھی خلش ہے کہ جب امام کے ضمن میں اس کی قرارت مان لی گئی تو اب اگر یہ خود بھی قرارت کرے تو گویا اس نے ایک نماز میں دو قرارتیں کیں۔ اور یہ بھی جائز نہیں۔ اگر ان سے بھی قطع نظر کر لیں تو حدیث سے بہر حال یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ امام کی قرارت مقتدی کی قرارت کا بدل ہے اور نائب یا جانشین۔ اب اگر مقتدی خود بھی قرارت کرے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اصل و نائب یا بدل و مبدل منہ یک جمع ہو جائیں۔ اور یہ ہرگز جائز نہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ آنحضرتؐ کے کلام من صلی خلف الامام کو گہرائی سے دیکھیں تو اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ قرارت کیلئے جہری یا سری نماز کی قید نہیں۔ کیونکہ امام کی قرارت کا مقتدی کیطرف سے بدل ہونیکا سبب صاف امام کے پیچھے اقتدا کرنے کو ٹھہرایا اور منع قرارت کا دار و مدار اس پر رکھا اور اقتدار مطلق ہے جہری وسری ہر دو کو شامل ہے تو اب امام مالک وغیرہ کے مذہب کے موافق جہری کی قید اس میں کیسے لگائی جا سکتی ہے۔ اگر یہ قید لگائیں تو منشار کلام کے خلاف ہوگا۔

تیسری روایت میں ھنالك کے لفظ سے واضح ممانعت ہوتی ہے اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہی۔ اب بحث یہ ہے کہ نہی جب وارد ہوئی تو اس سے مطلق حرمت قرارت ثابت ہوئی اور نماز فاسد ہونی چاہیے۔ چنانچہ ایک مرجوح روایت ایسی بھی ہے۔ مگر چونکہ اور میں تعارض واقع ہوا اس لئے یہ حرمت سے نکل کر مکروہ تحریمی رہی اور یہی روایت شیخین سے منقول ہے۔

حضرت ابو سعید خدری سے ابن عدی اپنی کامل میں انہی الفاظ سے روایت لائے ہیں۔ اس میں طعن یہ کرتے ہیں کہ اس میں اسماعیل بن عمر حسن بن صالح سے روایت کرتے ہیں جو ضعیف ہیں

اور کوئی ان کی متابعت نہیں کرتا۔ حالانکہ طبرانی اوسط میں یہی حدیث اور یہی سند ذکر کرتے ہیں۔ اس میں نضر بن عبداللہ بھی حسن بن صالح سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ سے دارقطنی اور انس سے ابن حبان کتاب الضعفاء میں یہی حدیث مرفوع لائے ہیں۔ جو اپنی اپنی جگہ صحیح ہے بلاوجہ اسے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ پھر مان لیا کوئی طریق ضعیف بھی ہو۔ مگر کثرت طرق سے حدیث کا ضعف جاتا رہتا ہے۔ اب کوئی اشکال و سقم باقی نہیں رہتا۔

اب ان صحابہ کی احادیث پر ذرا نظر ڈالیں جو قرأت خلف الامام کی ممانعت کی تائید کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک ابوہریرہ ہیں جن کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں۔ انما جعل الامام لیوتم به فاذا کبر فکبروا واذا قرء فانصتوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے جب وہ تکبیر کہو اور جب وہ قرارت کرے تو تم چپ رہو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو۔ اس حدیث کو مالک۔ ابوداؤد و نسائی وغیرہ لائے ہیں۔ سب کے سب ایک دل ایک زبان ہو کر اذا قرء فانصتوا کی زیادتی پر لگ پڑے۔ کہ یہ محفوظ نہیں۔ ابوداؤد۔ ابوحاتم۔ ابن معین حاکم۔ دارقطنی سب نے کہا لیست بمحفوظۃ۔ ابن ہمام نے جواب دیا ہے کہ اگر طریق سند صحیح ہے اور رواۃ بھی ثقہ تو یہ شاذ مقبول ہے۔ اسی جمعیت مذہبی سے ابی خالد راوی کی طرف ابوداؤد وہم کی نسبت کر گئے۔ آخر منذری نے ابوداؤد کی گرفت کی۔ کہ یہ کیا کہتے ہو یہ ابوخالد سلیمان بن حیان وہ ہیں جس سے بخاری و مسلم حجت لاتے ہیں اور ان کی ثقاہت مسلم ہے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت ابی موسیٰ سے سلیمان تیمی کے واسطہ سے یہ حدیث لائے ہیں۔ اس میں یہ زیادت موجود ہے۔ اور خود امام مسلم نے ابوہریرہ کی اس حدیث کی تصحیح کی ہے ان سے دریافت کیا گیا کہ حضرت آپ اس کو صحیح بتاتے ہیں تو اپنی کتاب میں کیوں نہیں لاتے آپ نے کہا کہ ہر اس حدیث کو جس کو میں صحیح جانتا ہوں میں اس کتاب میں نہیں لایا۔ جس پر ائمہ حدیث کا اجماع ہے اسی طرح حضرت ابی الدرداء، عمران بن حصین۔ ابوہریرہ سے روایات بطریق صحیحہ منقول ہیں جو ممانعت قرات کو ثابت کرتی ہیں۔ اسی سلسلہ میں آثار صحابہ بھی جید اسناد سے مروی ہیں مثلاً ابن عمر سے روایت نقل ہے۔ کہ وہ امام کے پیچھے قرارت نہ کرتے۔ ابن مسعود سے نقل ہے کہ ان سے کسی نے قرارت کے بارہ میں پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ کہ چپ رہ۔ امام کی قرارت تیرے لئے کافی ہے۔ امام محمد اپنی موطا میں عمرؓ کے بارہ میں نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کاش امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منہ میں پتھر ہو۔ اور سعد بن وقاص کے متعلق یہ کہ انہوں نے کہا کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منہ میں آگ کی چنگاری ہو۔ غرض اس طرح بہت سے آثار ہیں۔

اب اجماع و قیاس کو لیجئے تو جیسا کہ ذکر ہوا جب اسّی سے زائد صحابہ سے ممانعت قرارت مروی ہے تو یہ قریب قریب اجماع ہی ہوا۔ اور قیاس تو وہ بھی مسلک حنفی کی پر زور تائید کرتا ہے کیونکہ امام بحکم حدیث الامام ضامن قرارت کا ذمہ دار ہونا چاہئے۔ چنانچہ ممانعت کی احادیث میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ قرارت کا ذمہ دار امام ہی ہے۔ گویا وہ قرارت کا ضامن ہے تو اب امام کے پیچھے قرارت کرنا گویا اس

کی ضمانت کو توڑنا ہے اور حکم شرع کی خلاف ورزی جو حرام نہیں تو مکروہ تحریمی ضرور ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مذہب حنفی بروئے قرآن۔ بلحاظ حدیث نبوی اور بتقاضائے اجماع و قیاس حق ہے۔

دیگر مسلک کی تردید اگرچہ مسلک حنفیت کے تشریح و توضیح میں آگئی۔ مگر جہری و سری ہر دو نمازوں میں مقتدی پر قرارت فرض ماننے والوں کے مسلک کی ہم الگ تشریح بھی کرتے ہیں۔ اور یہ کہ ان کا حجتی پہلو کتنے پانی میں ہے۔ یہ اپنے مسلک کی تائید میں نقلی اور عقلی دلائل پیش کرتے ہیں۔ نقل میں فرضیت فاتحہ کیلئے انکے پاس یا وہ عام احادیث ہیں جنکا ذکر پیچھے فرضیت قرارت فاتحہ کے ضمن میں ہوا اور جن میں امام مقتدی منفرد نماز جہری و سری کسی کی قید و خصوصیت مذکور نہیں۔ ان کے بارہ میں معلوم ہو چکا کہ ان احادیث سے فرضیت کا ثبوت نہیں ملتا۔ پھر یہ عام نہیں۔ بلکہ اقتدار کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے۔ اگر مان لیں یہ عام ہی ہیں تو ممانعت قرارت سے ان کا عموم کب ٹوٹتا ہے جبکہ مقتدی سکوت سے بھی شرعاً قاری مانا گیا۔ اس کے علاوہ جب رکوع میں شریک ہو کر رکعت پانے والے کو بالاتفاق ان احادیث سے مستثنیٰ کر لیا گیا تو ہم ان ممانعت کی احادیث کے پیش نظر مقتدی کو کیوں نہ مستثنیٰ کر لیں۔ اب خصوصیت کے ساتھ خلف الامام کے بارہ میں ان کے پاس لے دے کر ایک حدیث عبادہ ہے جو ان کے نزدیک بہترین ہتھیار ہے۔ وہ صحیحین کی روایت کی بنا پر تو عام ہی ہے پوری مطلب براری سے وہ قاصر ہے کہ اس کے الفاظ میں لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب لہٰذا اس میں ہمارا وہ ہی جواب ہے، کہ مقتدی در اصل قاری ہے۔ اگر خود نہیں تو امام کے ضمن میں۔ نماز فجر کا قصہ ابوداؤد کی روایت سے نقل ہے جو تین طرق سے مروی ہے۔ اور جن کی صحت میں کلام ہے ایک میں محمد بن اسحاق بن یسار ہے جو مدلس ہے۔ اور محدثین میں کسی کے نزدیک قابل حجت نہیں امام مالک نے اس کو کذاب کہا۔ امام احمد نے اس کو ضعیف بتایا۔ دوسرے میں نافع بن محمود ہے جسکو تہذیب التہذیب میں (مجہول) کہا ہے۔ طحاوی نے کہا لا یعرف۔ تیسرے میں مکحول کو عبادہ سے سماع نہیں۔ تہذیب التہذیب میں اس ابوبکر رازی سے یہ ہی نقل ہے۔ عقلی دلیل کے ذیل میں ایک تو یہ کہتے ہیں کہ قرارت ایک رکن ہے نماز کا جس میں امام و مقتدی کو شریک ہونا چاہئے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ قرآن کے مقابلہ میں قیاس ہے۔ جو ناقابل قبول ہے پھر اگر رکنیت میں شریک بھی مانیں تو رکنیت ایک حقیقی قرارت کی شکل میں ہے جو امام کے لئے ہے اور ایک سکوت اور سننے کی صورت میں جو بروئے اِذَا قُرِئَ فَاْنْصِتُوْا کے مقتدی کے لئے ہے دوسرے یہ منطق چلاتے ہیں کہ سری نماز میں جب مقتدی قرارت نہ سنے گا۔ نہ خود پڑھے گا۔ تو بے کار رہے گا۔ حالانکہ عبادت ایک شغل ہے نہ بیکاری۔ ہم کہیں گے کہ جب شرع نے اس کے سکوت کو قرارت مانا تو یہ بیکار کب شمار ہوا۔ پھر یہ بیکار تمہارے مذہب پر بھی لازم آتا ہے۔ کیونکہ آخر فاتحہ پڑھنے کے بعد بھی تو سری نماز میں امام کی فراغت تک بیکاری رہا۔ نہ پڑھ رہا ہے نہ سن رہا ہے۔ اسی طرح تشہد میں بھی مقتدی اکثر تشہد صلوٰۃ و دعا پڑھنے کے بعد بیکار ہی بیٹھا رہتا ہے۔ پھر سب سے زیادہ پر لطف بات یہ ہے کہ اس مذہب کے حامیین سے ذرا پوچھیے۔ کہ فاتحہ کب پڑھی جائے کہیں گے سکتہ میں۔ پوچھیے سکتہ کا ثبوت شریعت میں کہاں ہے تو اس کے جواب میں ان کی طرف سے مکمل خاموشی ہے حقیقت اس خیال کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک امام

کے لیے چار سکتے ہیں۔ پہلا تکبیر تحریمہ کے بعد قرارت شروع ہونے تک دوسرا ولاالضالین کے بعد آمین کہنے سے پہلے۔ تیسرا آمین کے بعد مقتدی کو قرارت فاتحہ کا موقع دینے کی غرض سے چوتھا قرارت ختم کرنے پر رکوع میں جانے سے پہلے۔ حنفیہ کے نزدیک صرف پہلا سکتہ ہے اور کوئی نہیں۔ پھر اس میں اور جو اصولی و عقلی پیچید گی ہے وہ سنئے کہ اول تو اس سکتہ میں اس قدر موقع ملنا دشوار کہ اس میں انسان فاتحہ پڑھ سکے۔ پھر یہ بحث الجھن کہ امام کے لئے ان سکتوں میں ٹھہرنا مستحب گو یا وہ مختار ٹھہرے یا نہ ٹھہرے۔ وہ اس کے ترک پر گنہگار نہیں۔ ادھر مقتدی کے لئے قرارت فاتحہ واجب وہ نہ پڑھے تو گنہگار۔ اگر امام نہ ٹھہرے تو مقتدی بیچارے کی بلا وجہ قرارت ٹلی اور وہ گناہگار ہوا جس کا کوئی چارہ کار نہیں ؛

بَابُ ۴۵ نَسْخِ التَّطْبِیْقِ! تطبیق کے منسوخ ہونے کا بیان!

۱۰۵ / ۱

ابوحنیفة عن ابی یعفور عمن حدثه عن سعد ابن مالك قال کنا نطبق ثم امرنا بالرکب ؛

حضرت سعد بن مالک کہتے ہیں کہ ہم تطبیق کیا کرتے تھے۔ پھر ہم کو حکم ہوا کہ رکوع میں گھٹنے پکڑیں ؛

تشریح: تطبیق یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو ملا کر ہر دو رانوں کے درمیان دبا لیا جائے پہلے رکوع میں یہ صورت تھی۔ پھر فرمان نبوی سے یہ صورت منسوخ ہو گئی اور رکوع میں ہاتھوں سے گھٹنے پکڑنے کی سنت جاری ہوئی جو اب تک چلی آرہی ہے۔ نسخ پر یہ حدیث بھی دال ہے۔ اور دوسری احادیث صحیحہ بھی۔ اور اسی پر علمائے حنفیہ و دیگر علماء کا عمل ہے۔ حضرت ابن مسعود اور ان کے تلامذہ تطبیق کے قائل ہیں۔ اس پر بعض مخالفین کو ان کے زعم پر ابوحنیفہؒ پر اچھی گرفت کا موقعہ ہاتھ آیا۔ کہنے لگے کیا خوب رفع یدین کے مسئلہ میں تو آپ نے تمام صحابہ کو چھوڑا اور ابن مسعود کا دامن پکڑا۔ اور یہاں ابن مسعود سے بھی اختلاف کیا۔ ذرا دیکھیں کہ امام صاحب کا یہ عمل قابل مذمت ہے یا قابل تحسین، قابل گرفت ہے یا قابل داد۔ ترک رفع یدین میں ان کو ابن مسعود کی صحیح حدیث ملی۔ اور اس کے نسخ پر کوئی حدیث مرفوع موقوف۔ صحیح۔ ضعیف صراحۃً و کنایۃً نہ ملی اس لئے وہ یہ ماننے پر مجبور ہو گئے کہ ترک رفع ہی سنت نبوی ہے یہاں نسخ تطبیق کی صحیح احادیث پہنچیں تو وہ نسخ کے قائل ہوئے۔ اور یہ کہ تطبیق مسنون نہیں۔ بلکہ رکوع میں گھٹنوں کو پکڑنا مسنون ہے۔ پس صحیح احادیث اور صحیح سنت پر عمل کیا اور دوسرے کو بوجہ ضعف چھوڑ دیا ؛

۴۶ باب الامام اذا قال سمع الله لمن حمده!

امام کا بیان جبکہ وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے!

۱۰۶

ابن ابی السلع بن طلحة قال رأیت اباحنیفة یسأل عطاء عن الامام اذا قال سمع الله لمن حمده ایقول ربنا لك الحمد قال ما علیه ان یقول ذلك ثم روی عن ابن عمرؓ صلی بنا النبی صلی الله علیه وسلم فلما رفع رأسه من الرکعة قال سمع الله لمن حمده فقال رجل ربنا لك الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیه فلما انصرف النبی صلی الله علیه وسلم قال من ذا المتکلم بهذه قالها ثلث مرات قال الرجل انا یا نبی الله قال فوالذی بعثنی بالحق لقد رأیت بضعة وثلثین ملکا یبتدرون ایهم یکتبها لك و اول من یرفعها ؛

ابن ابی البسع نے فرمایا کہ میں نے ابو حنیفہؒ کو عطاء بن ابی رباح سے یہ پوچھتے دیکھا کہ امام جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو کیا اس کے ساتھ ربنا لک الحمد بھی ملائے؟ عطاء نے کہا کہ اس کیلئے یہ کہنا ضروری نہیں۔ پھر عطاء نے ابن عمرؓ سے یہ روایت کی کہ نماز پڑھائی ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آنجناب نے رکوع سے سر اٹھایا۔ اور سمع اللہ لمن حمدہ کہا۔ تو ایک آدمی نے (مقتدیوں میں سے) ربنا لک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ کہا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ ان کلمات کو ادا کرنے والا کون تھا؟ تین بار یہ سوال فرمایا کہ ایک شخص بولا یا نبی اللہ میں تھا اس پر آپ نے فرمایا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھکو سچا دین دے کر بھیجا۔ البتہ میں نے دیکھا کچھ اوپر تیس فرشتوں کو جھپٹتے ہوئے کہ کون ان میں سے ان کو (کلمات کو) تیرے لئے لکھ لے اور سب سے پہلے ان کو اٹھالے جائے ؛

تشریح :- اس مسئلہ کی صورت حال یہ ہے کہ ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ منفرد سمع اللہ بھی کہے اور ربنالک الحمد بھی اور اس پر بھی اکثر کا اتفاق ہے کہ مقتدی سمع اللہ نہ کہے۔ البتہ امام کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے امام شافعیؒ کا ظاہری مذہب یہ ہے کہ امام دونوں کہے اور امام اعظم امام مالک واحمد کا مذہب ہے۔ کہ امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل حدیث ابوہریرہ ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یجمع بین الذکرین۔ کہ نبی صلعم دونوں ذکروں کو جمع فرمایا کرتے اور امام صاحب کی دلیل یہ حدیث اور اس قسم کی احادیث ہیں کہ مثلاً حدیث مذکورہ میں آنحضرتؐ نے صرف سمع اللہ لمن حمدہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت عطا حدیث کے اسی مقام سے استدلال لاتے ہیں اور یہ ہی موافق عقل ونقل ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ

وسلم نے امام و مقتدی دونوں کے عمل کو تقسیم فرما دیا - فرمایا اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ - فقولوا ربنا لك الحمد کہ جب امام سمع اللہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو تو امام مقتدی کے کام میں کس طرح حصہ بٹائے اور مقتدی امام کے کام میں کیسے حصہ لے - اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ انفرادی حالت پر دلالت کرتی ہے ؛

بَابُ هَيْئَةِ السُّجُودِ سجدہ کی ھیئت اور کیفیت کا بیان !

۱۰۷ **ابو حنیفة** عن عاصم عن ابیہ عن وائل ابن حجر قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سجد وضع رکبتیہ قبل یدیہ واذا قام رفع یدیہ قبل رکبتیہ ؛

حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے وقت ہاتھوں سے قبل اپنے گھٹنے زمین پر رکھتے اور اٹھتے وقت اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں سے قبل اٹھاتے ؛

تشریح : ابوحنیفہ، شافعی و احمد اس طرف گئے ہیں کہ سجدہ میں جاتے اور اٹھتے وقت یہی ترتیب ہو جو حدیث میں بیان ہوئی اور انکی دلیل یہ ہی وائل بن حجر والی حدیث ہے اور امام مالک اوزاعی اس کے قائل ہیں کہ سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں سے پہلے ہاتھ ٹکائیں ان کے پیش نظر ابوہریرہ کی یہ مرفوع حدیث ہے اذا سجد احدکم فلا یبرك کما یبرك البعیر ولیضع یدیہ قبل رکبتیہ کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے اور گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھ ٹکائے - ابوداود اس کی روایت کرتے ہیں - یا ابن عمر کی موقوف حدیث کہ آپ گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھتے - درست مسلک ائمہ ثلاثہ کا ہے کیونکہ وائل بن حجر کی حدیث ابوہریرہ کی حدیث سے صحیح راجح اور واضح تر ہے - ترمذی نے اس کو غریب کہا ہے - اس کے سلسلہ سند میں عبداللہ بن سعید بن المقبری ہے - جس کی روایت ابن خزیمہ نے کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھا کرتے لیکن پھر ہم کو ہاتھوں سے پہلے گھٹنے ٹکانے کا حکم دیا گیا - مزید براں حدیث ابوہریرہ میں بڑی گڑبڑ ہے - کہ اس کا اول کا حصہ سے متعارض ہے کیونکہ جب ہاتھ پہلے رکھے اور گھٹنے بعد میں تو اونٹ کی بیٹھک کی نقل ہوئی - حالانکہ ابتدا میں اس سے ممانعت ہے -

ابن الھمام کہتے ہیں کہ حضرت وائل کی حدیث میں آیا ہے اذا نھض اعتمد علی فخذیہ کہ نبی جب اٹھتے تو اپنی رانوں کا سہارا لیتے اور ابن عباس سے مروی ہے کہ آنجناب نے نماز میں اٹھتے وقت ہاتھوں سے سہارا لے کر اٹھنے سے منع فرمایا ہے - اب نبی سے جو مروی ہے کہ آپ زمین پر ٹیک دے کر اٹھتے تھے تو اسے آپ کے بڑھاپے پر محمول کرنا چاہیے یا شائد محض جواز بتانے کی غرض سے آنجناب کا یہ عمل رہا ہو۔

۱۰۸ **ابو حنیفة** عن طاؤس عن ابن عباس او غیرہ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اُوحی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابن عباس یا اور کسی صحابی سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھیجی گئی - کہ آپ سات ہڈیوں پر سجدہ کریں (یعنی پیشانی، ہر دو

ان یسجد علیٰ سبعۃ اعظم۔　　ہاتھ ہر دو گھٹنے اور ہر دو پاؤں۔

تشریح:۔ ایک متفق علیہ حدیث میں ہے امرت ان اسجد علی سبعۃ اعظم علی الجبھۃ والیدین والرکبتین واطراف القدمین کہ آنحضرت نے فرمایا کہ مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں سجدہ سات ہڈیوں پیشانی دونوں ہاتھ۔ دونوں گھٹنوں اور ہر دو قدم کے اطراف پر کروں اسی حدیث کے پیش نظر امام شافعیؒ کے نزد سجدہ میں ان تمام اعضاء کا زمین پر رکھنا فرض ہے اور اُمرتُ کے لفظ سے دلیل لی ہے۔ ہدایہ میں ہے ورفع الیدین والرکبتین سُنّۃٌ عندنا کہ ہمارے نزدیک ہاتھوں اور گھٹنوں کا رکھنا سنت ہے۔ مطلب یہ کہ فرض و واجب نہیں ہے۔ فرض اسلیئے نہیں کہ نص قطعی میں مطلق سجدہ کا حکم ہے خبر واحد سے اس پر زیادتی جائز نہیں واجب اسلیئے نہیں کہ نبی صلعم نے اعرابی کو جو واجبات بتلائیں ان میں ان اعضاء کا ذکر نہیں ہے۔ اسلیئے لامحالہ اُمِرتُ کا لفظ ندب پر دلالت کرتا ہے نہ فرضیت و وجوب پر۔

۱۰۹/۳ **ابوحنیفۃ** عن ابی سفیان عن ابی نضرۃ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانسان یسجد علی سبعۃ اعظم جبھتہ ویدیہ ورکبتیہ ومقدم قدمیہ واذا سجد احدکم فلیضع کل عضو موضعہ واذا رکع فلا یدبج تدبیج الحمار۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان سات ہڈیوں پر سجدہ کرتا ہے۔ پیشانی۔ دونوں ہاتھ۔ دونوں گھٹنے اور پاؤں کی انگلیوں کے سروں پر اور جب سجدہ کرے تم میں سے کوئی تو ہر عضو (مذکور) کو اسکی اپنی جگہ پر رکھے۔ اور جب رکوع کرے تو سر جھکا کر گدھے کی طرح نہ جھک جائے۔

تشریح:۔ اس حدیث میں سجدہ کے ساتھ ساتھ رکوع کی کیفیت کی بھی وضاحت ہے کہ رکوع میں سر اٹھا ہوا نہ ہو اور نہ جھکا ہوا ہو۔ بلکہ پیٹھ کے برابر رہنا چاہئے۔ کیونکہ جب سر پیٹھ سے جھکے گا۔ تو پشت میں خم پیدا ہو گا۔ اور پھیلاؤ اور برابری باقی نہیں رہیگی۔ بلکہ کوہان کی شکل پیدا ہو جائے گی۔ اور یہ آنحضرتؐ کے فرمان کے خلاف ہو گا اور یہ ممنوع ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ ابن معبد سے روایت لائے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا جب آپ رکوع کرتے تو پیٹھ برابر رکھتے۔ یہانتک کہ اگر اس پر پانی ڈالا جاتا تو ٹھہر جاتا۔

۱۱۰/۴ **ابوحنیفۃ** عن ابی سفیان عن ابی نضرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سجد احدکم فلا یمد رجلیہ فان الانسان یسجد علی سبعۃ اعظم جبھتہ ویدیہ ورکبتیہ ورجلیہ۔

وفی روایۃ اذا سجد احدکم فلا یمد صلبہ

حضرت ابونضرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی سجدہ کرے تو اپنے پیر کو نہ اٹھائے۔ کیونکہ انسان سات ہڈیوں پر سجدہ کرتا ہے۔ یعنی پیشانی۔ دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے اور دونوں پیر کی ہڈیوں پر۔

اور ایک اور روایت یوں ہے کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اپنی پیٹھ نہ پھیلائے۔

وفی روایۃ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یمد الرجل صلبہ فی سجودہٖ ؛

اور ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو سجدہ میں اپنی پیٹھ پھیلی ہوئی رکھنے سے منع فرمایا ہے ؛

تشریح :- گزشتہ حدیث کے مفہوم میں دیکھ لیا جائے ۔

۱۱۱/۷۵ **ابوحنیفۃ** عن عکرمۃ عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اسجد علی سبعۃ اعظم ولا اکف شعرا ولا ثوبًا ؛

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں سجدہ کروں سات ہڈیوں پر اور نہ بالوں اور کپڑوں کو نہ سمیٹوں ؛

تشریح :- اس حدیث میں بھی سجدہ کا بیان ہے مگر یہ مسئلہ مزید ہے کہ نماز میں سجدہ کرتے وقت انسان آگے پیچھے سے بالوں کو اور کپڑوں کو نہ سمیٹے یہ حکم آستین چڑہانے کو بھی شامل ہے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ نماز میں سجدہ کرتے وقت کپڑوں کو اٹھاتے ہیں ۔ کبھی آستینیں چڑھاتے ہیں یہ عمل اداب نماز اور خشوع و خضوع کے خلاف ہے ۔ نماز کی حسن و خوبی خشوع و خضوع میں ہے اور اس کے سارے مستحسن اثرات اسی پر مدار رکھتے ہیں بلکہ نماز پر فلاح و کامرانی کا وعدہ اسی خضوع و خشوع کے سبب ہے ۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا ۔ قد افلح المومنون الذین ہم فی صلوٰتھم خاشعون یعنی وہ مسلمان کامیاب ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں ؛

۱۱۲/۷۶ **ابوحنیفۃ** عن جبلۃ بن سحیم عن عبد اللہ بن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی فلا یفترش ذراعیہ افتراش الکلب ؛

عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نماز پڑھے وہ (سجدہ میں) اپنے بازو کتے کیطرح (زمین پر) نہ بچھائے ؛

تشریح :- یہ حدیث صحاح میں بہ اختلاف الفاظ وارد ہے ۔ یہاں آنحضرتؐ نے کتے کیطرح نشست کی مثال دی ہے ۔ اور دوسری جگہ درندے کے ساتھ جیسا کہ ابوداؤد و نسائی وغیرہ میں ہے کہ آنجناب نے منع فرمایا کوّے کیطرح ٹھونگیں مارنے سے اور درندے کی طرح بازو پھیلانے سے اور اونٹ کی طرح مسجد کی کسی خاص جگہ کو نماز کے لئے مخصوص کرنے سے ؛

باب۴۸ القنوت فی الفجر !

صبح کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنے کا بیان !

۱۱۳/۱ **ابوحنیفۃ** عن حماد عن ابراہیم عن علقمۃ عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یقنت فی الفجر قط الا شہرا واحدا لم یر قبل ذالک ولا بعدہ یدعوا علی ناس من المشرکین ؛

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں دعائے قنوت کبھی نہیں پڑھی مگر ایک ماہ ۔ نہ اس سے پہلے آپکو پڑھتے ہوئے دیکھا گیا ۔ نہ اس کے بعد آپؐ (اس دعائے قنوت میں) چند مشرکین کے حق میں بددعا دیا کرتے تھے ؛

تشریح:- یہ وہ بدکردار مشرکین تھے۔ جنہوں نے معاہدہ کر کے رسول اللہ کو فریب دیا اور با آنحضرت کے چند قاریوں کو دھوکے سے لے جا کر بے دردی وسفاکی سے شہید کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اتنا شدید رنج ہوا کہ آپ ایسے بدکردار لوگوں کو دعائے قنوت میں بددعا فرمانے لگے خود سوچیے کہ یہ کتنی بڑی بے دردی تھی اور کس قدر بدعہدی کہ دھوکے سے چند تھے قاریوں کو شہید کر دیا اسی وجہ سے آپ نے ایک ماہ تک دعائے قنوت میں مشرکین کے لئے بددعا فرمائی۔

اس حدیث میں مسئلہ دعائے قنوت کی طرف اشارہ ہے۔ جو امام اعظم احمد اور امام شافعیؒ و مالکؒ کے درمیان اختلافی امر ہے۔ امام شافعیؒ مالک کے نزد دعائے قنوت فجر میں پڑھنا سنت ہے اور امام اعظم و احمد کے نزدیک وتر میں یہ کہتے ہیں کہ دعائے قنوت ایک وقتی چیز تھی۔ جو خاص حالات کی وجہ سے شروع ہوئی۔ اور صرف ایک ماہ کے بعد ختم ہو گئی۔ یہ آنجناب کا دوامی عمل نہیں کہ سنت مُستمرّہ کی جگہ لے۔ امام شافعی و مالک کی دلیل وہ حدیث ہے جو دارقطنی وغیرہ ابی جعفر رازی کے واسطہ سے حضرت انس سے لائے ہیں ما زال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقنت فی الصبح حتی فارق الدنیا۔ کہ آنحضرت نماز فجر میں ہمیشہ دعائے قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ نے وصال فرمایا۔

دوسری حدیث جسے امام بخاری ابی ہریرہ سے نقل کرتے ہیں کہتے ہیں کہ میں نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تم سے زیادہ قریب ہوں اور ابوہریرہ نماز فجر کی رکعت ثانیہ میں سمع اللہ کے بعد دعا کرتے مومنین کے حق میں اور لعنت بھیجتے کفار پر۔ ابی ابوہریرہ کی خدمت جس کے سلسلہ اسناد میں عبداللہ بن سعید المقبری ہے جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد دعاء قنوت پڑھا کرتے۔ پس یہ گویا ان دلائل میں جس سے وہ دعائے قنوت کو فجر کی نماز میں سنت قرار دیتے ہیں

امام اعظم کی پہلی دلیل یہی حدیث ہے حدیث عبداللہ بن مسعود ہے جو ثابت کرتی ہے کہ فجر کی دعائے قنوت نازلہ کی شکل میں تھی۔ جس پر ایک ماہ عمل رہا اور پھر کبھی نہیں۔ یہ ہی حدیث ابن ابی شیبہ۔ بزار۔ طبرانی وغیرہ لائے ہیں۔ پہلے ابن مسعود کی شخصیت ایسی ہے جن پر فقہ حنفی کی بنیاد ہے۔ نیز یہ وہ عظیم صحابی ہیں جو دربار رسالت کے خدام میں ممتاز شخصیت کے حامل ہیں۔ ہر وقت کی رفاقت و معیت کا فخر انکو حاصل ہے۔ آنحضرت کے کفش بردار ہیں۔ آنحضرت کے خانگی و بیرونی حالات سے پورے باخبر کیا ان کے بارہ میں یہ گمان ہو سکتا ہے کہ نماز فجر میں دعائے قنوت لزوم کے ساتھ پڑھی جاتی اور یہ اس سے بے خبر ہوتے مسلسل اس پر عمل ہوتا اور انہیں خبر بھی نہ ہوتی یہ ناممکن خیال ہے۔

دوسری دلیل ابن عمر کی حدیث ہے جو بیہقی وغیرہ لائے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے نماز فجر ابن عمر کے ہمراہ پڑھی انہوں نے دعائے قنوت میں نے کہا آپ دعائے قنوت نہیں پڑھتے۔ کیا خوب کوئی ایسی چیز ہے جو کسی کو یاد رہی کسی کو یاد نہ رہی۔ ذہبی آخر کہہ بیٹھے ابن عمر کا اسے بھول جانا محالات میں سے ہے جو صحبت نبوی سے کسی جدا نہ ہوئے اور جو سنت نبوی ایسے کاربند تھے کہ انکے بارے میں کسی سنت کے چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ اکبر جب گھر جاتے ہیں تو گھبرا کر عجیب طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ اپنوں کو بھی ہنسی آتی

ہے - ابن ابی شیبہ سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ عمرؓ فجر میں قنوت نہ پڑھتے - شعبی نے کہا کہ عبداللہ قنوت نہ پڑھتے - اگر عمر پڑھتے تو یہ بھی پڑھتے - ابن ابی شیبہ نے کہا ابو بکر - عمر - عثمان قنوت نہ پڑھتے - محمد بن حسن اسود بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں سفر و حضر میں دو سال عمرؓ کے ہمراہ رہا - میں نے ان کو فجر میں قنوت پڑھتے نہ دیکھا - ابن ابی شیبہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ دشمن کے ضرر کے دفع کے لئے حضرت علی نے نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھی - تو مقتدیوں نے اس پر تعجب کیا - گویا یہ نئی بات تھی - ان کے تعجب پر آپ نے فرمایا کہ ہم دشمن پر مدد چاہتے ہیں - معلوم ہوا کہ یہ قنوت نازلہ تھی - اگر ہمیشہ پڑھی جانے والی ہوتی تو صحابہ اس پر تعجب کیوں کرتے - اس دلیل کے بعد ایک اور دلیل بھی لیجئے جو امام اعظمؒ کے عمل کو تقویت دیتی ہے -

کہ ابی مالک سعد بن طارق الاشجعی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضور کی اقتداء میں نماز پڑھی آپ نے قنوت نہ پڑھی اسی طرح ابو بکرؓ عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ کے اقتداء میں نماز پڑھی لیکن ان میں کسی نے بھی دعائے قنوت نہ پڑھی - پھر کہا اے بیٹے یہ بدعت ہے - ترمذی ، نسائی - ابن ماجہ اس کو لائے ہیں - ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے اور کہا ہے کہ اکثر اہل علم کا یہی مسلک ہے - اب تو کوئی شک باقی نہ رہا - لہٰذا ان تمام آثار و اخبار کو دیکھ کر مذہب ابو حنیفہؒ ہی حق معلوم ہوتا ہے - اب رہا مخالفین کا استدلال تو ذرا اسے ملاحظہ فرمائیں - ان کی دلیل حضرت انس کی حدیث ہے - جس میں ابی جعفر رازی ہے جس کے بارہ میں ناقدین کے خیالات سنئے - آخر یہ سب کے راویوں کو پرکھیں ان کے راوی کو کوئی نہ پرکھے ابن معین نے کہا تخلیط خطا کرتا تھا - احمد نے کہا قوی نہیں - ابو زرعہ نے کہا اس کو وہم ہو جاتا تھا - ابن حبان نے کہا کہ یہ منکر حدیثیں لایا کرتا تھا - پھر اس کی تردید میں طبرانی کی یہ حدیث ہے جس کو وہ غالب بن فرقد الطحان سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں دو ماہ انس کے پاس رہا - آپ نے فجر میں دعائے قنوت نہ پڑھی - اسی طرح خطیب انس سے حدیث لائے ہیں کہ نبی صلعم فجر میں قنوت نہ پڑھا کرتے مگر جبکہ آپ کسی قوم کے لئے دعا کرتے یا کسی قوم کے لئے بد دعا کرتے ، اس سے معلوم ہوا کہ قنوت نازلہ تھی جو آپ نے کبھی پڑھی اور حضرت ابو ہریرہؓ کی وہ حدیث کی وہ حدیث جس میں عبداللہ بن سعید مقبری ہے تو ابھی سابق میں معلوم ہوا کہ وہ اکثر کے نزدیک قابل حجت نہیں ، اس کی تردید بھی ابن حبان کی حدیث سے آشکارا ہے جو ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقنت فی صلوۃ الصبح الا ان یدعو لقوم او علی قوم کہ آپ نماز فجر میں قنوت نہ پڑھا کرتے ، مگر جبکہ کسی قوم کے لئے دعا کرتے یا کسی قوم کے لئے بد دعا - صاف الفاظ میں پتہ چلا کہ یہ قنوت نازلہ تھی - جس کی روایت ابو ہریرہ کر رہے ہیں - یہ ہی جواب ہے بخاری کی حدیث کا - مزید برآں مسلم ترمذی وغیرہ میں صبح کی نماز کے ساتھ مغرب کا بھی ذکر ہے ، اور مغرب میں تو مخالفین بھی قنوت مستمرہ نہیں مانتے تو لامحالہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ ہر دو نمازوں میں اس کو قنوت نازلہ پر محمول کریں - ورنہ پھر مغرب کی نماز میں بھی قنوت سر آتی ہے - یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ ہماری احادیث اپنے معنی و مطلب کے لئے نہایت صریح اور واضح ہیں - بخلاف ان کی احادیث کے کہ قنوت نازلہ پر بھی ان کا حمل ہو سکتا ہے اور قنوت بمعنی قیام طویل پر بھی جو شریعت میں بالکل عام ہے - جیسا کہ فرمایا افضل الصلوۃ طول القنوت کہ نماز کی تمامتر فضیلت قنوت و قیام کی درازی میں ہے - اور صبح کی نماز تو بہر حال تمام نمازوں

میں قیام کے اعتبار سے دراز ولمبی ہوتی ہی ہے۔ اب رہا قنوت نازلہ کا مسئلہ سو اب بھی شرعاً جاری ہے۔ یا منسوخ ہو چکی۔ تو خلف کے آثار سے پتہ چلتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی یہ عمل جاری رہا ہے۔ چنانچہ ابو بکر صدیقؓ نے محاربہ کے وقت دعائے قنوت پڑھی۔ حضرت عمرؓ نے بھی پڑھی۔ حضرت علی نے حضرت معاویہ کے خلاف میں اور حضرت معاویہ نے حضرت علی کے خلاف لڑائی میں قنوت نازلہ پڑھی۔

۱۱۴/۲

ابوحنیفة عن عطیة عن ابی سعید عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ لم یقنت الا اربعین یوما یدعو علی عُصَیّہ وذکوان ثم لم یقنت الی ان مات ؛

ابی سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت نہیں پڑھی۔ مگر چالیس دن۔ بددعا کرتے تھے (اس میں) آپ قبیلہ عصبہ اور ذکوان پر پھر آپ نے وفات تک قنوت نہیں پڑھی ؛

تشریح :- اس حدیث کا مضمون گذشتہ اوراق میں گذر چکا مفہوم وشرح بھی وہیں دیکھ لی جائے اور اس میں ایک لفظ زیادہ ہے۔ چالیس دن تو مطلب یہ ہوا کہ چالیس دن قنوت پڑھی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ دفع دشمن وبلا کے لئے قنوت چالیس دن پڑھے۔

بَابُ ۴۹ صِفَةِ الجُلوسِ فِی التَّشَهُّدِ ۱ — تشہد میں بیٹھنے کی حالت کیا ہے!

۱۱۵/۱

ابوحنیفة عن عاصم عن ابیہ عن وائل بن حجر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس فی الصلوٰۃ افترش رجلہ الیسریٰ ونصب علیہا ونصب رجلہ الیمنیٰ ؛

حضرت وائل بن حجر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کی التحیات میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں پھیلاتے اور اس پر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے ؛

تشریح :- اس حدیث میں ایک اختلافی مسئلہ ہے وہ یہ کہ تشہد میں کس طرح بیٹھنا سنت ہے امام اعظمؒ ہر دو التحیات میں افتراش کو سنت قرار دیتے ہیں یعنی بایاں پیر بچھا کر اس پر بیٹھنا اور دائیں کو کھڑا رکھنا امام شافعیؒ پہلے تشہد میں امام مالک ہر دو تشہد میں تورّک کے قائل ہیں۔ اور دوسرے میں تورّک سرین پر بیٹھنے کو) مسنون مانتے ہیں۔ امام مالک ہر دو تشہد میں تورّک کے قائل ہیں۔ امام احمد ایک تشہد والی نماز میں امام ابوحنیفہؒ کے ہم نوا ہیں اور دو تشہد والی میں امام شافعی کے ہمراہ۔ امام ابوحنیفہ کے مذہب کی ترجمانی خود یہ حدیث کرتی ہے کہ نماز میں بوقت تشہد الٹا پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور سیدھا پاؤں کھڑا رکھے۔ حضرت وائل ہی کی حدیث کو ترمذی بھی لائے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ آیا تو میں نے نبی صلعم کی نماز دیکھی تو آپ التحیات میں جب بیٹھے تو الٹا پاؤں بچھاتے۔ اور الٹا ہاتھ الٹی ران پر رکھتے اور سیدھا پاؤں کھڑا رکھتے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اور کہا ہے کہ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ حضرت عائشہ کی حدیث جو مسلم ابی الجوزار کے واسطہ سے لائے ہیں وہ بھی امام ابوحنیفہ کی تائید کرتی ہے کہ آپ فرماتی ہیں۔ کان یفترش رجلہ الیسریٰ وینصب رجلہ الیمنیٰ کہ آنجناب بایاں پاؤں بچھاتے اور سیدھا پاؤں کھڑا کر لیتے۔ مزید براں احمد رفاعہ بن رافع سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے فرمایا جب تو بیٹھے (تشہد میں) تو بائیں پاؤں پر بیٹھ۔

نسائی ابن عمرؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا من سنة الصلوٰة ان ینصب القدم الیمنی ویستقبل باصابعھا القبلة ویجلس علی الیسری کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ سیدھا قدم کھڑا رکھے اور اس کی انگلیوں کو قبلہ رخ اور بائے قدم پر بیٹھے۔ یہ قول بھی امام صاحب ہی کے مسلک کی تائید کرتا ہے۔ اب جن احادیث میں تورک آیا ہے ان کو کبر سنی اور بڑھاپے کی حالت پر محمول کریں گے۔ کیونکہ سنت تو پہلی احادیث صحیحہ سے مقرر ہو چکی۔ جن میں تشہد اولیٰ یا ثانیہ کی کوئی قید نہیں۔ اب چونکہ دوسرے تشہد میں زیادہ دیر بیٹھنا پڑتا ہے اس لئے اس میں مراعات قرین مصلحت ہے اور سہولت قرین قیاس۔ امام شافعی حدیث ابی حمید ساعدی سے دلیل لاتے ہیں جو ترمذی لائے ہیں اور جہاں حضرت ابی حمید کی حدیث کا حوالہ دیا ہے وہاں کہتے ہیں۔ وبہ یقول بعض اھل العلم۔ کہ بعض اہل علم اسی کے قائل ہیں۔ اس سے مسلک امام اعظمؒ کو ترجیح ہوتی ہے۔

ابوحنیفة عن نافع عن ابن عمرؓ انه سئل کیف کنّ النساء یصلین علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم قال کنّ یتربعن ثم امرن ان یحتفزن ۞ ۱۱۶/۲

حضرت ابن عمر سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں کس طرح نماز پڑھا کرتی تھیں (یعنی التحیات کیسے بیٹھتی تھیں) آپ نے کہا کہ اول چار زانو بیٹھتی تھیں۔ پھر ان کو حکم ہوا کہ اپنے سرین پر بیٹھیں ۞

تشریح :- اس حدیث سے مستورات کے التحیات میں بیٹھنے کی ہیئت کی وضاحت بھی ہو گئی اور یہ شکل ستر پوشی کی حامل ہے۔

بابٌ فی التشھّد ! تشہد کا بیان !

ابوحنیفة عن ابی اسحاق عن البراء عن النبی صلعم کان یعلمنا التشهد کما یعلم السورة من القرآن ۞ ۱۱۷/۱

حضرت براء کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تشہد اسطرح سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورة سکھایا کرتے تھے ۞

تشریح :- اس سے معلوم ہوا۔ کہ تشہد کا سیکھنا کتنا ضروری ہے اور یہ بھی کہ نماز کے واجبات کو ایسے اہتمام سے سکھایا اور سیکھا جائے جیسے قرآن سیکھا اور سکھایا جاتا ہے۔

ابوحنیفة عن القاسم عن ابیه عن عبدالله قال علّمنا رسول الله صلعم خطبة الصلوٰة یعنی التشهد ۞ ۱۱۸/۲

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ صلوٰة کی تعلیم فرمائی۔ یعنی تشہد کی ۞

تشریح :- یہ حدیث بھی تشہد کی تعلیم کی اہمیت پر دال ہے تشہد کو خطبہ فرمایا۔

ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم عن ابی وائل شقیق بن سلمة عن عبد الله بن مسعودؓ قال کنا اذا صلینا خلف النبی صلی الله علیه وسلم، نقول السلام علی الله۔ ۱۱۹/۳

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ ہم جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو (تشہد میں) کہتے السلام علی اللہ ۞

وفی روایۃ زیادۃ من عبادہ
السلام علی جبریل ومیکائیل
فاقبل علینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان اللہ ہو
السلام فاذا تشہد احدکم فلیقل التحیات للہ والصلوات
والطیبات السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام
علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشہد ان لا الہ الا اللہ
واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ ؛ وفی روایۃ انہم
کانوا یقولون السلام علی اللہ السلام علی جبریل
السلام علی رسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم لا تقولوا السلام علی اللہ ولکن قولوا التحیات
للہ والصلوات والطیبات الی اخر التشہد۔
وفی روایۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
علمہم التحیات الی اخر التشہد۔
وفی روایۃ علمنا۔
وفی روایۃ قال کنا اذا صلینا مع النبی
صلی اللہ علیہ وسلم نقول اذا جلسنا فی اخر
الصلوۃ۔ السلام علی اللہ السلام علی رسول
اللہ وعلی ملائکتہ نسمیہم من الملائکۃ فقال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقولوا کذا
وقولوا التحیات للہ والصلوات والطیبات ؛

اور ایک روایت میں اتنا زائد ہے (کہ کہتے) من
عبادہ السلام علی جبریل ومیکائیل (کہ اللہ کے بندوں
کی طرف سے جبریل اور میکائیل پر سلام ہے۔ تو نبی صلی اللہ
علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اللہ خود
سلام ہے۔ جب تم میں سے کوئی تشہد کے لئے بیٹھے
تو کہے التحیات للہ الخ
ایک اور روایت میں ہے کہ وہ کہا کرتے السلام
علی اللہ السلام علی جبریل السلام علی رسول
اللہ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا السلام
علی اللہ نہ کہو۔ لیکن کہو التحیات للہ والصلوات و
الطیبات آخر تشہد تک۔
اور ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے سکھائی لوگوں کو التحیات آخر تشہد
تک اور ایک روایت میں علمنا کا لفظ ہے یعنی،
سکھائی ہم کو) ایک روایت اسطرح ہے کہ انہوں نے
کہا کہ جب ہم نماز پڑھتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اور آخر
نماز میں بیٹھتے تو کہتے السلام علی اللہ السلام علی رسول
اللہ وعلی ملائکتہ فرشتوں کے نام لیتے تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کہو اور کہو التحیات
للہ والصلوات والطیبات ؛

تشریح :- تشہد کے الفاظ میں کچھ اوپر مختلف صحابہ سے منقول ہیں۔ اس بارہ میں ائمہ کا بھی اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ تشہد عبداللہ بن مسعود کو امام شافعی تشہد ابن عباسؓ کو اور امام مالک تشہد عمرؓ کو اختیار کرتے ہیں۔ تشہد ابن مسعودؓ کئی وجوہ سے قابل ترجیح ہے۔ ائمہ حدیث اس کی تصحیح پر متفق الرائے ہیں۔ ترمذی نے کہا کہ تشہد میں یہ صحیح ترین حدیث ہے اور کہا کہ اکثر اہل علم صحابہ وتابعین کا عمل اسی پر ہے۔ بزار نے کہا کہ میرے نزدیک تشہد میں صحیح ترین حدیث حدیث عبداللہ بن مسعود ہے۔ مسلم نے کہا کہ لوگوں نے کہا۔ عبداللہ بن مسعود کے تشہد پر اجماع کیا ہے اور ان کے تلامذہ اس میں مختلف نہیں برخلاف دوسرے تشہدوں کے طبرانی نے کہا ہے کہ اس سے اچھی حدیث تشہد میں میں نے نہیں سنی ؛

دوسرے چند صحابہ بھی اسی تشہد ابن مسعود کے ساتھ موافقت فرماتے ہیں مثلاً ابو بکر صدیق اور حضرت معاویہ وغیرہ پھر اس تشہد کی تعلیم میں وثوق وتاکید بہت برتی گئی ہے۔ حماد نے ابو حنیفہ کا ہاتھ پکڑ کر اس

کی تعلیم دی اور حماد کا ہاتھ پکڑ کر ابراہیم نے اور ابراہیم کا ہاتھ پکڑ کر علقمہ کا ہاتھ پکڑ کر ابن مسعود نے اور ابن مسعود کا ہاتھ پکڑ کر نبی صلعم نے اس کی تلقین فرمائی۔ غرض یہیں سے کچھ اوپر قوی اسناد الٰہی ہیں جن کے پیش نظر تشہد ابن مسعود ہی قابل قبول ہے۔

۱۲۰ ح ۴ **ابوحنیفة** عن حماد عن ابراهیم عن علقمة عن ابن مسعودؓ قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یسلم عن یمینه السلام علیکم ورحمة الله حتی یری شق وجهه وعن یساره مثل ذلك

وفی روایة حتی یری بیاض خده الایمن و عن شماله مثل ذلك

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب سلام پھیرتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر یہاں تک کہ آپ کا رخسار مبارک دکھائی دیتا اور بائیں جانب سلام پھیرتے وقت بھی ایسا ہی کہتے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ یہاں تک گردن پھیرتے کہ آنجناب کے دائیں رخسار مبارک کی سفیدی دکھائی دیتی اور بائیں جانب سلام پھیرتے وقت بھی ایسا ہی ہوتا۔

تشریح: معلوم ہوا کہ سلام پھیرتے وقت گردن اسقدر پھیرنی چاہیے کہ رخسار دکھائی دے۔ اس حدیث کے پیش نظر یہی مسئلہ حق ہے۔

۱۲۱ ح ۵ **ابوحنیفة** عن القاسم عن ابیه عن عبدالله قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یسلم عن یمینه وعن یساره تسلیمتین۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرتے تھے۔ دائیں و بائیں طرف دو سلام۔

تشریح: اس مسئلے پر تقریباً اتفاق ہے صرف امام مالک کو اس سے اختلاف ہے انکے نزدیک ایک سلام ہے وہ حدیث عائشہ کو پیش نظر رکھتے ہیں جس میں ہے کان یسلم فی الصلوٰۃ بتسلیمۃ کہ آپ نماز میں ایک سلام پھیرا کرتے۔ احناف کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا صحیح حال جس قدر مردوں کو معلوم ہے اس قدر عورتوں کو نہیں اور مردوں کی تمام روایات دو سلام پر ہی دلالت کرتی ہیں۔

باب ۵۱ تخفیف الامام الصلوٰۃ

باب ۵۱ - امام کا نماز مختصر پڑھنا

۱۲۲ ح ۱ **ابوحنیفة** عن حماد عن ابراهیم قال کان عبدالله بن مسعود و حذیفة وابوموسیٰ وغیرهم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم اجتمعوا فی منزل فاقیمت الصلوٰة فجعلوا یقولون تقدم یا فلان لصاحب المنزل فابی فقال تقدم انت یا اباعبدالرحمن فتقدم فصلی صلوٰة خفیفة وجیزة اتم الرکوع والسجود فلما انصرف قال القوم لقد حفظ ابوعبدالرحمن صلوٰة رسول الله صلی الله علیه وسلم۔

ابراہیم سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود حذیفہ ابوموسیٰ اور چند اور اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی مکان میں جمع ہوئے نماز کے لئے اقامت کہی گئی۔ سب نے صاحب خانہ سے کہا۔ جناب (امامت کیلئے) آپ آگے بڑھئے۔ انہوں نے انکار کیا اور عبداللہ بن مسعود سے کہا اے اباعبدالرحمن آپ آگے بڑھئے (یعنی امام بنئے) چنانچہ وہ آگے بڑھے اور مختصر پورے رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھائی جب وہ نماز سے فارغ ہوگئے تو ساتھیوں نے کہا کہ ابوعبدالرحمن نے رسول اللہ صلعم کی نماز کو خوب یاد کیا ہے (یعنی قرأت میں مختصر مگر رکوع اور سجود میں مکمل)۔

تشریح: اس حدیث میں کئی مسائل ہیں۔ اول یہ کہ مقتدیوں کی رعایت سے آنحضرتؐ خود بھی مختصر اور ہلکی نماز پڑھتے جس کی

نقل ابن مسعود نے اتاری اور اصحاب کو بھی اسی کی ہدایت پرزور اور تاکیدی الفاظ میں فرماتے۔ ایسی نماز پڑھانے پر سخت ناراض ہوتے جو مقتدیوں پر بھاری ہو اور جس سے لوگ اکتا جائیں۔ جس کی وجہ سے لوگ باجماعت نماز پڑھنے سے جی چرائیں۔ چنانچہ حضرت ابی مسعودؓ انصاری سے ابن ماجہ وغیرہ اس مضمون کی حدیث لائے ہیں۔ کہ ایک شخص آنجناب کی خدمت میں آیا۔ اور کہا کہ یا رسول اللہ میں فلاں شخص کی وجہ سے نماز فجر کی جماعت میں شریک نہیں ہوتا کیونکہ وہ لمبی نماز پڑھاتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس دن کی علاوہ میں نے آنجناب کو نصیحت کرتے وقت کبھی اس قدر ناراض ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ فرمایا اے لوگو تم لوگوں کو نماز سے نفرت دلاتے ہو۔ تم میں جو بھی نماز پڑھائے وہ ہلکی نماز پڑھائے۔ کیونکہ مقتدیوں میں کمزور بوڑھے اور حاجتمند بھی ہوتے ہیں۔ اسی طرح آنجناب نے ایک بار لمبی نماز پڑھانے پر حضرت معاذ ابن جبلؓ کو بہت تنبیہ کی۔

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ گھر میں دیگر جلیل القدر صحابہ بھی تھے۔ مگر امامت کے لئے ابن مسعودؓ کا انتخاب عمل میں آیا۔ کیونکہ امامت کے لئے شرعاً افقہ واقعی موزوں ہے۔ گویا تمام حاضرین نے آپ کو افقہ واقعی جانا کہ امامت کا شرف آپ کو عطا کیا گیا اس واقعہ سے ابن مسعود کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ خلفائے اربعہ کے بعد تفقہ میں آپ ہی سب سے مقدم تھے۔ اسی واقعہ سے اس کی بھی ہدایت ملی کہ مقتدیوں کی رعایت سے گو نماز کی قراءت مختصر ہو مگر ارکان نماز کی ادائیگی میں عجلت سے کام نہ لیا جائے بلکہ حسب ہدایت شرع وہ نہایت سکون طمانیت و وقار سے ادا کئے جائیں۔ اسی لئے حدیث ذیل میں صلوٰۃ خفیفہ کے ساتھ "اَتَمّ الرُّکُوْعَ وَالسُّجُوْدَ" کے الفاظ ہیں۔

بَابٌ ۵۲ الصَّلٰوۃِ عَلَی الحَصِیْرِ!

چٹائی پر نماز پڑھنے کا بیان!

۱۲۳/۱ **اَبُوْحَنِیْفَۃَ** عن ابی سفیان، عن جابرؓ عن ابی سعید انہ دخل علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجدہ یصلی علیٰ حصیر یسجد علیہ۔

حضرت ابی سعید سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ کو چٹائی پر نماز پڑھتے اور اس پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین پر کوئی فرش وغیرہ بچھا کر نماز پڑھی جائے تو جائز ہے جمہور کا یہی مذہب ہے۔ خواہ وہ فرش زمین پر اگنے والی شے سے بنا ہوا ہو یا نہیں۔ یہاں بعض اصحاب کا تھوڑا سا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ زمین پر نماز پڑھنے میں زیادہ فضیلت ہے۔ اس سے مقصد نماز کا خشوع و خضوع اور عاجزی ہے اور ان کا اظہار جس قدر زمین پر ہوتا ہے کسی دوسری شے پر نہیں۔ ترمذی باب۔ ما جاء فی الصلوٰۃ علی الحصیر کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ زیادہ تر اہل علم اسی طرف گئے ہیں۔ الا ان قوماً من اھل العلم اختاروا الصلوٰۃ علی الارض استحباباً یعنی بعض اہل علم نے زمین پر نماز پڑھنے کو مستحب کہا ہے۔ نووی نے بھی اس سلسلہ میں قاضی عیاض کا قول نقل کیا ہے کہ اگر جائے نماز جنس ارض سے نہ ہو تو نماز زمین پر افضل ہے لان الصلوٰۃ سرھا التواضع کیونکہ نماز میں تواضع و فروتنی ہے۔

باب ۵۳ صلوٰۃ المریض!

باب ۵۳ مریض کی نماز

۱۲۴ / ۱ ابوحنیفۃ عن عطاء عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلّی قاعدًا و قائمًا ومحتبیًا

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نیز کھڑے ہو کر اور گوٹھ مار کر نماز پڑھی ہے

تشریح :- حسب عذر فرائض میں یا نفلوں میں یہ صورتیں جائز ہیں۔

۱۲۵ / ۲ ابوحنیفۃ عن ابی سفیان عن الحسن ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلّی محتبئًا من رمد کان بعینہ :

حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ دکھنے کے باعث گوٹھ مار کر نماز ادا فرمائی :

تشریح :- اس حدیث سے عذر کی ایک اور شکل ظاہر ہوئی۔

۱۲۶ / ۳ محمد بن بکیر قاضی الدامغان قال کتبت الی ابی حنیفۃ فی المریض اذا ذھب عقلہ کیف یعمل بہ فی وقت الصلوٰۃ فکتب الیّ یخبرنی عن محمد بن المنکدر عن جابر بن عبد اللہ قال مرضت فعادنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعہ ابوبکر وعمر وقد اغمی علیّ فی مرضی وجاءت الصلوٰۃ فتوضأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصبّ علیّ من وضوئہ فافقتُ فقال کیف انت یا جابر ثمّ قال صلّ ما استطعت ولو ان تؤمیء :

محمد بن بکیر کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ کو لکھا کہ جب بیمار کی عقل جاتی رہے تو وہ نماز کے وقت کیا کرے تو انہوں نے مجھ کو لکھ بھیجا۔ محمد بن المنکدر سے روایت کرتے ہوئے کہ جابر بن عبد اللہ نے کہا کہ (ایک مرتبہ) میں بیمار پڑا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر و عمر کی ساتھ میری بیمار پرسی کو تشریف لائے اور بیماری میں مجھ پر بیہوشی طاری تھی۔ کہ نماز کا وقت آگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا تو میں ہوش میں آیا۔ آپ نے فرمایا جابر تمہارا کیا حال ہے۔ پھر فرمایا نماز پڑھو جب تک طاقت ہو اگرچہ اشارہ کرتے جاؤ :

تشریح :- اس سے مسئلہ نکلتا ہے کہ بیمار کسی حال میں نماز ترک نہ کرے۔ خواہ کھڑے ہو کر پڑھے۔ خواہ بیٹھ کر خواہ لیٹ کر یا سر کے اشارہ سے۔ اس بارے میں حضرت جابر حضرت علی اور حضرت ابن عمر سے مرفوع و موقوف احادیث مروی ہیں۔ جو جب تک ذرا سی بھی طاقت ہو نماز نہ چھوڑنے پر تاکید ہیں۔

۱۲۷ / ۴ ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن علقمۃ عن عائشۃ امّ المؤمنین قالت لما اغمی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال مُرُوا اَبَا بَکرؓ

حضرت ام المومنین عائشہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہوئی تو آپ نے فرمایا ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ عائشہ نے عرض کیا کہ ابوبکر ایک رقیق القلب آدمی ہیں (کہ اضطراب کے وقت

فلیصل بالناس فقیل ان ابا بکرؓ رجل حصر وھو بنفسہ یکرہ ان یقوم مقامك قال افعلوا ما امرکم بہ ؛

فراست سے قاصر رہتے ہیں) اور وہ خود اس کو ناپسند کرتے ہیں کہ آپ کی جگہ وہ کھڑے ہوں۔ آپ نے دپھر) فرمایا جیسا میں تم سے کہتا ہوں ویسا کرو؛

تشریح :۔ اس حدیث میں حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت و برتری ہے کیوں کہ امور دنیہ میں ہر حیثیت سے آپ ہی کو فوقیت اور سبقت حاصل ہے۔ چنانچہ خود جناب سرور کائنات کی زبانی امامت صغریٰ کے لئے آپ کا انتخاب ہوا کیونکہ امامت کے لئے علم و تفقہ اور تقویٰ میں چوٹی کے آدمی کا انتخاب ہوتا ہے۔ نماز چونکہ دین کی بنیاد ہے اس لئے گویا صرف امامت کا ہی منصب آپ کو عطا نہیں ہوا بلکہ پورے دین و مذہب کی سرداری آپ کو حاصل ہوئی یہ حضرت صدیقؓ کی زندگی کا وہ منصب ہے جس پر آپ کو جس قدر فخر ہے کم ہے۔ یہ حدیث شیعہ رافضیہ کے عقیدہ پر ایک ضرب ہے جو وہ آپ کے مرتبہ کو گھٹاتے ہیں۔ اور آپ کی فضیلت میں شک کرتے ہیں۔ پھر ان کا شک بالکل بے جا ہے۔ اور خود حضرت علی بوقت انتخاب ان کی فضیلت کا اعتراف فرماتے ہیں کیف لا نؤثرہ علینا فی امر دنیا نا وقد اثرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علینا فی امر دیننا کہ دنیوی امر میں ہم ان کو اپنا خلیفہ کیوں نہ کہیں جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی امر میں ان کو ہماری پیشوائی کے لئے منتخب ۔ انہیں روایات کے پیش نظر اہل سنت خلفاء اربعہ کی ترتیب کو حق جانتے ہیں ؛

۱۲۸/۵

ابوحنیفة عن حماد عن ابراھیم عن علقمة عن عائشة ام المؤمنین قالت لما اغمی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال مروا ابابکر فلیصل بالناس فقیل لہ یا رسول اللہ ان ابا بکرؓ رجل حصر وھو یکرہ ان یقوم مقامك فقال مروا ابابکر فلیصل بالناس یا صویحبات یوسف دکرر ؛

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ابوبکر رقیق القلب آدمی ہیں انہیں یہ بات ناپسند ہے۔ کہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں۔ آپ نے فرمایا اے یوسف کی ہم نشینو ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور مکرر ارشاد فرمایا ؛

تشریح :۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت کرنے والی یہ حدیث اور اس کی تشریح گذر چکی ہے اگر زیادہ تفصیل کی طلب ہے تو بخاری شریف دیکھ لیجائے۔ یہ حدیث تفصیل سے امام بخاری نے کئی ابواب کے تحت بیان کی ہے۔

۱۲۹/۶

ابوحنیفة عن حماد عن ابراھیم عن الاسود عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما مرض المرض الذی قبض فیہ خف من الوجع فلما حضرت الصلوٰة قال لعائشة مری ابابکر فلیصل

عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ کا وصال ہوا اس درد کی شدت کے باعث آپ بہت کمزور ہو گئے تھے نماز کا وقت آیا تو آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ عائشہؓ نے

بالناس فارسلت الى ابى بكران رسول الله
صلى الله عليه وسلم يأمرك ان تصلى
بالناس فارسل اليها انى شيخ كبير رقيق
وانى متى لا ارى رسول الله صلى الله عليه
وسلم فى مقامه ارقّ لذلك فاجتمعى
انتِ وحفصةُ عند رسول الله صلى الله
عليه وسلم فيرسل الى عمر فيصلى
بهم ففعلت فقال رسول الله صلى
الله عليه وسلم انتن صواحب يوسف
مُرِى ابا بكر فليصل بالناس فلما نودِىَ
بالصلوٰة سمع النبى صلى الله عليه وسلم
المؤذن وهو يقول حى على الصلوٰة فقالَ
رسول الله صلى الله عليه وسلم ارفعونى فقالت
عائشةُ قد امرتُ ابا بكران يصلى بالناس و
انت فى عذر قال ارفعونى فانه جُعِلَتْ
قرة عينى فى الصلوٰة قالت عائشة فرفعتُ
بين اثنين وقدماه تخدّان الارض
فلما سمع ابو بكر حس رسول الله صلى الله
عليه وَسَلَّمَ تأخر فاومأ اليه رسُول
الله صلى الله عليه وَسَلَّمَ فَجَلَسَ النبىّ
صلى الله عليه وَسَلَّمَ عن يسار ابى بكرؓ
وكان النبى صلى الله عليه وَسَلَّمَ
حذاءه يكبر ويكبر ابو بكر بتكبير النبى
صلى الله عليه وَسَلَّمَ ويكبر الناس
بتكبير ابى بكرؓ حتّٰى فرغ ثمّ
ما صلى بالناس غير تلك الصّلوٰة ،
حتّٰى قُبِضَ وَكان ابُوبكر الامام
والنبى صلى الله عليه وَسَلَّمَ وَجِعٌ
حتّٰى قُبِضَ ۔

ابوبکر کو آدمی کرکے ربیعہ کہلوایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے عائشہ کے پاس جواب بھیجا کہ میں بوڑھا سن رسیدہ رقیق القلب انسان ہوں۔ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جگہ نہ دیکھوں گا تو دل قابو سے نکل جائے گا تو تم اور حفصہ دونوں مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ کہ وہ عمر کے پاس آدمی بھیجیں کہ وہ نماز پڑھائیں پس عائشہ نے فرمایا کہ میں نے ایسا ہی کیا اس پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ہم نشینان یوسف ہو ابوبکر کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر جب نماز کے لئے اذان دی گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موذن کی حی علی الصلوٰۃ کی آواز سنی تو ارشاد فرمایا کہ مجھ کو اٹھاؤ۔ عائشہ نے عرض کیا کہ میں نے ابوبکر کو کہلا بھیجا ہے کہ نماز پڑھائیں اور آپ معذور ہیں (پھر کیوں زحمت فرماتے ہیں) آپ نے فرمایا مجھ کو اٹھاؤ۔ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے عائشہ نے فرمایا کہ پھر میں نے آپکو اٹھایا اور دو آدمیوں کے بیچ میں (آپ ایسے چلے کر) آپکے دونوں قدم زمین پر گھسٹتے تھے۔ جب ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی آہٹ سنی تو پیچھے ہٹنا چاہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اشارہ سے پیچھے ہٹنے سے منع فرمایا پس نبی صلعم ابوبکرؓ کی بائیں جانب بیٹھ گئے۔ ("تاکہ آپ امامت فرما سکیں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے برابر میں تکبیر کہتے تھے۔ اور ابوبکرؓ آنجنابؐ کی تکبیر کی تقلید کرتے۔ اور لوگ ابوبکرؓ کی تکبیر کی۔ یہاں تک کہ نماز سے فراغت ہوئی۔ پھر اس نماز کے سوا آنحضرت نے کوئی نماز نہ پڑھائی آخر آپ کا وصال ہو گیا۔ اس کے بعد ابوبکر ہی امامت فرماتے رہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے یہاں تک کہ آپ نے وصال فرمایا ۔

تشریح :۔ یہ حدیث حسب سابق مضمون کی تائید میں ہے۔ لیکن اس میں واقعے کی تفصیل ہے۔ فافہم۔

بَابُ ۵۴ اِمَامَةِ وَلَدِ الزِّنَا وَالعَبْدِ وَالاَعْرَابِ!

ولد الزنا۔ غلام، اور دیہاتیوں کا امام بننا

۱۳۰/۱ **حمّاد** عن ابیه عن ابراهیم قال یؤم القوم ولد الزنا والعبد والاعرابی اذا قرأ القرآن :

ابراہیم سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا۔ کہ ولد الزنا۔ غلام اور دیہاتی اگر قرآن پڑھ سکتا ہو تو لوگوں کی امامت کر سکتا ہے :

تشریح :۔ حدیث سے ثابت ہوا کہ ان تینوں کی امامت جائز نہیں تاوقتیکہ وہ قرآن کی تعلیم حاصل نہ کر لیں امامت کے لئے علم و فضل کی برتری و تقوی و بزرگی کا انتہائی لازمی چیز ہے جو اکثر و بیشتر ان میں مفقود ہوتا ہے اسی لئے ان کی امامت کراہت سے خالی نہیں۔ ولد الزنا اپنی کمتری نسل ورذالت حسبی کے باعث اکثر تہذیب و شائستگی سے دور رہتا ہے اور علم کی روشنی سے عاری اور تقوی کی نعمت سے بے بہرہ۔ اگر وہ علم کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہو جائے تو شرعاً وہ بے کھٹکے امامت کے منصب کو انجام دے سکتا ہے۔ علم کے زیور سے آراستہ اس کی حسبی کمتری کی تلافی کے لئے کافی و افی ہیں۔ کیونکہ بمطابق۔ لاتزر وازرة وزر اخرٰی وہ درحقیقت اپنے ہی گناہوں کا ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے۔ دوسرے کے گناہوں کا بوجھ اس کے کندھوں پر نہیں ڈالا جا سکتا۔ یا مثلاً غلام کہ اس کی غلامی کے سبب اکثر وہ علم کے حصول سے دور رہتا ہے اور اس طرح وہ بے علم اور تقوی و پرہیزگاری سے بھی دور رہتا ہے۔ اگر وہ علم کی دولت سے مالا مال ہو جائے اور تقوی کی نعمت حاصل کر لے تو اس کی غلامی اس امامت کو مانع نہیں۔ شریعت کے نقطۂ نظر سے انسانیت کی سب سے بڑی بدنصیبی جہالت ہے اور سب سے بڑی خوش نصیبی علم و تقوی ہے یہ ہی حال اعرابی کا ہے کہ عام طور پر دیہاتی علم و تقوی سے بے بہرہ ہوتا ہے۔ ہاں اگر وہ عالم اور متقی ہو تو اس کی امامت ہر حال میں جائز ہے۔

بَابُ ۵۵ الاِثْنَیْنِ جَمَاعَةٌ!

دو آدمی جماعت ہیں!

۱۳۱/۱ **ابو حنیفة** عن الهیثم عن عکرمة عن ابن عباس ان النبی صلے الله علیه وسلم صلے برجل فصلے خلفه وامرأة خلف ذلک صلی بهم جماعة :

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو جوان کے پیچھے تھے اور ایک عورت کو جو ان (صاحب) کے پیچھے تھیں جماعت سے نماز پڑھائی :

تشریح :- حدیث میں یہ نہیں کہ یہ مرد و عورت کون تھے۔ شاید یہ واقعہ حضرت انس اور ان کی والدہ ام سلیم رض کا ہے۔ کہ انس آنحضرت کے پیچھے تھے اور ان کے پیچھے ان کی والدہ ام سلیم تھیں۔ یا یہ قصہ حضرت علی اور حضرت خدیجہ کا ہے کہ آنجناب کے پیچھے حضرت علی تنہا تھے اور ان کے پیچھے حضرت خدیجہ تنہا۔ امام صاحب اسی سے دلیل لاتے ہیں کہ نماز میں مرد و عورت کی برابری مرد کی نماز فاسد ہو جانے کا سبب ہے، ورنہ اگر یہ قباحت نہ ہوتی تو عورت کو مرد کے ساتھ کھڑا کیا جاتا۔ کیونکہ صف میں تنہا کھڑا ہونا بھی تو اپنی جگہ درست نہیں امام صاحب کے نزدیک کراہت نماز کا سبب ہے اور امام احمد کے نزدیک فساد نماز کا۔ مگر جب دو قباحتیں یک جا جمع ہوں تو عقلاً چھوٹی قباحت کو گوارا کیا جاتا ہے۔ یہاں چھوٹی قباحت تنہا کھڑا ہونا ہے بہ نسبت مرد و عورت کے برابر کھڑا ہونے کے لہٰذا اس کو اختیار کیا گیا۔ اور اس سے گریز کی گئی ؛

بَابُ فَضِيلَةِ وَصْلِ الصُّفُوفِ!

صفوں کے ملانے کی فضیلت کے بیان میں!

اَبُو حَنِيفَة عن عطاء بن يسار عن ابي سعيد الخدريؓ قال قال رسول الله صلے الله عليه وسلم ان الله وملائكته يُصَلُّونَ على الذين يَصِلُونَ الصفوف ؛ ۱۳۲/۱

ابی سعید خدری رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اللہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے درود بھیجتے ہیں ان لوگوں پر جو صفوں کو برابر کرتے ہیں (بیچ میں فاصلے اور خلا نہیں چھوڑتے) ؛

تشریح :- ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت عائشہ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ اس میں اتنا زائد ہے۔ من سد فرجة رفعه الله بها درجة ؓ کہ جس نے خلا پر کیا۔ اللہ نے اس کا درجہ بڑھایا۔ احمد ابن حبان حاکم وغیرہ بھی اس کی روائت کرتے ہیں۔ غرض صف ملانے پر متعدد احادیث اور نہایت تاکیدی الفاظ سے مروی ہیں اور غفلت برتنے پر سخت وعید آئی ہے۔ چنانچہ حاکم کی روایت میں جو ابن عمر سے ہے یوں وارد ہے کہ جس نے صف کو کاٹا اللہ اس کو کاٹے۔ صف کو ملانا یہ ہے کہ بیچ میں ایک دوسرے کے درمیان فاصلے اور خلا نہ چھوڑا جائے۔ کندھے سے کندھا اور شانے سے شانہ ملا لیا جائے۔ خلفائے اربعہ اپنی اپنی خلافتوں میں اس کی اہمیت پر بہت زور دیتے حضرت علی و عثمانؓ اس کی بہت دیکھ بھال رکھتے۔ حضرت علی مقتدیوں کو ہدایت کرتے کسی سے کہتے تم آگے بڑھو۔ کسی سے کہتے تم پیچھے ہٹو ؛

بَابُ مَنْ شَهِدَ الْفَجْرَ وَالْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ!

جس نے فجر و عشاء کی جماعتوں میں شرکت کی!

ابو حنیفة عن عطاء عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم من شهد الفجر و العشاء فی جماعة كانت له براءتان براءة من النفاق وبراءة من الشرك ؛

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا نے جو شخص صبح و عشار کی جماعتوں میں حاضر رہا تو یہ اس کے لئے دو براءت نامے ہیں ایک برار نفاق سے دوسری شرک سے ؛ ۱۳۳ / ۱

تشریح :۔ نفاق و شرک سے برارت کے لئے ان دو نمازوں کو اس لئے مخصوص فرمایا کہ ان میں انسان پر نیند و سستی غالب ہوتی ہے ۔ طبیعت کے فطری تقاضے جماعت کی شرکت سے روکتے ہیں ۔ لہذا جس کا ایمان قوی ہوتا ہے نیز نفاق و شرک سے اس کا دامن پاک و صاف ہے اور جماعت میں شرکت کے لئے دوڑ پڑتا ہے جب اس نے ان اوقات میں یہ چستی اور خدا ترسی دکھائی تو دوسری نمازوں کو یہ کیوں ترک کرنے لگا ۔ برخلاف اس کے جو دل میں شرک و نفاق چھپائے ہوئے ہو وہ ان نمازوں سے خاص طور سے جان چرائے گا ۔ نیند کے تقاضوں سے پچھڑ جائے گا ۔ سستی کے غلبہ سے مار کھائے گا ۔ جب اس نے یہاں یہ شرمناک کمزوری دکھائی تو گویا اس نے اپنے نفاق و ریاکاری کا خود ثبوت دیا ۔ تو اب اس کے حق میں برارت کیسے لکھی جائے گی ؛

ابو حنیفة عن عطاء عن ابن عباس عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من دام اربعین یوما علی صلوٰة الغدوة والعشاء فی جماعة كتب له براءة من النفاق وبراءة من الشرك ؛

حضرت ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو صبح و عشار کی نمازوں کی جماعتوں میں چالیس دن تک برابر شریک ہوتا رہا اسکے لئے نفاق اور شرک سے برارت لکھ دی گئی ؛ ۱۳۴ / ۲

تشریح :۔ اس حدیث میں برارت کے لکھے جانے کو چالیس دن کی مدت سے مقید فرمایا کہ کم از کم چالیس روز تک پیہم شریک جماعت ہوتا رہا ہو ۔ کیونکہ اتنی مدت میں کسی کام کو کرنے سے انسان اس کام کا عادی ہونے لگتا ہے اور اس کے بارہ میں عادۃً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اب یہ اس کو ترک نہیں کرے گا ۔ اس لئے شریعت نے یہاں برارت کے لئے اس مدت کی قید فرمائی ؛

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الشعبی عن ابن عمر ان النبی صلی الله علیه وسلم رخص فی الخروج لصلوٰة الغدوة والعشاء للنساء فقال رجل

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو نماز صبح اور عشار میں حاضر ہونے کی اجازت دی ۔ ایک شخص (یہ سنکر) بولا یہ شخص عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادہ بلال تھے جیسا کہ دوسری روایتوں سے ۱۳۵ / ۳

اذا یتخذونه دغلا فقال ابن عمرؓ اخبرك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وتقول هذا۔

معلوم ہوتا ہے) تو اب تو لوگ اس کو مکر و فریب کا ایک جال بنا لیں گے۔ اس پر عبداللہ بن عمرؓ ناراض ہو کر بولے میں تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم یہ کہتے ہو۔

تشریح ۱۔ یہ مضمون دوسری حدیثوں میں بھی آتا ہے۔ کہیں کہیں الفاظ و جملوں میں ایک دوسرے سے کمی بیشی ہے۔ مثلاً مسلم میں خود حضرت بلال ہی سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ عورتوں کو منع نہ کرو۔ وہ بھی مسجدوں سے برکت حاصل کریں۔ بلال بولے قسم اللہ کی ہم منع کریں گے انکو حضرت عبداللہؓ نے فرمایا میں تجھ سے کہتا ہوں رسول اللہ صلعم نے ایسا کہا اور تو کہتا ہے۔ کہ قسم اللہ کی ہم منع کریں گے انکو امام احمد مجاہد کے واسطہ سے یہ ہی حدیث لائے ہیں۔ اس میں اس مضمون کا بھی اضافہ ہے کہ پھر حضرت عبداللہ اپنے صاحبزادہ سے تاحیات نہ بولے۔ غرض حضرت عبداللہ اس بات پہ نہایت غصہ ہوئے کہ حدیث پاک کے مقابلہ میں کوئی اپنی عقل چلائے۔ رائے پیش کرے اور اس کے خلاف کوئی فیصلہ کرے۔

یہاں مسئلہ یہ ہے کہ علماء نے اس رخصت کو بوڑھی اور سن رسیدہ عورتوں کے لئے مخصوص کیا ہے جو عمر رسیدہ ہوں وہ بھی اس پابندی سے کہ زینت و آرائش بناؤ سنگھار نہ کریں۔ خوشبو کو بھی مکروہ جانا ہے کیونکہ موجودہ دور میں فسق و فجور بدکرداری بداعمالی کا ہر طرف دور دورہ ہے نہ جوان اس کے اثرات سے بچا ہے نہ بوڑھا۔ بہت ممکن ہے حضرت بلال نے زمانہ کی اس بے حیائی کو دیکھ کر اپنی رائے پیش کی ہو۔ مگر چونکہ قدرے بے محل و بے موقع تھی۔ اس لئے حضرت عبداللہ سخت برہم ہوئے۔ مزید کہ آنحضرتؐ کے زمانہ مبارک میں عورتیں حصول مسائل شرعیہ کے مقصد سے بھی مسجدوں میں حاضر رہا کرتیں۔ اور اب آج کل یہ مقصد بھی فوت ہوا کہ دینی مسائل اپنی پوری وسعت سے پھیل چکے نہ مردان سے ناواقف ہیں۔ نہ عورتیں ان سے ناآشنا اور موجودہ گندی اور مکدر فضا میں تو ان کے لئے گھر ہی اہم ترین جگہ ہے۔

بَابٌ ۵۸ اِذَا حَضَرَ الْعِشَاءُ وَالْعَشَاءُ!

باب ۵۸ عشاء کی نماز تیار ہو اور کھانا آجائے تو کیا صورت ہو گی!

۱۳۶/۱ ابوحنیفة عن الزهرى عن انس ابن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا نودى بالعشاء واذن المؤذن فابدؤا

حضرت انس ابن مالک نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز عشاء کے لئے اذان دی جائے اور مکبر تکبیر کہے (اور کھانا آجائے) تو

بالعشاء؛ پہلے کھانا کھالو۔

تشریح :۔ طبرانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم نماز مغرب کے بارے میں ہے اور یہ سہولت روزہ دار کے لیے ہے۔ شیخین نے ابن عمرؓ سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ جب کھانا سامنے آجائے اور ادھر نماز کی اقامت ہو تو پہلے کھانے سے فارغ ہو لو۔ اور فراغت تک جلدی نہ کرو۔ خود ابن عمر کا یہ عمل تھا کہ جب کھانا ان کے سامنے رکھدیا جاتا۔ اور نماز کھڑی ہو جاتی تو آپ نماز میں شریک نہ ہوتے جب تک کھانا کھانے سے فراغت حاصل نہ کر لیتے۔ یہاں تک کہ آپ امام کی آواز بھی سنتے ہوتے۔ یہاں حضرت جابر سے ایک مرفوع حدیث وارد ہے۔ جو بظاہر اس حدیث سے متعارض ہے۔ اس میں یوں آیا ہے۔ لاتؤخروا الصلوٰۃ لطعام ولا بغیرہ۔ کہ کھانے وغیرہ کی وجہ سے نماز مؤخر نہ کرو۔ ان احادیث میں تطبیق کی شکل بعض نے یہ نکالی ہے کہ تاخیر نماز کی اجازت اس وقت ہے۔ کہ کھانا کھانا شروع کر دیا ہو۔ یا یہ خوف ہو کہ یہ کھانا پھر ہاتھ نہ آسکے گا۔ یا یہ کہ بھوک شدید لگ رہی ہو خیال ہو کہ اگر نماز پڑھی تو دل کھانے میں لگا رہیگا۔ جسطرح پیشاب پاخانہ جب ستاتا ہو تو اس وقت بھی تاخیر نماز کی اجازت ہے۔ اور ممانعت کی حدیث اس موقع کے لئے خاص ہے کہ نماز کا وقت نکل جانے کا خطرہ ہو۔ یا ابھی کھانا سامنے نہ آیا ہو۔ بلکہ آنے والا ہو تو ان صورتوں میں نماز کو مقدم رکھنا چاہیے۔ گویا ایسی صورت میں ہدایت ہے کہ کھانا سامنے نہ لایا جائے۔ یہ نہیں کہ آنے کے بعد نہ کھاؤ۔ اور دسترخوان پر سے اُٹھ جاؤ۔ اور ساری نماز میں سوچتے رہو کہ کب نماز سے فارغ ہوں اور کب کھانا کھائیں ؛

باب ۵۹ مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃً ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَھُمْ یُصَلُّوْنَ!

باب ۵۹ اگر کوئی تنہا فرض پڑھ آئے اور پھر مسجد میں آئے اور جماعت کھڑی ہو تو کیا کرے!

ابوحنیفۃ عن الھیثم عن جابر بن الاسود او الاسود بن جابر عن ابیہ ان رجلین صلّیا الظھر فی بیوتھما علیٰ عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھما یریان ان الناس قد صلّوا ثم اتیا المسجد فاذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلوٰۃ فقعدا ناحیۃ" من المسجد وھما یریان ان الصلوٰۃ لاتحل لھما فلما انصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و

۱۳۷/۱ حضرت جابرؓ بن اسود یا اسود بن جابر سے روایت کہ دو شخصوں نے نبی صلعم کے زمانے میں ظہر کی نماز گھر میں پڑھ لی اس خیال سے کہ لوگ باجماعت نماز پڑھ چکے ہونگے۔ پھر جب مسجد میں آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہیں تو مسجد کے ایک کونے میں جا بیٹھے یہ سمجھتے ہوئے کہ (ایک مرتبہ فرض پڑھ لینے کے بعد) اب جماعت میں شریک ہونا ان کے لئے جائز نہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز

ثم أتاهما ارسل اليهما فجيئ بهما و
ترائصهما ترتعد مخافة ان يكون
قد حدث فی امرهما شیئ
فسألاهما فاخبراه الخبر
فقال اذا فعلتما ذلك فصلیا
مع الناس واجعلا الاولیٰ هی
الفرض۔
وقد روی هذا الحدیث جماعة
عن ابی حنیفة عن الهیثم فقالوا
عن الهیثم یرفعه الی النبی صلی
الله علیه وسلم ؛

سے فارغ ہو گئے اور آپ نے ان کو (ایک کونہ میں الگ بیٹھے ہوئے) دیکھا تو آدمی بھیج کر ان کو بلوایا پس وہ لائے گئے اس حال میں کہ ان کے شانوں کا درمیانی گوشت اس خوف و دہشت سے لرز رہا تھا۔ کہ (شاید) ان کے بارہ میں کوئی (سزا کا) حکم صادر ہوا ہو آپ نے ان سے (جماعت میں شریک نہ ہونے کا سبب پوچھا۔ انہوں نے آپکو پورا واقعہ کہہ سنایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم ایسا کرو (کہ گھر میں نماز پڑھ آؤ) لوگوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جایا کرو اور اپنی پہلی نماز کو فرض سمجھو ایک جماعت نے اس حدیث کی روایت کی ابو حنیفہ سے اور وہ روایت کرتے ہیں ہیثم سے اور ہیثم اس کو مرفوع بیان کرتے ہیں (گویا یہ مرسل ہے جو حنفیہ کے نزدیک حجت ہے) ؛

تشریح :- اس حدیث میں یہ فقہی مسئلہ ہے کہ اگر کوئی گھر میں نماز پڑھ آئے۔ پھر اس کو جماعت ہوتی نظر آئے تو اس کو چاہئے کہ جماعت میں شریک ہو جائے علیحدہ نہ بیٹھے کہ علیحدہ بیٹھنے کی ممانعت صاف اور واضح ہے۔ اس کی تنہا نماز فرض شمار ہوگی۔ جس طرح حدیث ذیل میں ہے واجعلا الاولی هی الفرض اور جماعت کے ساتھ نماز نماز نفل جیسا کہ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی وغیرہ میں ہے۔ انما لکم نافلة مگر حنفیہ کے نزدیک اس حکم سے نماز فجر و مغرب و عصر خارج ہیں کیونکہ فجر و عصر کے بعد نفلیں بروئے حدیث صحیح جائز نہیں پھر دار قطنی ابن عمر سے صحیح طریق سے یہ حدیث ان الفاظ سے لائے ہیں اذا صلیت فی اهلك ثم ادرکت الصلوٰة فصلها الا الفجر والمغرب کہ جب تو اپنے گھر والوں میں نماز پڑھ لے۔ پھر جماعت ہوتی ہوئی پالے تو اس میں شریک ہو جاؤ مگر فجر و مغرب میں تو خود حدیث میں استثنار موجود ہے اور مغرب میں گو نفلیں جائز ہیں۔ مگر تین نفلوں کا ثبوت نہیں اس لئے یہ ہر سہ اوقات کی نمازیں اس حکم سے خارج ہو گئیں ؛

باب ٦٠ الغسل یوم الجمعة !

باب ٦٠ ۔ جمعہ کے دن غسل کرنا !

۱۳۸/۱ **ابو حنیفة** عن یحیی عن عمرة عن
عائشة قالت کانوا یروحون الی الجمعة

حضرت عائشہ رض کہتی ہیں کہ لوگ جمعہ کی نماز میں شریک ہونے کیلئے اس حال میں آتے تھے کہ انکے بدن

وقد عرقوا وتلطخوا بالطين فقيل لهم من راح الى الجمعة فليغتسل۔

وفی روایة کان الناس عمّال انفسھم وکانوا یروحون یخالطون العرق والتراب فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا حضرتم الجمعة فاغتسلوا ؛

پسینہ میں شرابور اور مٹی میں لتھڑے ہوئے ہوتے تھے۔ لہٰذا ان کو حکم ملا کہ جو جمعہ کی نماز میں آئے اسکو چاہئے کہ غسل کرے۔ ایک روایت میں ہے کہ لوگ کاشتکاری کرتے تھے۔ جب نماز جمعہ کیلئے چلتے تو پسینہ اور مٹی میں لتھڑے ہوئے ہوتے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جمعہ کی نماز کیلئے آؤ۔ تو غسل کرکے آؤ۔

تشریح :۔ یہ حدیث غسل جمعہ کے بارے میں ہے۔ جمعہ کا غسل واجب نہیں سنت ہے۔ جمہور علماء اور اکثر ائمہ کا مذہب یہی ہے۔ بعض اس کے وجوب کے قائل ہیں۔ قاضی عیاض نے امام مالک کا یہی مسلک بتایا ہے۔ واجب ماننے والوں کی حجت ابن عمر کی مرفوع حدیث ہے جو شیخین نے روایت کی ہے۔ اذا اتی احدکم الجمعة فلیغتسل کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لیے آئے تو وہ غسل کرے بظاہر امر سے وجوب کا پتہ چلتا ہے۔ یا حضرت ابی سعید خدریؓ کی مرفوع حدیث جسکو شیخین وغیرہ لائے ہیں کہ غسل الجمعة واجب علی کل محتلم کہ جمعہ کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے، کہ اس میں وجوب ہے جمہور علماء صحیح احادیث سے حجت لاتے ہیں۔ مثلاً ایک تو یہی حدیث ان کی حجت ہے۔ کہ اس میں غسل کے لئے اس سبب سے حکم ہوا کہ وہ کاشتکاری وغیرہ کی وجہ سے مٹی اور پسینے میں خلط ملط ہوتے اور اسی طرح نماز جمعہ میں آجاتے ہیں جس سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ کپڑے موٹے عرب کی شدید گرمی اور دوپہر کا وقت ان پر ان کی کھیتی باڑی کرنا ایسی چیزیں تھیں کہ جن میں گرد وغبار سے بچنا غیر ممکن۔ لہٰذا ان کے حالات کے تحت میں ان کو غسل کا تاکیدی حکم ملا مگر جب یہ عذرات مٹے تو وہ حکم جو ان عذرات سے وابستہ تھا۔ وہ بھی ختم ہوا۔ دوسری دلیل حضرت عمر و عثمان کا وہ قصہ ہے جو مسلم وغیرہ میں نقل ہے کہ حضرت عثمان نماز جمعہ میں تاخیر سے تشریف لائے حضرت عمرؓ عین خطبہ میں زیر پرس فرمائی کہ یہ وقت آنے کا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے عذر بیان کیا کہ مشغولیت کے باعث اس قدر تاخیر ہوئی کہ صرف وضو کر سکا ہوں اس پر حضرت عمر نے مزید تعجب کیا کہ خوب معلوم ہوا کہ آپ نے غسل کی سنت بھی چھوڑ دی۔ اگر غسل واجب ہوتا تو حضرت عمر حضرت عثمان کو واپس لوٹاتے اور ان کے صرف وضو پر خاموشی اختیار نہ کرتے۔ پھر حاضرین صحابہ اس پر کیوں نہ بولے کہ حضرت انہوں نے واجب کو ترک کیا ہے۔ ان کو غسل کے لئے واپس لوٹائیے۔ آپ خاموش کیسے رہتے ہیں۔ تیسری دلیل عائشہؓ کی حدیث ہے جو مسلم میں ہے جس میں لوگوں سے کہا گیا ہے لو اغتسلتم ہوتا۔ تم غسل کرتے۔ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ غسل واجب نہیں۔ چوتھی دلیل سمرہ بن جندب کی حدیث ہے جو ترمذی و ابوداؤد وغیرہ سے منقول ہے۔ کہ آنحضرت نے فرمایا من توضأ فبہا ونعمت ومن اغتسل فالغسل افضل۔ کہ جس نے وضو کیا تو اس نے سنت پر عمل کیا اور کیا خوب ہے یہ سنت اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل ہے۔ اب ان احادیث کے پیش نظر جن احادیث سے وجوب کا شبہ ہوتا ہے ان کی تاویل کرنی پڑے گی مثلاً فلیغتسل میں امر وجوب" نہیں بلکہ استحباب ہے۔

اور واجبٌ کے معنی حقیقی واجب کے نہیں بلکہ یہ کہ ہر بالغ کو غسل کرنے کی تاکید کی ہے - پھر اس غسل جیسی دوسری دو غیر واجبی چیزیں بھی شریک ہیں یعنی مسواک اور خوشبو لگانا - جب یہ دونوں واجب نہیں تو غسل کیسے واجب قرار پائے گا -

۱۳۹/۲ **ابوحنیفة** والمنصور ومحمد بن بشر کلهم عن نافع عن ابن عمر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الغسل یوم الجمعة علی من اتی الجمعة ؛

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ کے دن ہر اس شخص پر غسل ہے جو جمعہ کی نماز میں آئے ؛

تشریح :- اس حدیث سے بھی غسل واجب قرار پاتا ہے - لیکن اس کی توجیہ یوں کی جائے گی کہ نماز جمعہ میں ہر شریک ہونے والا انہائیت تاکیدی صورت میں غسل کے لئے مامور ہے - یا پھر یہ حکم حدیث عائشہ وابن عباس سے منسوخ ہے - اس صورت تک وہ ماقبل کا حکم یعنی غسل کا وجوب منسوخ ہو گیا اور تاکید باقی رہی ؛

بابٌ ۶۱ فی الخُطبةِ !

بابٌ ۶۱ - خطبہ کا بیان !

۱۴۰/۱ **ابوحنیفة** عن عطیة عن ابن عمر قال کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا صعد المنبر یوم الجمعة جلس قبل الخطبة جلسة خفیفة ؛

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز جب منبر پر صعود فرماتے تو خطبہ سے پہلے کسی قدر بیٹھتے ؛

تشریح :- ابوداؤد کی حدیث میں حتی یفرغ المؤذن زائد ہے - یعنی یہاں تک کہ مؤذن اذان سے فارغ ہو جاتا آنحضرت منبر پر تشریف فرما ہے -

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام شافعی متفق ہیں اور جمہور علماء کا یہی مسلک ہے -

اور یہ جو نووی نے کہا امام اعظم اسے مذہب نہیں مانتے یہ نووی کے ظلم کا زلہ ہے - چنانچہ یہ حدیث امام اعظم کے مذہب کی تائید کرتی ہے ؛

۱۴۱/۲ **ابوحنیفة** عن حماد عن ابراهیم ان رجلا حدثه انه سأل عبد الله بن مسعود عن خطبة النبی صلی الله علیه وسلم یوم الجُمُعَةِ -

فقال له اما تقرأ سُوْرَةَ الجُمُعَة

قال بلٰی ولکن لا اعلم -

قال فقرأ علیه وَاِذَا رَأَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؛

ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ کسی شخص نے (غالباً وہ علقمہ بن قیس تھے - جیسا کہ ابن ماجہ سے پتہ چلتا ہے) حضرت عبداللہ بن مسعود سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جمعہ کے خطبہ کے بارے میں دریافت کیا - عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ کیا تم سورت جمعہ نہیں پڑھتے اس نے کہا کیوں نہیں مگر مجھے یہ بات معلوم نہیں - تو حضرت عبداللہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی - واذا رأوا تجارة او لهون انفضوا الیها وترکوك قائما ؛

تشریح :- یہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرآن فہمی کا کمال ہے کہ انہوں نے آیت سے بہت لطیف استدلال فرمایا - اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ میں قیام فرمانا ثابت کیا اور یہ ایک نہایت لطیف استنباط ہے - مقام استشہاد ترکوک قائما ہے - یعنی آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ گئے - واقعہ تو بہر حال خطبہ کا ہے تو معلوم ہوا کہ آنجناب کھڑے ہو کر خطبہ پڑھ رہے تھے - آپ سے اور صحابہ سے یہی صورت مروی ہے - جن میں جابر بن سمرہ - جابر بن عبداللہ - ابو ہریرہ اور ابن عباس بھی ہیں - خطبہ کے ذیل میں چند امور اور تشریح طلب ہیں اول قیام کا مسئلہ ہے کہ خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا سنت ہے یا شرط صحت خطبہ امام صاحب کے نزدیک سنت ہے یعنی اگر کسی نے بیٹھ کر خطبہ پڑھا تو خطبہ صحیح ہوگا - کیونکہ خطبہ کی حقیقت محض ایک وعظ کی سی ہے جو بیٹھ کر بھی کی جاسکتی ہے - لیکن چونکہ یہ سنت رسول اور صحابہ کے عمل کے خلاف ہے - اس لئے یہ عمل مکروہ ہوا - البتہ افضل صورت خطبہ میں قیام ہے کہ خطیب کی آواز دور دور تک پہنچ سکے - امام شافعی قیام کو خطبہ کی شرط قرار دیتے ہیں کہ اگر بیٹھ کر خطبہ پڑھا - تو گویا خطبہ ہوا ہی نہیں - ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ سے ایسا ہی ثابت ہے - امام مالک بھی ایک روایت میں انہی کے ساتھ متفق ہیں اور امام احمد بھی انہیں کے پیرو ہیں - امام صاحب کے مذہب پر دلیل کعب بن عجرہ کی حدیث ہے جو مسلم لائے ہیں - کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو انہوں نے عبدالرحمن بن ام الحکم کو بیٹھے ہوئے خطبہ ہوتے دیکھا تو کہا انظر والی ھذا الخبیث یخطب قاعدًا -

واذا رأوا تجارۃ او لھوا الآیۃ حالانکہ نماز فاسد ہونے پر کسی نے تصریح نہیں کی - دوسری بات قصر خطبہ و طول صلوٰۃ ہے - مسنون یہ ہے کہ خطبہ مختصر ہو - اور نماز لمبی - مسلم میں حضرت عمار سے مروی ہے - ان طول صلوٰۃ الرجل وقصر خطبتہ مئنۃ من فقھہ فاطیلوا الصلوٰۃ واقصروا الخطبۃ فان من البیان سحرا - کہ انسان کا نماز کو لمبا اور خطبہ کو مختصر کرنا اس کے تفقہ کی نشانی ہے - لہذا نماز کو دراز کرو اور خطبہ کو چھوٹا - البتہ بعض بیان جادو ہیں مستدرک میں ہے کہ عمار کہتے ہیں کہ آپ ہم کو خطبہ مختصر کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے - تیسرا امر متعلق بیان خطبہ میں سے عصا لگانا ہے یہ بھی حضور اکرم سے مروی ہے ابو داؤد میں حکم بن حزن کی حدیث کے ذیل میں مروی ہے کہ ہم جمعہ میں حاضر ہوئے تو آپ عصا یا کمان سے سہارا لے کر کھڑے ہوئے تھے - حضرت براء کہتے ہیں - کہ آپ نے عید پر کمان کا سہارا لیکر خطبہ دیا -

باب ۶۲ مَا یُقْرَأُ فِی الْجُمُعَۃِ

باب ۶۲ جمعہ کی نماز میں کیا پڑھنا چاہیے

ابو حنیفۃ عن احمد بن محمد بن اسمٰعیل الکوفی عن یعقوب بن یوسف بن زیاد عن ابی جنادۃ عن ابراھیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس ان النبی صلعم کان یقرأ فی یوم

۱۴۲ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقین پڑھا کرتے تھے -

الجمعۃ سورۃ الجمعۃ والمنافقین ؛

تشریح :- آنجناب کا زیادہ تر عمل یہی تھا۔ عبید اللہ بن ابی رافع سے روایت ہے۔ کہ مروان نے مکہ جاتے وقت جب ابوہریرہ کو امامت پر اپنا جانشین مقرر کیا تو انہوں نے جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۂ منافقون پڑھی اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز جمعہ میں یہی دو سورتیں پڑھتے ہوئے سنا ؛

۱۴۳/۲ **ابوحنیفۃ** عن ابراھیم عن ابیہ عن جیب ابن سالم عن النعمان بن بشیر عن النبی صلعم انہ کان یقرأ فی العیدین ویوم الجمعۃ سبح اسم ربک الاعلیٰ وھل اتاک حدیث الغاشیۃ ؛

حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز عیدین و جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلی اور ھل اتاک حدیث الغاشیۃ پڑھا کرتے ؛

تشریح :- بعض روایتوں میں سورۂ قاف اور سورۂ قمر کا ذکر ہے۔ معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ یہ مختلف سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

بَابُ ۶۳ فِی فَضِیْلَۃِ لَیْلَۃِ الْجُمُعَۃِ وَمَنْ مَّاتَ فِیْھَا !

باب ۶۳ جمعہ کی رات کی اور اس رات میں مرنے والے کی فضیلت کا بیان

۱۴۴/۱ **ابوحنیفۃ** عن قیس عن طارق عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من لیلۃ جمعۃ الا وینظر اللہ عزوجل الی خلقہ ثلاث مرات یغفر اللہ لِمَن لا یشرک بہٖ شیئا ؛

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کی کوئی رات ایسی نہیں جس میں اللہ عزوجل اپنی مخلوق کیطرف (بنظر رحمت و شفقت) تین مرتبہ نہ دیکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرماتا ہے۔ اس شخص کی جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ؛

تشریح :- ان گناہوں کے بارہ میں اکثر علماء کا کہنا ہے کہ یہ چھوٹے گناہوں کا بیان ہے نہ کہ بڑے بڑے گناہوں کا کیوں کہ وہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ بعض ان میں بڑے گناہ بھی داخل کرتے ہیں۔ بہر حال وہ گناہ جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں۔ سب کے نزدیک اس سے خارج ہیں۔ کیونکہ ان کی معافی کا دار و مدار صاحب حق پر ہے۔

۱۴۵/۲ **ابوحنیفۃ** عن الھیثم عن الحسن عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات یوم الجمعۃ وُقی عذاب القبر ؛

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن فوت ہوا۔ وہ عذاب قبر سے محفوظ رہا ؛

تشریح :- ترمذی اور بیہقی ابن عمر سے جو روایت لاتے ہیں۔ اس میں لیلۃ الجمعہ کا لفظ زائد ہے۔ یعنی

یوں ہے کہ جو مسلمان جمعہ کے دن یا شب جمعہ کو فوت ہوتا ہے اللہ اس کو فتنۂ قبر سے بچا لیتا ہے۔ بعض روایتوں میں اس طرح آیا ہے کہ وہ اللہ سے اس حال میں ملتا ہے کہ اس پر کوئی حساب نہیں ہوتا۔ حکیم ترمذی اس راز کا انکشاف اس طرح کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اس کی شدت کم ہو جاتی ہے۔ اس کے بھڑکتے ہوئے شعلے ماند پڑ جاتے ہیں۔ تو ایسے مبارک دن میں جب بندہ دنیا سے رحلت کرتا ہے تو اس کی خوش نصیبی اور سعادت ہے کہ وہ ایسے برکت والے دن دنیا سے رحلت کر گیا کہ عذاب اس کے رک گیا۔

بَابُ ۶۴ الرُّخْصَةِ لِلنِّسَآءِ فِی الْخُرُوْجِ اِلَی الْخَیْرِ وَدَعْوَةِ الْمُسْلِمِیْنَ!

باب ۶۴ عورتوں کو بھلائی کے کاموں اور تمام مسلمانوں کے ساتھ دعا میں شرکت کی غرض سے نکلنے کی اجازت ہے!

۱۴۶ **ابوحنیفة** عن حماد عن ابراهیم عمن سمع ام عطیة تقول رخص للنسآء فی الخروج الی العیدین حتی لقد کانت البکران تخرجان فی الثوب الواحد حتی لقد کانت الحائض تخرج فتجلس فی عرض الناس یدعون ولا یصلین ؛

حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) عورتوں کو اجازت تھی کہ وہ نماز عیدین میں شرکت کیلئے نکلیں۔ یہاں تک کہ دو لڑکیاں ایک کپڑے (اوڑھنی) میں لپٹی ہوئی نکلتیں بلکہ یہاں تک کہ حیض والی عورت بھی نکلتی اور لوگوں سے ہٹ کر ایک طرف جا بیٹھتی۔ یہ عورتیں دعا میں شریک ہوتیں اور نماز نہ پڑھتیں ؛

تشریح :- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت کے زمانہ طیبہ میں عورتوں کو مسجدوں اور عیدگاہ میں جا کر نماز میں شریک ہونے کی اجازت تھی۔ حتی کہ جوان لڑکیاں اور حیض والی عورتیں بھی پہنچتیں گو نماز میں شریک نہ ہو سکتیں۔ شیخین نے حضرت ابوہریرہ سے روایت بیان کی ہے لا تمنعوا اماء الله مساجد الله کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔ البتہ خوشبو نہ لگانے کی پابندی ضرور تھی۔ جیسا کہ زینب زوجہ عبداللہ سے مسلم میں مرفوع روایت ہے کہ جب تم میں سے کوئی مسجدوں میں حاضر ہو تو خوشبو نہ لگائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ شیخین نے حضرت عائشہ کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بعد کی عورتوں کی موجودہ حالت کو دیکھ پاتے تو البتہ ان کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے۔ یہ ہی وہ نقطہ تحقیق ہے جس کی بنا پر علمائے متاخرین نے عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے منع کر دیا۔ صیدلانی نے کہا ہے۔ کہ اجازت اس وقت تھی۔ لیکن اب عورتوں کا باہر نکلنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اب حالات اچھے نہیں ہیں۔ اس لئے اس سے پرہیز بہتر ہے لیکن آج کل بھی محلہ کی جامع مسجد میں خواتین جمعہ کی نماز میں شرکت کرنے جاتی ہیں۔ اگر امن و امان ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۱۴۷/۲ **ابو حنيفة** عن عبد الكريم عن ام عطية قالت كان يرخص للنساء فى الخروج الى العيدين من الفطر والاضحىٰ ؛

وفى رواية قالت ان كان الطامث لتخرج فتجلس فى عرض النساء فتدعوا فى العيدين ؛

وفى رواية قالت امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان نخرج يوم النحر ويوم الفطر ذوات الخدور والحيض فاما الحيض فيعتزلن الصلوٰة ويشهدن الخير ودعوة المسلمين فقالت امرأة يا رسول الله اذا كانت احدنا ليس لها جلباب قال لتلبسها اختها من جلبابها ؛

ام عطیہ کہتی ہیں کہ عید اور بقر عید کی نمازوں میں خواتین کو شریک ہونے کیلئے نکلنے کی رخصت دی جاتی تھی (حتیٰ کہ آنجناب کی صاحبزادیوں اور ازواج مطہرات کو بھی رخصت تھی۔ جیسا کہ ابن ماجہ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے) ؛

اور ایک روایت میں ہے کہ حائضہ بھی نکلتی لیکن اور عورتوں سے ایک طرف بیٹھتی تھیں۔ اور چھوٹی اور بڑی دونوں عیدوں کی دعاؤں میں شریک ہوتی ؛

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ام عطیہ نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم بقر عید اور عید الفطر کے دن باپردہ حائضہ عورتوں کو باہر عید کے لئے لے جائیں۔ البتہ حائضہ نماز سے الگ رہتیں مگر عبادت کی جگہ حاضر رہتیں اور دعا میں شریک ہوتیں۔ ایک عورت بولی یا رسول اللہ اگر ہم میں سے کسی کے پاس اوڑھنی نہ ہو — تو آپ نے فرمایا کہ اس کو اس کی کوئی بہن یا ساتھی اپنی چادر میں شریک کرلے ؛

تشریح :- بخاری میں بھی تقریباً اسی مضمون کی حدیث ام عطیہ سے منقول ہے۔ یہ حکم آنحضرتؐ کے عہد مبارک کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسا کہ سابق حدیث میں معلوم ہوا ؛

باب ۶۵ عدم الصلوٰة قبل العيد وبعدها

باب ۶۵ - عید کی نماز سے پہلے اور عید کے بعد کوئی نماز نہیں ہے

۱۴۸/۱ **ابو حنيفة** عن عدى عن سعيد بن جبير عن ابن عباسؓ ان النبى صلى الله عليه وسلم خرج يوم العيد الى المصلّى فلم يصل قبل الصلوٰة ولا بعدها شيئا ؛

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن عیدگاہ میں تشریف لے گئے۔ نہ آپ نے نماز عید سے پہلے کوئی نماز پڑھی اور نہ نماز کے بعد ؛

تشریح :- یہ حکم عیدگاہ کے ساتھ خاص ہے کہ عیدگاہ میں آنحضورؐ نے عید کی نماز سے پہلے کوئی

نماز پڑھی نہ بعد میں پڑھی۔ کتب صحاح میں اسی طرح کی روایات اور بھی ہیں۔ بعض روایات میں اس طرح ہے۔ اذا رجع الی منزلہ صلی رکعتین کہ آپ جب کاشانہ نبوت میں واپس آتے تو دو رکعت ادا فرماتے چنانچہ ابن ماجہ میں حضرت ابی سعید خدری سے انہیں الفاظ کی حدیث ہے۔ اب مسئلہ کی حقیقت یہ ہوئی کہ نماز عید سے پہلے گھر میں اور عید گاہ میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ ہاں بعد میں گھر پہ دو رکعات پڑھ سکتے۔ اگر کسی نے نماز عید سے پہلے یا بعد میں عید گاہ میں نفل ادا کئے تو اس کا یہ عمل مکروہ تحریمی تو نہیں البتہ مکروہ تنزیہی ضرور قرار پائے گا۔ کیونکہ وہ خلاف سنت عمل کا مرتکب ہوا جو کراہت تنزیہی کو مستلزم ہے اگر اس میں کراہت نہ ہوتی تو آنجناب نماز کی شدید حرص رکھتے ہوئے نماز کو کس طرح ترک فرماتے حنفیہ کا مسلک یہی ہے۔ اور امام شافعیؒ بھی اسی خیال کے حامی ہیں۔ بعض نے صرف حنفیہ کا اس کو مکروہ جانتے پر اعتراضات کیا ہے۔ یہ بات حق و انصاف کے خلاف ہے۔

بَابُ تَقْصِيْرِ الصَّلٰوةِ فِي السَّفَرِ! ۶۶

باب ۶۶ ۔ سفر کی نماز میں قصر کرنا!

۱۴۹/۱ **ابوحنیفة** عن محمد بن المنکدر عن انس بن مالک قال صلینا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم الظهر اربعاً والعصر بذی الحلیفة رکعتین ؛

حضرت انس بن مالک نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور ذی الحلیفہ میں عصر کی دو رکعتیں پڑھیں ؛

تشریح :۔ حضرت انس ہی سے یہ حدیث ترمذی بھی لائے ہیں۔ انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ یہ حدیث سفر میں قصر فی الصلوۃ کی دلیل ہے۔ یہ مسئلہ بسط و تفصیل کے ساتھ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔

۱۵۰/۲ **ابوحنیفة** ۔عن حماد عن ابراهیم عن علقمة عن عبد الله بن مسعود قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصلی فی السفر رکعتین وابو بکر وعمر لایزیدون علیه ؛

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں دو رکعتیں پڑھتے اور ابو بکر و عمر بھی اس پر زیادتی نہ کرتے ؛

تشریح :۔ یہ اس حدیث میں صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ مسافر بحالت سفر چار رکعت والی نمازوں کو قصر سے پڑھتے یعنی دو دو رکعت اختلاف اس میں یہ ہے کہ کیا اس کو چار رکعت بھی پڑھنے کا حق حاصل ہے اور اگر چار رکعت پڑھ لیں تو شریعت میں اس کا یہ عمل کیا شمار ہوگا امام شافعیؒ کے نزدیک وہ مختار ہے چاہے پوری پڑھے چاہے قصر کرے۔ ایک روایت میں امام مالک اور احمد بھی ان کے ہم خیال ہیں۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس کو پوری نماز پڑھنے کا کوئی حق نہیں۔ قصر کے سوا اس کے لئے کوئی صورت جائز نہیں۔ اگر اس نے پوری نماز پڑھی تو گنہگار ہوا اور اس کا یہ فعل مکروہ

تحریمی قرار پایا - امام شافعیؒ قرآن کی اس آیت سے دلیل لاتے ہیں- فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ یعنی تم پر کوئی گناہ نہیں کہ قصر کرو نماز میں۔اس کے الفاظ رخصت و اجازت کی طرف اشارہ کرتے ہیں- یعنی مسافر پر کوئی پابندی نہیں ہے خواہ قصر پڑھے خواہ پوری۔حدیث میں وہ علی بن ربیعہ کی حدیث کو سامنے رکھتے ہیں کہ انہوں نے عمرؓ سے کہا کہ اب تو دشمن کا خوف بھی نہیں۔ تو اب ہم کیوں قصر کریں۔ کیونکہ فرمایا اِن خِفتُم۔ آپ نے کہا کہ یہی اشکال مجھے بھی درپیش تھا۔ کہ میں نے آنجنابؐ سے اس کو حل کیا۔ ارشاد فرمایا کہ یہ ایک قسم کی رعایت و احسان ہے جو اللہ کی طرف سے تم کو دیا گیا ہے تو اس کو قبول کرو۔ پھر وہ اس کو روزہ پر قیاس کرتے ہیں جسطرح اس میں مسافر مختار ہے خواہ روزہ رکھے یا افطار یہی حال اس میں رہے گا۔ اسی سلسلہ میں ان کو دو روایات سے اور تقویت ملی ایک حضرت عثمان کی حدیث کہ انہوں نے منیٰ میں مسافر ہوتے ہوئے چار رکعت پڑھیں- یعنی پوری نماز دوسری حدیث حضرت عائشہؓ سے ملا ہے کہ آپ نے بھی نماز بحالت سفر پوری پڑھی- یہ شافعی مسلک کا فیصلہ ہے۔ امام صاحب کے مذہب پر مختلف احادیث صحیحہ سے دلیل لائی جاتی ہے۔ اول یہی حضرت انس کی حدیث جو ابھی محمد بن المنکدر کے واسطہ سے گذری۔ کہ آپ نے ذی الحلیفہ میں قصر فرمایا۔ جس کو ترمذی نے حدیث صحیح کہا ہے۔ دوسری حدیث عبداللہ بن مسعود کی جو اس معاملہ میں فیصلہ کن ہے اور جو اس حدیث کے متصل ہی امام صاحب سے مروی ہے۔ اور جو دیگر کتب صحاح میں بھی موجود ہے۔ کہ جب آپ سے کہا گیا۔ کہ حضرت عثمان نے منیٰ میں نماز چار رکعت ادا کیں تو آپ نے اِنّا لِلّٰہ پڑھی اور کہا کہ میں نے آنحضرتؐ کے ہمراہ دو رکعت پڑھیں اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ دو رکعت پڑھیں غرض آپ نے سخت تعجب کا اظہار کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی حیثیت اور علمی مقام سب کو معلوم ہے۔ جب وہ کسی امر کو اچنبھے کی بات سمجھیں تو سمجھ لیجئے کہ اس کی شریعت میں کیا حقیقت ہوگی۔ پھر وہ آنحضرتؐ اور شیخینؓ کا عمل بھی پیش کر رہے ہیں۔ تیسری حجت مذہب حنفیہ کی حضرت عبداللہ کی حدیث ہے جو بخاری میں ہے۔ جس میں ہر سہ بزرگوں کا عمل پیش کر کے کہ میں نے ان کے ساتھ منیٰ میں نماز پڑھی۔ انہوں نے دو دو رکعت پڑھیں فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان نے ابتدائے خلافت میں قصر کیا پھر پوری پڑھی۔ چوتھی حجت ترمذی کی حدیث جو وہ عمران بن حصین سے نقل کرتے ہیں جس کو انہوں نے صحیح کہا ہے اور جس کا مضمون یہ ہے کہ ان سے صلوٰۃ مسافر کے بارہ میں پوچھا گیا تو کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا آپ نے دو رکعتیں پڑھیں ابوبکرؓ کے ہمراہ حج کیا انہوں نے بھی دو ہی رکعتیں ادا کیں۔ پانچویں دلیل ابن ماجہ کی حدیث ہے جو وہ ابن عمرؓ سے مرفوعاً لائے ہیں کہ آنحضرتؐ جب مدینہ سے باہر نکلتے تو پھر واپسی تک دو ہی رکعتیں ادا فرماتے رہتے لہٰذا یہ احادیث صحیحہ اس عمل پر آنحضرتؐ و شیخینؓ کیطرف سے مواظبت و ہمیشگی کا ثبوت ہیں جس سے مجال انکار نہیں۔ اور اس کا ثبوت بھی بہم پہنچتا ہے کہ سفر میں دو رکعت کی سنت سنت موکدہ ضرور ہے۔ جب اس کو شریعت میں سنت موکدہ کا درجہ حاصل ہوا تو اب اس پر زیادتی کب روا ہوئی۔ اور اس پر زیادتی ایسی ہوئی جیسے کوئی جمعہ و عیدین میں بجائے دو کے چار رکعت پڑھ لے۔ چنانچہ نسائیؒ - ابن ماجہ-

ابن ابی لیلیٰ کے واسطہ سے عمر سے روایت لاتے ہیں کہ صلوۃ السفر۔ صلاۃ الاضحیٰ صلاۃ الفطر اور صلوۃ الجمعہ یہ سب کی سب دو دو رکعت ہیں۔ گویا یہ سب ایک ہی حکم میں ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح طریق سے مروی ہے من صلی فی السفر اربعا کمن صلی فی الحضر رکعتین کہ جس نے سفر میں چار رکعت پڑھیں۔ گویا اس نے حضر میں (بجائے چار کے) دو پڑھیں۔ گویا ہر دو جگہ حد شرعی کو توڑنا ہے۔ یہ ہے۔ مذہب حنفیہ کا استدلال جس پر ان کا مسلک قائم ہے۔ اب مذہب شافعیہ کو دیکھیے ان کی بنائے مسلک یہ ہے کہ فرض دراصل چار رکعت ہیں اور سفر میں رعایتہً ان کی تخفیف ہو کر دو رکعت کم کر دی گئی ہیں۔ اور مسافر کو اختیار دیدیا گیا ہے کہ وہ اس رعایت سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔ حالانکہ یہ بنائے خیال ہی خلاف روایات صحیحہ اور واقعیت اور حقیقت سے دور ہے۔ کیونکہ معاملہ در حقیقت کچھ اور ہے کہ نماز پہلے دو رکعت کی شکل میں فرض تھی۔ پھر حضر میں ان پر دو رکعت کا اضافہ کر کے پوری چار رکعت کر دی گئیں اور سفر میں وہ دو کی دو ہی فرض رہیں۔ یہ نہیں کہ فرض چار رکعت کا اضافہ کر کے پوری چار رکعت اس میں رعایت دی گئی۔ چنانچہ حضرت عائشہ کی حدیث جو بخاری میں ہے وہ اس بارہ میں فیصلہ کن ہے۔ الصلوۃ اول ما فرضت رکعتان فاقرت صلوۃ السفر رکعتان فاقرت صلوۃ السفر واتمت صلوۃ الحضر کہ پہلے دو رکعت فرض ہوئی تھیں۔ پھر سفر میں دو کی دو ہی برقرار رہیں اور حضر میں پوری چار ہو گئیں۔ نسائی نے صحیح طریق سے عمر بن الخطاب سے روایت کی ہے صلوۃ السفر رکعتان تمام غیر قصر علی لسان نبیکم صلعم کہ سفر کی نماز میں دو رکعت ہیں۔ پوری قصر شدہ نہیں۔ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی۔ مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اللہ نے حضر میں چار رکعت فرض کیں اور سفر میں دو اور خوف میں ایک۔ لہٰذا مسلک شافعیہ کا استدلال درست نہیں واللہ اعلم کہ ان کا مسلک کس طرح شائع ہوا ؟

رہا یہ بات حضرت عثمان نے منیٰ میں چار رکعت کیوں پڑھیں۔ اور حضرت عائشہ نے سفر میں پوری نماز کیوں ادا فرمائی۔ اس کا بھی جواب سنئے کہ جواب حضرت عثمان بعد حج کے اقامت کا ارادہ کر چکے تھے جیسا کہ عبدالرزاق بیان کرتے ہیں۔ گویا اس اقامت کو آپ نے توطن کا درجہ دیا۔ اور توطن سے انسان لامحالہ قصر کو ترک کر کے پوری نماز ادا کرتا ہے۔ چنانچہ امام احمد نے یہ ہی قصہ نقل کیا ہے کہ جب لوگوں نے آپ کے اس عمل پر استعجاب ظاہر کیا تو آپ نے یہ ہی عذر ظاہر فرمایا۔ اور فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ من تاھل فی بلد فلیصل صلوۃ المقیم کہ جب کوئی کسی شہر میں رہ پڑے اور اہل وعیال کی زندگی اختیار کر لے تو پھر وہ مقیم کی سی نماز پڑھے۔ تو اب تو صورت ہی دوسری ہو گئی۔ اب آپ مسافر کب رہے۔ یا ممکن ہے آپ اتمام و قصر ہر دو کے جواز کے قائل رہے ہیں۔ جیسا کہ غالباً عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیال تھا۔ زہری کہتے ہیں کہ میں نے عروہ سے پوچھا کہ عائشہ کیوں سفر میں پوری نماز پڑھتی ہیں۔ عروہ نے کہا کہ انھوں نے وہ ہی تاویل کر لی جو حضرت عثمان نے کی۔ ہم کہتے ہیں کہ جب آنحضرت اور شیخین سے اس قصر پر مواظبت ثابت ہوئی تو یہ ہی عمل بنائے مسلک قرار پایا (پھر اسی پر بس نہیں بلکہ اور لیجیے کہ اگر آنحضرت سے

کہ اگر اس سلسلہ میں کوئی بھی حدیث صحیح۔ حسن۔ ضعیف کیسی بھی پیش کر دیں کہ آپ نے بھی کبھی سفر میں پوری نماز پڑھی ہو تو ہم سمجھ لیں گے کہ اس مسلک کی کوئی حقیقت ہے۔ جب کہ آپ کی آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں تھی۔ جب آنحضورؐ ہی سے کسی طرح کا ثبوت سوائے قصر کے اس بارہ میں نہیں تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ سفر میں پوری نماز پڑھنا مکروہ ہے اور احناف کا مسلک بھی یہی ہے۔

عقل و درایت کی رو سے بھی امام شافعی کا مسلک درست نہیں ٹھہرتا کیوں کہ اگر یہ دو رکعت جو شافعیؒ نے سفر میں مزید پڑھوائیں کیا یہ فرض ہیں؟ اگر فرض ہیں جیسا کہ ان کا خیال ہے تو ان کی ادائیگی واجب کیوں نہ ہوئی اختیار پر اس کی بنا کیوں ٹھہری؟ اسی طرح ہر فرض کی قضا ہوتی ہے۔ ان کی قضا کیوں نہیں؟ اور ہر فرض کا ترک گناہ کا سبب ہے، ان کا ترک باعث گناہ کیوں نہیں؟ یہ کیسا فرض ہے کہ فرض کی کوئی علامت نہیں۔ بلکہ یہ علامات ان کے مطلب کے خلاف نفلوں کی رکھتا ہے۔ یہیں سے روزہ پر قیاس کرنے کی جڑ کٹ گئی کہ روزہ میں گو اختیار ہے۔ مگر اس میں قضا ہے؟ یہاں وہ بھی نہیں۔ جب یہ صورت حال ہے تو اضافہ شدہ رکعات کو فرض کیسے مان لیا جائے۔ یوں ان کے عقلی دلائل اور کم ہوئے اب صرف آیت رہ گئی۔ جس میں لفظ جُناح سے شبہ ہوتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ قصر کرنے یا نہ کرنے میں تم کو اختیار یا رخصت ہے۔ بلکہ یہ لفظ دراصل اس لئے بڑھایا کہ یہ وہم پیدا نہ ہو کہ نماز حضر میں کچھ نقصان ہو گیا کہ چار کی دو رہ گئیں۔ بلکہ یہ علیحدہ فرض ہیں اور پوری یہ نماز حضر کی ادھوری شکل نہیں۔ کہ تم کو نقصان کا شبہ ہو۔ اور تم اس کو گناہ جانو۔

۱۵۱/۳ ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله انه أُنبِئَ فقيل صلى عثمان بمنىً اربعًا فقال انا لله و انا اليه راجعون صليتُ مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين ومع ابى بكر ركعتين ومع عمر ركعتين ثم حضر الصلوٰة مع عثمان فصلى معه اربع ركعاتٍ فقيل له استرجعت وقلت ماقلت ثم صليت اربعًا. قال الخلافة ثم قال وكان اوّل من اتمها اربعًا بمنىً۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود کے بارہ میں روایت ہے کہ آپ کے پاس کوئی آیا اور کہا کہ عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں۔ آپؓ نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون پھر کہا میں نے پڑھیں رسول اللہؐ کے ہمراہ دو رکعتیں اور ابو بکرؓ کے ہمراہ دو رکعتیں اور عمرؓ کے ہمراہ دو رکعتیں۔ پھر حضرت عبد اللہ، حضرت عثمانؓ کے ہمراہ نماز میں شریک ہوئے تو ان کے پیچھے چار رکعت پڑھیں۔ اس پر ان سے (حضرت عبد اللہ سے) کہا گیا کہ آپ نے انا للہ پڑھی اور کہا جو کچھ کہا پھر آپ نے خود ہی، چار رکعتیں پڑھیں آپ نے جواب دیا کہ یہ خلافت کا پاس ادب ہے، پھر آپ نے کہا کہ عثمانؓ سب سے پہلے وہ شخص ہیں۔ جنہوں نے منیٰ میں چار رکعت پڑھیں۔

تشریح:۔ اس حدیث میں زیر بحث مسئلہ کی تشریح گزر چکی۔

بَابٌ ۶٦ الصَّلٰوةِ عَلَى الرَّاحِلَةِ!

۱۵۲/۱

ابو حنیفة عن حماد عن مجاهد انه صحب عبد الله بن عمر من مكة الى المدينة فصلى ابن عمر على راحلته قبل المدينة يومئ ايماء الا المكتوبة والوتر فانه كان ينزل لهما عن دابته قال فسألته عن صلاته على راحلته و وجهه الى المدينة فقال لى كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى على راحلته تطوعاً حيث كان وجهه يومئ ايماء ؛

باب ۶٧ - سواری پر نماز پڑھنا!

مجاہد کہتے ہیں کہ مکہ سے مدینہ لوٹتے وقت میں حضرت عبداللہ بن عمر کا رفیق سفر تھا۔ پس آپ نے اپنی سواری پر (اونٹ) پر مدینہ کی طرف رخ کی حالت میں نماز ادا فرمائی (رکوع سجود کے لئے) آپ اشارہ کرتے جاتے تھے مگر فرض اور وتر سواری سے اتر کر پڑھتے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے سواری پر نماز پڑھنے کے بارہ میں پوچھا جبکہ سواری کا منہ اور رخ مدینہ کی طرف ہے دگویا قبلہ سے پھرا ہوا ہے۔ تو آپ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ اپنی سواری پر خواہ کدھر بھی رخ ہو اور رکوع سجود میں اشارہ کرتے جاتے تھے ؛

تشریح :- اس حدیث سے جو مسئلہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ کہ سفر میں سواری پر کون کون سی نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں اور کونسی نہیں۔ امام شافعی و امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ سفر میں دو سواری پر ادا ہو سکتے ہیں۔ محض فرض زمین پر اتر کر پڑھے جائیں۔ نہ کہ سواری پر ادا کی جاسکتی۔ نزاع محض وتر میں رہ جاتا ہے۔ امام شافعیؒ کے مذہب کی دلیل بخاری کی حدیث ہے جو وہ انہیں عبداللہ بن عمر سے بطریق نافع روایت کرتے ہیں جسکے الفاظ ہیں کان ابن عمر یصلی علی راحلتہ و یوتر علیہا کہ ابن عمر سواری پر نماز پڑھا کرتے اور اسی پر وتر پڑھ لیا کرتے ویخبر ان النبی صلعم کان یفعلہ اور بیان کرتے کہ نبی صلعم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ یا سعید بن لیار کی روایت حجت ہے جسکو مالک لائے ہیں۔ جسکا مضمون یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں سفر میں ابن عمر کے ساتھ تھا راستہ میں میں پیچھے رہ گیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے مجھ سے فرمایا۔ کہاں تھے؟ میں نے کہا وتر ادا کر رہا تھا۔ فرمایا کہ کیا تمہارے لئے اس بارہ میں رسول اللہ صلعم کا کوئی اچھا طریق نہیں ہے۔ میں نے آنحضرتؐ کو دیکھا کہ آپؐ سواری پر وتر پڑھ لیتے۔ مذہب حنفیہ کی بنا بھی ابن عمر ہی کی حدیث پر ہے جو تین صحیح طرق سے مروی ہے۔ ایک مجاہد کے واسطہ سے جو ذیل میں آپ کے سامنے ہے کہ صاف ناطق ہے کہ صاف ابن عمر فرض نماز اور وتر زمین پر ادا فرمایا کرتے۔ دوسرے حصین کے واسطہ سے جس کو امام محمد موطا میں لائے ہیں جس میں ہے فاذا کانت الفرض بعینہ اد الوتر نزل فصلی کہ جب فرض یا وتر پڑھنے ہوتے تو زمین پر اترتے اور پڑھتے۔ تیسرے نافع ہی کے طریق سے جو طحاوی لائے ہیں جس کے الفاظ ہیں کان یصلی علی راحلتہ دیوتر بالارض کہ سواری پر نماز پڑھا کرتے اور وتر زمین پر۔ اب جن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے سواری

پر وتر ادا کئے۔ یا سعید بن یسار کا قصہ کہ ان کو آپ نے اس کے لئے ہدایت کی تو اس کی تاویل کی جائے گی۔ کہ غالباً کسی عذر کے سبب ایسا ہوا ہوگا۔ کہ کیچڑ۔ پانی۔ یا کسی اور خوف سے نہ اتر سکے ہوں گے۔ کیونکہ عذر کی وجہ سے تو فرض بھی سواری پر پڑھے جا سکتے ہیں۔ یا بہت امکان ہے کہ اس وقت تک وتروں کا وجوب جناب کے نزدیک ثابت نہ ہوا ہو۔ کیونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام میں بہت سے احکام میں پہلے بہت کچھ آزادی تھی جو بعد میں قیود اور سختیوں سے بدلتی گئی۔ ان کا شمار محض سنتوں میں رہا ہو۔ جو سواری پر پڑھے جا سکتے ہیں۔ ورنہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ ہی سے سواری پر وتر پڑھنا مروی ہو اور آپ ہی اس کے خلاف کریں۔ اور نعوذ باللہ اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم کے مصداق ہوں ؛

باب ۶۸ الوتر!

۱۵۳/۱ ابو حنیفة عن ابی یعفور العبدی عمن حدثہ عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ زادکم صلوٰۃ و وتر۔

وفی روایة ان اللہ افترض علیکم وزادکم الوتر۔

وفی روایة ان اللہ زادکم صلوٰۃ الوتر۔

وفی روایة ان اللہ زادکم صلوٰۃ وھی الوتر فحافظوا علیھا ؛

باب ۶۸۔ وتر کا بیان!

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک نماز فرض نمازوں پر زائد کی۔ وہ وتر ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرض کی نماز تم پر اور زائد کئے تمہارے لئے وتر۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زیادہ کی تمہارے لئے نماز اور وہ وتر ہیں۔ پس حفاظت کرو ان کی ؛

تشریح :۔ حدیث ذیل کے تحت " یہ امر قابل تنقیح ہے کہ وتر کے باب میں امام اعظم سے مختلف روایات مروی ہیں۔ یعنی کہ آپ ان کو واجب مانتے تھے یا فرض و سنت۔ واجب ماننے کی روایات صحت کے قریب تر ہیں۔ وتروں کے وجوب پر کئی احادیث صحیحہ سے دلیل لائی جاتی ہے۔ ان میں سے ایک یہی حدیث بھی ہے۔ یہی حدیث مختلف صحابہ سے مروی ہے جن میں خارجہ بن خذافہ عمرو بن عاص۔ عقبہ بن عامر۔ ابن عباس۔ ابو بصرہ الغفاری۔ ابو سعید خدری وغیرہ ہیں۔ بعض کو ان میں سے کسی کے سلسلہ سند میں کلام ہوا ہے۔ لیکن بہر حال بعض بعض کو قوی کر دیتی ہیں۔ اول یہی حدیث اپنے تمام طرق سے جن سے یہ مروی ہے وجوب وتر کا پتہ دیتی ہے۔ مثلاً اس میں زادکم کا لفظ ہے جس میں پر زور اشارہ ہے کہ وتر سنت نہیں۔ بلکہ ان سے بلند درجہ واجب ہیں۔ کیونکہ زیادتی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کہ سنت قرار پاتے۔ فرض اس لئے نہیں ہوئے کہ یہ دلیل قطعی نہیں لامحالہ سنت و فرض کے درمیان واجب ٹھہرے۔ دوسرے زیادتی سے بھی

لطیف اشارہ اس طرف ہے۔ کیونکہ زیادتی مقرر عدد سے ہوگی۔ جو واجبات کی ہے۔ نفلوں کی کیونکہ ان کی کوئی تعداد یا گنتی متعین و منفرد نہیں کہ ان سے زیادتی کی جائے۔ تیسرے ایک شے پر زیادتی اسی کے جنس سے ہونا قرین قیاس ہے۔ یہاں مزید علیہ جس پر زیادتی ہوئی ہے فرض ہیں تو یہ بھی فرض ہونے چاہئیں۔ مگر چونکہ ان کے ثبوت میں دلیل قطعی نہیں اس لئے یہ فرض تو نہ ہوئے واجب ضرور ٹھہرے اب دوسرے طرق سے مروی الفاظ دیکھئے۔ دار قطنی میں عمر بن شعیب کے طریق میں ہے کہ ہم کو حکم دیا تو ہم جمع ہوئے۔ حمد و ثنا کے بعد یہ ہی الفاظ ادا فرمائے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نکلے اس حال میں کہ چہرہ سرخ تھا۔ منبر پر چڑھے اور حمد و ثنا کے بعد یہ الفاظ ادا کئے۔ لہٰذا جمع کرنا۔ چہرہ کا سرخ ہونا۔ حمد و ثنا کہنا یہ سب ان وتروں کی سنتوں سے زائد اہمیت کو ثابت کرتے ہیں۔ ابوہریرہ کی حدیث میں فصلوھا صیغہ امر ہے۔ عمرو بن شعیب کے طریق میں لفظ امرنا ہے کہ ہم کو حکم دیا۔ یہ ساری گفتگو اس حدیث پر تھی۔ اب دوسری احادیث جو اسی سلسلہ میں وارد ہیں وہ اس سے زائد وضاحت کے ساتھ وتر کے وجوب کو ثابت کرتی ہیں۔ ابوداؤد ابی ایوب انصاری سے حدیث لائے ہیں الوتر حق علی کل مسلم حق کی ادائیگی چونکہ واجب ہے اس لئے اس سے بھی وجوب کا علم ہوا۔ ابن بریدہ سے ابوداؤد یہ ہی روایت لاتے ہیں۔ اس میں اس کی زیادہ ہے۔ فمن لم یوتر فلیس منا کہ جس نے وتر ادا نہیں کئے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ تین مرتبہ یہ ہی فرمایا۔ لہٰذا ایسی سخت وعید اور تین مرتبہ اس کا اعادہ بآواز بلند ان کے وجوب پر گویا ہے۔ مسلم میں ابی سعید سے اُوتروا کا لفظ مروی ہے جو وجوب کی طرف مشیر ہے۔ امام مالک روایت کرتے ہیں کہ کسی نے ابن عمر سے پوچھا کہ حضرت وتر کیا واجب ہیں آپ نے فرمایا وتر پڑھے آنحضرت نے اور مسلمانوں نے پھر سائل نے وہی سوال کیا اور آپ نے وہی جواب دیا۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ اس سے بھی آشکارا ہے کہ وتر واجب ہی ہیں۔ گویا بدیگر الفاظ یوں فرمایا کہ یہ کیسے واجب نہ ہوں جبکہ آنحضرت اور مسلمانوں نے ان کو ہمیشہ ادا کیا ہو۔ لہٰذا ان تمام روایات کے الفاظ کوئی صراحۃً کوئی کنایۃً اور اشارۃً وتروں کے وجوب پر دافع اور بین دلائل ہیں جن میں کوئی شک نہیں ۔

۱۵۴/۲ **ابوحنیفۃ** عن ابی اسحاق عن عاصم بن ضمرۃ قال سألت علیًا رضی اللہ عنہ عن الوتر احق ھو قال اما کحق الصلوۃ فلا ولکن سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا ینبغی لاحد ان یترکہ ۔

عاصم بن ضمرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا۔ وتر کے بارہ میں کہ کیا وہ حق (واجب یا فرض) ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ نماز کی طرح تو حق (فرض) نہیں۔ لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ کسی کیلئے اسکا چھوڑ دینا جائز نہیں ۔

تشریح: حدیث وتر کی اہمیت کو ثابت کرتی ہے کہ گو وہ فرض کی طرح دلیل قطعی سے ثابت نہیں کہ فرض ٹھہریں۔ البتہ ان کا وجوب سنت نبوی سے ثابت ہے اور ان کا ترک جائز نہیں ۔

۱۵۵/۳ **ابوحنیفۃ** عن حماد عن ابراھیم عن الاسود عن عائشۃ قالت کان رسول

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعت ادا فرمایا کرتے اول رکعت

الله صلی الله علیہ وسلم یوتر بثلث یقرأ فی الاولٰی سبح اسم ربك الاعلیٰ وفی الثانیۃ بقل یا ایھا الکٰفرون وفی الثالثۃ بقل ھو الله احد ؛	میں سبح اسم ربك الاعلیٰ پڑھتے - دوسری میں - قل یا ایھا الکافرون اور تیسری میں قل ھو الله احد ؛
وفی روایۃ کان رسول الله صلی الله علیہ وسلم یقرأ فی الرکعۃ الاولٰی من الوتر بام الکتاب وسبح اسم ربك الاعلیٰ وفی الثانیۃ بام القراٰن وقل یا ایھا الکافرون وفی الثالثۃ بام الکتاب وقل ھو الله احد	اور ایک روایت میں اسطرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے وتر کی پہلی رکعت میں الحمد اور سبح اسم ربك الاعلیٰ دوسری میں الحمد اور قل یا ایھا الکافرون اور تیسری میں الحمد اور قل ھو اللہ احد
وفی روایۃ ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم کان یوتر بثلث ؛	اور ایک روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعت پڑھتے تھے ؛

تشریح :- اسی حدیث کے تحت تعداد رکعات وتر کا مسئلہ وضاحت طلب ہے۔ یہ مسئلہ بھی ائمہ کے مابین مختلف فیہ ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک وتر کی تین رکعات ہیں امام مالک و شافعیؒ ایک رکعت کے قائل ہیں۔ ہر دو ائمہ کی دلیل ابن عمر کی حدیث ہے جو مختلف طرق سے مروی ہے اختلاف الفاظ قریب قریب ایک ہیں مثلاً ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی نماز کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا مثنی مثنی فاذا خشیت الصبح فصل رکعۃ توتر لك صلوتك کہ دو دو رکعت ہیں۔ جب صبح ہونے کا تجھ کو خطرہ ہو تو ایک رکعت پڑھ۔ یہ تیری نماز کو وتر کر دے گی۔ ایک روایت میں فاوتر بواحدۃ آتا ہے کہ ایک رکعت ملا کر دوگانہ کو وتر کر لے۔ اس کی حقیقت کو ہم آخر بیان میں کھولیں گے۔ امام صاحب کے مذہب پر قوی دلائل ہیں جو سپرد قلم ہیں۔ اول حدیث ذیل ہی کہ فرمایا یوتر بثلث کہ آنحضرت وتر کی تین رکعات پڑھا کرتے پھر رکعت کے لئے علیحدہ قرارت کا اظہار ہوا۔ اور بظاہر تیسری رکعت کا وصل ہی ہے بغیر فاصلہ تحریمہ کے۔ دوسری حدیث حضرت عائشہ کی حدیث جو حاکم شرط شیخین پر لائے ہیں۔ کان رسول الله صلی الله علیہ وسلم یوتر بثلث لا یسلم الا فی اٰخرھن کہ آنحضرتؐ وتر کی تین رکعات ادا فرمایا کرتے اور آخر میں سلام پھیرتے یا نسائی کی حدیث کہ عائشہ فرماتی ہیں۔ کان النبی صلعم لا یسلم فی رکعتی الوتر کہ نبی صلعم وتر کی دو رکعت پر سلام نہ پھیرا کرتے تیسرے دارقطنی میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے وتر اللیل ثلاث کوتر النھار صلوٰۃ المغرب کو شب کے وتر تین رکعت ہیں جس طرح دن کے وتر مغرب کی تین رکعت ہیں۔ اس میں یہ سقم نکالتے ہیں کہ یہ مرفوع صحیح نہیں ثوری وغیرہ اس کو موقوف لائے ہیں۔ خبر مرفوع صحیح نہ سہی موقوف بھی قابل حجت ہے جس میں مثال تک دے دی گئی کہ اب تیسری رکعت کو دوسرے سے جدا کرنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی پھر اس کی تقویت یوں ملتی ہے کہ طحاوی ابی خالد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ابا العالیہ سے وتر کے بارے میں دریافت کیا کہ آپ نے کہا کہ اصحاب نبی صلعم نے ہم کو وتر مغرب کی نماز کی طرح سکھائے یہ شب کے وتر ہیں تو وہ دن کے وتر۔ چوتھے بخاری اپنی صحیح میں قاسم بن محمد سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو وتر کی تین رکعت پڑھتے ہوئے پایا پانچویں حضرت عمرؓ کا عمل یہی تھا چنانچہ حاکم مستدرک میں جیب معلم سے روایت کرتے ہیں کہ کسی نے حسن سے کہا کہ ابن عمر وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے ہیں

حسن بولے کہ عمر ابن عمر سے زیادہ افقہ تھے اور وہ تو دو کے بعد تکبیر کہتے ہوئے اٹھ جاتے۔ چھٹے ابن ابی شیبہ حسن سے روایت لائے ہیں کہ انہوں نے کہا اجتمع المسلمون علی ان الوتر ثلث لا یسلم الا فی اٰخر منہا کہ جمہور نے اس پر اتفاق کیا کہ وتر کی تین رکعات ہیں اور نہ سلام پھیرے الساں مگر آخر میں پھر امام محمد مؤطا میں ابن مسعود کی روایت لائے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ایک رکعت ہرگز کافی نہیں۔ اب ہر دو ائمہ کی دلیل ملاحظہ فرمائیں۔ توتوتر لک ما قد صلیت یا فاوتر بواحدۃ اگر مذہب شافعیہ و مالکیہ کے لئے حجت ہے تو مذہب حنفیہ کی بھی یہی دلیل ہے۔ کیونکہ اس کے یہ معنی کیوں نہ کئے جائیں۔ کہ اس دوگانہ نماز کے ہمراہ ایک رکعت ملا کر تین رکعت کے وتر کر لے۔ یہ کہ وتر کو نئی تحریمہ سے علیحدہ ایک رکعت کی شکل میں پڑھ لے۔ یہ ترجمانی حدیث کی نہیں۔ بلکہ اپنے خیال کی ہے۔ پھر ایسے الفاظ جو دو معانی کا احتمال رکھتے ہوں وہ نزاع کب چکا سکتے ہیں۔ خصوصاً جبکہ مخالف کے پاس صاف اور کھلے الفاظ میں صحیح احادیث مرفوعہ موقوفہ موجود ہوں۔ دوسرے یہ حکم فاذا خشیت الصبح کے پیش نظر صبح کے طلوع ہونے کے خوف کے ساتھ مشروط ہے۔ گویا یہ حکم بغیر وجود اس شرط کے کالعدم ہے اور غیر نافذ اور مزید برآں اخبار صحیحہ کی رو سے تبیرا کی صورت جائز نہیں۔ اور ایک رکعت کو دوگانہ سے بذریعہ نئی تحریمہ جدا کر کے پڑھنا صاف بتیرا کی شکل ہے۔ جو ہرگز جائز نہیں۔ اب فیصلہ خود کر لیں ؎

۱۵۶/۳۴

ابوحنیفۃ عن زبید بن الحارث

الیامی عن ابی عمر عن عبد الرحمٰن بن ابزیٰ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی وترہ سبح اسم ربک الاعلیٰ وقل یا ایہا الکٰفرون فی الثانیۃ وقل ھو اللہ احد فی الثالثۃ۔

حضرت عبد الرحمٰن بن ابزیٰ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وتروں (کی پہلی رکعت) میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھا کرتے۔ دوسری میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد۔

وفی روایۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی الوتر فی الرکعۃ الاولیٰ سبح اسم ربک الاعلیٰ وفی الثانیۃ قل للذین کفروا یعنی قل یا ایہا الکٰفرون فھکذا فی قراءۃ ابن معود وفی الثالثۃ قل ھو اللہ احد ؎

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے دوسری میں قل للذین کفروا یعنی قل یا ایہا الکافرون اور یہ ہی روایت ہے ابن مسعود کی اور تیسری میں قل ھو اللہ احد ؎

وفی روایۃ انہ کان یقرأ فی الوتر فی الرکعۃ الاولیٰ سبح اسم ربک الاعلیٰ وفی الثانیۃ قل یا ایہا الکٰفرون وفی الثالثۃ قل ھو اللہ احد ؎

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ وتر میں پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے دوسری میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد ؎

وفی روایۃ کان یوتر بثلث رکعات یقرأ فیہا سبح اسم ربک الاعلیٰ

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ وتر کی تین رکعات ادا فرماتے تھے۔ پڑھا کرتے ان میں سبح اسم

وقل یا ایھا الکفرون وقل ھو اللہ احد۔

ربک الاعلیٰ۔ قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد۔

۱۵۷/۵ **ابو حنیفۃ** عن ابی سفیان عن ابی نضرۃ عن ابی سعید قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا فصل فی الوتر۔

حضرت ابی سعید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وتر (شفع اور آخری رکعت کے درمیان) میں کوئی جدائی (نئی تحریمہ سے) نہیں۔

۱۵۸/۶ **ابو حنیفۃ** عن عبد اللہ عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الوتر اول اللیل سخطۃ للشیطان واکل السحور مرضاۃ الرحمٰن۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ شروع رات کے وتر شیطان کو برافروختہ اور غصہ کرتے ہیں اور (رمضان میں) سحری کھانا خدائے رحمٰن کی رضامندی وخوشنودی کا سبب ہے۔

تشریح: اول رات کے وتر شیطان کے غصہ کا سبب یوں ہیں کہ اس سے اس کی امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں۔ اور بہکانے کے سارے منصوبے فنا ہو جاتے ہیں۔ اگر نمازی سو جاتا اور غلبہ نیند سے وتر قضا ہو جاتے تو خوشی مناتا۔ کہ وتر جیسی اہم نماز نیند سے برباد ہوئی مگر شروع رات میں وتر پڑھنے سے اس کی خوشی ختم ہوئی۔ بلکہ خوشی کی جگہ غصہ اور صدمہ نے لے لی۔

سحری کی فضیلت میں کئی دیگر احادیث صحیحہ ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت انس سے وارد ہے فی اکل السحور برکۃ۔ یعنی سحری کے کھانے میں برکت ہے۔ اول تو سنت نبوی۔ طریق مصطفوی کی پیروی ومتابعت میں جو خیر وبرکت ہے۔ دوسری روزہ دار زیادہ نقاہت وکمزوری وناطاقتی وناتوانی کا شکار نہیں ہوتا چستی وچالاکی سے عبادت الٰہی ویاد خداوندی میں دن کاٹتا ہے۔

۱۵۹/۷ **ابو حنیفۃ** عن حماد عن ابراہیم عن ابی عبد اللہ الجدلی عن ابی مسعود الانصاری قال اوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول اللیل واوسطہ واٰخرہ لکی یکون واسعا للمسلمین ای ذلک اخذوا بہ کان صوابا غیر انہ من طمع لقیام اللیل فلیجعل وترہ فی اٰخر اللیل فان ذلک افضل۔

وفی روایۃ عن ابی عبد اللہ الجدلی عن عقبۃ بن عامر وابی موسی الاشعری انھما قالا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر احیانا اول اللیل واوسطہ واٰخرہ لیکون سعۃ

حضرت ابی سعید انصاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول رات میں وتر پڑھی۔ وسط شب میں اور آخر شب میں بھی پڑھی تاکہ مسلمانوں کو عمل کرنے میں کشادگی نصیب ہو۔ اس میں جس پہ بھی عمل کر لیں وہ ٹھیک ہے۔ البتہ جو بھروسہ رکھتا ہو رات کو (تہجد کیلئے) اٹھنے پر اس کو چاہئے کہ وتر اخیر رات میں پڑھے۔ کیونکہ یہ (اخیر رات میں وتر پڑھنا) ہی افضل ہے۔ اور ایک روایت میں عقبہ بن عامر اور ابی موسیٰ اشعری دونوں اصحاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ کبھی وتر شروع شب میں ادا فرماتے کبھی درمیانی رات میں اور کبھی اخیر رات میں تاکہ مسلمانوں کو اس بارے میں کشادگی اور آزادی نصیب ہو کہ ان ہر سہ اوقات میں سے جس

للمسلمین ؂ وقت میں چاہیں وتر ادا کر لیں موافق سنت ہوگا

تشریح :- آنحضرت نے اپنے عمل سے وتر کے لئے میدان عمل وسیع فرما دیا کہ رات کے جس حصہ میں ادا کئے جائیں موافق سنت ہے اب رہ جاتی ہے افضلیت تو وہ آخر رات میں ہی ہے۔ کیونکہ دوسری احادیث صحاح میں اس کا سبب بتلا دیا گیا فرمایا فان قراءۃ القرآن فی اخر اللیل محضورۃ وھی افضل کہ آخیر رات کی تلاوت میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہ بہت فضیلت کا باعث ہے ؂

بَابُ ۶۹ سَجدَتی السَّھوِ!

ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن علقمۃ عن عبد اللہ ابن مسعودؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ اما الظھر واما العصر فزاد اونقص فلما فرغ وسلم فقیل لہ احدث فی الصلوٰۃ امر نسیت قال انی کما تنسون فاذا انسیت فذکرونی ثم حول وجھہ الی القبلۃ وسجد سجدتی السھو وتشھد فیھا ثم سلم عن یمینہ وعن شمالہ ؂

باب ۶۹ سہو کے دو سجدوں کا بیان!

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی اور اس میں کچھ زیادتی ہوئی یا کچھ کمی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے اور سلام پھیرا تو آپ سے عرض کیا گیا۔ کہ حضرت نماز میں کوئی نئی بات ہوئی ہے۔ یا حضور بھول گئے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ میں بھی بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔ لہٰذا جب بھول جایا کروں تو مجھ کو یاد دلا دیا کرو۔ پھر آپ نے اپنا چہرہ قبلہ رخ کیا اور سہو کے دو سجدے کئے اور اس میں تشہد پڑھا۔ پھر دائیں بائیں جانب سلام پھیرا ؂ ۱۶۰/۱

تشریح :- حدیث میں ایک الجھن ہے کہ آنحضرت نے کلام فرما کر سجدہ سہو کیسے ادا فرمایا۔ کیونکہ کلام نماز میں جائز نہیں۔ اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور نماز کا اعادہ لازم ہوتا ہے نہ سجدہ سہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جب نماز میں بات کرنا جائز تھا۔ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی تھی۔ جس طرح کہ عبد اللہ بن مسعود کی آگے آنے والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ تاویل قرین قیاس ہے۔ اور اس سے الجھن بحسن وخوبی دور ہو جاتی ہے۔ البتہ امام شافعیؒ نے جو بیان فرمائی ہے وہ کسی طرح ٹھیک نہیں۔ کہ یہ کلام آنجناب کا سہواً تھا نہ عمداً۔ اور سہواً کلام جائز ہے۔ کیونکہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام کو سہواً تسلیم کریں تو ذی الیدین یا دوسرے صحابیوں نے جب کلام کیا تو ان کی نمازیں قابل اعادہ ٹھیرتی ہیں۔ حالانکہ آپ نے ان کو اعادہ نماز کا حکم نہیں دیا۔ پھر اس پر یہ کہنا کہ بیشک ان کی نمازوں کا اعادہ ہونا چاہئے تھا۔ مگر چونکہ مقتدی امام کا تابع ہے۔ اس لئے ان کی نمازوں میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔ جبکہ امام کی نماز قباحت سے پاک ہے۔ پہلی بات سے بھی زیادہ رکیک ہے۔ کیونکہ صرف مقتدی کی نماز میں جب فساد ہوتا ہے تو مقتدی کی نماز فاسد ہوتی ہے نہ امام کی ؂

بَابُ سَجدَۃِ التِّلَاوَۃِ!

۱۶۱ ابوحنیفۃ عن سماک عن عیاض الاشعری عن ابی موسی الاشعری ان النبی صلعم سجد فی صٓ۔

باب - سجدہ تلاوت کا بیان!

حضرت ابی موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے، کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سورہ صٓ میں سجدہ کیا۔

تشریح :- آنحضرتؐ کا یہ سجدہ حضرت داؤد علیہ السلام کی متابعت میں تھا۔ امام ابوحنیفہ رح اور امام مالک اس آیت کو آیات سجدہ میں سے مانتے ہیں۔ نہ شافعیؒ۔ ان کے مسلک کی تائید یا تو ابن عباس کی اس حدیث سے نکلتی ہے۔ جو بخاری لائے ہیں کہ کہا سجدہ صٓ عزائم میں سے نہیں ہے۔ یا ابی سعید کی حدیث جس کی روایت ابوداؤد نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھتے وقت سورت صٓ پڑھی تو آپؐ نے بھی سجدہ ادا فرمایا۔ اور صحابہ نے بھی۔ پھر پڑھی تو صحابہ نے سجدہ کی تیاری کی تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ تو نبی کی توبہ ہے۔ حالانکہ ہردو احادیث کے ان الفاظ سے ان کے مذہب کی وضاحت نہیں ہوئی۔ عزائم میں سے نہ ہونے کا مطلب ہے کہ فرائض میں سے نہیں بلکہ واجبات میں سے ہے جو شکر کے طور پر داؤد علیہ السلام کی اقتدا میں واجب ہوا۔ اور دوسری حدیث میں جو سجدہ کی وجہ بیان فرمائی کہ یہ تو نبی کی توبہ ہے تو یہ بھی اس کے وجوب کو باطل نہیں کرتی۔ کیونکہ تمام فرائض و واجبات اللہ تعالیٰ کی بیش از بیش نعمتوں کے شکر میں تو فرض و واجب ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی ان میں سے ایک ہے۔ امام صاحب کے مذہب کی دلیل امام احمد کی حدیث سے نکلتی ہے جو وہ بکر بن عبداللہ المزنی کے واسطہ ابی سعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سورت صٓ لکھ رہا ہوں۔ جب آیت سجدہ پر پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ دوات، قلم یا جو کچھ موجود تھا۔ سربسجود ہوئے کہتے ہیں کہ یہ قصہ میں نے آنحضرتؐ سے بیان کیا اس کے بعد آپ سجدہ کرتے رہے۔ اس سے صاف پتہ چلا کہ اس واقعہ کے بعد سجدہ کا عمل جاری رہا۔ اور اس قصہ سے پہلے ہوگا۔ نہ اس کے بعد۔

بَابُ مَنعِ الکَلَامِ فِی الصَّلٰوۃِ

۱۶۲ ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن ابی وائل عن عبد اللہ بن مسعود رضہ انہ لما قدم من ارض الحبشۃ سلم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یصلی فلم یرد علیہ السلام فلما انصرف رسول اللہ صلی

باب - نماز میں بات چیت کرنا منع ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب وہ حبشہ سے آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ اور آپ نماز میں مصروف تھے۔ آنجنابؐ نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ جب آنحضرتؐ نماز سے فارغ ہوئے حضرت ابن مسعودؓ نے کہا نا

الله عليه وسلم قال ابن مسعود اعوذ بالله من سخط نعمة الله قال النبى صلى الله عليه وسلم وماذاك قال سلمت عليك فلم تردّ علىّ قال انّ فى الصلوٰة لشغلاً قال فلم تردّ السلام على احدٍ من يومئذٍ ؛

مانگتا ہوں میں اللہ اور اس کی نعمت (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے غصہ سے۔ نبی صلعم نے فرمایا کہ پناہ مانگنے کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے آپکو سلام کیا۔ اور آپنے جواب نہیں دیا۔ آپنے فرمایا۔ کہ نماز میں اللہ کیطرف توجہ اور اسکی طرف شغولیت ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں۔ پھر اس دن کے بعد ہم کسی کے سلام کا جواب نہ دیتے ؛

تشریح :۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں نماز میں بات چیت اور جواب سلام جائز تھا۔ جیسے جیسے اسلام ترقی کرتا گیا۔ بندشیں بڑھتی گئیں۔ چنانچہ شیخین نے زید بن ارقمؓ سے روایت نقل کی ہے کہ پہلے ہم نماز میں اپنے ساتھی سے بات چیت کر لیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ قوموا للہ قانتین نازل ہوا۔ تو ہم کو سکوت کا حکم ہوا اور ہم بات کرنے سے روک دیئے گئے۔ لہذا ابن مسعود حبشہ جانے سے پہلے یہ زمانہ دیکھ چکے تھے کہ بات چیت اور سلام کلام کی آزادی تھی۔ جب وہاں سے نازل ہوا آئے تو وہی خیال دل میں تھا۔ حالانکہ اس بیچ میں یہ رعایت ختم ہو چکی تھی۔ بارگاہ الہی سے قوموا للہ قانتین کا فرمان نازل ہو چکا تھا۔ چنانچہ نبی صلعم کی طرف سے جب سلام کا جواب نہ ملا۔ تو لرزا اٹھے کانپ گئے اور سمجھے کہ مزاج اقدس میں ان کی طرف سے کچھ تکدر پیدا ہو گیا ہے۔ پھر خود پوچھا۔ اور معاملہ کی وضاحت فرمائی کہ نماز تو سراسر شغولیت اور مصروفیت ہے اس میں سلام و کلام کی گنجائش کہاں اور مولٰی سے مناجات کے وقت بندوں سے بات چیت کا کیا موقع ہے۔ پس یہ بات واضح ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلام فرمایا درست تھا اور بعد میں یہ کلام کرنا منع قرار دے دیا گیا ؛

۱۶۳ ۷۲ **ابو حنیفة** عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة قالت كان النبى صلعم يصلى من الليل وانا نائمة الى جنبه وجانب الثوب واقع علىّ ؛

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شب کو نماز ادا فرماتے اور میں سوئی ہوئی ہوتی۔ آپ کے پہلو میں اور کپڑے کا ایک حصہ مجھ پر پڑا ہوا ہوتا ؛

تشریح :۔ یہ حدیث صحیحین میں یوں ہے کہ نبی صلعم رات کو نماز ادا فرماتے اور میں آپ کے اور قبلہ کے بیچ میں جنازہ کیطرح لیٹی ہوئی ہوتی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عائشہ آنحضرتؐ کے بالکل سامنے لیٹی ہوئی ہوتیں۔ اور حدیث ذیل میں پہلو کا ذکر ہے لہذا یا تو پہلو کے معنی سامنے ہی کے لئے جائیں کہ تمام روایات متفق المعنی ہوں یا اس کو اپنے حقیقی معنی پر رکھا جائے کہ عائشہؓ آنجنابؐ کے دائیں یا بائیں جانب لیٹی ہوتی ہوتیں۔ مسئلہ کی رُو سے جو تشریح حدیث کی ہونی چاہیئے وہ آئندہ والی حدیث میں انشاء اللہ بیان ہوگی ؛

بَابُ التَّسْبِيْحِ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيْقِ لِلنِّسَاءِ!

۱۶۴/۱ **ابوحنیفۃ** عن نافع عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سن فی الصلوٰۃ اذا نابھم فیہ شیٔ التسبیح للرجال والتصفیق للنساء۔

باب - بھول کو ظاہر کرنے کیلئے نماز میں مردوں کو تسبیح اور عورتوں کو تصفیق کرنی چاہیئے!

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نماز میں یہ طریقہ بتایا گیا۔ کہ جب ان کو (مقتدیوں کو) نماز میں کوئی بات پیش آئے (جس پر امام کو خبردار کرنا ہو) تو مردوں کے لیے سبحان اللہ کہنا ہے اور عورتوں کیلئے ہاتھ پر ہاتھ مارنا۔

تشریح:- عورتوں کو سبحان اللہ کہنے سے یوں روکا گیا۔ کہ عورتیں اپنی آواز مردوں کو نہ سنائیں اسی لیے بعض علماء کے نزدیک عورت کی آواز بھی ستر میں شمار ہے۔

بَابُ مَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ وَمَا لَا يَقْطَعُ!

۱۶۵/۱ **ابوحنیفۃ** عن حماد عن ابراہیم عن الاسود بن یزید انہ سأل عائشۃ عما یقطع الصلوٰۃ فقالت یا اہل العراق تزعمون الصلوٰۃ قرنتمونا بھم ادرأ ما استطعت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی وانا نائمۃ الی جنبہ علیہ ثوب جانبہ علیّ۔

باب - کس چیز سے نماز ٹوٹتی ہے اور کس چیز سے نہیں ٹوٹتی!

اسود بن یزید نے حضرت عائشہؓ سے اس چیز کے بارہ میں دریافت کیا۔ جو (نمازی کے سامنے سے گذر کر) نماز کو توڑ دیتی ہے۔ آپ نے کہا اے اہل عراق تم یہ سمجھتے ہو کہ گدھا۔ کتا۔ بلی (نمازی کے سامنے سے گذر جائیں تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ گویا) تم نے ہم (عورتوں) کو ان کے ساتھ ملا دیا۔ جہاں تک بس چلے گذرنے والے کو گذرنے سے روکو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے اور میں آپ کے پہلو میں سوئے ہوتی۔ آپ کے کپڑا کا ایک حصہ مجھ پر پڑا ہوتا۔

تشریح:- صحیح مسلم میں اس بارے میں حدیث ہے وہ یہ کہ آنحضرت فرماتے ہیں کہ نمازی کے ساتھ اگر سترہ نہ ہو تو عورت گدھے اور کالے کتے کا گذرنا اس کی نماز کو توڑ دیتا ہے۔ اس حدیث کے پیش نظر ظاہریہ کا یہ بھی مسلک ہے کہ ان چیزوں کا گذرنا نماز کے ٹوٹ جانے کا سبب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ مالکؒ اور شافعی

کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ امام احمد عورت اور گدھے میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتے اور کتنے کو قطع کا سبب مانتے ہیں۔ یہ ہے مسئلہ کی نوعیت اور اس میں ائمہ کے اختلاف کی حقیقت۔ اب وجہ استدلال ملاحظہ فرمائیں۔ ائمہ ثلاثہ کے سامنے دوسری صحیح احادیث اس کے معارض ہیں۔ جن کی بنا پر وہ قطع کی حدیث کے نسخ کے قائل ہوئے یا اس کی تاویل کی۔ ان میں سے ایک حدیث ذیل حدیث عائشہ ہے جو کتب صحاح میں خفیف لفظی اختلافات سے وارد ہے اور جس میں کسی کو کلام نہیں۔ یہ عورت کے معاملہ میں عدم قطع نماز کا ناطق فیصلہ صادر کرتی ہے۔ کہ اس کے سامنے رہنے یا گذر جانے سے نمازی کی نماز میں کوئی فرق نہیں آتا۔ خود آنحضرتؐ کا عمل اس کی بین دلیل ہے۔ گدھے کے بارہ میں حضرت ابن عباس کی صحیح حدیث ہے، کہ وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ نماز پڑھ رہے تھے تو میں نے گدھے کو صف کے سامنے چھوڑ دیا۔ اور آپ نے اس کی پروا نہ کی۔ اب رہا کتے کا مسئلہ تو حدیث قطع میں کتے کا عطف مرأة وحمار پر ہے جن کا شرعی حکم معلوم ہے۔ لہذا کتے کا عطف اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ بھی قطع کے نیچے آ کر ان ہی ہر دو کے ساتھ شریک حکم ہوا۔ امام احمد بھی ہر دو احادیث عدم قطع کو مد نظر رکھتے ہوئے عورت و گدھے کے بارہ میں قطعی حکم نہ لگا سکے۔ البتہ کتے کے متعلق ان کو چونکہ کوئی معارض حدیث نہ ملی اس لئے وہ اس میں بدستور قطع ہی کے قائل رہے۔ علامہ ابن جوزی نے اس حقیقت کی صراحت کی ہے۔ دیگر ائمہ حدیث قطع میں قطع صلوٰۃ سے خشوع و خضوع کا چلا جانا مراد لیتے ہیں نہ نماز کا ٹوٹ جانا جیسا کہ ظاہر الفاظ بتاتے ہیں ؂

باب ۴۷ صلوٰۃ الکسوف

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله قال انكسفت الشمس يوم مات ابراهيم بن رسول الله صلى الله عليه وسلم فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فخطب فقال ان الشمس والقمر اٰيتان من اٰيات الله لا تنكسفان لموت احد ولا لحياته فاذا رأيتم ذلك فصلوا واحمدوا الله وكبروه وسبحوه حتى ينجلى ايهما انكسف ثم نزل رسول الله صلى الله عليه وسلم وصلى ركعتين ؂

باب ۴۷ ۔ سورج گرہن کی نماز

۱۶۶ ح ۱ عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کے انتقال کے دن سورج گرہن ہوا تو آنجناب کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا۔ اور فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اس میں کسی کی موت کے سبب یا کسی کی پیدائش کے باعث گرہن نہیں پڑتا لہذا جب تم ان کو ایسا (گرہن کی حالت میں) دیکھو تو نماز پڑھو۔ اللہ کی حمد کرو۔ تکبیر کہو۔ اور تسبیح پڑھو یہاں تک کہ ہر دو گہن سے نکل جائیں۔ پھر منبر سے آپ اترے اور دو رکعت (نماز کسوف) ادا فرمائیں ؂

تشریح :- یہ حدیث سورج گرہن کی نماز ثابت کرتی ہے۔ اس کی ادائیگی میں ائمہ کا اختلاف ہے

اس کی تشریح تفصیل سے آئندہ حدیث میں دی جا رہی ہے۔

۱۶۷/۲ ابو حنيفة عن عطاء عن ابيه
عن ابن عمر قال انكسفت الشمس يوم
مات ابراهيم فقام النبي صلى الله عليه وسلم
قياماً طويلاً حتى ظنوا انه لا يركع ثم
ركع فكان ركوعه قدر قيامه ثم رفع
رأسه فكان قيامه قدر ركوعه ثم سجد
قدر قيامه ثم جلس فكان جلوسه بين
السجدتين قدر سجوده ثم سجد قدر
جلوسه ثم صلى الركعة الثانية
ففعل مثل ذلك حتى اذا كانت السجدة
منها بكى فاشتد بكاؤه فسمعناه و
هو يقول الم تعدني ان لا تعذبهم
وانا فيهم ثم جلس فتشهد ثم
انصرف واقبل عليهم بوجهه ثم
قال ان الشمس والقمر آيتان من آيات
الله يخوف الله بهما عباده لا يكسفان
لموت احد ولا لحياته فاذا كان
كذلك فعليكم بالصلوة ولقد رأيتني
أدنيت من الجنة حتى لو شئت
ان اتناول غصناً من اغصان شجرها
فعلت ولقد رأيتني أدنيت من
النار حتى جعلت اتقي ولقد رأيت
سارق رسول الله وفي رواية سارق
بيت رسول الله يعذب بالنار ولقد
رأيت فيها عبد بن دعدع سارق
الحجاج بمحجنة ولقد رأيت فيها
امرأة ادماء حميرية تعذب في
امرأة ادماء حميرية تعذب في

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؑ کے
انتقال کے دن سورج کو گرہن لگا۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت
ابراہیم کے انتقال کے باعث سورج میں گرہن لگا ہے
آنحضرتؐ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور اس قدر طویل
قیام فرمایا کہ لوگوں نے خیال کیا کہ آپ رکوع نہیں کریں
گے۔ پھر آپ نے رکوع قیام ہی کے برابر تھا پھر رکوع
سے سر اٹھایا۔ تو آپ کا رکوع قیام کے برابر تھا۔
پھر سجدہ کیا قیام کے برابر پھر بیٹھے تو دو سجدوں کے
درمیان تو کہ جب دوسری رکعت کے سجدہ میں گئے تو
بہت زیادہ روئے۔ ہم نے آپ کو یہ کہتے ہوئے
سنا کہ (اے اللہ) کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہیں فرمایا کہ تو
ان کو عذاب نہیں دے گا جب تک میں ان میں ہوں۔
پھر آپ بیٹھے اور تشہد پڑھا۔ پھر نماز سے فارغ ہوئے
اور ہماری طرف رخ فرما کر ارشاد فرمایا کہ سورج اور چاند
گرہن اللہ کی نشانیوں میں سے نشانیاں ہیں ڈراتا ہے
اللہ ان کے ذریعہ اپنے بندوں کو نہ کسی کی پیدائش سے
لہٰذا ایسے موقع پر نماز کی پابندی کرو اور البتہ میں
نے خود کو دیکھا کہ مجھ کو نزدیک کیا گیا جنت سے
حتی کہ اگر میں چاہتا تو اس کے درختوں کی کسی شاخ کو
چھو کر لے سکتا تھا۔ اور مجھ کو نزدیک کیا گیا دوزخ
سے یہاں تک کہ میں نے اس کی سوزش سے بچنا چاہا
اور البتہ میں نے دیکھا رسول اللہ کا چور اور ایک روایت
میں یوں ہے کہ رسول اللہ کے گھر کے چور کو جو دوزخ
میں عذاب دیا جاتا تھا اور البتہ دیکھا۔ میں نے اس
میں عبد بن دعدع حاجیوں کے چور کو جو حاجیوں کے
کپڑے وغیرہ چراتا تھا اپنی خمدار لکڑی سے اور البتہ
میں نے دوزخ میں دیکھا قبیلہ حمیر کی ایک سانولی

هرة لها ربطتها فلم تطعمها ولم تدعها تأكل من خشاش الارض وحشرا تها- وفي رواية نحوه وفيه لقد رايت عبد بن دعداع سارق الحجاج بمحجنة فكان اذا خفي ذهب واذا راٰه احد قال انما تعلق بمحجني-

وفي رواية كان اذا خفي له شئي ذهب به واذا ظهر عليه قال انما تعلق بمحجني :

عورت کو جو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دی جا رہی تھی جس کو اس نے باندھ رکھا تھا نہ اس کو کچھ کھانے کو دیتی تھی نہ ہی اس کو چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھالے- اور ایک روائت میں اسی جیسا ہے اور اس میں ہے القبہ میں نے دیکھا عبد بن دعدع کو اپنی خمیدہ لکڑی سے حاجیوں کی چوری کرنے والے کو اگر کسی نے نہیں دیکھا تو لے اڑا اور اگر کسی کی اس پر نظر پڑی تو کہا کہ میری خم دار لکڑی میں یہ الجھ گیا- اور ایک اور روائت میں ہے- کہ جب کوئی چیز کسی کی نظر سے اوجھل ہوتی لے اڑتا- اور جب دیکھ لیا جاتی تو کہتا کہ یہ تو میری ٹیڑھی لکڑی میں الجھ گئی تھی :

تشریح :- نماز کسوف کی ہیئت کے بارے میں امام شافعیؒ مالکؒ اور امام اعظمؒ کے درمیان اختلاف ہے- کہ وہ یہ کہ اس کی ہر رکعت میں ایک رکوع ہے یا دو؟ ہر دو ائمہ ہر رکعت میں دو رکوع کے قائل ہیں اور امام اعظم دیگر نمازوں کیطرح ایک ہی رکوع مانتے ہیں- ان دونوں کی دلیل حضرت عائشہ کی حدیث سے جو صحاح ستہ میں منقول ہے- مگر درحقیقت یہ تعدد رکوع کی حدیث میں تامل ہے کہ اس کا یہ تامل اس کو قابل حجت نہیں رکھتا- بلکہ ایک راوی کی روائت میں تامل ہے مثلا عائشہؓ سے دو رکوع کی بھی روائت وارد ہے اور تین کی بھی- حضرت جابرؓ سے دو رکوع کی بھی روائت ثابت ہے اور تین کی بھی- حضرت ابن عباسؓ سے چار رکوع کی روائت ہے- اور حضرت ابی سے پانچ کی- لہذا حنفیہ نے مجبور ہو کر آنحضرت کی قولی وفعلی ان روایات کیطرف رجوع کیا جو موافق قیاس ہیں- یعنی عام نمازوں سے ملتی جلتی- قولی حدیث مثلاً نسائی- نعمان بن بشیر سے روایات لاتے ہیں- کہ نبی صلعم نے فرمایا اذا خسفت الشمس والقمر فصلوا کاحدث صلوٰۃ صلیتموها من المکتوبۃ کہ جب سورج یا چاند میں گرہن واقع ہو تو ایسی نماز پڑھو جیسے کہ تم نے ابھی (فجر کی) فرض نماز پڑھی ہے- کیونکہ یہ کسوف اس وقت ہوا تھا- کہ بمطابق حدیث حضرت سمرہ کے سورج دو نیزہ افق سے اٹھا تھا- فعلی حدیث مثلا حدیث یہی ہے جس سے ایک ہی رکوع کا ثبوت ہے- پھر ممکن ہے کہ اژدھام کے باعث گڑبڑی پیدا ہو گئی ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ خلاف معمول رکوع میں تاخیر فرمائی- آگے پیچھے کھڑے ہونے والوں نے دھوکے سے سر اٹھا لیا ہو اور ان کو دیکھ کر ان سے پیچھے والوں نے ایسا کیا ہو پھر جب اگلوں نے دیکھا کہ آنحضرت تاہنوز رکوع میں ہیں پھر سر جھکا کر رکوع میں چلے گئے ہوں تو پیچھے والوں نے بھی ان کی متابعت کی ہو اور یوں دو یا تین رکوع کا دھوکہ لگتا چلا گیا ہو- اور زیادہ بھیڑ میں ایسا ہو جانا بعید

قیاس نہیں۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام میں اختلاف پڑ گیا تھا اور یہ نہایت عمدہ دلیل ہے:

بَابُ صَلٰوةِ الْاِسْتِخَارَةِ

باب ۔ نمازِ استخارہ کا بیان!

۱۶۸ ح ۱ ابوحنیفة عن ناصح عن یحیٰی عن ابی سلمة عن ابی ھریرة قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا الاستخارة کما یعلمنا السورة من القراٰن:

حضرت ابی ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم ہم کو استخارہ (اس کی نماز اور دعائے استخارہ وغیرہ کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جسطرح قرآن کی کوئی سورت سکھاتے تھے:

تشریح:۔ اس حدیث کی تفصیل آگے آ رہی ہے:

۱۶۹ ح ۲ ابوحنیفة عن حماد عن ابراھیم عن علقمة عن عبد اللہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا الاستخارة فی الامر کما یعلمنا السورة من القراٰن،

حضرت عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو قرآن کی سورت کی طرح استخارہ کی تعلیم وغیرہ کی دیا کرتے تھے:

وَفی روایةٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد احدکم امرًا فلیتوضأ ولیرکع رکعتین مِنْ غیر الفریضةِ ثمّ لیقل اَللّٰھُمَّ انی استخیرك بعلمك واستقدرك بقدرتك واسألك مِن فضلك فانك تعلم ولا اعلم وتقدر ولا اقدر وانت علام الغیوب اللھم ان کان ھذا الامر خیر الی فی معشیتی وخیر الی فی عاقبة اَمْرِی فیسّرہ لی وبارك لی فیہِ۔

ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ وضو کرے دو رکعت غیر فرض نماز پڑھے پھر کہے اے اللہ میں تیرے علم کے طفیل خیر کا طلب گار ہوں اور تیری قدرت کے صدقہ میں تجھ سے قدرت کا طلب کرنے والا ہوں اور تیرے فضل کا میں خواستگار ہوں۔ کیونکہ تو جاننے والا ہے اور میں بے طاقت تو چھپی باتوں سے خوب باخبر ہے۔ اے میرے اللہ اگر یہ کام میرے لئے بہتر ہے میری زندگی میں اور میرے کام کے نتیجہ میں تو اس کو میرے لئے آسان کر دے اور اس میں میرے لئے برکت پیدا کر۔

وَزَادَ فی روایة وان کَانَ غیرہ فاقدر لی الخیر حیث کَانَ ثُمَّ رَضِّنِی بہٖ:

اور ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ اگر اس کے خلاف ہے تو میرے لئے بھلائی مقدر کر جہاں کہیں بھی وہ ہو پھر مجھ کو اس پر راضی رکھ:

تشریح:۔ نماز استخارہ ایسے اہم اور ضروری امور کے لئے ہے جن نے اچھے برے نفع و نقصان کے بارہ میں دل میں شک ہو اور انسان عقل کسی خاص طرف کو ترجیح دینے میں عاجز ہے مثلاً سفر۔ تعمیر مکان معاملات۔ تجارت وغیرہ معمولی کاموں میں استخارہ کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

باب ۷۶ صلوٰۃ الضحیٰ!

ابوحنیفۃ عن الحارث عن ابی صالح عن ام ھانئ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم یوم فتح مکۃ وضع لامتہ ودعا بماء فصبہ علیہ ثم دعا بثوب واحد فصلی فیہ وزاد فی روایۃ متوشحا۔

وفی روایۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضع لامتہ یوم فتح مکۃ ثم دعا بماء فاتی بہ فی جفنۃ فیھا خبز العجین فاستتر بثوب فاغتسل ثم دعا بثوب فتوشح بہ ثم صلی رکعتین قال ابوحنیفۃ وھی الضحی وفی روایۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضع یوم فتح مکۃ لامتہ ودعا بماء فاتی بہ فی جفنۃ فیھا اثر عجین فاغتسل وصلی اربعا او رکعتین فی ثوب واحد متوشحا۔

باب ۷۶ - چاشت کی نماز!

۱۷۰/۷۱ ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز زرہ اتاری اور پانی منگا کر غسل فرمایا۔ پھر ایک کپڑا طلب فرمایا اور اس میں نماز پڑھی۔ اور ایک روایت میں مُتَوَشِّحًا کا لفظ زیادہ ہے۔ یعنی متوشح کی صورت میں۔ کہ ایک کپڑے کو ہر دو بغل سے نکال کر پیچھے گدی پر اس میں گرہ دے کر باندھ لیا جاتا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنی زرہ اتاری پھر پانی طلب فرمایا تو لکڑی کے ایک بڑے کونڈے میں پانی پیش کیا گیا۔ جس میں گوندھا ہوا آٹا لگا ہوا تھا۔ آپ نے ایک کپڑے سے آڑ کی اور غسل فرمایا۔ پھر کپڑا طلب فرمایا اور توشیح کیا پھر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ ابوحنیفہ نے فرمایا کہ یہ چاشت کی نماز تھی۔ ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی صلعم نے زرہ اتاری اور پانی طلب کیا تو ایک بڑے پیالہ میں جس میں گوندھے ہوئے آٹے کے نشانات تھے۔ پانی پیش کیا گیا۔ آپ نے غسل فرمایا اور چار رکعت یا دو رکعت ایک کپڑا میں متوشح کی شکل کا باندھ کر نماز ادا فرمائی۔

تشریح:۔ یہ نماز چاشت تھی۔ جیسا کہ ابوحنیفہ کی زبانی خود اس حدیث میں اس کی وضاحت ہے بعض کہتے ہیں کہ نماز شکرانہ تھی۔ جو فتح مکہ کی خوشی میں ادا کی گئی تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ آنجناب کا ورد تھا جو فتح مکہ کے ہنگامہ میں قضا ہو گیا تھا۔ جسے آپ نے فرصت ملنے پر ادا فرمایا۔

باب ۷۷ الاعتکاف

ابوحنیفۃ عن الھیثم عن رجل عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا دخل شھر رمضان قام

باب ۷۷ - اعتکاف کا بیان!

۱۷۱/۷۱ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رمضان کا مہینہ آتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو جاگنا شروع کر دیتے اور کبھی کبھی سوتے بھی۔ اور

ونام واذا دخل عشرا لاواخر شد المیزر واحیی اللیل ؁

جب پچھلے دس دن آتے تو کمر کس لیتے (یعنی عبادت آلٰہی کے لئے کمر بستہ ہو جاتے) اور شب بیداری فرماتے ؁

بَابُ التَّهَجُّدِ !

باب ۴۸ - تہجد کا بیان !

۱۷۲/۱ **ابو حنیفة** عن زیاد عن المغیرة قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقوم عامة اللیل حتی تورمت قدماه فقال له اصحابه الیس قد غفرلك ما تقدم من ذنبك وما تأخر قال افلا اکون عبدا شکورا ؁

حضرت مغیرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے اکثر حصہ میں نماز کیلئے قیام فرماتے یہاں تک کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو جاتے صحابہ کرام نے عرض کیا کہ رسول اللہ کیا اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ نہیں بخشدیے آپ نے فرمایا - کہ کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ ہوں ؁

تشریح :- بخاری بھی اس کو حضرت مغیرہ سے مرفوعاً لائے ہیں اس میں "وساقاہ" کا لفظ زیادہ ہے یعنی آپ کی پنڈلیاں ورم کر جایا کرتیں ؁

۱۷۳/۲ **ابو حنیفة** عَنْ ابی جعفر ان صلوٰة النبی صلی الله علیه وسلم باللیل کانت ثلث عشرة رکعة منهن ثلث رکعات الوتر ورکعتا الفجر ؁

حضرت ابی جعفر کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز میں تیرہ رکعتیں تھیں - ان میں سے تین رکعات وتر کی اور دو رکعات سنت فجر کی شامل تھیں ؁

تشریح :- اس حدیث سے وتر کی آٹھ رکعات معلوم ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وتر کے باب میں مذہب حنفیہ کی تصدیق کرتی ہے - وتر کا بیان گذر چکا - مگر چونکہ حدیث ذیل بھی اس کے سلسلہ اولہ کی ایک کڑی ہے اس لئے اگر یہاں بھی وتر کے مسئلہ کو قدرے کھولا جائے تو بے جا نہ ہوگا -

تہجد کے ضمن میں ترمذی حضرت عائشہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ تہجد نہ پڑھتے - چار رکعت پڑھتے جن کی درازی و حسن وخوبی کے بارہ میں نہ پوچھو - پھر چار رکعت پڑھتے ان کی درازی و حسن وخوبی کے بارہ میں نہ پوچھو - پھر تین پڑھتے (یعنی وتر) اس حدیث کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے - مسلم حضرت ابن عباسؓ سے نماز تہجد کے سلسلہ میں حدیث لاتے ہیں - آخر میں ہے ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلٰثٍ یعنی پھر تین رکعت وتر کی پڑھیں - اب یہ ہر دو احادیث جو نماز تہجد کے ذیل میں تقریباً قطب الاحادیث ہیں - اس امر کی بین دلیلیں ہیں اور اس کا کھلا ثبوت بہم پہنچاتی ہیں کہ وتر کی تین ہی رکعات ہیں - اس سے کمی زیادتی کی روایات اس وقت کی ترجمانی کرتی ہیں جبکہ وتر کے معاملہ نے قرار نہیں پکڑا تھا - بعد میں تین ہی رکعات کی شکل طے پائی - اور اسی پر عمل رہا - جس کیطرف حدیث عائشہ مشیر ہے - لہٰذا ان احادیث صحیحہ کی موجودگی میں اگر کوئی مخالف اپنی ہٹ دھرمی پر اصرار کرے اور کہے کہ وتر کی تین رکعت پر کوئی صحیح حدیث نہیں تو عقل کسی صورت میں اسے ماننے کے لئے تیار نہیں ہے -

فجر کی سنتوں کا نماز تہجد میں شمار ہے ۔ محض متصل ہونے کے سبب اور بدیں وجہ کہ اکثر روایات سے آنجناب ان کے بعد آرام نہیں فرماتے ۔ اور بعض روایات میں تو لبعد تبین الفجر کے لفظ بھی ہیں کہ طلوع صبح صادق کے بعد سنت ادا فرماتے ۔ اور کسی میں " بین النداءین " کا لفظ بھی ہے یعنی اذان و اقامت کے درمیان یہ سنتیں ہوتیں ۔ بہر حال سب کا اتفاق ہے کہ وہ تہجد کے ساتھ ادا نہ کی جاتیں بلکہ طلوع فجر کے بعد ۔

نماز تہجد کے بارے میں مختلف روائتیں آئی ہیں کسی میں تعداد تیرہ ہے ۔ کسی میں گیارہ کسی میں سات ۔ اور کسی میں پانچ کی بھی ۔ بہر حال تیرہ سے زائد کی کوئی روایت نہیں ۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ نماز تہجد صرف آنحضرتؐ پر فرض تھی ۔ یا امت پر بھی پھر بعد میں منسوخ ہوئی ۔ مختار مذہب مؤخر الذکر ہے ::

بَابُ سُنَّةِ الْفَجْرِ!

اَبوحنيفة عن علقمة عن ابن الاقمر عن حمران قال ما لقى ابن عمر قط الا واقرب الناس مجلسا حمران فقال ذات يوم يا حمران لا اراك تواظبنا الا وانت تريد لنفسك خيرا فقال اجل يا ابا عبد الرحمٰن قال اما اثنتان فانى انهاك عنهما واما واحدة فانى آمرك بها فانى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يامر بها ۔

قال ما هى تلك الخصال الثلث يا ابا عبد الرحمٰن ۔

قال لا تموتنّ وعليك دين الّا دينًا تدع به وفاء ❊

ولا تسمعنّ من تلاوة اية فانه يسمّع بك يوم القيمة كما سمّعت به تصامًّا ولا يظلم ربك احدًا ۔

واما الذى آمرك به كما امرنى رسول الله صلى الله عليه وسلم فركعتا

بابؑ فجر کی سنّتیں !

۱۷۴/۱

بہ روایت معنعن سے روایت ہے کہ جب کبھی کسی نے حضرت ابن عمر سے ملاقات کی تو حمران کو مجلس میں آپکے قریب تر پایا ۔ ایک دن حضرت ابن عمرؓ بولے اے حمران میں تجھ کو ہماری صحبت میں ہمیشہ پیوستہ (غالبًا) صرف اسی لئے دیکھتا ہوں کہ تو (ہماری صحبت سے) اپنے آپ کیلئے کسی بھلائی کا طلب گار ہے انہوں نے کہا جی بیشک اے ابا عبد الرحمن ۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ (اچھا تو) میں دو باتوں سے تجھ کو روکتا ہوں اور ایک بات کا تجھے حکم دیتے ہوں کیونکہ میں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم دیتے ہوئے پایا ۔ حمران نے عرض کیا اے ابا عبد الرحمن وہ تین خصلتیں کون کونسی ہیں آپنے کہا کہ تو نہ مرے ایسے حال میں کہ تجھ پر قرض ہو ۔ مگر اس قدر کہ اس کی ادائیگی کے لائق تو مال چھوڑ جائے ۔ اور نہ پڑھ ایک آیت بھی (لوگوں کو) سنانے کیلئے (یعنی ریاکاری کی غرض سے) ورنہ قیامت کے دن تیری تشہیر کی جائے گی ۔ جیسا کہ تو نے پڑھنے کو (بغرض شہرت) لوگوں نے سنایا ۔ یہ محض بدلے کے طور پر کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے ۔ اب وہ چیز جس کا میں تجھ کو حکم دیتا ہوں جسطرح مجھ کو

الفجر فلا تدعوهما فان فیهما الرغائب ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ سنت فجر کی دو رکعتیں ہیں پس نہ چھوڑ ان کو کیونکہ ان میں بہت اسباب رغبت ہیں ۔

تشریح :۔ اس حدیث میں ریاکاری اور دکھلاوے کی برائی ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ سمیع و بصیر ہے ہر عبادت اسی کے لئے کرنی چاہیئے۔ ان میں نام و نمود، شہرت پسندی حرام و ناجائز ہے اور اس پر سخت وعید ہے کہ قیامت کے دن اس کا قصاص لیا جاوے گا۔ اس حدیث میں سنت فجر کی اہمیت کو بھی واضح فرمایا ہے ۔

۱۷۵/۲ **ابوحنیفة** عن عطاء عن عبید بن عمیر عن عائشة قالت ماکان رسول اللہ صلعم علی شئ من النوافل اشد معاھدۃً منه علی رکعتی الفجر ۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسرے نوافل کا اس قدر سختی سے اہتمام نہ فرماتے جس قدر سنت فجر کی دو رکعت کا ۔

تشریح :۔ یہ حدیث اس کی وضاحت کرتی ہے کہ مسلمان دیگر نوافل و سنن کے مقابلہ میں سنت فجر کا بہت لحاظ رکھے کہ وہ ناغہ نہ ہو جائیں اور ان کی ادائیگی پر سختی سے پابندی رکھے۔ احادیث صحیحہ میں ان کی ممتاز اہمیت مختلف الفاظ میں ظاہر کی گئی ہے۔ کہیں آنحضرتؐ نے یوں فرمایا کہ دنیا و مافیہا سے زیادہ مجھ کو یہ دو رکعتیں زیادہ پسند ہیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ کہیں اس طرح ارشاد ہوا کہ ان کو ہرگز نہ چھوڑو اگرچہ تم کو گھوڑے روند ڈالیں یا کچل دیں۔ جیسا کہ ابوداؤد میں ہے۔ طبرانی میں ہے کہ عائشہ فرماتی ہیں۔ کہ نبی صلعم نے فجر کی سنتوں کو کبھی بھی ترک نہیں فرمایا۔ نہ سفر میں نہ حضر میں اور نہ بیماری میں

اسی اہمیت کے سبب احناف اور اکثر ائمہ کے نزدیک موکدہ سنتیں پانچ ہیں۔ اول فجر کی سنتیں۔ دوسرے مغرب کے بعد کی دو رکعت سنت۔ تیسرے ظہر کے بعد کی دو رکعت سنت چوتھے عشاء کے بعد کی دو رکعت سنت۔ پانچویں ظہر کے پہلے چار رکعت سنت۔ ان پانچوں سنن موکدہ کی اہمیت بترتیب مذکورہ ذکر کی گئی ہیں ۔

۱۷۶/۳ **ابوحنیفة** عن نافع عن ابن عمر قال رمقت النبی صلی اللہ علیه وسلم اربعین یوماً او شھراً فسمعته یقرأ فی رکعتی الفجر بقل ھو اللہ احد و قل یاایھا الکٰفرون ۔

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس دن یا ایک ماہ تک کہ آپ سنت فجر کی ہر دو رکعات میں قل ھو اللہ احد اور قل یاایھا الکافرون پڑھتے تھے ۔

تشریح :۔ اکثر احادیث میں اس طرح ہی ہے اور ابوداؤد میں ابن عباس سے جو روایت ہے وہ یہ ہے کہ آپ سنت فجر کی پہلی رکعت میں امنا باللہ وما انزل علینا کی آیت تلاوت فرماتے اور دوسری

میں امنا باللہ واشہد بانا مسلمون کی آیت ؛

۱۴۷/۴ **ابو حنیفة** عن سماکؒ عن جابر ابن سمرة قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی الصبح لم یبرح عن مکانہ حتیٰ تطلع الشمس و تبیض ؛

حضرت جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی جگہ سے نہ اٹھتے یہاں تک کہ سورج نکل آتا اور (ایک نیزہ کی مقدار اٹھ کر) اس کی روشنی سفید ہو جاتی ؛

تشریح :- غالباً آنجناب کی یہ نشست قبلہ رو نہ ہوتی تھی - بلکہ دائیں بائیں یا قبلہ کو پیٹھ کر کے لوگوں کیطرف رخ کرتے ہوئے جیسا کہ آنجناب سے مروی ہے بعض نے بعد نماز قبلہ رخ بیٹھنا مکروہ جانا ہے ابو داؤد سماک سے روایت لاتے ہیں - اور وہ حضرت جابر سے کہ آنحضرت نماز فجر کی ادائیگی کے بعد مصلی پر سے نہ اٹھتے یہاں تک کہ سورج نکل آتا - پھر آپ نماز اشراق کے لئے کھڑے ہو جاتے ؛

باب من صلی اربع رکعات بعد العشاء فی المسجد

باب - جس نے مسجد میں عشاء کی نماز کے بعد چار رکعتیں پڑھیں !

۱۴۸/۱ **ابو حنیفة** عن محارب عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی بعد العشاء اربع رکعات قبل ان یخرج من المسجد عدلہن مثلہن من لیلة القدر ؛

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز عشاء کے بعد مسجد سے نکلنے سے پہلے چار رکعت کے (نفل) پڑھیں - تو وہ برابر ہوئیں شب قدر کی اتنی ہی رکعت کے (یعنی گویا کہ اس نے شب قدر میں چار رکعت نفلیں ادا کیں) ؛

تشریح :- نفلوں کی انتہائی فضیلت و برکت کے بارے میں کئی دوسرے احادیث بھی منقول ہیں - جس طرح یہاں عشاء کے بعد چار نفلوں کے بارہ میں آیا ہے کہ جس نے وہ ادا کیں گویا کہ اس نے شب قدر میں نماز ادا کی - سعید بن منصور نے اپنی مسند میں اس حدیث کے ساتھ ایک اور ٹکڑا بھی نقل کیا ہے - کہ عشاء سے پہلے چار نفلوں کے ادا کرنے کا ثواب تہجد کی نماز کے برابر ہے ؛

۱۴۹/۲ **ابو حنیفة** عن محارب عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی اربعاً بعد العشاء لا یفصل بینہن بتسلیم یقرأ فی الاولیٰ بفاتحة الکتاب و تنزیل السجدة و فی الرکعة الثانیة بفاتحة الکتاب و حم الدخان و فی الرکعة الثالثة بفاتحة الکتاب و یٰس و فی الرکعة الاخیرة بفاتحة الکتاب و تبارک الملک

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز عشاء کے بعد چار رکعت پڑھے - جن کے بیچ میں سلام نہ پھیرے - پہلی رکعت میں الحمد اور تنزیل پڑھے - دوسرے میں الحمد اور حم الدخان - تیسری میں الحمد اور یٰس - اور چوتھی میں الحمد اور تبارک الملک تو اس کے لئے شب قدر میں قیام کا ثواب لکھا جائے گا - اور اس کی شفاعت مشکور ہوگی

کتب لہ ممن قام لیلۃ القدر وشفع لہ فی اھل بیتہ کلھم ممن وجبت لہ النار واجیر من عذاب القبر ورد ی موقوفا عن ابن عمر ؛

اس کے ان تمام گھر والوں کے حق میں جن کے لئے دوزخ واجب ہو چکی ہے۔ اور وہ خود عذاب قبر سے چھٹکارا پائے گا۔ یہ حدیث حضرت ابن عمر سے موقوف بھی مروی ہے ؛

تشریح :- ابوداؤد انہیں چار رکعت کے ثبوت میں حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث لائے ہیں۔ کہ ماصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العشاء قط فدخل علی الاصلی بعدھا اربع رکعات اد ستا یعنی آنحضرت جب بھی نماز عشا ادا فرما کر میرے پاس تشریف لاتے تو چار یا چھ رکعت ادا فرماتے ؛

باب ۸۱ الرکعتین بعد صلوٰۃ الظھر !

باب ۸۱ - نماز ظہر کے بعد دو رکعت کا بیان !

ابوحنیفۃ عن الحکم عن مجاھد عن ابن عباس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بعد الظھر رکعتین ؛

حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد نماز ظہر دو رکعات ادا فرمایا کرتے تھے ؛ ۱۸۰

تشریح :- بہت سی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنجناب نے ان دو رکعات پر مداومت فرمائی۔ گویا دونوں سنتوں کا شمار سنت موکدہ میں ہے ؛

باب ۸۲ الصلوٰۃ فی البیوت !

باب ۸۲ گھروں میں نفل نماز پڑھنا !

ابوحنیفۃ عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوا فی بیوتکم ولا تجعلوھا قبورا ؛

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھروں میں بھی نمازیں پڑھا کرو اور گھر کو قبرستان نہ بناؤ ؛

تشریح :- آنحضرتؐ نے گھروں میں نفل نماز پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ بعض روایات میں یوں ہے - اجعلوا من صلوتکم ولا تتخذوھا قبورا - یعنی اپنی نماز کا کچھ حصہ گھروں کے لئے بھی رکھو اور ان کو قبرستان نہ بناؤ۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے کہ یہ حدیث سنن و نوافل کے بارہ میں ہے نہ فرضوں کے متعلق چنانچہ دوسری حدیث میں اس طرح آیا ہے - افضل الصلوٰۃ صلوٰۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ کہ زیادہ فضیلت کی نماز انسان کی اس کے گھر میں ہے سوائے فرض نماز کے بعض اس کو حدیث اجعلوا من صلوتکم الخ کے پیش نظر فرض نماز کے لئے مانتے ہیں - جیسا کہ قاضی عیاض نے لکھا

ہے اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ گھر میں بعض فرض نماز پڑھنے سے جو لوگ مسجد میں نہیں آتے ہیں۔ مثلاً غلام بیمار۔ عورتیں وہ بھی شریک جماعت ہو سکیں۔ اور ان کو اقتدار کا موقع مل سکے۔ مگر مختار مذہب اوّل ہے۔

گھروں میں نماز ادا کرنے سے گھروں کو آنحضرت نے قبرستان سے یوں تشبیہ دی کہ ہر قبرستان میں بھی چونکہ نماز نہیں پڑھی جاتی اس لئے نماز نہ پڑھے جانے میں گھر قبرستان کی طرح ہو گیا۔ اور یہ حکم دوسرے اسرار بھی اپنے اندر رکھتا ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے سے ریاکاری۔ دکھاوے۔ نام نمود سے بہت حد تک انسان بچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو وہ ہی عبادت پسندیدہ ہے جس میں ریاکاری نہ ہو۔ اور اس سے گھر میں برکت پھیلتی ہے۔ رحمت کے فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ شیطان بھاگتا ہے۔ چنانچہ مسلم میں حضرت ابی ہریرہ سے یہ حدیث مروی ہے اور اس میں یہ الفاظ زائد ہیں ان الشیطان ینفر من البیت الذی تقرء فیہ سورۃ البقرۃ کہ اس گھر سے شیطان بھاگتا ہے۔ جس میں سورت بقرہ پڑھی جاتی ہے بعض روایات میں آنحضرت کے یہ الفاظ ہیں کہ وہ گھر جس میں اللہ کا ذکر کیا جائے اور وہ جس میں ذکر نہ ہو یہ ہر دو گھر زندہ اور مردہ انسان کی مثال ہیں۔

باب [۸۳] سنۃ الرکعتین فی الکعبۃ!

باب [۸۳]۔ کعبہ میں دو رکعت سنت پڑھنا!

۱۸۲/۱ **ابو حنیفۃ** عن نافع عن ابن عمرؓ قال سألت بلالاً این صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الکعبۃ وکم صلی قال صلی رکعتین مما یلی العمودین اللتین تلیان باب الکعبۃ والبیت اذ ذاک علی ستۃ اعمدۃ۔

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت بلالؓ سے دریافت کیا کہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں کہاں اور کتنی رکعتیں پڑھیں۔ انہوں نے کہا کہ دو رکعتیں ان دو ستونوں کے قریب جو دروازہ کے نزدیک ہیں اور اس وقت کعبہ کے چھ ستون تھے۔

تشریح:۔ یہ فتح مکہ کے دن کا قصہ ہے۔ کیونکہ آنحضرت جب کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ کے ساتھ حضرات اسامہ۔ بلال اور عثمان بن طلحہ تھے۔ اور دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔ حضرت ابن عمر آنحضرت کے ہمراہ نہ تھے۔ اسی لئے جب آنحضرت باہر تشریف لائے تو حضرت ابن عمرؓ نے حضرت بلال سے آنحضرت کی نماز کے بارہ میں پوچھا۔

۱۸۳/۲ **ابو حنیفۃ** عن حماد عن سعید بن جبیر عن ابن عمرؓ ان رجلا سألہ، عن صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الکعبۃ یوم دخلھا فقال صلی فی

حضرت ابن عمرؓ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبہ میں داخل ہوئے تو نماز کس جگہ اور کتنی رکعتیں پڑھیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے کعبہ میں چار رکعتیں ادا فرمائیں۔ اس شخص نے کہا کہ ذرا مجھے

الکعبۃ اربع رکعاتٍ فقال لہ اَرِنی المکان الذی صلی فیہ فقال فَبَعَث مَعَہ ابنہ ثم ذھب تحت الاسطوانۃ بحِیال الجذعۃ ؛

وفی روایۃٍ ان ابن عمر قال صلّی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی الکعبۃ اربع رکعاتٍ قلتُ لہ اَرِنی المکان الذی صلے فیہ فبَعَث مَعِیَ ابنہ فارانی الاسطوانۃ الوسطی تحت الجذاعۃ ؛

وہ جگہ دکھائیں۔ جہاں آنحضرت نے نماز ادا فرمائی تو حضرت ابن عمر نے اپنے صاحبزادہ کو اس کے ساتھ کر دیا (کہ وہ جگہ دکھا دیں) پھر وہ بیچ کے ستون تک گئے کھجور کے تنے کے برابر ہیں ؛

اور ایک روایت میں ہے کہ ابن عمر نے کہا کہ نماز پڑھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں چار رکعات۔ تو میں نے (سعید بن جبیر راوی حدیث نے) ایسے کہا کہ ذرا مجھ کو وہ جگہ دکھایئے۔ جہاں آنحضرت نے نماز ادا فرمائی۔ تو انہوں نے اپنے صاحبزادے کو میرے ساتھ کر دیا۔ اور انہوں نے مجھ کو وہ بیچ والا ستون دکھایا جو تنہ کھجور کے نیچے ہے ؛

تشریح :- بخاری نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

بابُ[۸۴] الجنائز !

باب[۸۴]۔ جنازے کا بیان !

۱۸۴/۱ **ابوحنیفۃ** عن علقمۃ عن ابن بریدۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من میت یموت لہ ثلثۃ من الولد الا ادخلہ اللہ تعالی الجنۃ فقال عمر او اثنان فقال صلی اللہ علیہ وسلم او اثنان ؛

حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں مرتا ہے کوئی مرنے والا ایسا کہ جس کے تین (نابالغ) بچے مر گئے ہوں۔ مگر یہ کہ اللہ تعالی اس کو جنت میں داخل فرماتا ہے حضرت عمر بولے اور دو؟ آنحضرت نے فرمایا (ہاں) یا دو؛

تشریح :- یہ حدیث بہ اختلاف الفاظ صحاح میں موجود ہے۔ مسلم و ابن ماجہ میں اسطرح ہے۔ کہ جس مسلمان کے تین نابالغ بچے مر جائیں تو وہ اس کا جنت کے دروازوں پر استقبال کرتے ہیں جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس میں سے وہ چاہے۔ جنت میں داخل ہو جائے۔ بعض میں اس طرح ہے کہ اس کو آتش دوزخ برائے نام ہی چھوئے گی۔ بعض میں یوں ہے کہ وہ بچے اس کے لئے مضبوط و سنگین حصار ہو جائیں گے ؛

۱۸۵/۲ **ابوحنیفۃ** عن عبد الملک عن رجل من اھل الشام عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال انک لتری السقط مُحْبَنْطِئًا یقال لہ ادخل الجنۃ فیقول لہ لا حتّی

کسی شامی شخص سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو دیکھے گا حشر میں پیٹ سے گرے ہوئے بچہ کو کسی کی تلاش میں ہکا بکا اس سے کہا جائیگا۔ جا جنت میں چلا جا تو وہ کہے گا نہیں جب تک

یدخل ابوای ؛ میرے ماں باپ جنت میں نہ جائیں ؛

تشریح :- اس بارے میں کثیر تعداد میں احادیث منقول ہیں جن کے الفاظ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ طبرانی کبیر میں یہ ہی حدیث لائے ہیں۔ اس کے آخر میں یہ ٹکڑا ہے۔ فیقال له ادخل الجنة انت وابواك پس اس سے کہا جائے گا کہ جا تو اور تیرے ماں باپ سب کے سب جنت میں داخل ہو جائیں یہ ہے پروردگار عالم کی بندہ نوازی۔ اور بندہ پروری کا دل تو نابالغ بچوں کو ماں باپ کے لئے ذریعہ نجات ٹھہرایا۔ اور تین بچوں کے مر جانے پر جنتی قرار دیا۔ پھر تین سے گھٹ کر دو کے مر جانے پر بھی یہ ہی ابجر رحمت جاری رہا۔ بلکہ کئی روایات میں ایک تک کی تعداد بھی آئی ہے۔

چنانچہ ابن مسعود سے مرفوعاً مروی ہے کہ جو شخص تین نابالغ بچوں کو اپنے آگے اس دنیا سے بھیجے وہ اس کے لئے آگ سے بچاؤ اور حصار ہو جائیں گے۔ حضرت ابوذر اپنی مثال سامنے رکھ کر بولے یا رسول اللہ میں دو بھیج چکا ہوں۔ ارشاد عالی ہوا ہاں اگر دو بھی ہوں۔ ادھر حضرت ابی نے اپنی مثال پیش کی۔ کہ میں نے حضرت ایک ہی بھیجا ہے۔ تو ارشاد ہوا اگرچہ ایک بھی ہو۔ پھر یہاں تک پروردگار عالم نے اپنی عنایات خسروانہ کا دائرہ وسیع فرمایا کہ پیٹ کے گرے ہوئے بچہ کو بھی سبب داخلہ جنت ٹھہرایا۔ جس پر یہی حدیث شاہد ہے ؛

۱۸۶/۳ **ابو حنیفة** عن سلیمان بن عبد الرحمن الدمشقی عن محمد بن عبد الرحمن التستری عن یحیی بن سعید عن عبد الله ابن عامر عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا مات العبد والله یعلم منه شرا ویقول الناس فیه خیرا قال الله تعالی لملائکته قد قبلت شهادات عبادی علی عبدی وغفرت علمی ؛

حضرت عامر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی بندہ مرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسکی بدعملی کو جانتا ہے مگر لوگ اس کو بھلائی سے یاد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میں نے اس بندہ پر اپنے بندوں کی شہادت قبول کی اور معاف کر دیئے وہ گناہ جو میرے علم میں ہیں ؛

تشریح :- اس بارے میں صحاح میں بہت سی احادیث بہ اختلاف الفاظ مروی ہیں طبرانی حضرت سلمۃ بن الاکوع سے مرفوع روایت لاتے ہیں۔ انتم شهداء الله علی الارض والملائکة شهداء الله فی السماء کہ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ اور فرشتے آسمان میں اللہ کے گواہ ہیں ؛

۱۸۷/۴ **ابو حنیفة** عن اسماعیل عن ابی صالح عن ام هانئ قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من علم ان الله یغفر له فهو مغفور له ؛

حضرت ام ہانی کہتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جانتا ہے کہ اللہ اسے بخش دے گا۔ تو وہ بخشا ہوا ہے ؛

تشریح :- اس حدیث کی اصل وہ حدیث ہے۔ جو بخاری مسلم اور نسائی میں وارد ہے کہ ایک بندہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور کہتا ہے اے رب میں نے گناہ کیا مجھ کو بخش دے اس پر اس کا رب فرماتا ہے کہ کیا

میرے بندہ نے یہ جانا کہ اس کا رب ہے، جو گناہ معاف کرتا ہے اور اس کو پکڑتا بھی ہے۔ تو میں نے اپنے بندہ کا گناہ معاف کر دیا۔ پھر کچھ مدت ٹھہرتا ہے۔ جبتک اللہ چاہتا ہے اور بار دیگر گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور یہ کہتا ہے۔ کہ اے رب مجھ سے دوسرا گناہ سرزد ہوا۔ اس کی بخشش فرما۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا میرے بندہ نے سمجھا کہ اس کا رب ہے، جو گناہ کو معاف بھی کرتا ہے اور اس پر پکڑ بھی لیتا ہے۔ پس میں نے اپنے بندہ کا گناہ بخشدیا پھر کچھ مدت ٹھہر کر جب تک اللہ چاہے۔ تیسری بار گناہ کرتا ہے اور وہی کلمہ زبان پر لاتا ہے کہ اے رب میں پھر گناہ کا مرتکب ہوا لہذا میرا گناہ بخشدے اللہ تعالیٰ پھر ارشاد فرماتا ہے کہ کیا اس نے جانا کہ اس کا رب ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس پر اس کی گرفت بھی۔ پس میں نے اپنے بندہ کا تیسری بار کا گناہ معاف کیا۔ مگر یہ اسی صورت میں ہے کہ ارتکاب گناہ کے بعد ہی توبۃ النصوح کا بھی انسان عادی ہو۔ اور پھر اچانک تبقاضائے انسانیت لغزش سرزد ہو جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس فرمان کے ذریعہ نعوذ باللہ من ذلک انسان کے لیے گناہ کرنے کا ایک وسیع اور سہل راستہ کھولا گیا ہے کہ گناہ کرتا ہے اور ہر گناہ و قصور پر یہود کی طرح سَیُغْفَرُ لَنَا کا نعرہ لگاتا ہے یہ گناہ کی معافی کی خواستگاری نہیں۔ بلکہ نعوذ باللہ اللہ کے ساتھ تمسخر ہے ؂

ابو حنیفۃ عن منصور عن سالم بن ابی الجعد عن عُبَید بن نسطاس عن ابن مسعود انہ قال من السنۃ ان تحمل بجوانب السریر نما زاد علی ذالک فھو نافلۃ ؂ ۱۸۵

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ تو جنازہ کے چاروں پایوں کو اٹھائے ایک بار اب اس پر جو زیادتی ہو وہ نفل ہے ؂

تشریح:۔ یہ حدیث جنازہ کے اٹھانے کے بارے میں ہے اس میں اختلاف ہے۔ لیکن ایک گروہ کے دلائل قوی ہے۔ امام شافعی اس کے قائل ہیں کہ جنازہ کو آگے پیچھے یعنی سیروں کی جانب سے اٹھایا جائے۔ اگلا آدمی اپنی گدی پر رکھے اور پچھلا اپنے سینہ پر۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جنازہ چار پائی کے پایوں سے اٹھایا جائے۔ امام شافعیؒ کے مذہب پر بہت احادیث موقوفہ سے دلیل لائی جاتی ہے۔ جن کی اصل روایت حضرت سعد بن معاذ کے بارہ میں ہے جس کو ابن سعد طبقات میں نقل کرتے ہیں کہ آپ کے جنازہ کو اسی طرح اٹھایا گیا تھا۔ امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کی دلیل ایک تو یہی حدیث ہی ہے، جو اس امر کو واضح کرتی ہے کہ ہر چہار رخ سے جنازہ اٹھانا مسنون ہے صحابی کا مِنَ السُّنَّۃِ کا لفظ استعمال کرنا حدیث کے مرفوع ہونے کا بین ثبوت ہے، پھر دوسری صحیح روایات بھی اس خیال کی تائید کرتی ہیں مثلاً ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق اپنی اپنی تصنیفات میں علی الازدی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ابن عمر کو اسی طرح جنازہ اٹھائے ہوئے دیکھا۔ عبدالرزاق حضرت ابی ہریرہ سے روایت لاتے ہیں۔ کہ جس نے جنازہ کو ہر چہار رخ سے اٹھایا تو اس نے پوری ذمہ داری جو اس پر تھی وہ ادا کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ سنت محض یہ ہی طریقہ ہے اور کوئی نہیں۔

اب مسلک شافعیہ پر جس قدر احادیث موقوفہ ہیں وہ قابل تاویل اور مختلف توجیہات پر مبنی ہیں۔ مثلاً حضرت سعد کے بارہ میں جو روایت ہے اور جو اس مذہب کے لیے حجت ہے وہ ایک خاص عذر پر مبنی تھا

کہ ستر ہزار فرشتوں کے ان کے جنازہ میں شرکت کے لئے اترنے آنے سے سخت بھیڑ ہوگئی تھی۔ کہ چلنا تک مشکل ہوگیا تھا۔ جنازہ کو کندھا دینا تو ایک طرف رہا۔ تو لامحالہ پھر یہ ہی ہوسکتا تھا۔ کہ جہاں جسکو موقع مل سکا جنازہ اٹھا کر نیکیاں کمالیں۔ یہاں تک آیا ہے کہ خود آنحضرت بسبب اژدحام کے اپنے پاؤں کے پنجوں پر چل رہے تھے۔ بعض وقت راستہ تنگ ہوتا ہے۔ تو جنازہ اٹھانے کی یہ ہی شکل اختیار کرنی پڑتی ہے اور اسی طرح کبھی اٹھانے والوں کی کمی کے باعث بھی یہ ہی صورت بن جاتی ہے کہ مثلاً دو ہی اٹھانے والے ہیں تو وہ لامحالہ اسی شکل سے اٹھائیں گے اور چارہ کار ہی کیا ہے۔ مگر یہ تو نہیں کہ جو صورت ان مجبوریوں کی بنا پر جائز ہو۔ وہ مستقل مسئلہ بن جائے۔ اور ایک مستقل سنت کی جگہ لے لے۔ پھر قیاس کی رو سے بھی مذہب حنفیہ قابل ترجیح ہے۔ کیونکہ اس شکل میں میت کا احترام زائد ہے۔ تیز گامی کی سنت بھی بسہولت ادا ہوسکتی ہے۔ ورنہ اس کے خلاف صورت میں تیز چلنا تو کجا بعض وقت اٹھانا اور چلنا ہی دشوار ہو جائے گا اگر اتفاق سے میت ہوئی بھاری جسم کی اور اٹھانے والے ٹھہرے کمزور جسم کے۔ اور ہو شافعی مذہب تو آفت آگئی۔ اور ایک سخت وقت کا سامنا ہوا۔ پھر قبرستان بھی اگر دور ہو تو پھر تو آفت پر آفت ہے

پھر جنازہ اٹھانے میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر پایہ کو اٹھا کر کم از کم دس قدم چلے۔ کیونکہ ابن عساکر واثلہ سے مرفوع حدیث لائے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس نے چاروں طرف سے جنازہ کو اٹھایا اس کے چالیس گناہ معاف ہوئے۔ تو گویا ہر پایہ پر حسب النسان دس قدم چلا تو ہر قدم پر ایک گناہ معاف ہوا اور ہر پایہ پر دس گناہ یوں چالیس قدم پر چالیس گناہ معاف ہوئے۔ سبحان اللہ کس قدر مہربان ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر۔

۱۸۹/۷۶ **ابوحنيفة** عن علي بن الاقمر عن ابي عطية بن الوداعي ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج في جنازة فرأى امرأة فامر بها فطردت فلم يكبر حتى لم يرها۔

حضرت ابی عطیہ بن الوداعی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ کے ہمراہ تھے کہ آپ کو ایک عورت اس (جنازہ) کے پیچھے آتی دکھائی دی۔ آپ نے حکم دیا تو وہ نکال دی گئی۔ پھر جب تک وہ نظر سے اوجھل نہ ہوگئی آپ نے تکبیر نہیں کہی۔

تشریح: سنن بیہقی میں ابن عمرؓ سے مرفوع روایت ہے کہ جنازہ کے پیچھے جانے میں عورت کے لئے کوئی ثواب نہیں۔ طبرانی ابن عباسؓ سے مرفوع حدیث لاتے ہیں کہ عورتوں کے لئے جنازہ میں کوئی حصہ نہیں۔

۱۹۰/۷۷ **ابوحنيفة** عن حماد عن ابراهيم عن غير واحد ان عمر بن الخطاب رضي الله عنه جمع اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم فسألهم عن التكبير قال لهم انظروا آخر

بہت سے ثقہ لوگوں سے روایت ہے کہ عمر بن الخطابؓ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کیا اور (تکبیرات نماز جنازہ کے بارہ میں ان سے سوال کیا کہ وہ کتنی ہیں) اور کہا کہ یاد کرو کہ اخیر جنازہ جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی (اور تکبیریں کہیں) کون سا تھا کہ

جنازۃ کبر علیھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجدہ قد کبر اربعا حتی قبض قال عمرؓ فکبروا اربعا ؛

وہ پچھلے عمل کا ناسخ ہوا اور وہی عمل قائم ہوئی) لہٰذا اصحاب نے ایسی مثال سو تخ نکالی داد رکھا) کہ آپ نے وفات تک چار تکبیریں کہیں تب حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہے جانے کا حکم دیا ؛

تشریح :- چاروں ائمہ اس پر متفق ہیں کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں۔ کیونکہ اکثر صحابہ کا اسی پر اتفاق ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں ابن عباس سے حدیث بیان کی ہے۔ کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام پر جب نماز پڑھی تو چار تکبیریں کہیں اور کہا کہ اے بنی آدم تمہارے لئے سنت یہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہ ان کا آخری عمل کیا تھا۔ ضرورت اس لئے پڑی کہ آپ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے جنازہ پر جو بیعت رضوان اور بدر میں حاضر تھے نو تکبیریں پڑھی ہیں جو بیعت رضوان میں تو حاضر نہ تھے لیکن صرف بدر میں موجود تھے ان پر آپ نے سات تکبیریں پڑھی ہیں اور ان کے علاوہ سب پر چار تکبیریں ؛

۱۹۱/۸ **ابو حنیفۃ** عن شیبان عن یحیی عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول اذا صلی علی المیت اللھم اغفر لحینا و میتنا و شاھدنا و غائبنا و صغیرنا و کبیرنا ذکرنا و انثانا ؛

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنازہ کی نماز پڑھتے تو کہتے اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا وغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانثانا ترجمہ اے اللہ مغفرت فرما ہمارے زندوں کی اور مردوں کی ہمارے حاضرین کی اور غائبین کی ہمارے چھوٹوں کی اور بڑوں کی ہمارے مردوں کی اور عورتوں کی ؛

تشریح :- دوسری روایات میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں اللھم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان اور بعض دعائے جنازہ میں اس سے بھی زیادہ الفاظ ہیں۔

۱۹۲/۹ **ابو حنیفۃ** عن علقمۃ عن ابن بریدۃ عن ابیہ قال اُلحِدَ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم واُخذ من قِبَل القبلۃ ونُصب علیہ اللبن نصبًا ؛

حضرت بریدہ کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے لحد تیار کی گئی اور آپ قبلہ کی جانب اتارے گئے اور کچی اینٹیں آپ پر نصب کی گئیں ؛

تشریح :- اس حدیث میں دو امور قابل ذکر ہیں۔ اور ان پر ائمہ کا اختلاف ہے۔ ایک لحد و شق کا مسئلہ کہ لحد (بغلی قبر) میت کے لئے زیادہ بہتر ہے یا شق (صندوقی قبر) امام صاحب پہلی قبر کے حامی ہیں۔ اور امام شافعیؒ دوسری صورت کے قائل ہیں۔

اس مسئلہ میں مذہب حنفیہ کی پہلی دلیل ابن عباس کی حدیث ہے جو ترمذی ان الفاظ سے لائے ہیں۔ اللحد لنا والشق لغیرنا۔ کہ ہمارے لئے لحد ہے کہ ہم اس کو پسند کرتے ہیں اور شق ہمارے

غیر کے لئے کیونکہ یہود میں اس شکل کی قبر کا رواج تھا۔ دوسری دلیل یہ کہ خود آنحضرت کے لئے لحد تیار کی گئی۔ اس سے بڑھ کر افضلیت کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ گو صحابہ نے ہر دو قسم کی قبر کھودنے والوں کو بلایا اور معاملہ قدرت پر چھوڑا کہ جو پہلے آجائے وہ اپنا کام کرے۔ مگر قدرت کیطرف سے آنجناب کے لئے لحد کا انتخاب ہوا۔ اور لحد کھودنے والے صاحب پہلے آپہنچے اس لئے آپ کے لئے لحد تیار ہوئی:

تیسری دلیل مسلم کی روایت ہے کہ جب حضرت سعد بن وقاص نے اپنے لئے وصیت فرمائی۔ کہ میرے لئے لحد تیار کریں۔ ایسے جلیل القدر صحابی جب اپنے لئے لحد پسند فرمائیں تو یہ اس کی افضلیت کی قطعی دلیل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ لحد ہی مسنون ہے:

دوسرے مسئلہ میں امام شافعیؒ کی دلیل ابن عباس کی حدیث ہے جو مسند امام شافعی میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قبل راسہ کہ آپ سر کی جانب سے نکالے گئے اور قبر میں اتارے گئے۔ اس کی شکل ایسی ہے کہ جنازہ کو قبر کی پائنتی رکھا جائے کہ سر میت کا قبر کی پائنتی کے پاس رہے۔ پھر جب قبر میں اتارا جائے تو سر کی جانب سے میت کو اتارا جائے۔ اس کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ جنازہ کو قبر کے سرہانے رکھا جائے۔ اور میت کے پاؤں قبر کے سرہانے ہوں اور میت کے پاؤں کی طرف سے اس کو اتارا جائے۔ بعض اس طرف بھی گئے ہیں۔ اور ان کے مذہب کی موافقت میں چند روایات بھی ہیں۔ مگر امام شافعی سے پہلی شق کی روایت ہے احناف کا استدلال شافعیہ کے جواب میں یہ ہے کہ آنحضرت کے دفن کے سلسلہ میں جو احادیث وارد ہیں ان میں سخت اضطراب ہے۔ کیونکہ اس مضمون کی بھی صحیح احادیث مروی ہیں کہ آپ کو قبلہ کی جانب سے قبر اتارا گیا۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں اور ابو داؤد اپنی مراسیل میں ابراہیم نخعی سے مرفوع مرسل حدیث لاتے ہیں۔ کہ آپ کو قبر میں قبلہ کی رخ سے اتارا گیا۔ اور آپ سر کی جانب سے نہیں نکالے گئے۔ استقبال کی صورت یہ ہے کہ جنازہ قبر سے جانب قبلہ رکھا جائے اور میت کو قبر میں اتارنے والے قبلہ رو ہو کر میت کو قبر میں اتاریں۔ اور اسی طرح ابن ماجہ اپنی سنن میں حضرت ابی سعید خدری سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آنجناب کو قبر میں قبلہ کی رخ سے اتارا گیا۔ جب احادیث میں تعارض واقع ہو، تو لامحالہ قیاس کرنا پڑے گا اور قیاس مذہب حنفیہ کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ ہر امر خیر میں قبلہ کا رخ اختیار کرنا بہتر مانا گیا ہے۔ نہ کہ اس وقت کہ انسان کو اس کی خوابگاہ میں رکھا جا رہا ہو۔ پھر اس تعارض کو بھی جانے دیجئے۔ اگر کوئی کہے گا کہ مذہب شافعیہ کی موافقت میں حدیث صحیح ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ اس وقت ایک خاص عذر دامنگیر تھا۔ جس کی بنا پر استقبال کی سنت پر عمل نہ ہو سکا۔ کہ قبر شریف دیوار کی جڑ میں تھی اس لئے قبلہ کی جانب جنازہ نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ کہ جسد اطہر کو قبلہ رخ کر لیتے اس مجبوری سے ایسا کر لیا گیا۔ کہ آپ کو سر کی جانب سے اتارا گیا۔ نہ یہ کہ یہ طریقہ سنت ہے۔ کیونکہ اگر یہ عمل صحابہ کا عذر پر مبنی نہ ہو یہ تو صحابہ کا فعل ہے ہمارے پاس خود آنحضرتؐ کے عمل کی حدیث صحیح اس کے خلاف موجود ہے کہ ترمذی ابن عباس سے روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو قبر میں اترے آپ کے لئے چراغ کی

روشنی کی گئی آپ نے میت کو قبلہ کی جانب سے لیا اور فرمایا رحم کرے اللہ تجھ پر تو خوف الٰہی میں بہت رونے والا تھا اور قرآن کا بہت پڑھنے والا تھا۔ اور چار تکبیریں کہیں۔ اس حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے کیسے درگذر کی جا سکتی ہے۔ پھر صحابہ کا عمل بھی اس پر شاہد ہے۔ کیونکہ ابن ابی شیبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے یزید بن المکفف پر چار تکبیریں کہیں اور ان کو قبلہ کی طرف سے اتارا!

باب[85] السؤال فی القبر!

۱۹۳/۱ ابوحنیفة عن علقمة عن رجل عن سعد بن عبادة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا وضع المؤمن فی قبره اتاه الملك فأجلسه فقال من ربك فقال الله قال ومن نبيك قال محمد قال وما دينك قال الاسلام۔

قال فيفسح له فی قبره ويرى مقعده من الجنة۔

فاذا كان كافرا اجلسه الملك فقال من ربك فقال هاه لا ادری كالمضل شيئا فيقول من نبيك فيقول هاه لا ادری كالمضل شيئا فيقال ما دينك فيقول هاه لا ادری كالمضل شيئا۔

فيضيق عليه قبره ويرى فيقول هاه لا ادری كالمضل مقعده من النار فيضربه ضربة يسمعه كل شئ الا الثقلين الجن والانس۔

ثم قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم

باب[85]۔ قبر میں سوال و جواب!

حضرت سعد بن عبادہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت مومن اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے۔ تو اس کے پاس فرشتہ آتا ہے اور اس کو بٹھاتا ہے پھر اس سے کہتا ہے تیرا رب کون ہے وہ کہتا ہے اللہ فرشتہ پوچھتا ہے تیرا نبی کون ہے۔ مومن کہتا ہے۔ محمد۔ پھر سوال کرتا ہے کہ تیرا دین کیا ہے مومن کہتا ہے اسلام پھر آپ نے فرمایا کہ پھر اس کی قبر فراخ اور کشادہ کر دی جاتی ہے اور اسکو اسکی جنت کی جگہ دکھا جاتی ہے۔ اور جب مردہ کافر ہوتا ہے تو فرشتہ اس کو بٹھاتا ہے اور اس سے کہتا ہے۔ کہ تیرا رب کون ہے وہ کہتا ہے ایک بھولے ہوئے آدمی کیطرح افسوس میں نہیں جانتا۔ پھر فرشتہ پوچھتا ہے تیرا نبی کون ہے وہ کہتا ہے افسوس میں نہیں جانتا پھر (تیسری بار) فرشتہ اس سے سوال کرتا ہے۔ تیرا دین کیا ہے اوہ کافر اسی حیرانگی میں کہتا ہے حیف میں نہیں جانتا۔ اس کے بعد اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے اور دوزخ میں اسکا مقام اس کو دکھا دیا جاتا ہے اور فرشتہ اس پر ایک ایسی ضرب لگاتا ہے کہ جس کی آواز سوائے جن و انس کے ہر شے سنتی ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پاک پڑھی

يثبت الله الذين امنوا بالقول الثابت في الحيوٰة الدنيا وفي الاخرة ويضل الله الظالمين ويفعل الله ما يشاء ؕ

يثبت الله الذين امنوا بالقول الثابت في الحيوٰة الدنيا وفي الاخرة ويضل الله الظالمين ويفعل الله ما يشاء ؕ

تشریح :- قبر کے سوال وجواب کے سلسلہ میں کئی احادیث ہیں۔ صرف اتنا ضروری ہے کہ قبر کے سوال وجواب کو حق جاننے کوئی شک نہ کرے۔

ابوحنيفة عن اسماعيل عن ابي صالح عن ام هانيؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم في القبر ثلث سؤال عن الله تبارك وتعالى ودرجات في الجنان وقراءة القرآن عند رأسك ؕ

194/2 ام ہانیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ قبر میں تین چیزیں (پیش آنے والی) ہیں، (ایک) اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارہ میں سوال (دوسری) درجات (یا مقامات) جنت (کا مومن کے سامنے پیش کیا جانا) (تیسرے) پڑھنا قرآن کا سر کے نزدیک۔

تشریح :- یہ گویا قبر کی ابتدائی زندگی کا مختصر حال ہے اس کی تفصیل دوسری حدیثوں میں موجود ہے۔

ابوحنيفة عن علقمة عن ابن بريدة عن ابيه قال خرجنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في جنازة فاتى قبر امه فجاء وهو يبكي اشد البكاء حتى كادت نفسه ان يخرج من بين جنبيه قال قلنا يا رسول الله ما يبكيك قال استأذنت ربي في زيارة قبر ام محمد فاذن لي واستأذنته في الشفاعة فابى عليّ ؕ

وفي رواية قال استأذن النبي صلى الله عليه وسلم ربه في زيارة قبر امه فاذن له فانطلق وانطلق معه المسلمون حتى انتهوا الى قريب من القبر فمكث المسلمون ومضى النبي صلى الله عليه وسلم فمكث طويلا ثم اشتد بكاؤه حتى ظننا انه لا يسكن فاقبل وهو يبكي فقال له عمرؓ ما ابكاك يا نبي الله

195/3 حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ کی معیت میں نکلے دفن میت کے بعد آپ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لائے اور ایسا پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ عنقریب روح پاک جسم اطہر سے پرواز کر جائے گی۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اس قدر کیوں روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی۔ تو مجھ کو اجازت ملی پھر میں نے شفاعت کی اجازت طلب کی تو نامنظور کر دی گئی

اور ایک روایت میں ہے کہ اجازت مل گئی تو آپ تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ مسلمان بھی۔ یہاں تک کہ قبر کے قریب پہنچے تو صحابہ تو ٹھہر گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر تک تشریف لے گئے۔ اور قبر پر بہت دیر تک ٹھہرے رہے پھر آپ نے شدت سے رونا شروع کیا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ کا رونا نہیں رکے گا پھر ہماری طرف روتے ہوئے پلٹے۔ تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو کس چیز نے اتنا زیادہ رلایا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار

بابی انت وامی۔
قال استأذنت ربی فی زیارۃ قبر امی فاذن لی واستأذنتہ فی الشفاعۃ فابی فبکیت رحمۃ لھا وبکی المسلمون رحمۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ؁

سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو مجھ کو اجازت دی اور میں نے شفاعت کی اجازت طلب کی تو منظور نہ ہوئی لہٰذا مجھ کو ان کی محبت نے اشکبار لایا اور مسلمان آپ پر شفقت کرتے ہوئے رو پڑے ؁

تشریح :- اس جگہ ایک نازک اور شدید مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ جس میں علمائے متقدمین و متاخرین مختلف الخیال ہیں۔ وہ یہ کہ آنحضرت کے والدین نے اسلام پر وفات پائی۔ یا غیر اسلام پر علمائے متقدمین دوسری شق کے حامی ہیں اور متاخرین پہلی کے۔ متقدمین کے سامنے حدیث ذیل یا اس جیسی احادیث ہیں۔ جن سے بظاہر ہر دو اصحاب کے کفر کا پتہ چلتا ہے اور اسی ذیل میں جو ان آیات قرآن کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں کہ فرمایا ما کان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی یا ارشاد ہوا ولا تسئل عن اصحاب الجحیم۔ متاخرین اس امر میں نہایت محتاط ہیں اور وہ اس مسلک پر ہیں۔ کہ آنجناب کے والدین مسلمان ہیں۔ ان کا مسلک درحقیقت تفصیلی پہلو سے تین خیال پر تقسیم ہوتا ہے ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما کر ان کو ایمان نصیب فرمایا۔ اس بارہ میں ان کے پاس احادیث موجود ہیں جن کو انہوں نے صحیح یا حسن ثابت کیا ہے۔ اور جن تک ممکن ہے متقدمین کی رسائی نہ ہوئی ہو۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔ دوسرا یہ کہ آنجناب کے والدین نے زمان فترت پایا۔ یعنی قبل بعثت کا زمانہ اور اللہ تعالیٰ موحد غیر سرکش کو عذاب نہیں دیتا جیسا کہ فرمایا وان العذاب علی من کذب وتولی تیسرا یہ کہ وہ قدم ملت ابراہیمی پر تھے جس کی وجہ سے مستحق عذاب نہیں بہرحال یہ مقام نہایت ادب و احتیاط کا ہے۔ کھلم کھلا کفر کی نسبت انکی طرف کرنی شان ایمانی کے خلاف ہے۔ اگر اس بات میں انسان کو کچھ اوکھ بھی ملیں اور خیال ادھر جھکے تو پھر بھی سکوت ہی قرین مصلحت ہے اور موافق ادب کیونکہ چھوٹا منہ بڑی بات مسلمان کو کہاں زیبا ہے کہ سردار کائنات وسرکار دوعالم کے ماں باپ کو جن کی پوری نوع انسانی ممنون ہے وہ مرہون احسان کفر کا مصداق ٹھہرائے۔ پھر یہ ان مسائل میں سے نہیں کہ جن پر ہر مسلمان کو کچھ نہ کچھ فیصلہ کرنا ہی ہو کر بغیر اس فیصلہ کے اس کا ایمان مکمل نہ ہو۔ لہٰذا یہ کیا ضروری ہے کہ ایک غیر ضروری مسئلہ میں پڑ کر اپنی زبان گندی کرے۔ دل میں شکوک لائے اور ایمان کو ٹھیس لگائے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال والیہ المرجع والمآل ؁

باب ۸۶ زیارۃ القبور والسلام علی اھلھا

باب ۸۶ قبروں کی زیارت اور مردوں پر سلام کرنیکا بیان!

۱۹۶/۱

ابو حنیفۃ عن علقمۃ بن مرثد حماد انہا حدثاہ عن عبد اللہ بن بریدۃ عن ابیہ عن النبی صلعم انہ قال کنت نھیتکم عن القبور ان تزوروھا فزوروھا ولا تقولوا ھجرًا۔

حضرت بریدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے پہلے تم کو قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا۔ تو اب زیارت کرو قبروں کی۔ لیکن بری کلمہ زبان پر نہ ہو۔

تشریح:۔ ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں فان فی زیارتھا تذکرۃ کہ البتہ قبروں کی زیارت میں نصیحت ہے۔ ترمذی میں یوں ہے فقد اذن لمحمد فی زیارۃ قبر امہ فزوروھا فانھا تذکر الآخرۃ کہ محمد کو اپنی والدہ کی قبر کی اجازت ملی تو تم بھی قبروں پر جاؤ۔ کیونکہ قبروں کی زیارت آخرت یاد دلاتی ہے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ قبروں پر جانا شرعاً کیسا ہے تو واضح رہے کہ قبروں پہ جانا بالاجماع مستحب ہے۔ کیونکہ اس میں بہت زیادہ فائدے ہیں۔ اس سے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے۔ آخرت کا خیال بندھتا ہے۔ انسان کو خود اپنی موت یاد آتی ہے۔ دنیا کی فنا و ناپائیداری کا خیال دل میں آجاتا ہے جو تقویٰ کے لئے اکسیر اعظم کا کام دیتے ہیں۔ اس میں مشغلہ یہ ہے کہ مردوں کے حق میں دعائے خیر کرے اور ان کے گناہوں کی معافی کا خواستگار ہو۔ رہا یہ مسئلہ کہ سوائے انبیاء علیہم السلام کے اوروں کی ارواح سے مدد مانگنا کہاں تک روا ہے تو اکثر علمائے فقہ نے تو اس سے روکا ہے اور مشائخ صوفیہ اور بعض فقہا نے اس کی اجازت دی ہے۔ بلکہ اہل کشف و کمال کا تو یہ مشغلہ ہے کہ وہ اکثر قبروں کی زیارت سے استفادہ کرتے ہیں۔ شافعیؒ تے تو فرمایا کہ حضرت کاظمؒ کی قبر اجابت دعا کے لئے عجیب جگہ ہے۔ اب اس کے بعد رہ جاتا ہے مسئلہ عورتوں کے قبروں پر جانے کا تو بعض نے ان کو اس سے روکا ہے اس حدیث کے پیش نظر جو ابی ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پہ جانے والیوں پہ لعنت کی ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ بعض نے اجازت دی ہے۔ اس خیال کے ماتحت کہ آنحضرت کا یہ امتناعی حکم اس وقت کا ہے۔ جبکہ مردوں اور عورتوں سب کو زیارت قبور سے روک دیا گیا تھا۔ لیکن جب آنحضرت نے اجازت مرحمت فرمائی جیسا کہ حدیث ذیل میں ہے تو اس عام اجازت میں عورتیں بھی شامل ہو گئیں۔ اور بعض نے جو عورتوں کو قبروں پہ جانے سے روکا ہے وہ محض اس بنا پر کہ وہ ضبط و تحمل پر قدرت نہیں رکھتیں۔ اس لئے قبروں پہ جا کر جزع فزع کرنے لگتی ہیں اور یہ ناجائز ہے۔ اگر وہ اس سے بچ سکیں تو پھر کوئی مضائقہ نہیں یہ اجازت عام ان کے لئے

بھی ہے۔ چنانچہ علمائے حنفیہ نے زیارت قبور کو ان کے لئے جائز جانا ہے۔ اور یہی فتاوی عالمگیری میں بھی ہے ؛

۱۹۷/۲ ابو حنیفة عن علقمة عن ابن بريدة عن ابيه قال كان النبى صلى الله عليه وسلم اذا خرج الى المقابر قال السلام على اهل الديار من المسلمين وانا ان شاء الله بكم لاحقون نسأل الله لنا ولكم العافية ؛

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قبرستان تشریف لے جاتے۔ تو فرماتے (یہ الفاظ دعائے زبان مبارک پر ہوتے) السلام علی اهل الديار من المسلمين وانا انشاء الله بكم لاحقون۔ نسال الله لنا ولكم العافية۔ (کہ اے قبروں میں رہنے والے مسلمانو سلامتی ہو تم پر تم بھی اِن شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں ہم اپنے لئے اور تمہارے لئے اللہ سے عافیت کے طلب گار ہیں ؛

تشریح :۔ دیگر احادیث صحیحہ میں بھی یہ دعا انہیں الفاظ کے ساتھ مروی ہیں۔

كتاب الزكوٰة

زکوٰۃ کا بیان !

باب الركاز

رکاز کا حکم !

۱۹۸/۱ ابو حنیفة عن عطاء عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الركاز ما ركزه الله تعالى فى المعادن الذى ينبت فى الارض ؛

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ رکاز وہ ہے جسکو اللہ تعالے نے کانوں میں گاڑا ہے (اور) جو پیدا ہوتی رہتی ہیں ؛

تشریح :۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رکاز کیا ہے؟ تو رکاز دراصل وہ چیز ہے جسکو اللہ تعالیٰ کانوں میں بند پیدا فرماتا ہے۔ یہ زمین ہی میں پیدا ہوتا ہے۔ امام شافعی وامام مالک اور امام ابو حنیفہ کے درمیان رکاز ایک اختلافی بحث ہے حقیقت اس کی یہ ہے کہ امام شافعی و امام مالک کانوں میں زکوٰۃ مانتے ہیں۔ اور رکاز کو ایام جاہلیت کے دفینوں کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور ان میں وہ خمس کے قائل ہیں۔ امام شافعی و مالک کے نزدیک رکاز کان اور دفینہ دونوں کو شامل ہے چنانچہ وہ ہر دو میں خمس کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ و مالکؒ کے مذہب کی دلیل قوی بلال بن الحارث المزنی والی حدیث ہے جسکو مالک نے موطا میں بیان کی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرع کے ناحیہ میں معادن قبلیہ کو بلال بن حارث المزنی کی جاگیر میں دیدیا تھا پس ان معادن سے کچھ نہیں لیا جاتا ہے آج تک مگر زکوٰۃ۔

امام صاحب اپنے خیال کے ثبوت میں قرآن پیش کرتے ہیں۔ لفظ رکاز کی لغوی تحقیق کہ اختلاف

یہیں ہے۔ درحقیقت زمین سے نکالا جانے والا مال تین ناموں سے پکارا گیا ہے۔ کنز۔ معدن۔ رکاز۔ کنز وہ خزانہ ہے۔ جس کو انسان خود زمین میں دفن کرے۔ معدن وہ جس کی تخلیق زمین کی تخلیق کے ساتھ ہوئی ہو۔ رکاز دونوں کو شامل ہے اور عام۔ اب قرآن میں اس طرح کہ فرمایا واعلموا انما غنمتم من شئ فان للہ خمسہ کہ جانو تم یہ کہ جو کچھ لوٹ لو کسی چیز سے پس تحقیق واسطے اللہ کے ہے پانچواں حصہ اس کا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دفینہ اور اس کا محل زمین ہر دو پر لفظ غنیمت صادق آتا ہے کیونکہ پہلے وہ کفار کے قبضہ میں تھے۔ پھر مسلمانوں نے ان کو چھینا۔ لوٹا۔ اور قبضہ میں کیا۔ جب یہ غنیمت میں شمار ہوئے تو اس کے حکم خمس کے نیچے بھی آئے۔ اور ان میں خمس واجب ہوا۔ سنت کی حجیت اس طرح کہ صحاح ستہ میں حدیث وارد ہے۔ اَلْعَجْمَاءُ جُبَارٌ والبیر جبار والمعدن جبار وفی الرکاز الخمس۔ کہ جانوروں میں بدلہ نہیں۔ کنوئیں میں بدلہ نہیں۔ کان میں بدلہ نہیں اور رکاز میں خمس ہے۔ لہذا بنا پر تحقیق لغوی رکاز کو صرف دفینہ کے معنی میں لینا کوئی وجہ نہیں رکھتا خصوصاً جبکہ خود آنحضرتؐ کی زبانی اس کی تائید ملتی ہو کہ امام محمد نے اپنی موطا میں اور نیز بیہقی نے نقل کیا ہے کہ آپ نے جب فرمایا کہ رکاز میں خمس ہے تو آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ رکاز کیا چیز ہے آپ نے فرمایا وہ مال جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں ان معاون میں پیدا کیا جو جبکہ آسمان و زمین کو پیدا فرمایا۔ اب شافعیہ کے استدلال کا جواب سنئے کہ حدیث بلال بن الحارث المزنی اول تو منقطع ہے۔ جیسا کہ ابو عبید نے کتاب الاموال میں اس کی تصریح کی ہے۔ پھر اس میں اس کا اظہار کب ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا تھا۔ کہ معاون سے زکوٰۃ لی جائے۔ بلکہ قرین قیاس ہے کہ یہ اہل ولات کا اجتہاد ہے۔ کیونکہ اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نہیں۔

رہی مذہب حنفیہ کی بروئے قیاس تائید تو وہ بدیں صورت کہ معدن کو پوری پوری غنیمت کی حیثیت حاصل ہے۔ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا کہ پہلے یہ معدن کی زمین کفار کے قبضہ میں تھی۔ پھر مسلمانوں نے اس کو بقوت وطاقت اپنے قبضہ میں کیا تو غنیمت ہوئی اور غنیمت میں چونکہ بلاشک وشبہ خمس ہے تو اس میں خمس کیوں نہ ہو ::

بَابُ كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ

ہر بھلائی کا کام صدقہ ہے!

ابو حنیفة عن عطاء عن جابرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم كل معروف فعلتہ الی غنی وفقیر صدقة ::

199/1 حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر وہ بھلائی جو تم کسی غنی یا فقیر سے کرو وہ صدقہ ہے ::

تشریح :- یہ حدیث بعینہ الفاظ یا اس کے قریب قریب الفاظ سے مختلف کتب صحاح میں وارد ہے طبرانی میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے اس میں بجائے فَعَلْتَہٗ کے صَنَعْتَہٗ کا لفظ ہے۔ حاکم جابرؓ سے روایت کرتے ہیں۔ اس میں اس قسم کا مضمون زیادہ ہے کہ مسلمان جو خود اپنے نفس پر صرف کرے یا اپنے گھر والوں پر یا اس سے اپنی عزت بچائے تو وہ صدقہ میں لکھ لیا جاتا ہے ::

بَابُ ۸۹ كَوْنِ الصَّدَقَةِ هَدِيَّةً لِّلْغَيْرِ!

باب ۸۹۔ فقیر صدقہ کا مال دوسرے کو ہدیہ کے طور پر دے سکتا ہے!

۲۰۰/۱ ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة قالت تُصُدِّقَ علٰی بَرِيْرَةَ بلحم فراٰه النبی صلی الله علیه وسلم فقال هو لها صدقة ولنا هدية ؛

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ بریرہ کو گوشت بطور صدقہ دیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا اور فرمایا کہ یہ گوشت اس کے (بریرہ) لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ؛

تشریح :۔ آنحضرتؐ کا مقصد کلام یہ ہے کہ مختلف حیثیات سے چیز کے تبادلہ سے حکم بدل جایا کرتا ہے۔ مثلاً موقع زیر بیان میں بریرہ کی ملک بیچ میں آجانے سے گوشت کا حکم بدل گیا۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ اگر کوئی فقیر صدقہ سے کسی غنی کی ضیافت کرے۔ تو غنی کے لئے صدقہ کی چیز کھانا جائز ہے۔ یا اگر غنی اس کو خرید لے تو بھی روا ہے۔ ہاں غنی یا بنی ہاشم کو براہ راست مال صدقہ کو تصرف میں لانا اور اس کو اپنی ملک میں لینا ہرگز جائز نہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اپنے عمل اور الفاظ مذکورہ سے اسی مسئلہ کی وضاحت فرما دی کہ جو بریرہ کے لئے صدقہ ہے وہ ہمارے لئے ہدیہ ؛

كِتَابُ الصَّوْمِ!

کتاب۔ روزہ کا بیان!

بَابُ ۹۰ فَضِيْلَةِ الصَّوْمِ!

باب ۹۰۔ روزے کی فضیلت!

۲۰۱/۱ ابوحنیفۃ عن عطاء عن ابی صالح الزیات عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الله تعالٰی کل عمل ابن ادم له الا الصیام فهو لی وانا اجزی به ؛

حضرت ابی ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ کہ سب عمل انسان کے اس کے واسطے ہیں۔ مگر روزہ کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا ؛

تشریح :۔ یہ حدیث دیگر اعمال پر روزہ کی فضیلت ثابت کرتی ہے۔ مقصد کلام یہ ہے کہ انسان کے دیگر اعمال میں ریاکاری۔ دکھاوے۔ نام نمود۔ ظاہرداری ہو سکتی ہے۔ اور ریاکاری کے باعث انسان کے بہت سے اعمال اللہ کی نظر سے گر جاتے ہیں۔ مگر روزہ میں یہ سب کچھ نہیں۔ یہ محض خدا کے لئے رکھا جاتا ہے۔ اس میں ریاکاری نہیں۔ چنانچہ بیہقی شعب الایمان میں ابی ہریرہ سے مرفوعاً روایت لاتے ہیں۔ کہ الصیام لا ریاء فیه قال الله تعالٰی هو لی وانا اجزی به یدع طعامه وشرابه من اجلی۔ کہ روزہ میں ریاکاری نہیں۔ وہ خالص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ روزہ دار میری خاطر اپنا کھانا اور پینا چھوڑتا ہے۔ اسی بنا پہ روزہ کی نسبت اپنی طرف کی۔ پھر اس طرف بھی اشارہ فرمایا کہ ہر

عمل انسانی کا بدلہ اس کی مشقت کے اعتبار سے ہے جو دس گناہ سے بڑھتا ہوا سات سو گنا تک پہنچتا ہے مگر روزہ کے اجر کی کوئی مقدار متعین نہیں۔ خدا تعالیٰ اپنی عنایات رحمانیہ سے جو چاہے اور جس قدر چاہے عنایت فرماوے ؛

۲۰۲/۲ **ابوحنیفۃ** عن اسماعیل عن ابی صالح عن ام ھانیؓ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن مؤمن جاع یوماً فاجتنب المحارم ولم یاکل مال المسلمین باطلا لا اطعمہ اللہ تعالیٰ من ثمار الجنۃ ؛

حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بھی مومن بھوکا رہے دن بھر اور حرام کاموں سے بچتا رہے (مثلاً غیبت وغیرہ سے) اور نہ کھائے ناجائز طریقہ سے مسلمانوں کا مال تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھلوں میں سے کھلائے گا ؛

تشریح :- اس حدیث میں اگر بھوکا رہنے سے مراد عام بھوکا رہنا ہے۔ خواہ روزہ کی شکل میں ہو یا ویسے کسی مجبوری سے تو روزہ سے اس کا تعلق اس طرح ہے کہ گویا یہ روزہ کی فضیلت ہے اور مومن کی رعایت و پاسداری جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہے۔ کہ جب بغیر روزہ کے مومن کا بھوکا رہنا اس قدر خدا تعالےٰ پر شاق ہے کہ اس کے بھوکے رہنے کا اجر جنت کے پھلوں سے فرماتا ہے اور دنیا کی بھوک کو جنت کے پھلوں کی سیری سے بدلتا ہے تو روزہ کی بھوک جو مجسم عبادت ہے اور افضل ترین عبادت اس کا بدلہ کیا کچھ عنایت فرمائے گا ؛

۲۰۳/۳ **ابوحنیفۃ** عن ابراھیم عن ابیہ عن حُمید بن عبد الرحمٰن الحمیری عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لرجل من اصحابہ یوم عاشوراء مُر قومک فلیصوموا ھذا الیوم قال انھم طعموا قال وان کانوا قد طعموا ؛

حمید بن عبد الرحمٰن الحمیری سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن اپنے اصحاب میں سے ایک صاحب سے فرمایا کہ اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ آج روزہ رکھیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ وہ لوگ کھانا کھا چکے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا اگرچہ وہ کھانا کھا چکے ہوں (یعنی بلحاظ حرمت دن۔ باقی حصہ دن میں کچھ نہ کھائیں) ؛

تشریح :- آنحضرتؐ نے اس دن کے احترام کو نہایت مؤثر الفاظ میں ظاہر فرمایا۔ کہ جس نے کھانا کھا لیا ہے۔ وہ بقیہ دن میں احتراماً کچھ نہ کھائے۔ اور جس نے نہیں کھایا ہے وہ شام تک اپنا روزہ پورا کرے۔ یہ رمضان کی فرضیت سے قبل کا واقعہ ہے کہ جب تک اس کا روزہ لازم تھا۔ یہاں تک کہ صحابہ کہتے ہیں۔ کہ اس کے بعد ہم اور ہمارے بچے روزہ رکھتے۔ غرض اس دن کے روزہ کی اہمیت میں بہت احادیث وارد ہیں۔ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کہ جو چاہے اس دن روزہ رکھے جو چاہے نہ رکھے ؛

؛

۲۰۴ — ابوحنیفۃ عن الھیثم عن موسیٰ بن طلحۃ عن ابن الحوتکیۃ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارنب فامر اصحابہ فاکلوا وقال للذی جاء بھا مالک لا تاکل منھا قال انی صائم قال وما صومک قال تطوع قال فھلا البیض ؛

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (پکا ہوا) خرگوش پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ کھاؤ انہوں نے کھانا شروع کیا۔ آنجنابؐ نے لانے والے سے فرمایا کہ تم کیوں نہیں کھاتے۔ انہوں نے کہا کہ میرا روزہ ہے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیسا روزہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ نفلی روزہ۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایام بیض کے روزے کیوں نہیں رکھتے ؛

تشریح :- یہاں چند امور محتاج بیان ہیں۔ جن کو مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔ اول ایام بیض کی فضیلت اسی حدیث سے ہے۔ ایام بیض ہر ماہ کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخیں ہیں اور ان کی برکت دوسرا امر خرگوش کے گوشت کھانے کا ہے۔ کہ اس کی اباحت میں بعض نے اختلاف کیا ہے۔ احناف کے نزدیک وہ بلا شک مباح ہے اور حدیث ذیل اس پر قوی شاہد ہے۔ تیسرا امر نفلی روزہ کا ہے۔ کہ اس کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک اتفاقی کہ بوجہ عذر مثلاً ضیافت وغیرہ اس کو افطار کر سکتے ہیں۔ اس پر سب متفق ہیں اور روایات سے اس کا ثبوت ہے۔ دوسری اختلافی وہ یہ کہ پھر اس کی قضا واجب ہے یا نہیں پہلی شق مذہب حنفیہ کی طرف جاتی ہے۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ کی حدیث ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ میں اور حفصہ روزہ سے تھیں۔ ہمارے پاس ایسا کھانا آیا۔ جو ہم کو مرغوب تھا۔ ہم نے اس کو کھا لیا۔ حضرت حفصہ نے یہ قصہ آنحضرتؐ سے بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کی جگہ دوسرے دن روزہ رکھ لو۔ یعنی اس کی قضا کر لو۔ امر بظاہر وجوب کے لئے ہے اس کے وجوب پر ثبوت ملا۔ اب یہاں یہ شک پیدا کرنا کہ ممکن ہے وہ روزہ قضا یا نذر کا ہو۔ تو یہ بعید از خیال ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کے بارہ میں پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا وجوب کب ساقط ہوتا ہے۔ کہ اس پر استفسار کا موقع آتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ ایسی صورت میں آنحضرتؐ ان کو ایسے فعل پر زجر فرماتے۔ اس کے علاوہ صحابہ کرام خود فرائض و واجبات پر سختی سے پابندی کرتے وہ کسی حال میں ان کو نہ چھوڑتے۔ نہ کہ ایک ذرا سی کھانے کی لذت یا زبان کے چٹخارہ کے باعث جس کو معمولی لوگ دین کی باتوں پر قربان کر ڈالتے ہیں ؛

۲۰۵ — ابوحنیفۃ عن عبد اللہ عن ابن عمرؓ قال قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بلالا ینادی بلیل فکلوا واشربوا حتی ینادی ابن ام مکتوم فانہ یؤذن وقد حلت الصلوٰۃ ؛

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بلالؓ رات کو اذان دیتے ہیں تو تم کھاتے پیتے رہو جب تک کہ ابن ام مکتوم اذان نہ دیں۔ کیونکہ وہ اذان دیتے ہیں کہ نماز کا وقت ہو جاتا ہے ؛

تشریح :- یہ حدیث انہی الفاظ میں بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ میں موجود ہے۔ اس کے ذیل میں ایک اور

اختلافی مسئلہ ہے جس کی تشریح کرنا بہتر ہے۔ امام شافعی۔ مالک و احمد اس کے قائل ہیں۔ کہ نماز صبح کی اذان بالخصوص وقت سے پہلے یعنی طلوع فجر کے قبل دینا جائز ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک وقت سے پہلے نہ تو صبح کی اذان جائز ہے۔ نہ کسی اور وقت کی ائمہ ثلاثہ کی حجت یہی حدیث ہے۔ احناف کے نزدیک دیگر صحیح احادیث ہیں۔ جس میں ہے کہ فجر کی اذان وقت سے پہلے ہرگز جائز نہیں۔ چنانچہ ابوداؤد شداد سے روایت لاتے ہیں کہ حضرت بلال نے ایک مرتبہ طلوع فجر سے پہلے اذان دے دی تو آنحضرتؐ نے ان کو حکم دیا کہ پکار کر کہہ دیں کہ بندہ یعنی میں وقت سے غافل ہو گیا۔ کہ وقت سے پہلے اذان دے دی۔ یہ صرف اس لئے کہ لوگوں کی غلط فہمی دور ہو۔ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ اذان وقت سے پہلے جائز ہے۔

اب رہی حدیث ذیل جو ان کو اشتباہ میں ڈالتی ہے۔ نہ ہم کو۔ تو اس کے صاف الفاظ اس کے خود مطلب کو حل کرنے کے لئے بس ہیں۔ وہ یہ کہ یہ معاملہ محض رمضان کا ہے۔ جیسا کہ امام محمد نے تصریح کی ہے کہ رمضان میں حضرت بلال کی اذان سحری کھانے کا ایک اعلان سا ہوتا۔ نہ نماز صبح کی معتاد اذان۔ اور ابن ام مکتوم کی اذان محض نماز کے لئے ہوتی۔ اور بعد طلوع فجر تو اس کے بعد کھانا پینا کب جائز ہونے لگا۔ لہٰذا حضرت بلال کی اذان کو نماز فجر کی اذان خیال کرنا اور سال بھر اس کو قابل عمل جاننا اور کلوا و اشربوا کے الفاظ سے چشم پوشی کرنی حدیث کی دوراز خیال ترجمانی ہے۔ جو حدیث دانی پر بٹہ لگاتی ہے۔ بہت ممکن ہے بلکہ بالکل قرین قیاس ہے۔ کہ آنحضرتؐ کی غرض کلام یہ ہو کہ بلال چونکہ غلطی کرتے ہیں۔ اس لئے سحری ختم کرنے کا مدار ان کی اذان پر نہ رکھو۔ گویا ان کی اذان قابل اعتماد نہیں۔ بلکہ ابن ام مکتوم کی اذان پر۔ کیونکہ وہ چونکہ نابینا تھے وہ جب ہی اذان دیتے کہ بالکل صبح ہو جاتی۔ اور لوگ ان سے کہتے صبح ہو گئی۔ صبح ہو گئی جیسا کہ موطا امام مالک میں ہے تو اس وقت البتہ کھانا پینا بند کر دینا چاہئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ احناف اپنے مسلک میں کس قدر محتاط اور درست ہیں ۞

نسخ الافطار بالحجامة!

پچھنے لگوانے سے روزہ ٹوٹ جانے کا حکم منسوخ ہے!

۲۰۶/ا **ابو حنيفة** عن ابي السوار ويقال له ابو السوداء وهو السلمي عن ابن حاضر عن ابن عباس ان رسول الله صلعم احتجم بالقاحة وهو صائم ۞

وفي رواية قال احتجم رسول الله صلعم بالقاحة وهو محرم صائم۔ وفي رواية ان النبي صلى الله عليه وسلم احتجم واعطى الحجام

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگائے مقام قاحہ میں جبکہ آپ کا روزہ تھا ۞

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور پچھنے لگانے والے کو اس کی اجرت دی لہٰذا اگر یہ مزدوری حرام ہوتی تو آپ اس

اجرۃ ولو کان خبیثاً ما اعطاہ ؛ کو نہ دیتے ؛

تشریح :۔ حدیث مذکور کے پیش نظر جمہور کا مذہب یہ ہی کہ روزہ میں اگر پچھنے لگوائے جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اس سے روزہ میں کوئی نقصان نہیں آتا۔ دوسری روایت حجام کی اجرت کا مسئلہ ہے۔ کہ وہ جائز ہے یا حرام۔ جن احادیث سے یہ اجرت حرام ہوتی ہے۔ ان میں یا تو حرمت کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا جائے گا۔ یا پھر سرے سے حرمت کو منسوخ مانا جائے گا۔ جو طحاوی نے اختیار کیا ہے ؛

۲۰۷/۲ ابوحنیفۃ عن ابی سفیان عن انس قال احتجم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد ما قال افطر الحاجم والمحجوم ؛

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (روزہ کی حالت میں) پچھنے لگوائے اس لگوانے والے کا روزہ جاتا رہا ؛

تشریح :۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ ممانعت آنجنابؐ کے خود کے عمل سے جو بعد میں وقوع پذیر ہوا۔ منسوخ قرار پائی ؛

۲۰۸/۳ ابوحنیفۃ عن الزہری عن انسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجم وھو صائم، وفی روایۃ قال ابوحنیفۃ اخبرنی ابن شہاب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجم وھو صائم ولم یذکر انساً ؛

حضرت انسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگائے اور آپ کا روزہ تھا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ابوحنیفہؒ نے کہا خبر دی مجھ کو ابن شہاب نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگائے۔ جبکہ آپ کا روزہ تھا۔ گویا اس سند میں حضرت انس کا ذکر نہیں کیا ؛

تشریح :۔ یہ حدیث پچھلی حدیث ہی کی طرح ہے اس لئے اس کی تشریح وہیں ملاحظہ کرنی چاہیے۔

باب ۹۲ الاصباح جنباً فی الصوم!

باب ۹۲ جنابت کی حالت میں روزہ دار کا صبح کرنا!

۲۰۹/۱ ابوحنیفۃ عن عطاء عن عائشۃؓ قالت کان یصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبا من غیر احتلام ثم یتم صومہ ؛

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آنحضرتؐ کو بحالت جنابت صبح ہو جاتی۔ بغیر احتلام کے (یعنی بہ سبب جماع کے) پھر اپنا روزہ پورا فرماتے ؛

تشریح :۔ یہاں یہ مسئلہ ہے کہ اگر جنابت میں روزہ دار صبح کرلے۔ تو اس کا روزہ صحیح ہوگا۔ یا نہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ اس کا روزہ صحیح ہے۔

☆

۲۱۰/۲ **ابوحنيفة** عن حماد بن ابي سليمان عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج الى صلوٰة الفجر ورأسه يقطر ماء من غسل جنابة وجماع ثم يظل صائماً؛

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کیلئے تشریف لے جاتے اور آپکے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپکتے ہوتے غسل جنابت کے بعد (جنابت) بسبب جماع ہوتی پھر آپ (دن بھر) روزہ دار رہتے؛

تشریح:- اس حدیث سے بھی وہی ماقبل بیان کیے گئے مسئلہ کی طرف اشارہ ہوا کہ جنابت روزہ کو فاسد نہیں کرتی۔ لفظ جماع کی زیادتی سے اس طرف بھی اشارہ کیا کہ جنابت احتلام شیطان کے اثر سے ہوتا ہے۔ اور آنجناب کی ذات اقدس شیطانی اثرات سے پاک تھی۔ اس لئے جنابت احتلام سے آنحضرت پاک تھے؛

باب ۹۳ قُبلة الصائم

باب ۹۳ روزہ دار کے لئے بوسہ لینا!

۲۱۱/۱ **ابوحنيفة** عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج الى الفجر ورأسه يقطر ويظل صائماً؛
وباسناده كان النبي صلى الله عليه وسلم يقبّل نساءه في رمضان؛

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کیلئے تشریف لے جاتے اور آپکے سر مبارک سے (غسل کے پانی کے) قطرے ٹپکتے ہوئے (دن بھر) آپ روزہ دار رہتے؛ اور اسی سند سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ لیتے اپنی بیبیوں کا رمضان میں؛

تشریح:- اس حدیث میں تشریح ہے کہ روزہ میں بوسہ لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ عائشہ سے بخاری میں مرفوع روایت ہے کہ آپ بحالت روزہ بوسہ لیتے میل جول رکھتے۔ اور آنحضرت تم سے زیادہ اپنی خواہشات پر قابو رکھتے تھے۔ منشائے کلام یہ ہے کہ آنحضرت کو چونکہ جذبات پر پورا قابو تھا۔ اس صورت میں روا ہے کہ انسان کو اپنے جذبات وخواہشات پر پورا بھروسہ ہو۔ اسی لئے کتب فقہ میں قبلہ کے ساتھ ان امن کی قید بڑھائی ہے کہ وہ جماع تک بڑھ جانے سے بالکل بے خوف ہو۔ امام شافعی اس کی اباحت کو کسی قید کے ساتھ مقید نہیں کرتے؛

۲۱۲/۲ **ابوحنيفة** عن الهيثم عن عامر الشعبي عن مسروق عن عائشة كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصيب من وجهها وهو صائم يعني القُبلة

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحالت روزہ آپ کا بوسہ لیتے تھے؛

تشریح:- طحاوی میں ہے کہ آنحضرت روزہ میں ہمارے چہروں سے پرہیز نہ فرماتے؛

۲۱۳/۳ **ابو حنیفة** عن زیاد عن عمرو بن میمون عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقبل وھو صائم۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ لیتے (اپنی بیبیوں کا) جب کہ آپ روزہ سے ہوتے۔

تشریح: اس میں بھی پیار لینے کی اباحت ثابت کی ہے۔

باب ۹۴ رخصة الافطار فی السفر!

باب ۹۴ ۔ سفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے!

۲۱۴/۱ **ابو حنیفة** عن الھیثم ابن حبیب الصیرفی عن انس بن مالک قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للیلتین خلتا من شھر رمضان من المدینة الی مکة فصام حتی اتی قدید فشکا الناس الیہ الجھد فافطر فلم یزل مفطرا حتی اتی مکة۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان کی تیسری تاریخ مدینہ سے مکہ کیطرف عازم سفر ہوئے اور آپ روزہ رکھتے رہے یہاں تک کہ آپ قدید پر پہنچے۔ لوگوں نے آپ سے تکلیف کی شکایت کی تو آپؐ نے افطار فرمایا۔ پھر آنجنابؐ نے روزہ چھوڑے رکھا یہاں تک کہ آپ مکہ پہنچ گئے۔

تشریح: حدیث میں اس کی تفصیل ہے کہ جمہور علماء کا اس پر تو اتفاق ہے کہ مسافر روزہ رکھنے اور نہ رکھنے میں مختار ہے چاہے رکھے چاہے چھوڑ دے پھر قضا کرے۔ البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔ کہ روزہ رکھنا افضل ہے یا ترک کرنا۔ بعض ہر دو صورتوں میں فرق نہیں کرتے۔ جیسا کہ حدیث ان شئت فصم وان شئت فافطر سے آشکارا ہے کہ اگر چاہو روزہ رکھو چاہو نہ رکھو۔ بعض نے روزہ کو افطار پر ترجیح دی ہے۔ اور بعض اس کے عکس کے قائل ہیں۔ امام صاحب اور امام شافعی روزہ کو افضل جانتے ہیں۔ بشرطیکہ مسافر روزہ کی طاقت رکھے۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ اسی پر شہادت دیتے ہیں کہ فمنا الصائم ومنا المفطر فان من قدر علیہ یرجعہ واختارہ فصام ومن لا فلا۔ یعنی ہم میں سے بعض روزہ دار تھے اور بعض بغیر روزہ کے جن لوگوں کی طاقت تھی۔ انہوں نے روزہ رکھا اور جو الیسا نہ تھا اس نے الیسا نہ کیا۔

۲۱۵/۲ **ابو حنیفة** عن مسلم عن انس قال سافر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان یرید مکة فصام وصام الناس معہ۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں مکہ کیطرف سفر کیا اور روزہ رکھا۔ آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے۔

وفی روایة خرج من المدینة الی مکة فی رمضان فصام حتی انتھی الی بعض الطریق فشکا الناس الیہ الجھد

ایک روایت میں ہے کہ نکلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ کی طرف رمضان میں اور روزہ رکھتے رہے۔ یہاں تک کہ پہنچے بعض راستہ (مقام) پر۔ لوگوں

فافطر فلم یزل مفطرًا حتی اتی مکۃ ؛

نے تکلیف کی شکایت کی تو آپ نے افطار کیا اور مکہ تک افطار ہی میں رہے ؛

وفی روایۃ قال سافر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان یرید مکۃ، فصام وصام المسلمون حتی اذا کان ببعض الطریق شکا بعض المسلمین الجھد فدعا بماء فافطر وافطر المسلمون ؛

اور ایک روائیت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں سفر کیا مکہ کا ارادہ کرتے ہوئے۔ پس آپ نے بھی روزہ رکھا اور مسلمانوں نے بھی یہاں تک کہ جب کسی راستہ (مقام) پر پہنچے بعض، مسلمانوں نے تکلیف کی شکائت کی تو آپ نے پانی طلب فرمایا۔ اور افطار فرمایا۔ اور مسلمانوں نے بھی افطار کیا ؛

تشریح :- یہ حدیث چونکہ مکرر ہے اس لئے تفصیل پچھلی حدیث میں گذر چکی ہے۔

باب ۹۵ النھی عن صوم الصمت وعن صوم الوصال

پے در پے روزے رکھنے اور خاموشی کا روزہ رکھنے کی ممانعت

۲۱۶/۱ ابو حنیفۃ عن عدی عن ابی حازم عن ابی الشعثاء عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن صوم الوصال وصام الصمت ؛

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل روزہ رکھنے سے اور خاموشی کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے ؛

تشریح :- صوم وصال یہ کہ انسان پے در پے روزہ رکھے۔ اور رات کو کچھ نہ کچھ کھائے۔ صوم صمت یہ کہ دن بھر بات چیت نہ کرے۔ کوئی بات بھی منہ سے نہ نکالے۔ صوم وصال کی آنحضرتؐ نے صاف اور کھلے الفاظ میں ممانعت فرمائی ہے۔ دوسری روایات میں اس طرح بھی آیا ہے۔ کہ ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپؐ روزے تو رکھتے ہیں یعنی پھر ہم کو آپ کیوں منع فرماتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم میں سے مجھ جیسا کون ہے۔ میں رات گذرتا ہوں۔ اس حال میں کہ مجھ کو میرا رب کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ صوم وصال جائز ہے۔ کہ حرام یا مکروہ۔ بعض نے اس کو جائز مانا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ ممانعت محض امت پر رحمت وشفقت کی بنا پر تھی۔ مگر جمہور کا یہ ہی مسلک ہے۔ کہ یہ ناجائز ہے اور مکروہ چنانچہ سوائے امام احمد کے ائمہ ثلاثہ سے اس پر تصریح وارد ہے۔ صوم صمت نصاریٰ کا دینی شعار ہے۔ لہٰذا دین اسلام میں اسی سے بھی ممانعت وارد ہوئی کیونکہ یہود ونصاریٰ سے مشابہت بالکل منع ہے ؛

۲۱۷/۲ ابو حنیفۃ عن شیبان عن یحیی عن المھاجر عن ابی ھریرۃ قال نھی رسول اللہ

حضرت ابی ہریرہ سے روائیت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم صمت اور صوم وصال سے

صلی اللہ علیہ وسلم عن صوم الصمت وصوم الوصال ؛

منع فرمایا ؛

تشریح :- پچھلی حدیث کا اعادہ ہے ؛

باب ۹۶ النہی عن صیام ایام التشریق

باب ۹۶ - ایام تشریق اور شک کے دِن روزہ رکھنا منع ہے

۲۱۸ ابوحنیفۃ عن عبد الملک عن قزعۃ عن ابی سعید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن صیام ثلاثۃ ایام التشریق وبہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن صیام الیوم الذی یشک فیہ من رمضان ؛

حضرت ابی سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام تشریق (اس سے مراد ماہ ذی الحجہ کی بارہویں تیرہویں اور چودہویں تاریخ ہے) کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ اور اسی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس دن روزہ رکھنے سے جس میں شک کیا جائے رمضان کا۔ (یعنی بتاریخ ۲۹ شعبان ابر وغبار کے باعث چاند نہ دکھنے پر شک ہو کہ یہ رات یکم رمضان کی ہے۔ یا تیس شعبان کی تو آئندہ دن چونکہ شک کا دن ہے روزہ رکھنا منع ہے۔) ؛

تشریح :- اس حدیث میں شک کے دن کے روزہ کی تشریح ہے - اس میں ائمہ کا اختلاف ہے شک کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت کئی اور احادیث میں بھی ہے - ترمذی النسائی وغیرہ میں ہے - کہ جس نے اس دن روزہ رکھا اس نے ابوالقاسمؐ کی نافرمانی کی - یہ ممانعت دراصل ایک دور اندیشی ہے - وہ یہ کہ رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنے سے رمضان کے روزوں میں اضافہ معلوم ہوتا ہے اور نصاریٰ سے مشابہت پیدا ہوتی ہے - کیونکہ ان پر روزے چونکہ موسم گرما میں فرض ہوئے تھے - جو ان کے لئے ناقابل برداشت تھے - اس لئے انہوں نے ان کو اپنی جگہ سے ہٹا کر ان پر چند روزوں کی زیادتی کر دی تھی - لہٰذا اگر اس صورت کی عادت ہو جائے تو جاہل تو خصوصًا اس غلط فہمی کے شکار ہو جائیں کہ یہ روزے بھی فرض ہیں تو گویا پیش بندی کے طور پر ممانعت فرما دی - اختلاف یہ ہے کہ شک کے دن اسی ممانعت کی حدیث کے پیش نظر مکروہ قرار دیتے ہیں - اور نفلی روزے کو نہیں - بلکہ اس کو مستحب کہتے ہیں - کیونکہ دوسری احادیث میں اس حکم امتناعی سے نفلی روزہ کی استثنا بھی وارد ہے - مثلاً آنجناب کا قول لاتقدموا رمضان بصوم یوم او یومین الا رجل کان یصوم صوما فیصومہ کہ رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ نہ رکھو - مگر وہ شخص جو کسی دن روزہ رکھتا ہو وہ اس دن رکھ لے - یعنی کوئی شخص

کسی دن نفلی روزہ رکھنے کا عادی ہے۔ مثلاً دوشنبہ کا دن اور اتفاق سے دوشنبہ تک کا دن رکھ لے یعنی وہ شخص دوشنبہ کے دن حسب معمول روزہ رکھ لے۔ یا یہ صورت خواص علماء کرام اور مفتیان عظام کے لئے جائز ہے جو اس کا اعلان نہ کریں۔ اور عوام کے لئے شک کے دن نصف یوم تک انتظار جائز ہے پھر وہ افطار کر لیں۔ ورنہ عام لوگوں کے لئے اس نفلی روزہ کی عادت اسی قباحت کا باعث ہو گی۔ جس کا ابھی ذکر ہوا۔ اور یہ نفلی روزہ بھی اس مصلحت پر مبنی ہے کہ ہر ماہ کو عبادت یعنی روزہ پر ختم کرنا مسنون ہے لہٰذا اس فخر سے شعبان کیوں خالی جائے۔ عوام میں چونکہ ایک اور خرابی کا خطرہ تھا۔ اس لئے ان کے لئے اجازت مسدود ہوئی۔

بَابُ ۹۷ الاعتكاف والايفاء بنذرہ

باب ۹۷ - اعتکاف کرنا اور اپنی منت پوری کرنا

۲۱۹/۱ ابوحنيفة عن نافع عن ابن عمر قال قال عمر بن الخطاب نذرتُ أن اعتكف فى المسجد الحرام فى الجاهلية فلمّا اسلمتُ سألتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال أوفِ بنذرك ؛

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جاہلیت کے دنوں میں مسجد الحرام میں اعتکاف کی منت مانی تھی۔ جب میں اسلام لایا تو میں نے اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا (کہ کیا میں اپنی منت پوری کروں) آپ نے فرمایا کہ اپنی منت پوری کرو ؛

تشریح :۔ شیخین نے بھی یہ روایت کیا ہے۔ اس میں شب کا اضافہ ہے کہ میں نے ایک شب اعتکاف کرنے کی منت مانی تھی۔ دوسری روایت میں دن کا لفظ ہے۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ اور طبرانی میں روزہ کا لفظ بھی ہے۔ کہ انہوں نے روزہ منت بھی مانی تھی۔ چنانچہ اس کے جواب میں مروی ہے۔ کہ آپ نے عمرؓ کو روزہ کا حکم بھی دیا۔

كتاب الحجّ

کتاب - حج کا بیان

بَابُ ۹۸ التعجيل فى الحجّ

باب ۹۸ - حج میں جلدی کرنا!

۲۲۰/۱ ابوحنيفة عن عطية عن ابى سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اراد الحجّ فليعجل ؛

حضرت ابی سعید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حج کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے۔ کہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے میں جلدی کرے ؛

تشریح :- بیہقی میں یہ الفاظ زائد ہیں جو عجلت و شتابی کی وجہ کو ظاہر کرتے ہیں۔ فان احدکم لایدری ما یعرض لہ من مرض او حاجۃ یعنی تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اس کو کیا بیماری لگ جائے اور کیا مشغولیت پیش آجائے۔ اس وجہ سے اس بارہ میں اپنے ارادہ حج کو پہلی فرصت میں ادا کرنے کی کوشش کرے۔ اسی لئے امام ابو یوسف فی الفور حج کے وجوب کے قائل ہیں ؛

باب ۹۹ مغفرۃ الحاجّ

باب ۹۹ - حاجی کی مغفرت ہے!

۲۲۱/۱ ابوحنیفۃ عن علقمۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحاج مغفور لہ ولمن استغفر لہ الی انسلاخ المحرم ؛

علقمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حاجی بخشا بخشایا ہے اور وہ بھی جس کیلئے حاجی بخشش چاہے انتہائے محرم تک ؛

تشریح :- ابن ماجہ میں حضرت ابی ہریرہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حج و عمرہ ادا کرنے والے اللہ کے وفد ہیں کہ اگر اس سے دعا کریں مقبول ہو۔ اگر اس سے بخشش چاہیں تو ان کی بخشش ہو۔ امام احمد ابن عمر سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ جب تم حاجی سے ملو اس کو سلام کرو۔ اس سے مصافحہ کرو اور اس سے گذارش کرو کہ وہ گھر آنے سے قبل تمہارے لئے بخشش کی دعا مانگے کیونکہ وہ بخشا ہوا ہے ؛

باب ۱۰۰ الحج العجّ والثجّ !

باب ۱۰۰ - حج زور سے لبیک کہنے اور قربانی کا نام ہے!

۲۲۲/۱ ابوحنیفۃ عن قیس عن طارق عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الحج العجّ والثجّ فاما العج فالعجیج واما الثج فثج البدن قال فثج الدم ؛ وفی روایۃ فاما الثج فنحر الھدی ؛

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل (اعمال) حج عجّ اور ثجّ ہیں عجّ تلبیہ (لبیک اللھم لبیک الخ) بلند آوازی سے کہنا ہے۔ اور ثجّ جانور کی قربانی کا خون بہانا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ثجّ جانور کی قربانی یعنی اس کا ذبح کرنا ہے ؛

تشریح :- باعتبار فضیلت و برتری اعمال حج میں ان دونوں اعمال کو خاص عظمت حاصل ہے۔ جو دوسرے اعمال کو نصیب نہیں۔ تلبیہ میں حاجی نہایت عاجزانہ مؤدبانہ اور پر درد الفاظ میں اپنی حاضری کا اقرار کرتا۔ جو حضرت باری عزاسمہ کو نہایت پسند ہے۔ اور قربانی سے حاجی خدا کی راہ میں جان پیش کرتا ہے جو دربار الٰہی میں مقبول و مشکور ہے۔

باب ۱۰۱ مواقیت الحج!

۲۲۳/۱ **ابو حنیفۃ** عن یحییٰ ان نافعاً قال سمعت عبد اللہ بن عمرؓ یقول قام رجل فقال یارسول اللہ این المہل قال یہل اہل المدینۃ من ذی الحلیفۃ ویہل اہل العراق من العقیق ویہل اہل الشام من الجحفۃ ویہل اہل نجد من قرن۔

باب ۱۰۱۔ احرام باندھنے کی جگہیں!

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر دریافت کیا یارسول اللہ احرام باندھنے کی جگہ کون سی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اہل مدینہ ذی الحلیفہ سے۔ اہل عراق عقیق سے اہل شام جحفہ سے اور اہل نجد قرن سے احرام باندھیں۔

تشریح: ان مقامات سے بغیر احرام باندھے آگے بڑھنا حرام ہے۔ اگر ان سے آگے جاکر احرام باندھا تو دم لازم آئے گا۔ البتہ اگر پھر میقات میں واپس آکر وہاں سے احرام باندھے تو اکثر علماء کے نزدیک دم ساقط ہے۔

۲۲۴/۲ **ابو حنیفۃ** عن حماد عن ابراہیم عن الاسود بن یزید ان عمر بن الخطاب خطب الناس فقال من اراد منکم الحج فلا یحرمن الا من المیقات والمواقیت التی وقتہا نبیکم صلعم لاہل المدینۃ ومن مربہا من غیر اہلہا ذو الحلیفۃ ولاہل الشام ومن مربہا الجحفۃ ولاہل نجد ومن مربہا من غیر اہلہا قرن ولاہل الیمن ومن مربہا من غیر اہلہا یلملم ولاہل العراق ولسائر الناس ذات عرق۔

اسود بن یزید سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ فرمایا کہ جو تم میں سے حج کا ارادہ کرے تو وہ احرام نہ باندھے مگر میقات سے جنکو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ نے مقرر فرمایا ہے (یعنی) اہل مدینہ اور ان کے سوا جو ان کے راستہ سے جائیں ذو الحلیفہ ہے۔ اہل شام اور اس کیلئے جو براہ شام جائیں جحفہ ہے۔ اہل نجد اور ان کیلئے جو براہ نجد جائیں قرن ہے اور اہل یمن اور ان کے لئے جو براہ یمن جائیں یلملم ہے۔ اور اہل عراق اور تمام لوگوں کے لئے ذات عرق ہے۔

تشریح: اس میں شافعیہ اور حنفیہ کا اختلاف ہے کہ اہل عراق کے لئے ذات عرق کی تعیین ونامزدگی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے یا عمرؓ کا اجتہاد ہے۔ شافعیہ اس خیال کے پیرو ہیں کہ یہ گو صحابہ کا اجماعی مسئلہ ہے۔ مگر یہ عمرؓ کا اجتہاد ہے۔ نبی صلعم سے اس کی توقیت نقل نہیں۔ بخاری کی حدیث جو ابن عمر سے مروی ہے بظاہر اس کی خیال کی تائید کرتی ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ خود آنحضرت نے اس کی تعیین فرمائی۔ یہ عمر کا محض اجتہاد نہیں ان کی دلیل اول حدیث ہے۔ باب سے ماقبل کی حدیث کہ یہ دونوں احادیث حنفیہ کی تائید کرتی ہیں۔ دوسرے مسلم ابی الزبیر کے واسطہ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں اور وہ جابر بن عبد اللہ سے روایت میں گمان کا حکم چونکہ یقین کا سا ہے اس لئے گویا الفاظ رفع حدیث پر دلالت کرتے ہیں۔ تیسرے ابوداؤد وغیرہ میں عائشہؓ سے حدیث مروی ہے کہ خود آنحضرت نے اہل عراق کے لئے ذات عرق موضع احرام مقرر فرمایا۔ چوتھے ابن ماجہ کی حدیث جو وہ بواسطہ ابی الزبیر حضرت جابر سے لائے ہیں اس کی تائید کرتی ہے۔ پھر بہت ممکن ہے کہ عمرؓ کی اجتہادی چیز ہو اور نبی صلعم کی توقیت ان تک نہ پہنچ

سکی ہو۔ اور عمر کی رائے اور نبی صلعم کی توفیق آپس میں مل گئی ہوں ؛

بَابُ ۱۰۲ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ

باب ۱۰۲ - محرم کا لباس ہو

۲۲۵/۱ **ابو حنيفة** عن عبد الله بن دينار عن ابن عمر ان رجلا قال يا رسول الله ماذا يلبس المحرم من الثياب قال لا يلبس القميص لا العمامة ولا القباء ولا السراويل ولا البرنس ولا ثوب مسه ورس او زعفران ومن لم يكن له نعلان فليلبس الخفين وليقطعهما اسفل من الكعبين ؛

حضرت ابن عمرؓ سے روائیت ہے کہ ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ محرم کیا پہنے آپ نے فرمایا۔ قمیض عمامہ عبا اور پاجامہ لمبی ٹوپی۔ اور نہ وہ کپڑا جس میں کسم اور زعفران کی رنگت ہو نہ پہنے اور جس کے پاس چپلیں نہ ہوں تو وہ موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کر چپلیں بنا کر پہن لے ؛

تشریح :۔ سوال وجواب میں مطابقت نہیں۔ کیونکہ سوال ان کپڑوں کے متعلق تھا جو احرام میں پہنے جا سکتے ہیں اور آنجناب نے وہ کپڑے گنائے جو نہیں پہن سکتے۔ دراصل یہ عدم مطابقت کلام رسالت کی فصاحت وبلاغت ہے۔ کیونکہ پہنے جانے کے کپڑے کوئی ایک دو نہیں کہ ان کو گنا دے البتہ احرام میں نہ پہننے کے کپڑے چند ہی ہیں۔ جو آنحضرت نے گنائے۔ اور جن کے بارہ میں سوال ہونا چاہئے تھا۔ بلکہ درحقیقت جواب میں سوال کی اصلاح ہے اور سائل کو سبق ہے کہ سوال ممنوعہ کپڑوں کے بارہ میں ہونا چاہئے تھا نہ جائز شدہ کپڑوں کے بارے میں ؛

۲۲۶/۲ **ابو حنيفة** عن عمرو بن دينار عن جابر بن زيد عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من لم يكن له ازار فليلبس سراويل ومن لم يكن له نعال فليلبس خفين ؛

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس تہ بند نہ ہو تو وہ پاجامہ پہنے اور جو نہ پائے نعلین تو وہ موزے پہنے (بدیں شرط کہ ٹخنوں کے نیچے سے ان کو کاٹ لیا جائے کہ ٹخنے کھلے ہیں) ؛

تشریح :۔ صحیحین میں ابن عباس سے روائیت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پاجامہ اس شخص کے لئے ہے جو تہ بند نہ باندھ سکے اور موزے اس کے لئے جو نعلین نہ پائے ؛

بَابُ ۱۰۳ الطِّيبُ لِلْمُحْرِمِ !

باب ۱۰۳ - محرم کے لئے خوشبو کا استعمال

۲۲۷/۱ **ابو حنيفة** عن ابراهيم بن المنتشر عن ابيه قال سألت ابن عمر ايتطيب المحرم قال لان اصبح انضح قطرانا احب الى من ان اصبح انضح طيبا

منتشر کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے دریافت کیا محرم خوشبو لگائے ؟۔ آپ نے کہا کہ اگر وہ صبح کرے ایسی حالت میں کہ اس سے قطران کی بو آتی ہو۔ تو یہ میرے نزدیک بہتر ہے اس سے کہ اس سے خوشبو کی مہک

فاتیت عائشۃ فذکرت لھا فقالت انا طیبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فطاف فی ازواجہ ثم اصبح تعنی محرماً ۞

آتی ہو۔ پھر میں نے آکر حضرت عائشہؓ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔ کہ میں نے خوشبو لگائی (شب کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ نے طواف کیا اپنی ازواج پر اور صبح کو آپ محرم تھے ۞

تشریح:۔ قول حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کی حدیث میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے۔ مگر درحقیقت ایسا نہیں کیونکہ ابن عمر بحالت احرام خوشبو کے استعمال کو سختی سے ممنوع قرار دے رہے ہیں۔ اور عائشہؓ اس خوشبو کو جائز ٹھہرا رہی ہیں جو احرام سے پہلے لگائی جائے مگر اس کی مہک احرام کے بعد بھی باقی رہے تو اس میں دونوں کے نزد مضائقہ نہیں اور بحالت احرام خوشبو کا استعمال دونوں کے نزد ناروا ہے۔ اب کوئی تعارض باقی نہیں رہتا ۞

باب ۱۰۴ التمتع!

باب ۱۰۴ ۔ تمتع کا بیان!

228/1 ابوحنیفۃ عن ابی الزبیر عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر اصحابہ ان یحلوا من احرامھم بالحج ویجعلوا عمرۃ ۞

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شمع رسالت کے پروانوں کو حکم دیا۔ کہ اپنے احرام حج سے حلال ہو جائیں۔ اور اس کو عمرہ کر دیں ۞

تشریح:۔ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نے حج کی نیت کی تھی۔ اور آپ نے حج سے حلال کر دیا عمرہ پر۔ یعنی طواف وسعی کرنے کے بعد حلال ہو گئے ۞

229/2 ابوحنیفۃ عن ابی الزبیر عن جابرؓ قال لما امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بما امر بہ فی حجۃ الوداع قال سراقۃ بن مالک یا رسول اللہ اخبرنا عن عمرتنا النا خاصۃ ام للابد۔ قال ھی للابد ۞

حضرت جابر کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں حکم کیا جو کچھ کہ کیا (کہ حج کو فسخ کرایا اور عمرہ پر بس کیا۔ اور عمرہ حج کے مہینوں میں ادا کرایا) تو سراقہ نے کہا یا رسول اللہ ہمارے عمرہ کے بارے میں فرمائیں کیا یہ ہم صحابہ کے ساتھ خاص ہے یا ہمیشہ ہمیش کے لئے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ہمیشہ کے لئے ہے ۞

تشریح:۔ سوال کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں حج کے مہینوں میں عمرہ ممنوع تھا لہٰذا آنحضرت نے اس عمل سے اس رسم بد کو توڑا۔ اور اس خیال باطل کی تردید فرمائی ۞

230/3 ابوحنیفۃ عن الھیثم عن رجل عن عائشۃ انھا قدمت وھی متمتعۃ وھی حائض فامرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تنقض عمرتھا

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ داخل ہوئیں بہ نیت تمتع اور حائضہ ہو گئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ عمرہ توڑ دیں ۞

تشریح:۔ حضرت عائشہؓ قبل طواف حائضہ ہو گئیں تو آپ نے عمرہ فسخ کرا دیا اور بعد میں قضا عمرہ کی

تنعیم سے عبدالرحمن بن ابی بکر کے ہمراہ کرائی۔ اور دم دیا ؛

۲۳۱/۴ **ابوحنيفة** عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة انها قدمت متمتعة وهي حائض فامرها النبي صلى الله عليه وسلم فرفضت عمرتها ؛

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آپ مکہ میں داخل ہوئیں بہ نیت حج تمتع اور حائضہ ہوگئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عمرہ توڑنے کا حکم دیا ؛

تشریح :- حج کی تین قسمیں ہیں ایک اِفراد وہ یہ کہ میقات سے احرام باندھا جائے مکہ میں داخل ہونے بعد طواف وسعی کرکے حلال ہو جائے۔ اب موسم پر اہل مکہ کی طرح حج کی نیت کریں گے۔ دوسرے تمتع وہ یہ کہ حج وعمرہ کی ایک ساتھ نیت کی۔ تیسرے قِراَن وہ تمتع سے ملتا جلتا ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ تمتع میں بعد ارکان عمرہ حلال ہو جاتے ہیں۔ مگر جماع جائز نہیں۔ پھر آٹھویں کو احرام باندھتے ہیں اور قِراَن میں حج تک برابر محرم رہتے ہیں ؛

۲۳۲/۵ **ابوحنيفة** عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة انها قدمت متمتعة وهي حائض فامرها رسول الله صلى الله عليه وسلم فرفضت عمرتها واستانفت الحج حتى اذا فرغت من حجها امرها رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تصدر الى التنعيم مع اخيها عبد الرحمن ؛

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حج تمتع کی نیت کی۔ پھر (بعد تلبیہ واحرام) حائضہ ہو گئیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ فسخ کرادیا اور بوقت حج احرام نئے سرے سے حج کیلئے باندھا پھر جب ارکان حج سے فارغ ہوئیں تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ اپنے بھائی عبدالرحمن کے ساتھ تنعیم جاکر احرام باندھ کر آئیں ؛

تشریح :- تنعیم مکہ سے تقریباً تین میل دور ہے۔ وہاں سے عمرہ کی نیت کرکے احرام باندھتے ہیں۔ اور بعد طواف وسعی اور حلق حلال ہو جاتے ہیں۔ عورتیں پر حلق کا حکم نہیں ہے۔

۲۳۳/۶ **ابوحنيفة** عن الهيثم عن رجل عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ذبح لرفضها العمرة بقرة ؛

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے عمرہ توڑنے کی وجہ سے گائے ذبح کی ؛

تشریح :- یہ فسخ عمرہ کی بنا پر دم دینا پڑا ؛

۲۳۴/۷ **ابوحنيفة** عن عبد الملك عن ربعي بن حراش عن عائشة ان النبي صلى الله عليه وسلم امر برفضها العمرة دماً ؛

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جب انہوں نے عمرہ فسخ کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دم دینے کا حکم دیا ؛

تشریح :- یہ سابق حدیث کا اعادہ ہے ؛

۲۳۵/۸ **ابوحنيفة** عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة انها قالت يا نبي الله يصدر الناس بحجة وعمرة واصدر

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا یا نبی اللہ لوگ حج وعمرہ کرکے جائیں گے اور میں صرف حج کرکے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کو حکم دیا اور فرمایا کہ ان کو تنعیم لے جاؤ۔

بجة فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم عبدالرحمن بن ابی بکر فقال انطلق بها الی التنعیم فلتهل ثم لتفرغ منها ثم لتعجل علیّ فانی انتظرها ببطن العقبة :

وہاں جا کر احرام باندھیں عمرہ کے لئے پھر عمرہ سے فارغ ہو کر مجھ سے جلد آملو۔ میں بطن عقبہ میں تمہارا انتظار کروں گا :

تشریح :۔ تشریح گذر چکی وہیں دیکھ لی جائے۔

باب اکل المحرم لحم الصید!

باب ۱۰۵۔ محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانا

۲۳۶/۱ **ابو حنیفة** عن محمد بن المنکدر عن عثمان بن محمد عن طلحة بن عبید الله قال تذاکرنا لحم صید یصیدہ الحلال فیاکله المحرم رسول الله صلی الله علیه وسلم نائم حتی ارتفعت اصواتنا فاستیقظ رسول الله صلی الله علیه وسلم وقال فیما تتنازعون فقلنا فی لحم صید یصیدہ الحلال فیاکله المحرم قال فامرنا باکله :

حضرت طلحہ بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرما تھے اور ہم نے یہ بحث چھیڑ دی تھی کہ حلال (غیر محرم شخص) کا مارا ہوا شکار محرم کھا سکتا ہے۔ (یا نہیں) یہاں تک کہ ہماری آوازیں بلند ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاگ پڑے اور ارشاد فرمایا کہ کس بات میں جھگڑ رہے ہو۔ ہم نے عرض کیا کہ اس کو کھا سکتا ہے۔ حضرت طلحہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے ہمیں اسکے کھانے کی اجازت مرحمت فرمائی :

تشریح :۔ اس حدیث میں اس بات کا ثبوت ہے کہ شکار اگر غیر محرم شخص کا مارا ہوا ہو۔ خود محرم نے اس کو نہ مارا ہو تو محرم بلا حرج کھا سکتا ہے اور اس شکار کا کھانا اس کے لئے حلال ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابی قتادہ کی روحدیث کی رو سے جس کا اختصار بعد میں آرہا ہے۔ یہ شرط ہے کہ محرم نے غیر محرم کو شکار کے لئے اشارہ نہ کیا ہو۔ یا کسی قسم کی مدد نہ کی ہو۔ ورنہ پھر یہ شکار اس کے لئے ایسا ہی حرام ہو جاتا ہے کہ گویا خود اسی نے اس کو شکار کیا ہے :

۲۳۷/۲ **ابو حنیفة** عن محمد بن المنکدر عن ابی قتادة قال خرجتُ فی رهط من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم لیس فی القوم حلال غیری فنظرت نعامة فسرتُ الی فرسی فرکبتها وعجلت عن سوطی فقلت لهم ناولونیه فابوا فنزلت عنها فاخذتُ سوطی فطلبت النعامة فاخذت منها حمارًا فاکلت واکلوا :

حضرت ابی قتادہؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی ایک جماعت کے ہمراہ نکلا اور پوری جماعت میں میرے سوا کوئی حلال (غیر محرم) نہ تھا۔ میری نظر گورخروں پر پڑی۔ میں اپنے گھوڑے کی طرف بڑھ کر اس پر سوار ہو گیا۔ مگر جلدی میں اپنا چابک بھول گیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا ذرا مجھے یہ چابک اٹھانا۔ اور پھر گورخروں کے پیچھے ہو لیا یہاں تک کہ ان میں سے ایک شکار کر لیا۔ پس میں نے بھی کھایا اور انہوں نے بھی :

تشریح:۔ ابی قتادہ کی یہ حدیث جس کی مزید تفصیل صحاح میں بھی موجود ہے ایک مختلف فیہ مسئلہ کے ایک فریق کے لئے قوی دلیل ہے۔ صورت مسئلہ اور اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ جس شکار کو حلال آدمی مارے اس کو محرم کھا سکتا ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک کھا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس نے شکاری کو کسی قسم کی مدد نہ دی ہو۔ خواہ اسی کی خاطر شکار کیوں نہ کیا جائے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ اگر غیر محرم نے شکار محرم کے لئے مارا ہے تو وہ شکار اس کے لئے حلال نہیں۔ امام شافعی کے مسلک کی دلیل حضرت جابرہ کی مرفوع حدیث ہے۔ جس کو ابو داؤد ترمذی نسائی ان الفاظ سے لائے ہیں کہ آپ نے فرمایا صید البر لکم حلال مالم تصید وہ او یصاد لکم کہ خشکی کا شکار تمہارے لئے حلال ہے۔ تاوقتیکہ تم شکار نہ کرو۔ یا وہ تمہارے لئے شکار کیا جائے امام صاحب کے مسلک کی دلیل یہی حدیث ہے جس کی تفصیل صحاح ستہ میں بھی ہے کہ ایک سفر میں یہ اور چند اصحابؓ آنحضرتؐ سے پیچھے رہ گئے۔ راہ میں ابو قتادہ نے گورخر شکار کیا بعض اصحابؓ نے اس کو کھایا اور بعض نے اس سے پرہیز کیا جب آنحضرتؐ سے آن ملے تو معاملہ آنجناب کی خدمت میں پیش کیا آپؐ نے صرف یہ سوال فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے ابو قتادہ کو شکار بتایا تھا۔ یا اس پر آمادہ کیا تھا۔ سب نے اس سے انکار کیا تو فرمایا کہ بقیہ گوشت بھی کھا کو۔ معلوم ہوا کہ گوشت کے حلال نہ ہونے کے اسباب بس یہ ہی تھے جو آنحضرتؐ نے بیان فرمائے۔ اگر ان کے علاوہ کوئی اور چیز بھی حلت کو روکنے والی ہوتی مثلاً یہ کہ شکار تمہارے لئے تو نہیں مارا تھا۔ تو آپ اس کو بھی کھول کر پوچھ لیتے۔ لہٰذا حضرت جابرہ وحضرت ابی قتادہ کی احادیث میں تعارض واقع ہوا۔ جس میں حضرت ابی قتادہ کی حدیث قابل ترجیح ٹھہرے گی۔ کہ وہ صحیحین میں بھی ہے اور دیگر کتب صحاح میں بھی بخلاف حدیث مخالف کے کہ وہ صحیحین میں نہیں۔ یا حدیث مخالف میں تاویل کریں گے۔ کہ ہر دو میں تطابق ہو جائے کہ او یصاد لکم کے یہ معنی ہیں کہ تمہارے حکم اور فرمائش سے وہ شکار کیا گیا ہو۔ اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ فرمائش ہی سے کسی کے لئے کوئی چیز حاصل کی جاتی ہے۔

باب ۱۰۶ ما یجوز للمحرم قتلہ

باب ۱۰۶ محرم کے لئے کن چیز کا مارنا جائز ہے!

۲۳۸ ابو حنیفة عن نافع عن ابن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یقتل المحرم الفارة والحیة والکلب والحداة والعقرب۔

حضرت ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ محرم چوہے۔ سانپ۔ کتے۔ چیل اور بچھو کو مار سکتا ہے۔

تشریح:۔ جن جانوروں کا بحالت احرام مار ڈالنا جائز ہے ان کی تعداد میں احادیث مختلف ہیں بعض میں کلب کے ساتھ عقور کی قید بھی ہے۔ یعنی کٹ کھنا کتا۔ بعض میں بلع کلب یعنی درندہ کا لفظ زائد ہے۔ کسی میں غراب (کوے) کا اضافہ ہے۔ انہیں جانوروں کے ذیل میں مختلف عنوانات پر علماء میں خفیف سے اختلافات ہیں۔ مثلاً اس میں علماء مختلف الرائے ہیں کہ ان جانوروں کا مار ڈالنا

جائز ہونا کس نقطہ خیال پہ مبنی ہے۔ امام شافعیؒ کا خیال ہے کہ یہ جانور کھائے نہیں جاتے اور جو جانور کھائے نہ جائیں ان کا مار دینا محرم کے لئے جائز ہے اور اس پر کوئی فدیہ نہیں۔ امام مالکؒ اس خیال کے حامل ہیں کہ یہ ایذا پہنچانے والے جانور ہیں اور ہر ایذا پہنچانے والے جانور کو محرم مار سکتا ہے۔ اسی لئے جو درندے ایذا رساں نہیں مثلاً لومڑی۔ بلی۔ بجو وغیرہ ان کا مارنا محرم کے لئے جائز نہیں ہے۔ اگر ان میں سے کسی کو مار ڈالے گا تو ان کے نزدیک اس پر فدیہ آئے گا۔ پھر کتے کے بارہ میں راویوں کا اختلاف ہے۔ بعض اس سے معروف کتا مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ اوزاعیؒ ابوحنیفہؒ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ اور اسی کے حکم میں بھیڑیا ہے اور امام زفرؒ کے نزدیک اس میں سے صرف بھیڑیا مراد ہے۔

باب ۱۰۷ نکاح المحرم!

باب ۱۰۷۔ محرم کا نکاح کرنا!

ابوحنيفة عن سماك عن ابن جبير عن ابن عباس قال تزوج رسول الله صلى الله عليه وسلم ميمونة بنت الحارث وهو محرم۔ ۲۳۹/۱

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا حضرت میمونہ بنت حارث سے اور آپؐ حالت احرام میں تھے۔

تشریح:۔ اس حدیث کے تحت ایک اختلافی مسئلہ محتاج بیان ہے۔ اس لئے ہم جانبین کا نقطہ خیال اور وجہ استدلال باختصار پیش کرتے ہیں۔ اختلاف یہ ہے کہ محرم اور محرمہ بحالت احرام نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں۔ احناف پہلی صورت کے قائل ہیں اور یہی مسلک عبداللہ بن مسعود عبداللہ بن عباس۔ انس بن مالک کا ہے اور یہی مذہب سعید بن جبیر عطاء۔ طاؤس۔ مجاہد۔ عکرمہ۔ جابر۔ عمرو بن دینار اور اہل عراق کا ہے، شافعیہ۔ مالکیہ۔ حنبلیہ دوسری صورت کے حامی ہیں اور یہی تحقیق ہے۔ حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ کے۔ مذہب حنفیہ کی دلیل قرآن۔ سنت رسول اور قیاس ہے۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے فانکحوا ما طاب لکم من النساء۔ یا انکحوا الایامی منکم کہ یہ حکم مطلق ہے۔ محرم وغیرہ محرم سب کو شامل ہے۔ خبر واحد سے عدم احرام کی اس میں قید لگانا کتاب پر زیادتی ہے۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں مختلف سلسلہ طرق سے مروی ہے۔ طحاوی بہ مجاہد۔ عطا۔ طاؤس۔ سعید بن جبیر۔ عکرمہ۔ جابر بن زید کے وسائط سے ابن عباس سے اس کی روایت کرتے ہیں۔ اول تو حضرت ابن عباس کا علم۔ اور آپ کا بے پایان تبحر کہ آنحضرتؐ کی دعا کی برکت سے آپ علم کے بحر تھے۔ قرآن کے سب سے بڑے ترجمان تھے۔ اور کلام رسول کے معنی شناس۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی صغر سنی نے کبھی آپ کے علم پر بٹہ نہیں لگایا حضرت عمرؓ فرمایا کرتے کہ ابن عباس اگر ہماری جیسی عمر پالیں تو ہم میں سے کوئی ان کا عشر عشیر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا آپ کی تنہا حدیث مذہب حنفیہ کی صداقت و صحت کے ثبوت میں بس ہے۔ نہ کہ پھر اس کے سامنہ ساتھ اور روایات صحیحہ بھی اس کی موید ہوں مثلاً حدیث عائشہؓ جو طحاوی معانی الآثار میں اور بزار اپنی مسند میں لائے ہیں۔ اس مضمون سے کہ آنحضرتؐ نے اپنی بعض عورتوں سے بحالت احرام نکاح کیا۔ سہیلی نے کہا کہ بعض سے مراد حضرت میمونہ ہیں۔ طحاوی کہتے ہیں کہ اس کے سب ناقلین ثقہ ہیں۔ یا حدیث

ابی ہریرہ جس کو دار قطنی اور طحاوی لائے ہیں۔ اس مضمون سے کہ آنحضرتؐ نے بحالت احرام حضرت میمونہ سے نکاح کیا۔

قیاس کی تائید بھی موجود ہے۔ اوّل یہ کہ نکاح دیگر عقود کے مثل ہے۔ جو بحالت احرام جائز ہیں پھر اس میں حرمت کی کیا بات ہے۔ دوسرے اگر بحالت احرام نکاح جائز نہ ہوں تو قیاس متقاضی ہیں کہ احرام سے پہلے والا نکاح بھی باقی نہ رہے۔ کیونکہ جو چیزیں نکاح کے منافی ہیں اور اس کو باطل کرنے والا۔ وہ نہ نکاح ہونے دیتی ہیں نہ اس کو باقی رکھتی ہیں ان میں ابتدا اور بقا ہر دو برابر ہیں۔ تیسرے نکاح تو بہر حال وطی کی طرح تو ہے۔ نہیں کہ محرم کے لئے حرام ہو۔ البتہ یوں کہنا پڑیگا کہ جائز ہے۔ مگر ترک اولی ہے جسطرح خطبہ (منگنی) کرنا۔ اور آپ کا عمل محض جواز کے لئے ہے۔ اگر کہیں کہ نکاح اس لئے ناجائز ہے کہ یہ وطی کا سبب ٹھہرتا ہے۔ تو چاہئے تھا کہ بحالت احرام اپنی زوجہ کو ہمراہ رکھنا بھی ناجائز ہوتا۔ کیونکہ یہ معیت بھی تو وطی کے اسباب و دواعی ہیں۔ چوتھے حضرت میمونہ حضرت ابن عباس کی خالہ ہوتی تھیں۔ ان کو نکاح کے بارہ میں جو علم ہو سکتا ہے وہ دوسرے کو کب نصیب۔ غرض یہ ہیں مذہب حنیفہ کے دلائل جن کو رد کرنا ناممکن ہے۔

دوسری جانب کے مسلک کے ثبوت میں تین احادیث ہیں ایک خود حضرت میمونہ کی حدیث دوسری یزید بن الاصم کی۔ تیسری ابورافع مولی نبی صلعم کی۔ یہ فعلی احادیث ہیں اور ایک قولی حدیث ہے جو حضرت عثمان سے مروی ہے۔ گویا کل چار احادیث ہیں۔

حضرت میمونہ کی حدیث ابوداؤد ترمذی مسلم وغیرہ لائے ہیں کہ آپ فرماتی ہیں کہ مجھ سے نکاح کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہم دونوں حلال تھے۔ چونکہ معاملہ ان کا ہے اس لئے یہ کہتے ہیں کہ ان کی بات وزن دار ہے۔ ہم کہتے ہیں بے شک ان کی بات وزنی ہے مگر کس بات میں نکاح کے معاملہ میں جس میں یہ صاحب معاملہ ہیں یا آنحضرتؐ کے احرام کے بارہ میں جو اصل میں نزاعی ہے اور اس کے علم میں یہ اور دیگر صحابہ برابر ہیں بلکہ حضرت ابن عباس کا قول بسبب اتقان۔ تفقہ و حفظ قابل وثوق ہے۔ پھر حضرت میمونہ کو آنحضرتؐ سے زیادہ قرب و ملابست جو نصیب ہوئی تو وہ مقام سرف میں حلال ہونے کی صورت میں، جبکہ زفاف ہوا۔ نہ بحالت احرام کہ ان کا قول اور دل پر مقدم ہو۔ اب اس حدیث کا اسنادی پہلو دیکھئے۔ اوّل تو یہ بخاری میں نہیں ہے یعنی بخاری نے اسے رد کیا جس سے اس کا مکرور ہونا ثابت ہوا۔ دوسرے ترمذی اس کو حدیث غریب کہتے ہیں تیسرے اسکی سند میں جریر بن حازم ابن زید بن عبداللہ الازدی ہیں جن کے بارہ میں تقریب میں کہا ہے کہ جب یہ اپنے حافظہ سے روایت حدیث کرتے ہیں تو ان کو وہم ہو جاتا ہے چوتھے یہ کہ حقیقت ہے کہ مرد عورتوں سے بہر حال حفظ و اتقان اور تفقہ میں قوی تر ہیں، لہٰذا حضرت ابن عباس کے مقابلہ میں ان کی حدیث حجت نہیں بن سکتی۔ دوسری حدیث یزید بن اصم کی ہے جن کے بارہ میں کہتے ہیں کہ اگر حضرت عباس کو حضرت میمونہ کے بھانجے ہونے کے سبب برتری حاصل ہے تو ان یزید کو بھی ان کے بھانجے ہونے کے باعث فضیلت ہونی چاہئے تو ہر دو برابر ہوئے۔ ان کی حدیث طحاوی و دیگر کتب میں ولمد

اور مضمون یہ ہی ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے حضرت میمونہ سے حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا۔ اسکے جواب میں ہم احناف کا کہنا ہے کہ اگر ترجیح قرابت ہی پر ٹھہرتی ہے تو ابن عباس کا پلہ پھر بھی بھاری ہے کیونکہ اگر آپ ایک طرف حضرت میمونہ کے بھانجے ہیں تو دوسری طرف خود آنحضرت کے چچا زاد بھائی بھی تو ہیں۔ یہ مبارک رشتہ اور بابرکت قرابت یزید کو کہاں نصیب۔ پھر ہم محض قرابت کو بنائے ترجیح کب قرار دیتے ہیں بلکہ قرابت مع آپ کی ممتاز علمی قابلیت ہے۔ یوں بھی کہاں یزید کہاں حضرت ابن عباس چنانچہ عمرو بن دینار سے نقل ہے کہ انہوں نے زہری کو یہ کہہ کر ساکت کر دیا کہ ابن الاصم ایک پیشاب کرنے والا الاعرابی کیا جانے کیا تم اس کو ابن عباس کے برابر کرتے ہو۔ اس کے علاوہ یزید کے مقابلہ میں صرف ابن عباس ہی نہیں بلکہ جیسا کہ ابھی بیان ہوا حضرت عائشہ اور ابی ہریرہ بھی ہیں کہ جن میں سے ہر ایک یزید سے زائد قابل ترجیح ہے۔ لہٰذا اب یہ ہی صورت رہ جاتی ہے کہ حدیث یزید اور حدیث میمونہؓ میں تاویل کر کے ان کو حدیث ابن عباس کے موافق کر لیا جائے۔ اس طرح کہ تزوج سے مراد زفاف ہو نہ عقد۔ کیونکہ تزوّج زفاف کے لئے سبب حادی ہے اور یہ بے شک حلال ہونے کی حالت میں ہوا۔

یہ تاویل قرین قیاس ہے۔ نہ یہ کہ حدیث ابن عباسؓ میں احرام کو دخول فی الحرم یا دخول فی شہر الحرام کے معنی میں نہیں کہ نکاح ہو جانے کا معاملہ اس وقت کھلا ہے اور ظاہر ہوا ہے۔ جبکہ آپ محرم تھے کیونکہ بعینہ یہ تاویل حنفیہ کیطرف سے یزید کی حدیث میں بھی کی جاتی ہے اور یہ قرین قیاس ہے۔ بشتر روایات کہ تزوج میمونۃ وھو حلال کے یہ معنی ہیں کہ نکاح ہو جانے کا معاملہ اس وقت ظاہر ہوا ہے کہ آپ حلال تھے۔ اکثر روایات اسی پر شاہد ہیں کہ یہ حل طاری کا واقعہ ہے گویا نکاح احرام میں ہو چکا تھا۔ واقعہ کی اشاعت حلال ہونے کیصورت میں ہوئی ہے۔ شافعیہ کی حدیث کا کہ اس کا بھی ان کے دلائل میں شمار ہے کیونکہ یہ نکاح کے انعقاد میں سفارت و رسالت کا کام انجام دے رہے تھے۔ اور رسول و سفیر معاملہ کو بہت قریب سے دیکھتا ہے اس کے جواب میں اول تو ہم وہ ہی کہتے ہیں جو حضرت میمونہ کی حدیث کے جواب میں کہا تھا۔ کہ ان کی رسالت و سفارت نکاح کے معاملہ میں ان کی بات کو وزن دار کرتی ہے۔ نہ آنحضرتؐ کے محرم یا غیر محرم ہونے کے معاملہ میں جس میں دراصل نزاع ہے۔ اور اس میں یہ اور دوسرے صحابہ یکساں ہیں۔ بلکہ دوسرے صحابہ کو خصوصاً حضرت ابن عباسؓ کو بہر صورت ان پر ترجیح ہے۔ پھر اسنادی پہلو سے بھی یہ حدیث نقیم ہے کہ اول تو صحیحین میں یہ حدیث نہیں اور ترمذی اس کو لائے ہیں تو انہوں نے اس کو صرف حسن کہا ہے۔ گویا ان کے نزدیک صحت کے درجہ تک یہ نہ پہنچ سکی۔ دوسرے اس کے اتصال پر ابن عبدالبر کو اعتراض ہے کیونکہ ابو رافع کی وفات سلیمان بن یسار کی ولادت کے تین ہی سال بعد ہوئی ہے۔ تو اب سلیمان کا ابو رافع سے کس طرح سماع ثابت ہو سکتا ہے۔ تیسرے مطر وراق جو اس کی سند میں ہے۔ ضعیف ہے۔ یحییٰ بن سعید اور امام احمد دونوں نے اسے ضعیف کہا ہے۔ فعلی حادیث

کی تفصیل تو گذر چکی، رہی قولی حدیث حضرت عثمان کی تو بے شک یہ اصول اپنی جگہ قائم ہے کہ قولی حدیث فعلی پر مقدم ہے مگر یہ جب ہے کہ قولی حدیث فعلی سے بلحاظ سند قوی تر ہو اور یہاں یہ صورت نہیں۔ کیونکہ ابن عباس سے روایت کرنے والے اصحاب فقہاء ہیں اور اہل حفظ وضبط کہ جن کی ٹکر کا حدیث عثمان میں ایک بھی نہیں۔ مثلاً سعید بن جبیر۔ عطاء۔ طاؤس۔ مجاہد۔ عکرمہ۔ جابر بن زید وغیرہ۔ اور حدیث عثمان کی روایت نبیہ بن وہب سے ہے جو نہ عمرو بن دینار کا ہم مرتبہ ہے نہ جابر بن زید کا ہم پلہ۔ نہ ہی مسروق کے مقابلہ کا جو عائشہ سے روایت کرتے ہیں۔ قسطلانی نے ارشاد ساری میں کہا ہے کہ بخاری نے حدیث عثمان کو ضعیف بتایا ہے کیونکہ اس میں نبیہ بن وہب ہے۔ تیسرے دونوں احادیث فعلی و قولی میں تطبیق بآسانی ہو سکتی ہے کہ یہ نہی تنزیہی ہے۔ جس طرح خطبہ (منگنی) میں نہ نہی تحریمی۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ احرام میں حاجی کی شان کے خلاف ہے کہ اس قسم کے مشاغل میں مصروف ہو جو اس کی عبادت میں خلل اندازی کا کام کریں۔ کیونکہ وہ اس سلسلہ میں منگنی کے بکھیڑوں میں الجھے گا۔ پیام رسانی بجواب وسوال ضیافت مہمانوں کے جھگڑوں سے دوچار ہوگا۔ جو رقت قلبی اس کی ساری عبادت کو دھول میں ملا دیں گے۔ البتہ چونکہ آنحضرتؐ کو اپنے تمام قویٰ پر پورا اقتدار و قبضہ حاصل تھا اس لئے آپ کے لئے یہ سب کچھ روا تھا۔ پھر شافعیہ کا تو دکیا اس تاویل کی تائید کرتا ہے کہ انہوں نے ولا یخطب میں نہی تنزیہی مانی ہے تو لا ینکح جو اس کے برابر میں ہے نہی تنزیہی کیوں مراد نہ لیں۔ لہٰذا اس پوری بحث کے اختتام پر یہ ماننا پڑیگا۔ کہ مذہب حنفیہ ہی ازروئے قرآن سنت اور بتقاضائے قیاس اور درائت درست ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

بَابُ ۱۰۸ حِجَامَةِ الْمُحْرِمِ!

باب ۱۰۸ محرم کا پچھنے لگوانا!

۲۴۰/۲۱ ابوحنیفۃ عن حماد عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ صلعم احتجم وھو محرم۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگائے جبکہ آپ احرام باندھے ہوئے تھے۔

تشریح: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ احرام میں پچھنے لگانا جائز ہے اور اس مسئلہ کی بنا قرآن کی یہ آیت کریمہ ہے۔ فمن کان منکم مریضا او بہ اذی من راسہ ففدیۃ گویا یہ عذر کی بنا پر ہے اور اس پر بھی فدیہ ہے۔

بَابُ ۱۰۹ اِسْتِلَامِ الرُّکْنِ وَالْحَجَرِ!

باب ۱۰۹۔ رکن اور حجر اسود کو بوسہ دینا!

۲۴۱/۲۱ ابوحنیفۃ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال ما ترکت استلام الحجر منذ رائیت

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں چھوڑا بوسہ حجر اسود کا جب سے دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستلمہ ؛

علیہ وسلم کو بوسہ دیتے ہوئے ؛

تشریح :- حجر اسود کو بوسہ دینا ائمہ اربعہ کے نزد سنت ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

۲۴۲/۲ **ابو حنیفة** عن حماد عن ابراهیم عن علقمة عن ابن مسعود ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ما انتهیت الی الرکن الیمانی الا لقیت عنده جبرئیل وعن عطاء بن ابی رباح قال قیل یا رسول الله تکثر من استلام الرکن الیمانی قال ما اتیت علیه قط الا وجبرئیل قائم عنده یستغفر لمن یستلمه ؛

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جب بھی رکن یمانی کے قریب گیا میں نے اسکے پاس حضرت جبریل علیہ السلام کو پایا۔ عطاء بن ابی رباح سے (مرسل) مروی ہے کہ آنحضرت سے عرض کیا گیا کہ آپ رکن یمانی کو چھوتے ہیں یا بوسہ دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں کبھی بھی اس کے پاس نہیں آیا مگر یہ کہ میں نے جبریل علیہ السلام کو اس کے پاس کھڑے ہوئے اور بوسہ دینے والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہوئے پایا ہے ؛

تشریح :- اس کی تائید اس حدیث سے ملتی ہے جسکو ابو الشیخ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں اس مضمون سے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں رکن یمانی پر جب بھی گذرا اس کے پاس میں نے ایک فرشتہ پایا جو پکار پکار کر آمین کہتا ہے۔ لہذا تم جب اس کے پاس سے گذرو تو یہ دعا پڑھو ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار ؛

۲۴۳/۳ **ابو حنیفة** عن عبد الله عن ابن عمر ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یقول بین الرکن الیمانی والحجر الاسود اللهم انی اعوذ بک من الکفر والفقر والذل وموقف الخزی فی الدنیا والاخرة ؛

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان کھڑے ہو کر فرماتے اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیرے ذریعہ کفر۔ فقر۔ ذلت اور دنیا و آخرت میں رسوائی کی جگہوں سے ؛

تشریح :- اس قسم کی دعاؤں کے ذیل میں جو احادیث آئی ہیں۔ ان میں گو بعض باعتبار سند ضعیف ہیں مگر ایک دوسرے سے مل کر یہ قوی ہو جاتی ہیں۔ پھر بعض صحیح و حسن بھی ہیں۔ اس کے علاوہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیثیں بھی قابل عمل ہوتی ہیں ؛

۲۴۴/۴ **ابو حنیفة** عن حماد عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال طاف النبی صلی الله علیه وسلم بالبیت وهو شاک علی راحلته یستلم الارکان بمحجنه ؛

وفی روایة قال طاف النبی صلی الله علیه وسلم بین الصفا والمروة وهو شاک علی راحلته ؛

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کیا بیت اللہ کا بحالت بیماری اپنی سواری پر۔ بوسہ دیتے تھے آپ رکن یمانی اور حجر اسود کو اپنی خمیدہ لکڑی سے ؛

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ (ابن عباسؓ نے) کہا کہ سعی کی نبی صلی اللہ علیہ نے صفا اور مروہ کے درمیان بحالت بیماری اپنی سواری پر ؛

تشریح:۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بسبب بیماری سواری پر سعی جائز ہے۔ ارکان سے رکنین یمانیین مراد ہیں۔ کیونکہ رکنین شامیین کو بوسہ نہیں دیا جاتا۔ گو بعض سلف نے اس کو مستحب کہا ہے۔ مگر اتفاق اسی پر ہے۔ قاضی ابو الطیب اور نووی نے کہا ہے کہ اس پر ائمہ کا اجماع ہے۔

۲۴۵/۲۵ **ابوحنیفة** عن عطاء عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمل من الحجر الی الحجر۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمل کیا حجر اسود سے حجر اسود تک (گویا پورے شوط میں)۔

تشریح:۔ رمل کہتے ہیں سینہ تان کر شانوں کو ہلاتے ہوئے تیز تیز قدم چلنا جسطرح فوجی جوان چلتا ہے۔ آنحضرتؐ نے تین دوروں میں رمل ہی کیا۔ اور چار میں حسب عادت رفتار میں چلے۔ حضرت جابر سے بھی اسی طرح مروی ہے اب صحیحین میں ابن عباس سے ہر دو رکنوں کے درمیان جو صرف مشی کی روایت ہے وہ حدیث جابر سے منسوخ ہے۔ نووی اور قسطلانی نے اس کی تصریح کی ہے کیونکہ حدیث ابن عباس میں عمرۃ القضا کے واقعہ کیطرف اشارہ ہے جو ۷ھ میں قبل فتح مکہ وقوع پذیر ہوا پھر جب آپ نے حجۃ الوداع ادا فرمایا تو رمل کیا۔ لہٰذا چونکہ جابر کی حدیث متاخر واقعہ کو بیان کرتی ہے اس لئے یہی قابل عمل ہے۔

بَابُ[۱۱۰] الجمع بعُرفةِ

باب[۱۱۰]۔ عرفہ میں دو نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنا!

۲۴۶/۱ **ابوحنیفة** عن یحیی بن ابی حیّة ابی جناب عن هانی بن یزید عن ابن عمر قال افضنا معه من عرفات فلما نزلنا جمعًا اقام فصلینا المغرب معه ثم تقدّم فصلی رکعتین ثم دعا بماء فصب علیه ثم اوی الی فراشه فقعد ناننتظر الصلوٰة طویلا ثم قلنا یا ابا عبد الرحمٰن الصلوٰة فقال ای الصلوٰة فقلنا العشاء الآخرة فقال اما کما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقد صلیتُ۔

ہانی بن یزید کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عمرؓ کے ہمراہ عرفات سے واپس ہوئے تو مزدلفہ میں اترے پھر اقامت کہی اور ہم نے آپ کے ہمراہ مغرب کی نماز پڑھی پھر آپ آگے بڑھے اور (نماز عشاء کی) دو رکعات ادا فرمائیں اس کے بعد پانی منگا کر غسل کیا اور بستر استراحت پر جا کر لیٹ گئے ہم نماز کے انتظار میں بہت دیر تک بیٹھے رہے آخر ہم نے کہا اے ابا عبدالرحمٰن نماز (یعنی نماز کیلئے تشریف لائیے) آپ نے کہا کونسی نماز ہم نے کہا عشاء کی نماز آپ نے کہا کہ جسطرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔ میں نے بھی پڑھی۔ (یعنی ہر دو نمازوں کو جمع کر کے)

وفی روایة عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیه وسلم جمع بین المغرب والعشاء۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ ابن عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے مغرب اور عشاء کو جمع کیا۔

تشریح :۔ یہاں حنفیہ و شافعیہ کا اختلاف ہے کہ دونوں نمازیں ایک اذان و اقامت سے ادا کی جائیں یا ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ اذان و اقامت کہی جائے۔ حنفیہ پہلے خیال کے پیرو ہیں اور شافعیہ اس خیال کے حامی کہ اذان ایک ہے اور اقامت علیحدہ علیحدہ۔ مذہب حنفیہ کے ثبوت پر حضرت ابن عمر کی اکثر و بیشتر احادیث جو صحاح میں مروی ہیں دال ہیں اور بعض روایات حضرت جابرؓ بھی۔ بلکہ ابن عباس اور ابوایوب کی روایات بھی اسی خیال کی موید ہیں۔ چنانچہ ابن عباس کی حدیث ہیں جس کو ابوالشیخ اصبہانی نے نقل کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں صاف الفاظ ہیں صلی المغرب والعشاء باقامۃ واحدۃ کہ آپ نے نماز مغرب و عشا ایک ہی اقامت سے ادا فرمائی۔ اور السیاہی مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ حضرت ابی ایوب کی روایت ہے اور حدیث ذیل بھی اسی نقطہ خیال کو قوی کرتی ہے۔ شافعیہ کے حجت اسامہ بن زید کی حدیث ہے جو صحیحین میں مذکور ہے جس کے صاف الفاظ ہیں فصلی بھا المغرب والعشاء باذان واحد واقامتین کہ آپ نے مزدلفہ میں مغرب و عشا ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائیں۔ بہر حال روایات میں سخت تعارض ہے۔ جس سے معاملہ زیر بحث میں تردد پیدا ہو گیا۔ تو اصولاً اقل تلیقن (ایک اقامت) پر عمل کرنا قرین قیاس ہے ؛

۲۴۷/۲ **ابوحنیفۃ** عن عدی عن عبداللہ بن یزید عن ابی ایوب قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المغرب والعشاء فی حجۃ الوداع بالمزدلفۃ ؛

حضرت ابوایوب سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حجۃ الوداع میں بمقام مزدلفہ مغرب و عشا کی نمازیں پڑھیں ؛

تشریح :۔ بخاری۔ مسلم۔ نسائی۔ ابن ماجہ اور امام محمدؒ کی موطا میں یہ ہی حدیث اسی سند سے لائے ہیں۔ طبرانی میں جابر جعفی اور محمد بن ابی لیلیٰ کے واسطہ سے یہ ہی حدیث اسی سند سے منقول ہے مگر اس میں باقامۃ واحدۃ کا لفظ بھی ہے جو مذہب حنفیہ کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ ثقہ کی زیادتی معتبر ہے۔ جابر الجعفی میں اگرچہ ضعف ہے مگر محمد کے ساتھ مل کر اس کا ضعف دور ہو گیا ؛

۲۴۸/۳ **ابوحنیفۃ** عن ابی اسحٰق عن عبداللہ بن یزید الخطمی عن ابی ایوب ان رسول اللہ صلعم صلی المغرب والعشاء بجمع باذان واقامۃ واحدۃ ؛

حضرت ابی ایوب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام مزدلفہ میں ایک اذان اور ایک تکبیر سے نماز مغرب و عشا ادا فرمائیں ؛

تشریح :۔ یہ حدیث اسی کی ترجمانی کرتی ہے۔ جس کی تائید میں ہم طبرانی کی حدیث پیش کر چکے ہیں ؛

بابؑ۱۱۱ رمی الجمار !

بابؑ۱۱۱۔ کنکری پھینکنے کے بیان میں !

۲۴۹/۱ **ابوحنیفۃ** عن سلمۃ عن الحسن عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ وسلم انہ عجّل ضَعَفَۃَ اھلہ وقال لھم لا

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کمزور گھر والوں کو (عورتوں۔ بچوں بوڑھوں اور بیماروں کو) جلد روانہ فرما دیا اور ان سے

ترموا جمرة العقبة حتیٰ تطلع الشمس ؛ فرمایا کہ رمی جمرہ عقبہ نہ کریں جب تک آفتاب طلوع نہ ہو ؛

تشریح :۔ اس عمل میں مصلحت یہ تھی کہ اژدحام سے پہلے پہلے یہ رمی سے فارغ ہو لیں۔ ارشاد الساری میں یہی ہے ؛

۲۵۰/۷۲ **ابوحنیفة** عن حماد عن سعید بن جبیر عن ابن عمرؓ قال بعث رسول الله صلعم ضعفة اهله و قال لهم لا ترموا جمرة العقبة حتی تطلع الشمس ؛

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کے ضعیفوں کو بھیجا اور فرمایا کہ جب تک آفتاب طلوع نہ ہولے رمی جمرہ عقبہ نہ کرو ؛

تشریح :۔ احناف رمی جمرہ رات کو جائز نہیں مانتے جس طرح طواف افاضہ صبح سے پہلے جائز نہیں ہے مالکیہ کا بھی یہی مسلک ہے، شافعیہ اور حنبلیہ نصف رات کے بعد رمی جائز قرار دیتے ہیں۔ حنفیہ و مالکیہ کے مسلک پر یہ دونوں احادیث دلالت کرتی ہیں ؛

۲۵۱/۷۳ **ابوحنیفة** عن عطاء عن ابن عباسؓ ان النبی صلی الله علیه وسلم لبی حتی رمی جمرة العقبة وفی روایة عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم اردف الفضل بن عباسؓ وکان غلامًا حسنًا فجعل یلاحظ النساء والنبی صلی الله علیه وسلم یصرف وجهه فلبّی حتی رمی جمرة العقبة ؛

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمی جمرہ عقبہ تک برابر تلبیہ کہتے رہتے۔ اور ایک روایت میں ابن عباس سے اس طرح روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل بن عباس کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھایا اور یہ حسین وجمیل نوجوان آدمی تھے تو عورتوں کو تکتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انکا چہرہ پھیر دیتے۔ پس آپ نے تلبیہ کہا رمی جمرہ عقبہ تک ؛

وفی روایة عن ابن عباس عن الفضل اخیه ان النبی صلعم لم یزل یلبی حتی رمی جمرة العقبة ؛

اور ایک اور روایت میں ابن عباس اپنے بھائی فضل سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمی جمرہ عقبہ تک برابر تلبیہ کہتے رہے ؛

تشریح :۔ یہاں ائمہ اس امر میں مختلف ہیں کہ حاجی تلبیہ کب تک کہے۔ امام ابوحنیفہ ۔ شافعی ۔ سفیان ثوری ۔ جمہور صحابہ و تابعین اور فقہائے امصار کا مسلک ہے کہ یوم نحر کی صبح رمی جمرہ کے شروع کرنے سے پہلے پہلے تک کہے۔ رمی شروع کرتے ہی بند کر دے۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ عرفہ کے دن نماز صبح تک پھر بند کر دے۔ حضرت علیؓ ابن عمرؓ عائشہؓ مالک اور فقہائے مدینہ کا مذہب ہے کہ عرفہ کے دن زوال آفتاب تک تلبیہ کہے وقوف کے شروع ہونے کے بعد نہ کہے۔ احمد ۔ اسحاق ۔ اور بعض سلف کا خیال ہے کہ رمی جمرہ عقبہ سے فراغت تک کہے۔ امام ابوحنیفہ شافعی و جمہور علماء کی حجت حدیث ذیل ہے اور دیگر احادیث صحیحہ مگر مخالفین کے پاس کوئی معقول حجت نہیں ہے۔ حدیث ذیل کی آخری روایت کے لفظ کم

ویزل سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مذہب امام احمد و اسحاق کا ثبوت ہوا۔ مگر نہیں اس ثبک کو نسائی کی روایت فاذا دمی قطع النبلیۃ رفع کرتی ہے۔ گویا ادھر رمی شروع ہوئی۔ اور پہلی کنکری ماری اور ادھر تلبیہ ختم ؁

بَابُ ۱۱۲ الرُّکُوبِ عَلٰی بُدْنَتِہٖ !

باب ۱۱۲۔ اپنے قربانی کے جانور پر سوار ہونا !

ابوحنیفۃ عن عبد الکریم عن انسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلًا یسوق بدنۃ فقال ارکبہا ؁

۲۵۲/۱ روایت کی عبد الکریم نے حضرت انسؓ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنی قربانی کے جانور کو ہانکتا ہے۔ تو اس سے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جا؁

تشریح:۔ یہاں اس بارے میں ائمہ مختلف ہیں کہ قربانی کے جانور پر حاجی سواری ہو سکتا ہے۔ یا نہیں۔ بعض اس کے مطلق وجوب کے قائل ہیں بعض مطلق منع کے اور بعض مطلق جواز کے۔ ملا علی قاری اور قسطلانی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعیہ وحنفیہ اس بارے میں متفق ہیں، مگر ترمذی عینی۔ کرمانی۔ نووی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اختلاف ہے کہ شافعیہ معمولی ضرورت کے وقت بھی سواری کو جائز رکھتے ہیں۔ اور حنفیہ صرف ایسی ضرورت کے وقت اس کو جائز جانتے ہیں جو سخت مجبوری اور ناگزیر حالت تک پہنچ گئی ہو۔ گویا پیدل چلنا سخت دشوار ہو اور بغیر سواری چارہ کار نہ ہو۔ چنانچہ حضرت جابرؓ۔ ابی ہریرہ۔ انسؓ کی احادیث کے ظاہری الفاظ سے یہ بات ظاہر ہے۔ بخاری نے آنحضرت کیطرف سے سواری کے لئے تین بار اصرار کرنے کی روایت بیان کی ہے۔ ابی ہریرہ کی حدیث میں دوسری یا تیسری بار وَیْلَکَ کا لفظ بھی ہے۔ مسلم میں حضرت جابرؓ کی حدیث میں اِذَا اُلْجِئْتَ اِلَیْھَا کا لفظ ہے کہ جب تو اس کے لئے مجبور ہو جائے کہیں وَیْلَکَ کی جگہ وَیْحَکَ کا لفظ بھی ہے۔ لہٰذا یہ تمام حالات شہادت دیتے ہیں کہ سواری بصورت شدید مجبوری جائز ہے۔ نہ معمولی ضرورت وحاجت پر ؁

بَابُ ۱۱۳ التَّمَتُّعِ وَالْقِرَانِ

باب ۱۱۳۔ تمتع اور قرآن !

ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن الصُبَیّ بن معبد قال اقبلتُ من الجزیرۃ حاجًا فمررت بسلمان ابن ربیعۃ وزید بن صوحان وھما شیخان بالعذیبۃ قال فسمعانی اقول لبیک بعمرۃ وحجۃ

۲۵۳/۱ حضرت صبی بن معبد کہتے ہیں کہ میں جزیرہ سے حج کی نیت سے آیا اور سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان عزبیہ کے دو بڑے شیخوں کے پاس سے میرا گذر ہوا جب انہوں نے مجھ کو یہ کہتے ہوئے سنا لبیک بعمرۃ وحجۃ تو ان میں سے ایک بولے کہ یہ شخص (میں) اپنے اونٹ

فقال احدهما هذا الشخص اضل من بعيره
وقال الآخر هذا اضل من كذا وكذا.
قال فمضيت
حتى اذا قضيت نسكى مررت
بامير المؤمنين عمرؓ فاخبرته
كنت رجلاً بعيد الشقة قاصى الدار
اذن الله لى فى هذا الوجه فاحببت
ان اجمع عمرة الى حجة فاهللت بهما
جميعا ولم آنس فمررت بسلمان بن
ربيعة وزيد ابن صوحان فسمعانى
اقول لبيك بعمرة وحجة معا فقال
الآخر هذا اضل من كذا وكذا
قال فصنعت ماذا قال مضيت
فطفت طوافا لعمرتى وسعيت
سعيا لعمرتى ثم عدت ففعلت
مثل ذالك ثم بقيت حراما اصنع
كما يصنع الحاج حتى اذا
قضيت اخر نسكى قال هديت
لسنة نبيك محمد صلى الله
عليه وسلم ؛

وفى رواية عن الصبى بن معبدؓ
قال كنت حديث عهد بنصرانية
فقدمت الكوفة اريد الحج فى زمان
عمر بن الخطابؓ فاهل سلمان وزيد
بن صوحان بالحج وحده واهل
الصبى بالحج والعمرة فقالا ويحك

سے بھی زیادہ گمراہ (مناسک حج سے جاہل) ہے اور
دوسرے بولے یہ فلاں فلاں سے بھی زیادہ بہکا ہوا
(ناآشنا اور نابلد) ہے۔ مگر میں اپنے کام میں لگا رہا
(یعنی ان کے کہنے پر توجہ نہیں کی) یہاں تک کہ جب
میں ارکان حج سے فارغ ہوا تو امیر المومنین حضرت عمر
کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ میں دور
دراز اطراف ملک کا رہنے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے
میرے لئے قران کی یہ شکل مقرر فرمائی تو مجھ کو یہ بات
پسند آئی کہ میں حج وغیرہ کو اکٹھا کرلوں لہذا میں نے
دونوں کی نیت سے احرام باندھا۔ اور میں نے یہ فیصلہ
کیا۔ پھر جب سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان میرے پاس
سے گذرے۔ تو انہوں نے مجھ کو یہ کہتے ہوئے سنا
لبیک بعمرۃ وحجۃ (گویا قران کیلئے) تو ان میں سے
ایک نے کہا کہ یہ شخص اپنے اونٹ سے زیادہ (مسائل حج
سے) ناواقف ہے۔ اور دوسرے نے کہا کہ یہ فلاں فلاں
سے زیادہ (ارکان حج سے) ناواقف ہے۔ اس پر حضرت
عمر نے فرمایا کہ پھر تم نے کیا کیا۔ میں نے کہا کہ میں بدستور
مناسک بجا لاتا رہا میں نے طواف کیا عمرہ کے لئے
اور سعی کی عمرہ کے لئے پھر دوبارہ ایسا ہی کیا پھر میں (حج
کے لئے) محرم رہا کہ میں وہ ہی کروں جو ایک حاجی کرتا ہے
یہاں تک کہ جب میں نے تمام ارکان حج آخر تک پورے
کر دیے تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کی سنت کے بالکل مطابق کیا؛

اور ایک روایت میں ہے کہ صبی بن معبد نے
کہا کہ مجھ کو دین عیسوی چھوڑے ہوئے چند ہی دن
ہوئے تھے کہ میں دور عمر بن الخطاب میں حج کے ارادے
سے کوفہ آیا سلمان اور زید بن صوحان نے صرف حج
کی نیت سے احرام باندھا۔ (یعنی قران کی شکل میں)
تو اس پر وہ دونوں بولے اے خانہ خراب تمتع

تمتعت وقد نهى رسول الله صلى الله
عليه وسلم عن المتعة قال له والله
لانت اضل من بعيرك قال نقدم
على عمر ونقدمون فلما قدم
الصبي مكة طاف بالبيت وسعى
بين الصفا والمروة لعمرته ثم
رجع حراما لم يحل من شئ ثم طاف بالبيت
وبين الصفا والمروة لحجته ثم اقام
حراما لم يحلل منه حتى اتى عرفات
وفرغ من حجته فلما كان يوم النحر ۱۸
حل فاهراق دما لمتعته فلما صدروا
من حجهم مروا بعمر بن الخطاب رض
فقال له زيد بن صوحان يا امير
المؤمنين انك نهيت عن المتعة
وان الصبي بن معبد قد تمتع قال
متعت ماذا يا صبي قال اهللت
يا امير المؤمنين بالحج والعمرة
فلما قدمت مكة طفت بالبيت
وطفت بين الصفا والمروة لعمرتي
ثم رجعت حراما ولم احل من شئ
ثم طفت بالبيت وبين الصفا و
المروة لحجتي ثم اقمت حراما
يوم النحر فاهرقت دما لمتعتي
ثم احللت قال فضرب عمر على ظهره
وقال هديت لسنة نبيك صلى
الله عليه وسلم ؛

وفي رواية عن الصبي قال خرج
هو وسلمان بن ربيعة وزيد بن

کی نیت کرتا ہے تو حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
تمتع سے منع فرمایا ہے۔ ان دونوں نے اس سے
(صبی سے) کہا۔ قسم اللہ کی تو اپنے اونٹ سے بھی زیادہ
گمراہ ہے۔ صبی نے جواب دیا کہ ہم تم حضرت عمرؓ کے پاس
چل رہے ہیں۔ پھر جب آئے صبی مکہ میں تو بیت اللہ کا طواف
کیا اور صفا و مروہ کے درمیان عمرہ کیلئے سعی کی۔ اس کے
بعد محرم ہی رہے۔ حلال نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ
بیت اللہ کا کیا اور صفا و مروہ کے درمیان حج کیلئے سعی
کی اور پھر محرم رہے۔ حلال نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ
آئے عرفات میں اور ارکان حج سے فراغت حاصل کی
پھر جب نحر کا دن آیا۔ تو متعہ کے لئے (قران کے لئے)
قربانی کی۔ چنانچہ جب لوگ اپنے حج سے لوٹے۔ تو (راستہ
میں) حضرت عمرؓ کے پاس انہوں نے حاضری دی اور ان
سے زید بن صوحان نے عرض کیا اے امیر المومنین آپ
نے تو متعہ (یعنی قران وتمتع ہر دو کو شامل ہے) روکا
ہے اور صبی بن معبد نے تمتع ہر دو کیا۔ حضرت عمرؓ نے صبی
سے پوچھا۔ صبی تم نے کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا
اے امیر المومنین میں نے احرام باندھا حج و عمرہ دونوں
کی نیت سے۔ پھر جب میں مکہ میں آیا۔ تو عمرہ کے لئے
بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان
عمرہ کیلئے سعی کی۔ اسکے بعد محرم ہی رہا۔ حلال نہ
ہوا۔ پھر بیت اللہ کا طواف (قدوم) کیا اور صفا و
مروہ کے درمیان حج کے لئے سعی کی پھر محرم رہا یہاں
تک کہ نحر کے دن متعہ کیلئے قربانی کر کے میں (ہر دو احراموں
سے) حلال ہوگیا۔ تو کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے
میری پیٹھ ٹھونکی اور کہا کہ البتہ تو نے پالیا اپنے نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کی سنت کو۔

اور ایک اور روایت میں صبی سے یوں روایت
ہے کہ انہوں نے کہا کہ وہ سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان

صوحان يريدون الحج قال فاما الصُبّيّ نَقَرَنَ الحج والعُمرة جميعًا واما سلمان وزيد فافردا الحج ثم اقبلا على الصبّي يلومانه فيما صنع ثم قالا له انت اضلّ من بعيرك تقرن بين الحج والعمرة وقد نهى امير المؤمنين عن العمرة والحج قال تقدمون على عمر وانذم قال فمضوا حتّى دخلوا مكة فطاف بالبيت لعمرته ثم سعى بين الصفا والمروة لعمرته ثمّ عاد فطاف بالبيت لحجته ثم سعى بين الصفا والمروة ثم اقام حرامًا كما هو لم يحل له شئ حرّم عليه حتّى اذا كان يوم النحر ذبح ما استيسر من الهدى شاةً فلمّا قضوا نسكهم مرّوا بالمدينة فدخلوا على عمرؓ فقال له سلمان وزيد يا امير المؤمنين ان الصبّيّ قرن بالحج والعمرة قال صنعت ماذا قال لمّا قدمت مكة طفت طوافا لعمرتي ثم سعيت بين الصفا والمروة لعمرتي ثمّ عدت فطفت بالبيت لحجتي ثم سعيت بين الصفا والمروة لحجتي قال ثم صنعت ماذا قال اقمت حرامًا لم يحل لى شئ حرّم علىّ حتى اذا كان يوم النحر ذبحت ما استيسر من الهدى شاةً قال فضرب عمر على كتفه ثم قال هديت لسنّة نبيّك صلى الله عليه وسلم۔

تینوں حج کے ارادہ سے نکلے صبیؔ نے تو قران کی۔ (احرام میں) نیت کی اور سلمان اور زید نے تنہا حج کی۔ تو وہ دونوں قران کرنے پر صبی کو برا بھلا کہنے لگے اور کہا تو اپنے اونٹ سے زیادہ جاہل ہے کہ تو حج وعمرہ اور حج کو جمع کرتے سے منع فرمایا ہے۔ صبی نے کہا ہم تو حضرت عمرؓ کے پاس چلتے ہیں تاکہ ان سے دریافت کریں پس وہ چل دیئے۔ یہاں تک کہ داخل ہوئے مکہ میں تو صبی نے عمرہ کے لئے طواف بیت اللہ کیا اور عمرہ کے لئے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ پھر دوبارہ حج کیلئے طواف کیا اور سعی کی۔ پھر بحال خود محرم رہے حلال نہیں ہوئے۔ کہ کوئی حرام کی ہوئی چیز ان کے لئے حلال ہوگئی۔ پھر جب قربانی کا دن آیا تو جو میسر آسکا قربانی کے جانور سے ایک بکری ذبح کی آپ مناسک حج سے فارغ ہوئے تو مدینہ میں حضرت عمرؓ کیخدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے سلمان اور زید نے کہا اے امیر المومنین صبی نے جمع کیا حج وعمرہ کو (گویا آپ نے تو اس سے منع فرمایا ہے) تو عمر نے صبی سے کہا کہ تم نے کیسا کیا انہوں نے کہا کہ میں مکہ میں آیا۔ اور عمرہ کیلئے طواف کیا اور عمرہ کے لئے سعی صفا و مروہ کے درمیان کی پھر دوبارہ میں نے حج کے لئے بیت اللہ کا طواف کیا اور حج کیلئے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ پھر تم نے کیا کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اسکے بعد محرم ہی رہا۔ میں نے اپنے اوپر حرام کی ہوئی چیز کو حلال نہیں کیا۔ یہاں تک کہ جب قربانی کا جانور جو مجھے مل سکا ایک بکری ذبح کی۔ کہتے ہیں کہ عمرؓ نے میرے شانے پر ہاتھ مار کر مجھ پر آفرین کہی۔ پھر فرمایا کہ تم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پا لی۔

تشریح:۔ اس حدیث میں دو مسئلے قابل تشریح ہیں جن پر ائمہ کا اختلاف ہے۔ اول یہ کہ تینوں اقسام حج افراد۔ قران۔ تمتع میں کون سی قسم افضل ہے دوسرے یہ کہ قارن دو طواف دو سعی کرے یا ایک ایک۔ پہلے میں نوعیت اختلاف یہ ہے کہ ابوحنیفہ قران کو افضل مانتے ہیں پھر تمتع کو اور پھر افراد کو۔ امام شافعی و احمد افراد کو افضل خیال کرتے ہیں اور امام مالک تمتع کو۔ ثوری۔ اسحاق اور بہت سے اہل علم حدیث امام صاحب کے ساتھ متحد الخیال ہیں۔ اور عمر۔ علی۔ عائشہ۔ ابی طلحہ۔ عمران بن حصین۔ سراقہ بن مالک۔ ابن عمر۔ ابن عباس۔ براء بن عازب۔ حضرت حفصہ ام المومنین سے بھی اسی قسم کی روایات منقول ہیں۔ اصل مرکز اختلاف یا وجہ نزاع حجۃ الوداع کا واقعہ ٹھہرتا ہے کہ اس میں آنحضرت کا عمل کیا تھا۔ ہر ایک نے اپنے مذہب کی دلیل اسی واقعہ کو بنایا ہے۔ کیونکہ ہجرت کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلا حج تھا اور آخری بھی یہی تھا۔ لہذا جو اس میں آپ کا عمل ہوگا وہ ہی افضل ہوگا۔ شافعیہ اپنے مسلک کی تائید میں روایات اور قیاس دونوں سے دلیل لاتے ہیں روایات میں سے حضرت جابر ابن عمر۔ ابن عباس عائشہ سے روایات نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ نووی نے بہت شد و مد کے ساتھ اس پر ثبوت پیش کیا ہے اور ان میں سے ہر صحابی کی افضلیت ثابت کی ہے۔ مزید براں کہتے ہیں کہ خلفاء میں ابوبکر عمر و عثمان نے اس پر ہمیشگی کی ہے۔ گویا افراد ہی کرتے رہے ہیں۔ پھر اس کو اس قیاس آرائی سے مضبوط کیا ہے۔ کہ افراد میں دم نہیں اور قران و تمتع میں دم جبر ہے۔ جو ان کے نقص کی علامت ہے۔ یہ ہیں ان کے دلائل جو انہوں نے پیش کئے ۔

احناف کے نزدیک دلیل اول تو یہی حدیث ہے۔ کہ حضرت عمر صبی بن معبد کو قران پر شاباش دے رہے ہیں اور اس کو سنت نبوی قرار دیتے ہیں۔ دوسری مضبوط حجت عمران بن حصین کی روایت ہے جسکو مسلم لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج و عمرہ کو جمع کیا پھر وفات تک اس سے نہیں روکا نہ اس کی حرمت پر قرآن نازل ہوا۔ تیسرے ابن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ تمتع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں یعنی عمرہ کے لئے بھی احرام باندھا اور حج کے لئے بھی۔ چوتھے عائشہ سے بھی ایسی روایت لائے ہیں۔ پانچویں طحاوی میں ام سلمہ سے ترمذی ابن ماجہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے ایک عمرہ حدیبیہ دوسرا عمرۃ القضاء ذی قعدہ میں آنے والے سال۔ تیسرا جعرانہ سے۔ چوتھا عمرہ حجۃ الوداع کے ساتھ۔ لہذا یہ چھ ناقابل تردید دلائل ہیں جو احناف کے مسلک کو سنت نبوی کی روشنی میں ثابت کرتے ہیں۔ ساتویں حجت قرآن پاک کی یہ آیت ہے واتموا الحج والعمرۃ للہ کہ حاکم اپنی مستدرک میں بہ شرط شیخین یہ روایت لائے ہیں کہ علی سے کسی نے اس آیت کے بارہ میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اتمام کی شکل یہ ہے کہ تو حج و عمرہ کے لئے اپنے گھر سے احرام باندھے۔ یعنی قران کرے۔ ابن مسعود سے بھی ایسی ہی روایت ہے۔ چنانچہ یہ ہی افضل ہے اگر انسان اس پر قادر ہو۔ کیونکہ اس میں مشقت بھی زیادہ ہے۔ اور تعظیم بیت اللہ بھی۔ تو جب قرآن پاک میں قران کا ذکر آئے تو یہ باقی انواع پر افضل کیوں نہ ہو۔ پھر قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ قران کیصورت میں دو

عبادتیں ایک ساتھ ہوتی ہیں جو بہر حال ایک عبادت سے اچھی ہیں اور افضل مثلاً کوئی روزہ دار بھی اور معتکف بھی یا کوئی حراست فی سبیل اللہ میں بھی مصروف ہو اور تہجد گذاری میں بھی۔ اب مذہب شافعیہ کو ملاحظہ فرمایئے کہ آپ نے دیکھا کہ جن صحابہ سے یہ روایات لاتے ہیں کہ اپنے مذہب کی تائید کریں۔ انہی سے خوالہیں کی کتابوں میں اس کے خلاف بھی یعنی مذہب حنفیہ کی تائید میں روایات ثابت ہیں۔ مثلاً عائشہؓ ابن عمرؓ یا ابن عباس جن کی حدیث ابھی آرہی ہے۔ البتہ یہ لیں جیز کو اپنے مذہب کے بچاؤ میں ناقابل فسخ مورچہ سمجھتے ہیں وہ حضرت عمر و عثمان کی سختی سے ممانعت ہے کہ لوگ تمتع نہ کریں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ خود مسلم ابی موسیٰ سے روایت لائے ہیں کہ وہ متعہ کے لئے فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ایک شخص نے ان کو حضرت عمر کا حوالہ دیا اور ٹوکا کہ آپ اس فتویٰ سے باز آیئے۔ چنانچہ انہوں نے جب خود حضرت عمر سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں خود جانتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا۔ اور آپ کے اصحاب نے بھی مگر میں اس کو برا سمجھتا ہوں کہ لوگ حلال ہو جائیں اور عرفات کی طرف نکلنے تک عورتوں سے وطی کریں اور ایسی حالت میں نکلیں کہ قطرے ٹپکتے ہوں۔ لیجئے وجہ ممانعت کھل گئی۔ اور ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا بھی پتہ چلا۔ ان کو حضرت عمر کا انکار تو دیکھا۔ مگر یہ نہیں دیکھا کہ یہ علمت سے اقرار کس بات کا کر رہے ہیں۔ اسی طرح ترمذی محمد بن عبداللہ بن حارث سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سعد بن وقاص اور ضحاک بن قیس میں تمتع کے بارہ میں بحث چھڑی ہوئی تھی۔ ضحاک بولے یہ کوئی جاہل کرتا ہوگا۔ سعد نے کہا بھائی یہ کیا کہتے ہو ضحاک نے کہا کہ حضرت عمر نے اس سے منع کیا ہے۔ سعد نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔ اور ہم نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ ایسا ہی ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے تمتع کے متعلق پوچھا تو آپ نے کہا کہ وہ حلال ہے۔ تو اس نے کہا کہ آپ کے والد نے تو اس سے منع کیا ہے تو آپ نے کہا کہ اگر میرے والد نے اس سے روکا ہے اور نبی صلعم نے اس کو کیا ہے تو میر والد کی بات قابل اتباع ہے یا رسول اللہ صلعم کا حکم اس شخص نے کہا کہ نبی صلعم کا حکم۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ حضرت عثمان کے بارہ میں بھی مسلم روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کو یاد کرایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمتع کیا ہے اور حضرت عثمان نے اس سے انکار نہیں کیا۔ پھر حضرت ابوبکر کے متعلق یہ ہے کہ ترمذی طاؤس سے روایت لائے ہیں اور وہ روایت کرتے ہیں۔ ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمتع کیا۔ اور ابوبکر اور عمر و عثمان نے اور سب سے پہلے جس نے اس سے روکا وہ معاویہ ہیں۔ اب ان کے قیاس کا جواب یہ ہے کہ تمتع و قرآن کا دم۔ دم جبر نہیں کہ ان کے نقصان کی نشانی ہو۔ دوسرا یہ کہ اس کا تو شافعیہ کو بھی اقرار ہے کہ آنحضرتؐ نے پہلے افراد کیا۔ پھر عمرہ کا احرام باندھا۔ تو پھر آنحضرت قارن نہیں ہوئے تو کیا ہوئے۔ اور اسی سے روایات کے اختلاف کا حال بھی کھلا کہ جنہوں نے افراد کی انہوں نے آنحضرتؐ کے اول امر کی ترجمانی کی۔ اور جنہوں نے قرآن کی روایت کی انہوں نے آنجناب کے آخری امر کی جس پر بات نے قرار پکڑا کیونکہ اعتبار او آخر امور کا ثابت ہوتا ہے کہ اور یہ ہو بھی تو نہیں سکتا۔ کیونکہ جس نوعیت کا افراد یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں اور جو تمتع و قرآن کا مد مقابل ہے وہ یہ کب ہوا جو آنحضرت نے کیا۔ البتہ یہ قرآن ہو گیا کیونکہ حج کا احرام باندھا اور اس کے بعد عمرہ کا احرام باندھنا

قبل ادائیگی اس کے افعال کے یا اس کا عکس کرنا بہر دو شکلیں قرآن کی ہیں۔ اور بہر صورت عقل قران ہی کی افضلیت کی متقاضی ہے۔ کیونکہ تمتع کی شکل میں حج مکی ہوتا ہے اور افراد کی صورت میں عمرہ مکی اور قران کی صورت میں حج و عمرہ اپنے ٹھہرے۔ لہٰذا یہی ہر دو سے افضل ہوا۔ مزید براں کسی روایت میں آنحضرت سے اَفرَدتُ یا تمتعتُ کے الفاظ مروی نہیں البتہ قرنتُ کی روایت ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ آیت قرآنی قرانِ کی افضلیت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور سنت نبی اقوال صحابہ اس کی تائید میں ہے۔ پس معلوم ہوا مسلک احناف درست ہے۔

دوسرا نزاع یہ ہے کہ مسلک شافعی کی رو سے قرآن میں طواف وسعی دونوں ایک ہیں اور مذہب حنفیہ کی رو سے دو طواف اور دو ہی سعی ہیں۔ ابن سیرین حسن۔ طاؤس۔ زہری۔ مالک احمد سے مذہب شافعیہ کی موافقت میں روایات ہیں۔ اور مجاہد۔ جابر بن زید۔ شریح۔ علی بن حسین۔ زین العابدین۔ ابراہیم۔ نخعی ثوری سے مذہب حنفیہ کی تائید ہوتی ہے۔ مذہب شافعیہ کی حجت مسلم کی روایت ہے جو جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے صفا و مروہ کے درمیان ایک ہی سعی کی۔ یا ترمذی کی روایت جو حضرت ابن عمر سے مرفوع منقول ہے کہ جو حج و عمرہ کے لئے احرام باندھے اس کیلئے ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے۔ جب تک دونوں سے حلال ہو۔ مذہب حنفیہ کی دلیل اول یہی حدیث ہے۔ کہ صبی بن معبد کے عمل سے دو طواف اور دو سعی کا ثبوت ملتا ہے اور پھر حضرت عمرؓ کی اس پر شہادت کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عتیق سنت ہے۔ دوسرے نسائی سنن کبریٰ میں ابراہیم بن محمد بن الحنفیہ سے روایت لاتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد کے ساتھ طواف کیا۔ جب کہ آپ نے حج و عمرہ کو جمع کیا تھا۔ انہوں نے دو طواف اور دو سعی کیے۔ اور مجھ سے حدیث بیان کی کہ حضرت علی نے بھی ایسا ہی کیا اور حضرت علیؓ نے ان سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طواف کیے اور دو سعی۔ ابی بکر ابن شیبہ زیادہ بن مالک سے روایت لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طواف کئے اور دو سعی حضرت علی اور حضرت ابن مسعود نے کہا کہ قرآن میں دو طواف ہیں اور دو سعی۔ لہٰذا جب ایسے جلیل القدر صحابہ حضرت عمر۔ علی۔ ابن مسعود۔ عمران بن حصین سے مذہب حنفیہ کی موافقت میں روایات مروی ہیں تو کی صراحت کی ہے اور اس میں دراوردی کی طرف خطا کی نسبت کی ہے۔

بابٌ ۱۱۴ فضيلةُ العُمرةِ فِي رَمضانَ!

باب ۱۱۴۔ رمضان میں عمرہ کی فضیلت

ابو حنیفة عن عطاء عن ابن عباسٍ رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال عمرةٌ فی رمضان تعدِلُ حجةً ⁂

۲۵۴ / ۲۱

حضرت ابن عباسؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔ (یعنی بہ اعتبار ثواب)

تشریح :۔ عمرہ کی فضیلت میں کئی احادیث مروی ہیں ۔ کہیں یوں آیا ہے العمرۃ الی العمرۃ کفارۃ لما بینہما کہ ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کے عرصہ میں جو گناہ ہوئے ان کے لئے عمرہ کفارہ ہے ۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن سے مؤطا امام مالک میں روایت ہے کہ ایک عورت آنحضور کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں حج کے لئے پوری تیاری کر چکی تھی ۔ مگر مجھ کو ایک عارضہ پیش آگیا کہ ادائیگی حج سے عاجز رہی آپ نے اس سے فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کر لے کیونکہ رمضان میں عمرہ ایک حج کے برابر ہے ۔ مقصد کلام یہ ہے ۔ کہ عمرہ گو حج سے کمتر سمجھا جاتا ہے لیکن پھر بھی یہ ایک بابرکت اور باعث سعادت عمل ہے اگر ماہ رمضان میں اس کو ادا کیا جائے جو خود ایک مبارک مہینہ ہے تو عمرہ کی فضیلت اس مبارک ماہ کی فضیلت سے مل کر اللہ کے ہاں حج کے برابر شمار ہوتی ہے ۔ گویا اس حدیث میں عمرہ کی ادائیگی کی ترغیب دی گئی ہے ؛

۲۵۵ / ۲

ابوحنیفۃ عن عبد اللہ عن ابن عمرؓ قال کان النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم یوم فتح مکۃ علی بعیرۃ اُذرق الی سوادٍ وھی الناقۃ القصوٰی متقلّداً بقوس متعما بعمامۃ سوداء من وبر ؛

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک خاکستری مائل اونٹنی پر سوار تھے جو ناقۃ القصوٰی سے مشہور ہے آنجناب کے گلے میں کمان پڑی ہوئی اور اون کا سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے ؛

تشریح :۔ مکہ میں آنحضرت کا بغیر احرام کے داخل ہونا خصائص نبوت میں سے ہے ۔

باب ۱۱۵ زیارۃ قبر النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت کا بیان !

۲۵۶ / ۱

ابوحنیفۃ عن نافع عن ابن عمرؓ قال من السنۃ ان تأتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قبل القبلۃ ویجعل ظھرک الی القبلۃ وتستقبل القبر بوجھک ثم تقول السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ؛

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا مسنون طریقہ یہ ہے کہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر قبلہ کی طرف سے آئے ۔ قبلہ کو پیٹھ ہو ۔ اور قبر کی طرف چہرہ ہو پھر کہے تو السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ؛

تشریح :۔ مؤطا امام محمد میں عبداللہ بن دینار سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ جب سفر پہ جانے کا ارادہ رکھتے یا سفر سے واپس آتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آتے ۔ آپ پہ درود بھیجتے اور دعا فرمانے پھر واپس ہوتے ؛

کتاب النکاح

نکاح کا بیان!

باب ۱۱۶ خطبة النکاح

باب ۱۱۶ خطبہ نکاح!

۲۵۷
ابو حنیفة عن القاسم عن ابیه عن عبد الله قال علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم خطبة الحاجة يعني النكاح ان الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نستهديه من يهدى الله فلا مضل له و من يضلل فلا هادى له، ونشهد ان لا اله الا الله و نشهد ان محمدا عبده و رسوله -

یا ایها الذین امنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن الا وانتم مسلمون واتقوا الله الذي تساءلون به و الارحام ان الله كان عليكم رقيبا، يا ايها الذين امنوا اتقوا الله و قولوا قولا سديدا، يصلح لكم اعمالكم و يغفر لكم ذنوبكم ومن يطع الله و رسوله فقد فاز فوزا عظيما،

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ حاجت یعنی خطبہ نکاح اس طرح سکھایا یعنی سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔ اس کی ہم تعریف کرتے ہیں اور اسی ہم (اپنے کاموں میں) مدد چاہتے ہیں اس سے ہم اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں اور اس سے ہم ہدایت طلب گار ہیں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اس کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں۔ اور جس کو گمراہ کرے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد اسکے بندے ہیں اور اس کے رسول (پھر یہ آیات قرآن پاک کی تلقین فرمائیں) یا ایها الذین امنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن الا وانتم مسلمون واتقوا الله الذين تساءلون به والارحام ان الله كان عليكم رقيبا - يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وقولوا قولا سديدا - يصلح لكم اعمالكم ويغفر لكم ذنوبكم ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزا عظيما ؛

تشریح :- حاجت سے مراد نکاح ہے۔ کیونکہ نکاح انسان کے لئے ایک ضرورت و حاجت ہے خصوصاً نوجوان کے لئے۔ اس کے بغیر تمدنی و معاشرتی زندگی بے مزہ ہے۔ قوائے شہوانی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اس کے بغیر اور کوئی معقول و مناسب طریقہ نہیں۔ اور خانگی چلانے کے لئے اور خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے نکاح کیطرف انسان سخت محتاج ہے۔ پھر نسل کے باقی رکھنے کے لئے انسانیت کے دائرہ میں اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں۔ لہٰذا نکاح انسان کی سب سے بڑی حاجت ہے ؛

یہ تشہد حاجت (نکاح) ہے ایک تشہد صلوٰۃ ہے جو نماز میں التحیات کی شکل میں پڑھا جاتا ہے۔

سفیان ثوری وغیرہ کے نزدیک نکاح بغیر خطبہ کے جائز ہے۔ ابوداؤد کی ایک حدیث ان کے خیال پر توجہ ہے۔ لیکن یہ مستحب اور مسنون طریقہ ہے۔ چنانچہ ترمذی میں حضرت ابی ہریرہ سے مروی ہے کہ کل خطبۃ لیس فیہا تشہد فھی کالید الجذماء کہ جس خطبہ میں تشہد نہ ہو وہ اس ہاتھ کے مانند ہے جس کو جذام کی بیماری لگی ہوئی ہو یا وہ کٹا ہوا ہو۔ گویا اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ یہ خطبہ دراصل یوں رکھا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ نکاح کا اعلان ہو سکے۔ کیونکہ نکاح کے اعلان کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تاکید منقول ہے آپ نے اعلنوا النکاح کا لفظ ارشاد فرمایا اور دوسری جگہ اظہروا النکاح فرمایا۔ شافعی کے نزدیک تمام امین دین کے معاملات میں مثلاً خرید و فروخت نکاح وغیرہ میں خطبہ سنت ہے۔

بَابُ الْاَمْرِ بِالنِّكَاحِ

باب۔ نکاح کا حکم!

۲۵۸
۱ ابوحنيفة عن زياد عن عبد الله بن الحارث عن ابى موسى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تزوّجوا فانى مكاثر بكم الامم ؎

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح کرو کیونکہ میں (بروز قیامت) تمہاری کثرت پر دوسری امتوں کے مقابلہ میں فخر کروں گا؎

تشریح:۔ دوسری جگہ باختلاف روایات یہ بات بیان کی گئی ہے۔ ابوداؤد میں تزوجوا الولود الودود کے الفاظ بھی ہیں۔ جو حقیقت میں پوری حدیث کی تفسیر کرتے ہیں اور تزوجوا کے حکم کو نانی مکاثر بکم الامم کی علت سے ملاتے ہیں کہ فرمایا تزوجوا الولود الودود یعنی بچے جننے والی اور محبت مزاج عورتوں سے نکاح کرو۔ ولود کا لفظ اس راز کو کھولتا ہے کہ جب عورتیں زیادہ کثرت سے بچے جنیں گی۔ تو لامحالہ امت محمدیہ کی تعداد بڑھے گی۔ تو آنحضرتؐ کو قیامت کے روز فخر حاصل ہوگا۔ کیونکہ آنحضرت اپنی امت کے لئے راہ خیر کیطرف راہنمائی کرنے والے ہیں اور طریق شریعت وسنت کو رواج دینے والے۔ اور بمطابق احادیث الدال علی الخیر کفاعلہ کہ بھلائی کیطرف راہنمائی کرنے والے کا وہی ثواب ہے جو بھلائی پر چلنے والے کا ہے یا مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فلہ اجرھا واجر من عمل بھا لاینقص من اجورھم شیئا۔ کہ جس نے کسی کو کوئی اچھا طریقہ رائج کیا اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اس پر عمل کرے اور عمل کرنے والوں کا اجر آنحضور کو ملے گا۔ اور آپؐ کثرت ثواب واجر پر فخر فرمائیں گے لہٰذا حکم ہوا کہ بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کرو۔ کہ امت کے افراد بڑھیں۔ دوسرے اس میں یہ حکمت بھی کارفرما ہے کہ نکاح کا مقصد جذبہ شہوت نفسانی کی تسکین نہیں بلکہ توالد و تناسل ہے۔

بَابُ ۱۱۸ الحث علی نکاح الابکار

باب ۱۱۸۔ کنواری لڑکیوں سے نکاح کی ترغیب دلانا!

ابو حنیفۃ عن عبد اللہ بن دینار عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم انکحوا الجواری الشواب فانھن انتج ارحاما والطیب انواھا واعز اخلاقا ؛

۲۵۹/۱ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح کرو کنواری لڑکیوں سے کیونکہ ان کے رحم جلد بچہ دینے کی قابلیت رکھتے ہیں اور وہ پاکیزہ دہن اور خوش اخلاق ہوتی ہیں۔

تشریح :۔ پہلی صفت سے یہ مقصد ہے کہ سبب جوانی ان کے رحموں میں حرارت ہوتی ہے۔ جس کے سبب نطفہ جلد قرار پکڑتا ہے اور بغیر کسی خطرہ یا دقت کے مدت حمل کے تمام مراحل بوجہ قوت جوانی با آسانی طے کر لیتی ہیں اور یوں نسل کی فراوانی و کثرت کا سبب بنتی ہیں۔ دوسری صفت سے یا تو اس طرف اشارہ ہے کہ بسبب صحت و تندرستی اور اعتدال مزاجی کے باعث ان کا لعاب دہن میٹھا و شیریں ہوتا ہے۔ یا یہ کہ وہ شیریں کلام ہوتی ہیں اور تہذیب۔ شرم و حیا لحاظ و ادب کا ان پر غلبہ ہوتا ہے۔ زبان سے میٹھی بات نکالتی ہیں کیونکہ بیوہ عورت ایک حد تک بے حجاب ہوتی ہے۔ تیسری صفت سے یہ غرض ہے کہ ان کے اخلاق پسندیدہ۔ برتاؤ خوشگوار۔ میل جول دل پسند ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ازدواجی زندگی خوشگوار اور پائیدار ہوتی ہے۔ اس بارے میں جو احادیث ہیں۔ ان کے الفاظ ایک دوسرے سے متشابہ ہیں کہیں کہیں خفیف سا اختلاف ہے۔ ابن ماجہ اور بیہقی کی روایت میں ارضی بالیسیر کا لفظ ہے کہ وہ تھوڑی سی چیز پر راضی ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کی نظر میں پچھلی کوئی مثال نہیں ہوتی کہ اس سے مقابلہ کر کے تھوڑی چیز پر بے صبری ظاہر کریں۔ ایک روایت میں اقل خبا کا لفظ ہے یعنی ان میں دھوکے بازی کم ہوتی ہے۔ مصنف عبد الرزاق میں یہی الفاظ ہیں۔ اور ان کے بعد یہ عبارت زائد ہے۔ الم تعلموا انی مکاثر بکم کیا تم اس کو نہیں جانتے کہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ذرا بتلایئے۔ اگر آپ ایسے درخت پر گذریں جو چرا یا جا چکا ہے اور ایسے پر جسکو کسی نے نہیں چرا ہے تو آپ اپنے اونٹ کو کونسا درخت چرائیں گے۔؟ آپ نے ارشاد فرمایا وہ درخت جس کو کسی نے نہیں چرا۔ مقصد یہ تھا کہ ان کے علاوہ کسی اور کنواری کو نکاح میں نہیں لائیں گے۔ چنانچہ قرآن پاک میں حوروں کی مدح سرائی کے ذیل میں ارشاد ہوتا ہے۔ لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان کہ ان سے پہلے نہ کوئی انسان ان کے نزدیک پھٹکا نہ کوئی جن۔ تو گویا ان کا اچھوتا ہونا یہی ان کی سب سے بڑی تعریف اور مدح ہے ؛

باب[۱۱۹] تنزيه نكاح العجائز والشيب ذات الولد!

بوڑھی، بیوہ اور بچے والی مطلقہ عورت سے نکاح کرنے سے پرہیز کرنا!

۲۶۰ ح ۱

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم قال اخبرني شيخ من اهل المدينة عن زيد بن ثابت انه جاء الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال له هل تزوجت قال لا قال تزوج تستعف مع عفتك ولا تزوجن خمسا قال ما هن قال لا تزوجن شهبرة ولا نهبرة ولا لهبرة ولا هيدرة ولا لفوتا قال زيد يا رسول الله لا اعرف شيئا مما قلت قال بلى اما الشهبرة فالزرقاء البذية واما النهبرة فالطويلة المهزولة واما اللهبرة فالعجوز المدبرة واما الهيدرة فالقصيرة الذميمة واما اللفوت فذات الولد من غيرك قال الشيباني فضحك ابو حنيفة من هذا الحديث طويلا۔

حضرت زید بن ثابت رض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ تم نے نکاح کیا۔ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جیسی عفیفہ (پاک دامن) عورت تلاش کرو۔ اور پانچ (قسم کی) عورتوں سے نکاح نہ کرنا۔ حضرت زید نے پوچھا وہ کون کون سی ہیں۔ آپ نے فرمایا نہ نکاح کرو شہبرہ سے نہ نہبرہ سے نہ لہبرہ سے نہ ہیدرہ سے۔ اور نہ لغوت سے۔ اس پر حضرت زید بولے یا رسول اللہ جو الفاظ آپ نے ارشاد فرمائے ان میں سے ایک کے معنی بھی میں نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا تو اچھا شہبرہ گربہ چشم موٹی بدن کی۔ نہبرہ لمبی بہت دبلی۔ لہبرہ بوڑھی جذبات شہوانی سے خالی ہیدرہ ٹھگنی بدشکل اور لغوت وہ جو دوسرے خاوند سے بچہ لائے۔ شیبانی کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رح اس حدیث سے دیر تک ہنستے رہے۔

تشریح:۔ یہ نہی تنزیہی ہے اور استحبابی جس طرح کنواری لڑکیوں سے نکاح کرنے کا امر استحبابی ہے۔ کیونکہ خود آنحضرت کی ازواج مطہرات میں سوائے حضرت عائشہ رض کے تمام ازواج ثیبہ تھیں۔ حضرت سودہ فربہ لمبے قد والی تھیں اور حضرت خدیجہ بوڑھی تھیں۔ چالیس برس کی عمر میں آنحضرت کے نکاح میں آئیں اور ساٹھ برس سے زائد مدت تک بقید حیات رہیں اور آنحضرت کے نکاح میں رہیں پھر حضرت خدیجہ اور حضرت ام سلمہ ہر دو اپنے پچھلے خاوندوں سے اولادیں لائی تھیں۔

باب ۱۲۰ اجتناب عن نکاح العقیم!

ابوحنیفة عن عبدالملک عن رجل شامی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اتاہ رجل فقال یا رسول اللہ اتزوج فلانة فنہاہ عنہا ثم اتاہ ایضاً فنہاہ عنہا ثم اتاہ فنہاہ عنہا ثم قال سوداء ولود احب الی من حسناء عاقر۔

باب ۱۲۰۔ بانجھ عورت سے نکاح کرنے سے بچنا!

۲۶۱/۱ ایک رجل شامی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا۔ اور آپ سے دریافت کیا یا رسول اللہ کیا میں فلاں عورت سے نکاح کر لوں۔ آپ نے اس کو اس سے روکا۔ پھر وہ آپ کے پاس آیا آپ نے پھر اس کو منع کیا۔ پھر وہ آپ کے پاس آیا آپ نے پھر اس کو منع کیا۔ پھر وہ آپ کے پاس آیا آپ نے پھر اس کو منع کیا۔ اور فرمایا کالی بچے دینے والی مجھ کو زیادہ پسند ہے خوبصورت بانجھ سے۔

تشریح:۔ آنحضرت کو معلوم تھا کہ جس کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے۔ اگرچہ وہ خوبصورت ہے مگر بانجھ ہونے کا عیب رکھتی ہے۔ پھر تیسری بار آنجناب نے اس حکم امتناعی کی وجہ کھولی اور فرمایا کہ میں کالی بچہ جننے والی کو حسین بانجھ پر ترجیح دیتا ہوں۔ اور یہ ترجیح اس فلسفہ پر مبنی ہے کہ نکاح کا مقصد اصلی درحقیقت بقائے نسل ہے۔ نہ محض شہوت رانی اور اس مقصد کے حصول کے لئے بچہ جننے کی صفت سب سے پہلے درکار ہے نہ حسن وجمال اگر صرف تقاضائے خواہش نفسانی مدنظر ہوتی تو حسن وجمال کو ترجیح دی جاتی۔

باب ۱۲۱ شؤم المرأة!

ابوحنیفة عن علقمة عن ابن بریدة قال تذاکر الشؤم ذات یوم عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال الشؤم فی الدار والفرس والمرأة فشؤم الدار ان تکون ضیقة لہا جیران سوء وشؤم الفرس ان تکون جموحاً وشؤم المرأة ان تکون عاقراً۔ زاد الحسن بن سفیان سیئة الخلق عاقراً۔

وفی روایة ان یکن الشؤم فی شیء

باب ۱۲۱۔ عورت کا منحوس ہونا!

۲۶۲/۱ حضرت ابن بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں نحوست کا ذکر چھڑا۔ تو آپ نے فرمایا کہ نحوست گھر گھوڑے اور عورت میں ہے۔ گھر کی نحوست یہ کہ تنگ ہو اور پڑوسی برے ہوں۔ گھوڑے کی نحوست یہ کہ سرکش ہو۔ اور عورت کی نحوست یہ کہ بانجھ ہو۔ حسن بن سفیان نے (اپنی مسند میں) اس میں زیادتی کی اور کہا کہ بداخلاق اور بانجھ ہو۔

اور ایک روایت میں یہ ہے۔ کہ اگر کسی

ففی الدار والمرأۃ والفرس فاما الدار | چیز میں نحوست ہے تو گھر۔ عورت اور گھوڑے
نشؤمھا ضیقھا واما المرأۃ نشؤمھا | میں ہے۔ گھر کی نحوست اس کی تنگی ہے۔ عورت
سوء خلقھا وعقر رحمھا واما شؤم الفرس | کی نحوست اس کی بدخلقی اور بانجھ پن ہے۔ گھوڑے
فان تکون جموحًا ؎ | کی نحوست اسکی سرکشی اور منہ زور ہونا ہے ؎

تشریح:۔ اس حدیث کی ہر دو روایات صحاح میں مختلف جگہ وارد ہیں۔ اس سے مسئلہ نحوست قابل تشریح ہے۔ کیونکہ اس کے بارہ میں روایات مختلف الفاظ سے وارد ہیں اور علماء کی آراء بھی مختلف ہیں۔ بعض روایات میں صاف ہے۔ کہ نحوست گھر۔ گھوڑے۔ عورت تینوں اشیاء میں ہے جس طرح امام صاحب کی پہلی روائیت میں ہے اور بعض میں تعلیق و شرط کے ساتھ جس طرح دوسری روائیت میں ہے۔ اس کی تشریح میں علماء مختلف ہیں۔ بعض کے نزدیک ان الفاظ سے نحوست کا ثبوت ہے کہ نحوست کسی چیز میں نہیں مگر ان تین میں اور بعض کے نزدیک اس سے نحوست کا ثبوت نہیں گویا ان کے نزدیک فرض و تقدیر کیصورت ہے۔ کہ اگر نحوست ہوتی تو ان میں ہوتی۔ لیکن چونکہ اس کا وجود نہیں تو ان میں بھی نہیں یہ بالکل ایسا ہے کہ کہا گیا لو کان شئی سابق القدر سبقتہ العین کہ اگر کوئی شے قضاؤ قدر سے سبقت کرتی تو ان چیزوں سے سبقت کرتی۔ حضرت ابن عربی نے اس کی تفسیر میں کہاہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نحوست کو کسی چیز میں پیدا فرماتا تو ان چیزوں میں پیدا کرتا۔ امام مازری نے اس کی یوں تشریح کی ہے کہ اگر نحوست حق ہوتی تو یہ اشیاء اور اشیاء کے لحاظ سے اس کی زیادہ حقدار تھیں۔ کہ ان میں نفس کو منحوس ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں اس ذو معنی روائیت کی تشریح اس روائیت سے ہوتی ہے۔ جس میں نحوست کا ثبوت ہے۔ مثلاً یہاں روایت اول میں یا مسلم میں انما الشوم فی الثلاثۃ کے الفاظ سے۔ یا بخاری میں کتاب النکاح میں ابن عمرؓ سے الشوم فی الدار والمرأۃ والفرس کے الفاظ سے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ (نحوست) سے کیا مراد ہے اس کے حقیقی اور ظاہری معنی کہ یہ ہر سہ نا مبارک ہیں اور ہلاکی و تباہی کا باعث۔ یا یہ کہ یہ تینوں چیزیں تکلیف و پریشانی اور عاقبت میں نتیجہ بد کا سبب بنتی ہیں۔ پہلے خیال کی روائیت مالک سے ہے۔ چنانچہ ابو داؤد میں ابن قاسم سے روائیت کرتے ہیں اور وہ مالک سے کہ انہوں نے اس کی تفسیر میں کہا کتنے گھر ایسے ہیں کہ لوگ اس میں آباد ہوئے۔ اور ہلاک ہو گئے پھر دوسرے آئے وہ بھی ہلاک ہو گئے پھر کہا کہ ہمارے نزدیک اس کی یہی تفسیر ہے۔ مگر یہ کہتے ہیں کہ یہ نحوست قضاؤ قدر سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ اس کے خلاف ہو۔ جو اصحاب دوسرے خیال کے قائل ہیں ان کے سامنے دوسری روایات ہیں۔ جو نحوست کی تفسیر کرتی ہیں۔ اس تفسیر میں بھی روایات مختلف الفاظ ہیں۔ اس حدیث میں شوم کی جو تفسیر ہے۔ بعض سے یوں نقل ہے کہ گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ اس پر جہاد نہ کیا جائے۔ اور عورت کی نحوست یہ کہ اس کا مہر بہت زیادہ ہو۔ طبرانی میں حضرت اسماء کی حدیث میں یوں ہے۔ ان من شقاء المرء فی الدنیا سوء الدار والمرأۃ والدابۃ کہ انسان کی بدبختی دنیا میں گھر۔ عورت اور سواری کا برا ہونا ہے اس سے شوم کی

مزید وضاحت ہوئی۔ امام احمد حضرت سعد بن وقاص سے مرفوع روایت لائے ہیں۔ من سادۃ ابن ادم المرأۃ الصالحۃ والمسکن الصالح والمرکب الصالح ومن شقاء ابن ادم ثلثۃ المرأۃ السوء والمسکن السوء والمرکب السوء کہ انسان کی نیک بختی تین چیزوں سے ظاہر ہے۔ پارسا عورت۔ آسائش کا گھر اور آرام دہ سواری۔ اور اس کی بدبختی تین چیزوں سے ہے بری عورت۔ برا مکان اور بری سواری۔ گویا انسان کی خوشحالی اور بدحالی کا راز ان ہی اشیاء کی اچھائی برائی میں مضمر ہے۔ اگر یہ چیزیں اچھی ہیں۔ تو اس کا نصیب ٹھیک ہے۔ سواری سے ہر وقت کام لینا ہوا اگر وہ منہ زور ہے تو یہ سواری نہیں ہے۔ بلکہ مصیبت ہے۔ غرض اور تمام تفاسیر کی رو سے شوم کا اطلاق اسی شے پر ہوا جس کو انسان ناپسند کرے۔ وہ اس کی طبیعت کے ناموافق ہو اور آگے چل کر اس کے لئے خلجان کا سبب ہو۔ ارشاد ساری میں شیخ تقی الدین السبکی کا یہ کلام نقل ہے کہ ان اشیاء کے ساتھ نحوست یوں مخصوص فرمائی کہ ان کی طرف سے عداوت و فتنہ کا احتمال ہے۔ نہ یہ جیسا کہ بعض سمجھ گئے ہیں کہ ان میں کچھ تاثیر ہے۔ یا ان کو قضاو قدر میں دخل ہے کوئی عالم اس کا قائل نہیں۔ بلکہ ایسا قول محض جہالت ہے کیونکہ شریعت نے ایسے شخص کو جو نچھتر سے پانی برسنے کا قائل ہو کافر ٹھہرایا ہے تو جو برائی کی نسبت عورت کی طرف کرے۔ وہ بھی اسی زمرہ میں شمار ہوا۔ البتہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی واقعہ قضاو قدر سے موافق ہو جاتا ہے اور یوں آدمی کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے تو انسان اس کو چھوڑ دے۔ نہ یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ برائی اس سے سرزد ہوتی ہے۔

باب ۱۲۲ استیذان بکر و ثیب!

باب ۱۲۲۔ کنواری اور ثیبہ عورت سے اس کی شادی میں اجازت لینا!

۲۶۳/۱ ابو حنیفۃ عن عطاء عن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذکر، لفاطمۃ رضی ان علیا یذکرک۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ علی تمہارا ذکر کرتے ہیں یعنی تمہارے لئے پیغام نکاح بھیجا ہے۔

تشریح:۔ یہ اجازت حاصل کرنے کا نہایت مودب طریقہ ہے۔ جو پیغام کے وقت ضروری ہے صاف اور کھلے الفاظ میں پوچھنا حجاب و حیا کے خلاف ہے۔

۲۶۴/۲ ابو حنیفۃ عن شیبان عن یحیٰی عن المہاجر عن ابی ہریرۃؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد ان یزوج احدی بناتہ یقول ان فلانا یذکر فلانۃ ثم

حضرت ابی ہریرہ رضی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ارادہ فرماتے کہ اپنی کسی صاحبزادی کا (کسی سے) نکاح کریں تو فرماتے کہ فلاں شخص (اس کا نام لیکر) فلاں کا (یعنی اپنی صاحبزادی کا) ذکر کرتا ہے پھر صاحبزادی کیطرف سے اس پر سکوت پانے پر

يزوّجها ؛

ان کا نکاح اس شخص سے کر دیتے ؛

وفی روایة عن ابی هریرةؓ قال كان النبی صلی الله علیه وسلم اذا زوّج احدی بناته اتی خدرها فیقول ان فلاناً یذکر فلانة ثم یزوّجها ؛

اور ایک روایت میں ابوہریرہؓ سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی صاحبزادی کو کسی کے نکاح میں دینا چاہتے تو ان کے پردہ کے پاس تشریف لاتے اور فرماتے کہ فلاں شخص فلاں کا (یعنی اپنی صاحبزادی کا نام لیتے) ذکر کرتا ہے پھر ان کا نکاح ان صاحب سے پڑھا دیا کرتے ؛

وفی روایة قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا خطب الیه ابنة من بناته اتی خدرها فقال ان فلاناً یذکر فلانة ثم ذهب فانکح ؛

ایک اور روایت ہے کہ آپ کی کسی صاحبزادی کا پیغام آپ کے پاس آتا۔ تو آپ ان کے پردہ کے پاس تشریف لے جاتے اور فرماتے کہ فلاں شخص فلاں کا ذکر کرتا ہے۔ پھر (غائبانہ) اپنی صاحبزادی کا نکاح پڑھا دیا کرتے ؛

تشریح :۔ آپ اپنی صاحبزادیوں کا اسی طرح سے نکاح پڑھا دیتے۔

٢٦٥ **ابوحنیفة** عن محمد بن المنكدر عن جابر بن عبد الله ان عائشة زوّجت یتیمة كانت عندها فجهّزها رسول الله صلی الله علیه وسلم من عنده ؛

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ عائشہؓ نے نکاح کیا ایک یتیم بچی کا جو آپ کے پاس تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے پاس سے جہیز دیا ؛

تشریح :۔ یہ آنجنابؐ کا جذبہ رحم و شفقت تھا کہ یتیمہ کا جہیز خود بنفس نفیس مہیا فرما دیا ؛

باب ١٢٣ استیمار البكر و استیذان الثیب

باب ١٢٣ ۔ باکرہ کی رضا حاصل کی جائے اور ثیبہ سے اجازت لی جائے

٢٦٦ **ابوحنیفة** عن شیبان بن عبد الرحمن عن یحیی بن ابی کثیر عن المهاجر بن عکرمة عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تنكح البكر حتی تستأمر ورضاها سكوتها ولا تنكح الثیب حتی تستأذن ؛

حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باکرہ کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اسکی رضامندی نہ حاصل کر لی جائے اور اس کا چپ رہنا ہی اسکی رضامندی ہے۔ اور نہ نکاح کیا جائے بیوہ کا جب تک اس سے اجازت نہ لے جائے۔

وفی روایة لا تزوّج البكر

ایک روایت میں ہے نہ نکاح کیا جائے باکرہ کا

حتّٰی تستأمر و رضاها سکوتها
ولا تنکح الثیب حتّٰی
تستأذن ؛
وفی روایة لا تنکح البکر
حتّٰی تستأذن ؛
واذا سکتت فهو اذنها
ولا تنکح الثیب حتّٰی
تستأذن ؛

جب تک کہ اس کی مرضی نہ حاصل کرلی جائے اور اس کا
چپ رہنا ہی اس کی مرضی ہے اور نہ نکاح کیا جائے بیوہ کا تا آنکہ
اس سے اجازت نہ حاصل کر لی جائے۔
ایک اور روایت میں اسطرح ہے کہ نہ نکاح
کیا جائے باکرہ کا جب تک اس سے اجازت نہ لی
جائے اور جب وہ چپ ہو گئی تو یہ اس کی اجازت
ہے۔ اور نہ نکاح کیا جائے بیوہ کا جب تک اس سے
اجازت نہ حاصل ہو؛

تشریح :- صحاح میں یہ حدیث موجود ہے۔ اس سلسلہ میں ایک نقطہ پر ائمہ کا اختلاف ہے جس کی تفصیل آئندہ حدیث میں انشاء اللہ بیان کی جائے گی۔

باب ۱۲۴ عدم جواز النکاح بغیر رضا المرأة!

باب ۱۲۴ - بغیر رضامندی عورت کا نکاح جائز نہیں ہے!

۲۶۷/۱ ابو حنیفة عن عبد العزیز عن
مجاهد عن ابن عباس ان امرأة
توفی عنها زوجها ثم جاء عم
ولدها فخطبها فابی الاب ان
یزوجها وزوجها من الآخر
فاتت المرأة النبی صلی الله علیه
وسلم فذکرت ذلک له فبعث الی
ابیها فحضر فقال ما تقول هذا؟
قال صدقت ولکنی زوجتها
ممن هو خیر منه۔
ففرق بینهما وزوجها عم
ولدها ؛
وفی روایة عن ابن عباس رض ان
اسماء خطبها عم ولدها ورجل
اخر الی ابیها فزوجها من الرجل

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک
عورت کا شوہر مر گیا۔ اس کے دیور نے اس کیلئے پیغام
بھیجا مگر (عورت کا) باپ اس سے نکاح کرنے پر
راضی نہ ہوا۔ (چنانچہ) اس نے اسکا کسی دوسرے سے
نکاح کر دیا۔ تو عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
آئی۔ اور آپ سے پورا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے اس کے
باپ کو بلوایا۔ وہ آیا۔ اس سے آپ نے فرمایا کہ یہ عورت
کیا کہتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ سچ کہتی ہے۔ مگر میں
نے اس کا نکاح ایسے سے کیا ہے۔ جو اس کے دیور سے
بہتر ہے۔ اس پر آنحضرت نے شوہر و بیوی میں تفریق
کرا دی۔ اور اس کا نکاح اس کے دیور سے (جسکے
نکاح پر وہ راضی تھی) کر دیا۔
ایک روایت میں ابن عباس سے یوں آیا ہے
کہ اسماء کو مانگا اس کے دیور اور ایک اور شخص نے
اس کے باپ سے۔ اس کے باپ نے دیور کے

فاتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فاشتکت ذالک الیہ فنزعھا
من الرجل وزوجھا عمّ
ولدھا۔

وفی روایۃ ان امراۃ توفی عنھا
زوجھا فخطبھا عمّ ولدھا
فزوجھا ابوھا بغیر رضاھا من
رجل اخر فاتت النبی صلی اللہ
علیہ وسلم فذکرت ذالک لہ
فدعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قال ازوجتھا بغیر رضاھا قال
زوجتھا ممن ھو خیر منہ
ففرق النبی صلی اللہ علیہ وسلم
بینھا وبین زوجھا وزوجھا من
عمّ ولدھا۔

وفی روایۃ ان امراۃ توفی
عنھا زوجھا ولھا منہ ولد
فخطبھا عمّ ولدھا الی ابیھا
فقالت زوجنیہ فابی وزوجھا
من غیرہ بغیر رضیً منھا۔
فاتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فذکرت ذالک لہ فسألہ عن
ذالک۔
فقال نعم زوجتھا من ھو
خیر من عمّ ولدھا۔
ففرق بینھما وزوجھا من
عمّ ولدھا۔

علاوہ) دوسرے شخص سے اس کا نکاح کر دیا۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ سے شکایت کی۔ پس آپ نے اس شخص سے چھڑا کر اس کے دیور سے اس کا نکاح کر دیا۔

ایک اور روایت میں اسطرح ہے کہ ایک عورت کا خاوند انتقال ہو گیا تو اس کے دیور نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ اور باپ نے عورت کی مرضی کے بغیر دوسرے شخص سے اس کا نکاح کر دیا۔ لہذا وہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ سے قصہ بیان کیا آپ نے اسکے باپ کو طلب فرمایا۔ اور اس سے فرمایا۔ کہا کہ تو نے اس کا (اپنی لڑکی کا) نکاح اس کی بغیر رضامندی کے دیا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے اس کا نکاح ایسے سے کیا ہے جو اس کے دیور سے بہتر ہے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی کرا دی۔ اور اس کا نکاح اسکے دیور سے کر دیا۔

ایک اور روایت میں یوں ہے کہ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا۔ اور اس سے اس کا ایک لڑکا تھا۔ تو دیور نے اس کے باپ کے پاس اس کیلئے پیغام منگنی بھیجا۔ اس عورت نے (اپنے باپ سے کہا میرا نکاح اس سے کر دو۔ اس کے باپ نے اس سے انکار کیا اور اسکی مرضی کے خلاف کسی دوسرے سے اس کا نکاح کر دیا۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ اور آپ کو پورا قصہ کہہ سنایا۔ آپ نے اس کے باپ سے بات کی تصدیق فرمائی اس نے کہا۔ جی بے شک میں نے اس کا نکاح اس کے دیور سے اچھے آدمی کے ساتھ کر دیا ہے۔ لہذا آنجناب نے شوہر و بیوی میں تفریق کرا دی۔ اور اس عورت کا نکاح اسکے دیور سے کر دیا۔

تشریح:۔ اس حدیث میں ایک مسئلہ ایسا ہے جس کی تشریح ضروری ہے۔ وہ یہ کہ اگر عورت بالغہ عاقلہ ہو تو یہ خود اگر اپنا نکاح کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ امام شافعی عدم جواز کے قائل ہیں اور امام ابوحنیفہ جواز کے

مگر ان کے نزدیک ولی کو غیر کفو میں دخل دینے کا حق حاصل ہے۔ تینوں ائمہ قرآن و حدیث سے دلیل لاتے ہیں۔ اور عقل و روایت سے بھی اس کو ثابت کرتے ہیں۔ قرآن سے اس طرح کہ اولیاء کو حکم ہوا فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن کہ عورتوں کو اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو معلوم ہوا کہ ولیوں کو نکاح کرانے کا حق کلی حاصل ہے۔ جب ہی تو ان کو حکم ہوا کہ وہ ان کو نکاح کرنے سے نہ روکیں۔ ورنہ اگر وہ مختار نہ ہوتے تو ان کو منع کرنے کے کیا معنی تھے۔ احادیث کی دلیل بھی لاتے ہیں جن میں چیدہ دو ہیں ایک ابی موسیٰ کی مرفوع حدیث جس کو ابو داؤد و نسائی۔ ابن ماجہ۔ ترمذی لائے ہیں اس کا مضمون ہے کہ جس عورت نے بغیر اجازت ولی اپنا نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے۔ تین مرتبہ آنحضرت نے اس کو دہرایا۔ عقل و روایت کی رو سے یوں کہ نکاح کئی مقاصد کے پیش نظر رکھا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ نسل باقی رہے۔ اور عورت چونکہ ناقص العقل ٹھہری اور عاقبت اندیشی اور دور اندیشی سے عام طور پر عاجز۔ اس لیے انتخاب زوج کا بار اس پر ڈالا کہ وہ ایسے شوہر کو چنے جس سے یہ مقاصد حاصل ہوں قرین قیاس نہیں۔ یہ ہے ائمہ ثلاثہ کے مسلک کے دلائل ؂

امام ابو حنیفہ رح کے مسلک پر بھی قرآن۔ حدیث و قیاس سے دلیل لائی جاتی ہے۔ قرآن سے اس طرح کہ فرمایا حتی تنکح زوجا غیرہ کہ اس میں نکاح کی نسبت صاف کھلے الفاظ میں عورت کیطرف ہوئی گویا وہ مختار ہے۔ جب ہی تو فعل نکاح کی فاعل ٹھہرائی گئی یا فرمایا وان ینکحن ازواجھن کہ نکاح کریں اپنے خاوندوں سے۔ یا ارشاد فرمایا فلا جناح علیھن فیما فعلن فی انفسھن کہ ان پر کوئی گناہ نہیں اس امر میں جو وہ اپنے بارہ میں کریں۔ کہ ان آیات میں نکاح کی نسبت عورتوں کیطرف ہوئی۔ جو اس بارہ میں ان کے اختیار کی ظاہر کرتی ہے۔ روایت کے ذیل میں یہی حدیث ایک دلیل ہے کہ آنحضرتؐ نے نکاح رد کرایا۔ اور تفریق کرادی۔ ملا علی قاری اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ابن قطان نے کہا ہے کہ ابن عباس کی یہ حدیث صحیح ہے اور یہ عورت خنسار بنت خدام تھیں۔ جس کی حدیث بخاری لائے ہیں کہ اس کا نکاح آنحضرتؐ نے رد فرمایا۔ کیونکہ وہ (خنسار) ثیبہ تھی۔ اور یہ باکرہ۔ بلکہ بعض نے خنسا کو بھی باکرہ بتایا ہے۔ چنانچہ نسائی سے اسی کا پتہ چلتا ہے۔ پھر ممکن ہے بخاری کی حدیث اپنی جگہ صحیح ہو۔ اور واقعہ متعدد ہو۔ چنانچہ دار قطنی ابن عباس سے حدیث لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باکرہ اور ثیبہ کا نکاح رد فرمایا۔ غرض ان روایات سے پتہ چلا کہ عورت عاقلہ بالغہ کے ہاتھ میں نکاح کی زمام اختیار ہے۔ دوسری سنگین دلیل مذہب احناف پر ابن عباس کی مرفوع حدیث ہے جس کی روایت مسلم وغیرہ میں بدیں الفاظ وارد ہے الایم احق بنفسھا من ولیھا والبکر تستاذن فی نفسھا کہ بے شوہر والی عورت اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے۔ اس میں ایم کا لفظ بروئے لغت ہر اس عورت پر حقیقۃً دلالت کرتی ہے جس کا خاوند نہ ہو چاہے وہ باکرہ ہو یا ثیبہ خواہ وہ مطلقہ ہو یا بیوہ۔ جب اس کے معنی حقیقی مراد لینے میں کوئی قباحت نہیں تو بکر کے مقابلہ میں اس کے معنی مجازی ثیبہ کیوں مراد لیا جائے۔ جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔ گویا ولی کو نکاح پڑھانے اور نکاح باندھنے کا

جو حق حاصل ہے۔ اس میں یہ بھی شریک ہے۔ ایک ناقابل تردید دلیل خود آنحضرت کے عمل کی ہے کہ بوقت نکاح ام سلمہ جب حضرت ام سلمہ نے فرمایا کہ حضور میرا کوئی ولی نہیں تو آپ نے فرمایا کہ حاضر یا غائب تمہارا کوئی ایسا ولی نہیں جو اس امر کو ناپسند کرے۔ یہ کہہ کر عمر بن ابی سلمہ کو حکم دیا یا جو باتفاق چھوٹے تھے اور ولایت کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ کہ وہ نکاح پڑھا دیں۔ چنانچہ انہوں نے تعمیل حکم کی۔ اگر ولی کی موجودگی انعقاد نکاح کے لئے لازمی ہوتی تو ام سلمہ کا نکاح کیسے صحیح ہوتا۔ لہٰذا ان معقول دلائل کے تحت احناف کا مسلک قابل ترجیح ہے۔ اب مذہب مخالف کا جواب دیکھیں۔ قرآن میں ان کو سراسر غلطی لگی ہے کیونکہ وہاں اولیاء کو حکم نہیں۔ بلکہ خاوند کو حکم ہے۔ کلام خود بتاتا ہے کہ اس سے پہلے فرمایا واذ طلقتم النساء فبلغن اجلھن لہٰذا یہاں اولیاء مراد لینا نص قرآنی کے خلاف ہے احادیث کے سلسلہ میں یوں سمجھئے کہ دونوں احادیث باعتبار سند مخدوش اور محل نظر ہیں۔ حدیث عائشہ رض کے ضعف کیطرف خود ترمذی نے کہا کہ زہری کے حوالہ سے اشارہ کیا ہے۔ اس میں سلیمان بن موسیٰ ہے۔ جسکو بخاری نے ضعیف بتایا ہے۔ نسائی نے کہا کہ اس حدیث میں سقم ہے۔ اسی طرح حدیث ابی موسیٰ میں اہل علم نے کلام کیا ہے بخلاف ان احادیث کے جو مذہب حنیفہ کے ثبوت میں پیش ہوئیں کہ یہ صحیح ہیں۔ اب ان کی قیاس آرائی کا جواب تو وہ یہ ہے کہ تصرفات و معاملات میں اختیار کا مدار بلوغ پر ہے کیونکہ بلوغ کے بعد انسان اپنے تمام مصالح و مفاد کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ البتہ غیر کفو میں عورت کی سوء تدبیری کا شبہ ہوتا ہے اس لئے اس میں ولی کا حق باقی رکھا۔

باب ۱۲۵ امتناع الجمع بين المرأة وعمتها وخالتها

باب ۱۲۵ - ایک عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ کو ایک ساتھ نکاح میں لانے کی ممانعت

۲۶۸ ا ابو حنیفة عن عطية العوفي عن ابي سعيد الخدري عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا تزوج المرأة على عمتها وخالتها۔

حضرت ابی سعید خدری سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی عورت سے اس کی پھوپھی یا خالہ پر نکاح نہ کیا جائے۔

تشریح:۔ اس حکم امتناعی میں یہ راز اور مصلحت پوشیدہ ہے کہ اسلام میں قطع رحمی سے رخصت ممانعت وارد ہے اور اس پر شدید وعیدیں ہیں اور اگر ایک عورت کو اس پھوپھی یا خالہ پر نکاح میں لایا جائے تو گویا ان کے رشتہ قرابت و خویشی کو ہمیشہ ہمیش کے لئے کاٹ دیا گیا۔ اور ایک دائمی دشمنی کا بیج بویا کیونکہ سوکنوں میں جو رشتہ ناتے کی جڑ کاٹ دیتی ہیں چنانچہ طبری کی روایت میں اس حدیث کے

ساتھ یہ ٹکڑا بھی زائد ہے ۔ جو اس حکم کی وجہ کھولتا ہے کہ آپ نے فرمایا فانکم اذا فعلتم ذالک فقد قطعتم ارحامکم یعنی اس لئے کہ جب تم نے ایسا کیا تو گویا تم نے اپنے رحم کے رشتہ کو کاٹ دیا۔

دادا اور پردادا کی بہنیں اور نانی اور پرنانی کی بہنیں بھی اسی حکم میں شامل ہیں۔ علماء نے اس کے لئے یہ ضابطہ نکالا ہے کہ ہر دو ایسی عورتوں کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ کہ اگر ان میں سے کسی کو مرد فرض کیا جائے تو ان میں آپس میں نکاح حرام ہو۔

رضاعی رشتہ کی پھوپھیاں اور خالائیں بھی اسی حکم میں داخل ہیں۔

٢٦٩/٢ **ابوحنیفة** عن الشعبی عن جابر بن عبد الله وابی هریرة قالا قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تنکح المرأة علی عمتها ولا علی خالتها ولا تنکح الکبری علی الصغری ولا الصغری علی الکبری۔

حضرت جابر بن عبد اللہ اور ابی ہریرہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عورت سے اس کی پھوپھی اور خالہ پر نکاح نہ کیا جائے اور نہ نکاح کیا جائے بڑی عمر والی پر چھوٹی عمر والی سے بڑی عمر والی پر۔

تشریح:۔ یہ حدیث صحابہ و تابعین اور تبع تابعین میں شہرت کی حد تک پہنچ چکی ہے۔ جلیل القدر صحابہ سے بطریق صحیح مروی ہے۔ لہذا اس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔ گویا آیت واحل لکم ما وراء ذلکم کے عموم میں اس سے تخصیص کی جا سکتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ آیت کا عموم بہر حال مشرکہ مجوسیہ وغیرہ سے مخصوص ہے تو ظنی ہوا لہذا یہ اگر خبر واحد ہوتی تو بھی اس سے تخصیص کی جا سکتی تھی نہ جب کہ یہ حدیث مشہور ہو۔

باب حرمة المتعة ١٢٦

باب ١٢٦ ۔ متعہ حرام ہے!

٢٧٠/١ **ابوحنیفة** عن الزهری عن انس ان النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن المتعة۔

حضرت انس رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے منع فرمایا ہے۔

تشریح:۔ متعہ کے معنی ہیں خاص مدت کیلئے کسی قدر معاوضہ پر کسی عورت سے نکاح کیا جائے متعہ اس کو یوں کہا گیا کہ اس میں محض تمتع اور وقتی نفع اندوزی کی غرض ہوتی ہے اور نکاح کے دوسرے اغراض مثلاً توالد و تناسل یا خانگی نظام کی درستی وغیرہ مد نظر نہیں ہوتے۔ جو ایک مروجہ نکاح حلال میں ہوتے ہیں۔

٢٧١/٢ **ابوحنیفة** عن ابن عمر رض قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم خیبر عن المتعة۔

حضرت ابن عمر رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن متعہ سے منع فرما دیا۔

تشریح:۔ حضرت علی کی حدیث میں بھی ایسا ہی ہے جس کو اصحاب صحاح ستہ ماسوا ابوداود نے فرمایا ہے کہ اس میں گدھوں کے گوشت کی حرمت بھی ہے۔

۲۷۲ ابو حنیفۃ عن محارب عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہٰی عن متعۃ النساء ؛

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ نساء سے منع فرمایا ؛

تشریح :۔ متعہ کے بارہ میں کہ وہ کب حلال ہوا اور کب حرام مختلف روایات ہیں۔ اس کی مختصر تحقیق آئندہ حدیث میں آ رہی ہے ؛

۲۷۳ ابو حنیفۃ عن الزہری عن رجل من ال سبرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھٰی عن متعۃ النساء یوم فتح مکۃ وفی روایۃ عام الفتح ؛

آل سبرہ کے ایک شخص سے (جو غالباً ربیع بن سبرۃ ہیں۔ جیسا کہ ابوداؤد کی روایت سے پتہ چلتا ہے) روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا متعہ نساء سے فتح مکہ کے دن۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے سال ؛

تشریح :۔ متعہ نساء کہہ کر متعہ حج سے تفریق پیدا کر دی۔ کیونکہ اس پر بھی لفظ متعہ کا اطلاق ہوتا ہے ؛

۲۷۴ ابو حنیفۃ عن یونس بن عبد اللہ عن ابیہ عن ربیع بن سبرۃ الجہنی عن ابیہ قال نہٰی رسول اللہ صلعم عن متعۃ النساء یوم فتح مکۃ ؛

حضرت سبرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ نساء سے فتح مکہ کے دن منع فرمایا ہے ؛

وفی روایۃ نھٰی عن المتعۃ عام الحج ؛

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حج کے سال متع نساء سے منع فرما دیا ؛

وفی روایۃ نہٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن متعۃ النساء یوم الفتح ؛

اور ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا متعہ نساء سے فتح مکہ کے دن ؛

تشریح :۔ مسئلہ متعہ کی تحقیق حسب ذیل ہے۔ بعض جنگوں میں لوگوں نے آنحضرتؐ سے خصی ہونے کی اجازت چاہی تو آپ نے ان کو اس سے روکا اور ان کو متعہ کی اجازت دی۔ پھر آگے چل کر متعہ سے ہمیشہ کے لئے ممانعت فرما دی۔ اور اب امت مسلمہ کا اسی پر اتفاق ہے۔ محض شیعہ کو اس میں اختلاف ہے اور وہ اس کو اب بھی جائز جانتے ہیں۔ صحابہ میں کچھ عرصہ اس مسئلہ میں اختلاف رہا۔ مگر اکثریت حرمت ہی کی قائل رہی پھر حضرت عمرؓ کی خلافت میں سب کا اس کی حرمت پر اجماع ہو گیا۔ اس کے بعد کسی اہل سنت والجماعت کو اس میں مجال گفتگو نہ رہی۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں اس کی حرمت و حلت کے بارہ میں روایات وارد ہیں بعض کے نزدیک یہ دو سے زائد مرتبہ حلال و حرام ہوا۔ مگر تحقیق یہی ہے کہ صرف دو ہی مرتبہ حلال ہوا۔ اور دو ہی مرتبہ یہ حرام ہوا۔ اور پھر جب آخری مرتبہ یہ حرام ہوا تو ہمیشہ ہمیش کے لئے۔ یعنی یوم خیبر سے پہلے

یہ حلال تھا۔ اور یوم خیبر میں یہ حرام ہوا۔ فتح مکہ کے دن یہ حلال ہوا اور تین دن کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ حرام ہو گیا۔ اور حجۃ الوداع میں یہ پچھلی ثابت شدہ حرمت پر محض تاکید تھی۔ اور اس کا ایک عام قطعی اعلان نہ یہ کہ اس کو اس روز حرام ٹھہرایا گیا۔ صحابہ میں حضرت ابن عباسؓ اور جابرؓ یا چند اور کو اس میں کچھ دن اختلاف رہا۔ مگر حضرت ابن عباسؓ نے اپنے خیال سے رجوع فرما لیا۔ چنانچہ ترمذی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ متعہ آغاز اسلام میں زیر عمل تھا۔ ایک شخص اجنبی شہر میں آتا۔ جہاں اس کی کوئی شناسائی نہ ہوتی تو وہ وہاں کسی عورت سے کچھ مدت کے لئے نکاح کر لیتا۔ یعنی جب تک قیام کا ارادہ ہوتا۔ وہ اس کے سامان کی حفاظت کرتی اور اس کی چیزیں ٹھیک کرتی۔ یہاں تک کہ آیت الا علی ازواجھم وما ملکت ایمانھم اتری۔ پھر ابن عباسؓ نے فرمایا۔ تو اب ان کے علاوہ ہر فرج حرام ہے۔ اور جابر بن زید ابو الشعثاء نے روایت کی ہے۔ کہ ابن عباس دنیا سے نہیں گئے۔ مگر کہ انہوں نے دو چیزوں سے رجوع فرما لیا۔ ایک صرف دوسرے متعہ سے۔ حضرت جابر کا واقعہ یہ ہے کہ ابن عبدالبر نے بیان کیا ہے کہ جابر نے کہا کہ عمرؓ کی نصف خلافت تک ہم متعہ کرتے رہے۔ پھر آپ نے لوگوں کو منع فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کو حرمت کی حدیث نہ پہنچنے پر اب بھی کچھ شک باقی رہا ہوگا۔ مگر حضرت عمرؓ کے اعلان عام کے بعد کسی کو اس کی حرمت میں شک نہ رہا۔ یہ نہیں کہ حضرت عمر نے اپنے عہد میں اس کو اپنی رائے سے حرام کیا اور احادیث صحیحہ جو تواتر کی حد تک پہنچتی ہیں۔ اس کی حرمت ہی پر دال ہیں اور اس کے نسخ کو ثابت کرتی ہیں مثلاً احادیث ذیل جو مختلف صحابہ سے مختلف طرق سے مروی ہیں۔ یا سبرۃ بن معبد الجہنیؓ کی حدیث جو مسلم اور دیگر سنن میں بایں الفاظ وارد ہے نھی عن المتعۃ وقال الا انھا حرام من یومکم ھذا الی یوم القیامۃ کہ آپ نے متعہ سے منع فرمایا اور فرمایا کہ خبردار یہ آج کے دن سے قیامت تک حرام ہے۔ یہ گویا فتح مکہ کے دن کی آخری حرمت ہے یا حضرت علی کی یہ حدیث جو ترمذی میں ہے کہ آنحضرت نے منع فرمایا متعہ نساء سے اور گدھوں کے گوشت سے خیبر کے زمانہ میں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ متعہ کی حرمت قیامت تک باقی رہے گی۔ یہ خاص مجبوریوں اور خصوصی عذرات کی بنا پر حلال کیا گیا تھا۔ کہ ادھر مجاہدین اسلام کا تجرد کا عالم اور فطری تقاضے اور ادھر سفر کی بے سروسامانی اور جہاد کی بیش از بیش مشغولیتیں کہ ان الجھنوں میں سوائے اس رعایت و مہلت کے اور کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔ چنانچہ آنحضرت نے ان حالات کے ماتحت وقتی اجازت مرحمت فرمائی۔ یہ نہیں کہ اب بھی اپنے وطنوں میں رہتے بستے اس حکم کو باقی جان کر جذبات شہوانی کے پورا کرنے کا ایک ناجائز راستہ کھولا جائے۔ اور شریعت کی آڑ میں زناکاری کی آزادی دی جائے۔ چنانچہ حازمی نے بعینہٖ اسی بات کو ظاہر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بھی اپنے گھروں وطنوں میں رہتے بستے اس کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ خاص ضرورت کے ماتحت ایسی اجازت دی تھی پھر وہ بھی حجۃ الودع میں موقعہ پر ہمیشہ ہمیش کے لئے ختم ہو گئی اور اب سوائے شیعہ کے کسی کو متعہ کی حرمت میں شک نہیں ہے۔ لیکن اب متعہ بالکل حرام ہے اور اس کا حلال کہنے والا خدا اور رسول کا نافرمان ہے۔

ابوحنیفة عن نافع عن ابن عمر قال ۲۷۵ / ۲
نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عام غزوة خیبر عن لحوم الحمر الاهلیة وعن متعة النساء ؏

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا غزوہ خیبر کے سال شہری گدہوں کے گوشت سے اور متعة النساء سے ؏

تشریح :- اس حدیث کی تشریح گذر چکی ہے ؏

باب ۱۲۷ العزل!

باب ۱۲۷ - عزل کا بیان!

ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم ۲۷۶ / ۱
عن علقمة والاسود ان عبدالله بن مسعودؓ سئل عن العزل قال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لو ان شیئا اخذ الله میثاقه استودع صخرة لخرج ؏

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے عزل کے بارہ میں پوچھا گیا۔ تو آپ نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کے ظہور کا عہد کیا جو پتھر میں چھپی چھپائی ہے۔ تو البتہ وہ نکل کر رہے گی (تو گویا عزل سے کوئی فائدہ نہیں) ؏

تشریح :- امام احمد حضرت انسؓ سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تو اس پانی کو جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے کسی چٹان پر ڈال دے تو اللہ تعالیٰ اس سے بھی بچہ پیدا کر دے گا۔ عزل اس کو کہتے کہ عورت سے صحبت کے قریب جب انزال قریب ہو تو آلہ تناسل شرمگاہ سے نکال کر منی باہر خارج کی جائے۔

مسئلہ عزل میں حنفیہ و مالکیہ اور شافعیہ کے درمیان اختلاف ہے۔ حنفیہ و مالکیہ آزاد عورت سے عزل بغیر اس کی اجازت کے مکروہ جانتے ہیں اور منکوحہ لونڈی میں بغیر اس کے آقا کی اجازت کے اور اپنی لونڈی میں بغیر کراہت کے عزل جائز خیال کرتے ہیں۔ شافعیہ بغیر کسی کراہت کے سبب میں بلا امتیاز جائز قرار دیتے ہیں مگر یہ کہ اولاد سے بچنے کی غرض سے ہو تو اس وقت یہ ان کے نزدیک بھی مکروہ ہے۔ شافعیہ کی دلیل حضرت جابرؓ کی حدیث ہے۔ جو بخاری میں مروی ہے بایں الفاظ کنا نعزل والقران ینزل کہ ہم عزل کیا کرتے تھے اور قرآن نازل ہوتا تھا۔ حنفیہ و مالکیہ کئی احادیث سے حجت لاتے ہیں۔ مثلاً ابن ابی شیبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس طرح روایت لائے ہیں کہ انہوں نے کہا تستامر الحرة وتعزل من الامة کہ آزاد عورت سے اجازت چاہی جاتی ہے۔ اور لونڈی سے عزل کیا جاتا ہے عبدالرزاق اور بیہقی ابن عباسؓ سے روایت لائے ہیں اور نہی عن عزل الحرة الا باذنها کہ انہوں نے آزاد عورت سے بغیر اس کی اجازت کے عزل سے منع کیا۔ بیہقی ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنی لونڈی سے عزل کیا کرتے تھے۔ اور آزاد سے اجازت چاہتے تھے۔ ابن ماجہ حضرت عمرؓ سے روایت نقل کرتے ہیں نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یعزل عن الحرة الا باذنها۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ آزاد عورت سے بغیر اس کی اجازت کے عزل کیا جائے۔ مذہب حنفیہ کی بنا اس وجہ عقلی پر ہے کہ جماع دراصل عورت کا حق ہے اور بظاہر جماع

وہ ہی مانا جاتا ہے۔ جس میں عزل نہ ہو۔ لہٰذا اگر اس کے خلاف یعنی عزل کی صورت مطلوب ہو تو صاحب حق یعنی عورت سے اجازت طلب کرنی ضروری ہے۔ اب مسلم میں حدیث جذامہ میں جو یوں نقل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عزل وأد خفی ہے۔ یعنی یہ ایک چھوٹی قسم کا زندہ درگور کرنا ہے تو یہ عزل حرّہ کے بارہ میں ہے کہ جماع کا زیادہ تر اطلاق اسی پر ہوتا ہے۔

باب ۱۲۸ اتیان النساء من ای جهة کان

باب ۱۲۸۔ عورتوں کے پاس جس طرف سے چاہیں آنا!

۲۷۷/۱ ابو حنیفة عن ابی حنیفة عن ابی الهیثم عن یوسف ابن مالك عن حفصة زوج النبی صلی الله علیه وسلم ان امرأة اتتها فقالت ان زوجی یاتینی مجبیة ومستقبلة فکرهته فبلغ ذلك الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال لا بأس اذا کان فی صمام واحد ؎

حضرت حفصہ ام المومنین رضؓ کہتی ہیں کہ ایک عورت نے ان کے پاس آکر کہا کہ میرا خاوند میرے پاس آتا ہے (مجھ سے وطی کرتا ہے) پہلو سے اور سامنے سے اور میں اس کو برا سمجھتی ہوں۔ یہ بات آنحضرتؐ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اس میں کچھ حرج نہیں اگر ایک جگہ میں ہے ؎

تشریح:۔ یہ عورت سے ہر جہت سے وطی کرنے کی اجازت ہے۔ جبکہ موقع وطی فرج ہو نہ دبر طبرانی میں حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ جب مہاجرین مدینہ میں اقامت پذیر ہوئے تو انہوں نے ارادہ کیا کہ عورتوں سے ان کی پشت کی جانب سے ان کی فرجوں میں وطی کریں۔ وہ اس پر راضی نہیں ہوئیں اور ام سلمہ کے پاس آکر مسئلہ کو حل کرنا چاہا۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی نسائکم حرث لکم فاتوا حرثکم انّٰی شئتم کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں پس جدھر سے چاہو اپنی کھیتی کے پاس آؤ۔ بخاری میں ہے کہ یہود کہا کرتے تھے کہ جو اپنی عورت سے اس کی پشت کی جانب سے وطی کرے تو اس کا بچہ احول پیدا ہوتا ہے۔ اس پر یہ آیت نسائکم حرث لکم الخ اتری ؎

باب ۱۲۹ حرمة وطی المرأة فی دبرها

باب ۱۲۹۔ دبر میں عورتوں سے وطی کرنا حرام ہے!

۲۷۸/۱ حماد عن ابیه عن حمید الاعرج عن ابی ذر عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اتیان النساء نحو الحاش حرام؛

حضرت ابی ذر رضؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دبر کی جانب سے عورتوں سے وطی کرنا حرام ہے (یعنی دبر میں)

تشریح:۔ عورت کی دبر میں وطی کرنا اس حدیث سے حرام ہے۔ روایت کے لحاظ سے اس مسئلہ کی

جو تحقیق ہے وہ منقل حدیث میں آ رہی ہے۔ درائت و عقل کی رو سے بھی یہ فعل نہایت مکروہ ناپسندیدہ ہے کہ ہر مزاج سلیم اور طبع مستقیم اس سے خود بخود گھن کھاتی ہے۔ اور اس کو ایک کریہہ بدمزہ کام جانتی ہے۔ ابن قیم نے اس کے نقصانات پر تفصیلی تبصرہ کیا ہے۔ جن میں سے چند ایک یہاں بغرض فائدہ بیان کئے جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوگا یہ فعل کسی قدر قبیح ہے۔

اوّل تو یہ غلاظت وگندگی کے خارج ہونے کا مقام ہے۔ وطی کی لذت و لطف اندوزی کو اس غلاظت وگندگی سے کی بدمزگی سے کیا علاقہ بلکہ ایسے موقعہ پر تو انسان نظافت و پاکیزگی کا متلاشی ہوتا ہے قطع نظر حکم شریعت کے ہر پاکیزہ طبع انسان اس سے فطرۃً متنفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حیض کی حالت میں عورت سے نزدیکی حرام ہوئی۔ کیونکہ گندگی کے اخراج کے دوران میں اس کو کون پسندیدہ رکھے گا۔
دوسرے وطی عورت کا مرد پر ایک حق ہے۔ جو واجب الادا ہے۔ اور وہ حق اس شکل میں تباہ ہوتا ہے۔
تیسرے قدرت کی طرف سے یہ مقام اس فعل کے لئے نہیں بنا تو گویا اس فعل کا ارتکاب قدرت کی غرض تخلیق سے ناانصافی ہے۔ چوتھے اطبار کا فیصلہ ہے کہ مرد کے لئے یہ شکل وطی کی نہایت مضر صحت ہے کیونکہ فرج میں ایک جاذبیت کا مادہ منصوبہ کو ذکر سے پورا جذب کر لیتی ہے۔ جو طبائع کے لئے راحت و آرام کا سبب ہے۔ بخلاف اس کے کہ دبر میں یہ خاصیت نہیں۔ اس میں اخراج کی طاقت ہے جذب کی نہیں۔ لہٰذا منی کا کچھ حصہ مرد کی منی کے راستہ میں رہ جاتا ہے۔ جو کئی بیماریوں کا باعث ہوتا ہے۔ اور طبیعت میں نقصان کا باعث بنتا ہے۔ پانچویں اس صورت میں رگوں پر خلاف فطری زور پڑتا ہے۔ جو رگوں کے لئے مضر ہے اور اسی طرح دیگر ہزاروں معائب ہیں۔ لہٰذا انہیں نقائص کے پیش نظر شریعت نے سخت امتناعی احکام سے اس فعل بد کا انسداد کیا۔

۲۷۹ **ابو حنیفۃ** عن معن قال وجدت بخط ابی اعرفہ عن عبد اللہ بن مسعود قال نُھینا ان نأتی النساء فی محاشھن۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم کو منع کیا گیا۔ کہ ہم عورتوں کے پاس آئیں (ان سے جماع کریں) ان کی دبر میں۔

تشریح:۔ دبر میں وطی کرنا از روئے روایات صحیحہ حرام ہے۔ اور اس پر شریعت میں شدید تہدید وعیدیں آئی ہیں۔ کہیں اس کو چھوٹی قسم کی لواطت کہا ہے۔ چنانچہ احمد و طحاوی عمرو بن شعیب کے واسطہ سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ سے ایسے شخص کے بارہ میں پوچھا گیا۔ جو عورت کی دبر میں وطی کرتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ چھوٹی قسم کا اغلام ہے۔ احمد ابوداؤد اور نسائی وغیرہ حضرت ابی ہریرہ سے مرفوع حدیث لائے ہیں۔ ملعون من اتی امراتہ فی دبرھا۔ کہ وہ شخص حیض والی عورت کے پاس آیا۔ یا اس نے عورت کی دبر میں وطی کی یا کاہن کے پاس آیا۔ اور اس کی تصدیق کی تو وہ اس چیز کے ساتھ کافر ہوا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی۔ اور صحاح میں یہ بھی ہے۔ لا ینظر اللہ یوم القیامۃ الی رجل اتی امراتہ فی دبرھا۔ کہ اللہ قیامت کے دن ایسے شخص کیطرف نہیں دیکھے گا۔ جس نے اپنی عورت کی دبر میں وطی کی۔ انہیں احادیث کے پیش نظر تقریباً تمام صحابہ اس کی حرمت کے قائل تھے۔ صحابہ

میں حضرت ابن عمرؓ کا خلاف منقول ہے ۔ چنانچہ بخاری میں آیت فاتوا حرثکم کی تفسیر میں ابن عمر کی یہ تفسیر مروی ہے یاتیھا فی دبرھا ۔ طبرانی میں بھی اسی کی تصریح ہے ۔ ائمہ میں امام مالک کا مذہب بھی یہی مشہور ہے ۔ کہ وہ اس کو جائز جانتے تھے ۔ چنانچہ ابوبکر جصاص نے اس کی تصریح کی ہے ۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ ابن عمر بھی اس کو حرام ہی جانتے تھے چنانچہ بخاری سے تاریخ میں اور حاکم سے کنیٰ میں اور ایسے ہی امام صاحب سے آیت نساءکم حرث لکم کی تفسیر میں ابن عمر کا یہ قول مروی ہے ۔ قبلاً دُبُراً انّی الماتی محلا لاغیر یعنی آگے پیچھے جہاں سے چاہو مگر وہی صرف آنے کی جگہ میں نہ کسی اور میں معلوم ہوا کہ ان کا صحیح مذہب یہی تھا کہ دبر میں وطی حرام ہے ۔ اور امام مالک کے بارہ میں بھی یہ ہی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے حرمت ہی کے قول کیطرف رجوع کر لیا تھا ۔ چنانچہ خطیب نے اسرائیل بن روح کے طریق سے روایت نقل کی ہے ۔ کہ انہوں نے کہا کہ میں نے مالک سے اس کے بارہ میں پوچھا ۔ تو انہوں نے کہا کہ حرث ، (کھیتی) کاشت کی جگہ ہی تو ہے ۔ لہٰذا فرج سے آگے نہ بڑھو ۔ کہتے ہیں کہ میں نے کہا ۔ یا ابا عبداللہ لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ اس کے جواز کے قائل ہیں (یعنی وطی فی الدبر) ۔ انہوں نے دومرتبہ کہا کہ وہ مجھ پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے پچھلے شاگردوں نے ان کا مسلک حرمت ہی قرار دیا ۔ اسی لئے ابن قیم نے نہایت وثوق سے کہا ہے کہ وطی فی الدبر کی حلت کا کوئی بھی قائل نہیں ۔ اور جس نے سلف سے اس کی روایت کی ہے اس کو دھوکہ لگا ہے ۔

اسی ضمن میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ عورت کو اپنے مرد کا ستر اور مرد کو اپنی عورت کا ستر دیکھنا جائز ہے یا نہیں ۔ تو تحقیق اس میں یہی ہے کہ یہ جائز ہے ۔ حرام نہیں ۔ کیونکہ ابن سعد طبقات میں اور طبرانی کبیر میں سعد بن مسعود سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ نے فرمایا ان اللہ تعالیٰ جعلھا لک لباسا وجعلک لھا لباسا ۔ واھلی یرون عورتی وانا اری ذلک منھم کہ اللہ تعالیٰ نے تیری بیوی تیرے لئے لباس بنایا ۔ اور تجھ کو اس کے لئے اور میرے اہل میرے ستر کو دیکھتے ہیں اور میں ان کے ستر کو اس میں اس آیت کیطرف اشارہ ہے ھن لباس لکم وانتم لباس لھن کہ عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ۔ اسی طرح سنن اربعہ میں بہز بن حکیم کے واسطہ سے روایت ہے کہ معاویہ بن حیدہ نے نبی صلعم نے ارشاد فرمایا احفظ عورتک الا من زوجتک او ما ملکت یمینک کہ اپنے ستر کی حفاظت کر دیکھنے سے مگر اپنی عورت یا مملوکہ لونڈی سے ۔ البتہ صحاح میں حضرت عائشہؓ سے انکار ثابت ہے کہ انہوں نے آنحضرت کا ستر نہیں دیکھا ۔ اس لئے بوقت جماع عورت کی فرج دیکھنے کو آداب جماع کے خلاف لکھا ہے ۔ ابن عدی ابن عباس سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنی عورت یا لونڈی سے جماع کرے تو اس کی فرج کو نہ دیکھے ۔ کیونکہ یہ عمل بینائی کو کھوتا ہے ۔ بہرحال شریعت سے اس امر کی اجازت مطلقاً ثابت ہے اور نص قرآنی سے بھی اسی اجازت کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے ۔ مگر ادب وہی ہے جو بیان کیا گیا ۔

۲۸۰/۲ حمّاد عن ابیہ عن ابی المنہال عن ابی القعقاع الخُشنیؒ عن ابن مسعودؓ انہ قال حرام ان تؤتی النسآء فی المحاشِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حرام ہے کہ عورتوں کے پاس آیا جائے (ان سے جماع کی جائے) ان کی دبر میں۔

تشریح:۔ اس مسئلہ کی مناسب تشریح لکھدی گئی ہے۔ وہیں سے دیکھ لی جائے۔

باب ۱۳۰ النسب لِصاحِبِ الفراشِ!

باب ۱۳۰ نسب صاحِب فراش کا ہے!

۲۸۱/۱ ابو حنیفة عن حماد بن ابی سلیمان عن ابراهیم عن الاسود عن عمر بن الخطاب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الولد للفراش وللعاھر الحجر۔

حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے۔

تشریح:۔ فراش منکوحہ بیوی ہوتی۔ یا مملوکہ لونڈی۔ ان کو فراش اس لئے کہا کہ وطی کے لئے ان کو لٹایا جاتا ہے اور یہاں فراش سے مراد یہ دونوں نہیں جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ صاحب فراش یعنی خاوند یا مالک۔ اور یہ جو فرمایا کہ زانی کے لئے پتھر ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے لئے سنگساری ہے جس پر ظاہری الفاظ والی ہیں۔ کیونکہ خالی سنگساری نسب سے محروم نہیں کرتی۔ یہاں پتھر سے مراد ناکامی اور محرومی ہے۔ عرب محاورہ میں ناکامی کو پتھر اور ڈھیلوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ بلکہ خود ہماری اردو زبان میں محاورہ ہے کہ اس کے نصیب میں خاک ہے۔ یا بھاڑ یعنی اس کے نصیب میں سراسر ناکامی ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نسب کے سارے حصے مثلاً ورثہ وغیرہ وخاوند اور مالک ہی کو ملیں گے۔ زانی ان سے محروم رہے گا۔

یہاں امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک و شافعیؒ کے درمیان قدرے اختلاف ہے وہ یہ کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس ثبوت نسب میں امکان وطی کی شرط نہیں۔ صرف نکاح ہو جانا ثبوت نسب کے لئے کافی ہے۔ نکاح کے چھ ماہ بعد جو بچہ ہوگا۔ وہ اسی شوہر کا ہوگا۔ اور نسب کے سارے حقوق کا یہی حقدار ماننا پڑے گا۔ نہ زانی۔ خواہ اس بیچ میں وطی کا امکان ہو یا نہ ہو۔ امام شافعیؒ و مالکؒ کہتے ہیں کہ عقد کا بعد وطی کا امکان بھی شرط ہے ورنہ اس سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔ عقل و قیاس وقرینہ امام صاحب کے خیال کو حق ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ عقد چونکہ وطی پر دلالت کرتا ہے اور اس کا داعی ہے اس لئے وہ گویا وطی کا قائم مقام ٹھہرا جو حکم وطی کا ہے وہ ہی اس کا مثلاً سفر مشقت کا سبب ہے۔ تو گویا وہ مشقت کا رعایات شرعیہ میں قائم مقام سمجھا گیا۔ اور اس کا نائب خواہ اس میں مشقت ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح یہاں دوسرے حدیث کے الفاظ مطلق ہیں اس میں امکان وطی کی قید کہاں۔ تیسرے شریعت میں اس کی ایک

شامل نہیں بلکہ کئی ایک ہیں۔ مثلاً ایک منکوحہ عورت جس کا خاوند عرصہ سے سفر میں ہے۔ اور اس بیچ میں کئی مرتبہ اس کو حیض آچکا ہے۔ جس سے معلوم ہے کہ اس کا رحم نطفہ سے خالی ہے۔ مگر پھر بھی اگر یہ خاوند طلاق دے گا تو وہ عدت کرے گی۔ عدت رحم کی جانچ کے لئے کی جاتی ہے کہ اس کے رحم میں نطفہ تو نہیں ہے۔ حالانکہ ایسی صورت میں عدت نہیں ہونی چاہئے تھی۔ مگر شریعت نے عدت لازم قرار دی کیونکہ محض نکاح وطی کے قائم مقام ہے۔

كتاب الاستبراء

رحم کو صاف اور بری کرنے کا بیان

باب الاستبراء ۱۳۱

رحم کو صاف اور بری کرنا

۲۸۲/۱ ابوحنيفة عن نافع عن ابن عمر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان توطأ الحبالى حتى يضعن ما فى بطونهن۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ حاملہ عورتوں سے وطی کی جائے جب تک کہ وہ جن نہ لیں اپنے پیٹوں کے بچے۔

تشریح:۔ ان حاملہ عورتوں سے مراد قید کی ہوئی کنیزیں ہیں۔ کیونکہ امام صاحب سے دوسرے طریق سے روایت ہے جس میں حبالی کے ساتھ من السبی کی قید بھی ہے۔ یعنی قید کی ہوئی حاملہ عورتوں کے لئے یہ حکم ہے امام احمد و ابوداؤد و ابی سعید خدری سے حدیث لائے ہیں۔ اوطاس کے قیدیوں کے بارہ میں کہ نہ وطی کی جائے حاملہ سے جب تک وضع حمل نہ ہو جائے۔ اور نہ غیر حاملہ سے جب تک اس کو ایک حیض نہ آجائے گویا یہ رحم کی صفائی کا حکم یا تو اس حاملہ کو شامل ہے جس کو خریدا جائے یا وہ جس کا حمل زنا سے ہو یا وہ عورتیں جن کا نکاح ان کے حربی خاوندوں سے بوجہ اسلام یا ہجرت ختم ہو گیا ہو۔ اور ہماری ملک میں آچکی ہوں۔ یہ حکم اپنی منکوحہ حاملہ کو شامل نہیں نہ اس زنا کی حاملہ کو جس کا شوہر خود زانی ہو۔ اور اس نے اس سے قبل نکاح زنا کیا جس سے وہ حاملہ ہو گئی ہو۔ نہ ہی یہ حکم اس عورت کو شامل ہے۔ جو مہاجرہ مسلمہ ہو اور حاملہ بھی ہو۔ کہ اس سے نکاح ہی جائز نہیں تو وطی کیا جائز ہو گی۔ کیونکہ اس کی عدت وضع حمل سے ہے اور قبل انقضائے عدت نکاح کس طرح جائز ہو گا۔

كِتَابُ الرَّضَاعِ

کتاب دودھ پلانے کا بیان!

بَابُ ۱۳۲ مساواة الرَّضاع وَالنَّسَب فی التَّحرِیم!

دودھ کے رشتوں اور نسب کے رشتوں کی حرمت برابر ہے!

ابوحنیفة عن الحکم عن القاسم عن شریح عن علی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب قلیلہ وکثیرہ ۔ ۲۸۳/۱

حضرت علی سے روائت ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کے رشتہ سے وہی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نسب کے رشتہ سے خواہ دودھ کم پیا ہو یا زیادہ ۔

تشریح:- اس حدیث میں رضاعت کا ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بچہ کا ایک مرتبہ بھی دودھ پی لینا اور اس کے پیٹ میں اتر جانا حرمت کے لئے کافی ہے۔ یہ ہی مذہب ہے۔ حضرات علی وابن مسعود۔ ابن عمر۔ ابن عباس۔ حسن بصری۔ سعید بن مسیب طاؤس۔ عطا۔ مکحول۔ زہری۔ قتادہ وغیرہم کا۔ ابن المنذر نے کہا کہ اکثر فقہاء اسی پر متفق الرائے ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ایک یا دو یا پانچ مرتبہ سے کم میں حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ مذہب شافعیہ پہ حدیث عائشہ سے دلیل لائی جاتی ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا لا تحرم المصة ولا المصتان کہ ایک یا دو مرتبہ دودھ چوس لینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت عائشہ سے قول کی بھی روائت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ قرآن میں دس دفعہ چوسنے کا حکم تھا۔ تو اس میں پانچ دفعہ کا منسوخ ہوا۔ اور پانچ دفعہ کا باقی رہا۔ جو آخر وفات آنحضرتؐ تک باقی رہا۔ حنفیہ کے مذہب پر قرآن بھی حجت ہے۔ اور احادیث صحیحہ بھی۔ قرآن میں یوں آیا ہے وامھاتکم اللاتی ارضعنکم کہ تمہاری مائیں ہیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے۔ اس میں مطلق دودھ پلانے کو حرمت کا سبب ٹھہرایا ہے۔ اس میں ایک یا دو مرتبہ پینے کی قید کہاں۔ اور خبر واحد یا قول واحد سے قید کس طرح لگائی جا سکتی ہے۔ احادیث میں حدیث ذیل بھی قوی دلیل ہے۔ کہ اس میں حرمت کے لئے کمی زیادتی کا سوال اٹھا دیا۔ مؤطا امام محمدؒ میں سعید بن بن مسیب۔ عروہ بن زبیر اور ابن عباس سے آثار بھی لائے ہیں۔ جو ایک مرتبہ بھی دودھ پی لینے کو حرمت کا سبب قرار دیتے ہیں اور عقل بھی اس کی متقاضی ہے کہ جس نے ایک مرتبہ بھی دودھ پی لیا۔ تو گویا اس نے دودھ پی لیا۔ ابوبکر رازی نے کہا ہے کہ دودھ تھوڑا ہو یا بہت حرمت کو ثابت کرتا ہے۔ جسطرح تھوڑا یا بہت کھا لینا افطار روزہ کا باعث ہے۔ اور حدیث عائشہ جس سے شافعیہ دلیل لاتے ہیں۔ مضطرب ہے۔ پس احناف کا مسلک درست ہے ۔

٢٨٤ / ٢

ابوحنيفة عن الحكم عن عراك
ابن مالك عن عروة بن الزبير عن عائشة
قالت جاء افلح بن ابي القعيس يستأذن
على عائشة فاحتجبت منه فقال تحتجبين
مني وانا عمك فقالت فكيف ذلك
قال ارضعتك امرأة اخي بلبن اخي
قالت فذكرت ذلك لرسول الله
صلى الله عليه وسلم فقال رسول
الله صلى الله عليه وسلم تربت
يداك اما تعلمين انه يحرم
من الرضاع ما يحرم من النسب؛

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ افلح بن ابی القعیس
نے ان کے پاس آنے کی اجازت چاہی (آیت حجاب
کے نزول کے بعد) تو آپ نے ان سے پردہ کیا اس پر
وہ (افلح) بولے کہ کیا تم مجھ سے پردہ کرتی ہو۔ حالانکہ
میں تمہارا (رضاعی) چچا ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا یہ
کیسے۔ انہوں نے کہا کہ میری بھاوج نے میرے بھائی
کا دودھ تم کو پلایا ہے۔ (حضرت عائشہ) کہتی ہیں کہ
میں نے اس (بات) کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا
آپ نے فرمایا خاک آلود ہوں تمہارے ہاتھ کیا تم اتنا نہیں
جانتی کہ دودھ سے وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب
سے ہوتے ہیں (یعنی وہ تمہارے چچا ہی تو ہوئے۔
اگر نسب سے نہیں تو رضاعت سے)؛

تشریح :- اس حدیث میں بھی مطلق رضاعت ثابت ہوتی ہے؛

كتاب الطلاق !

طلاق کا بیان !

باب ٣٣ الهزل في الطلاق

طلاق میں مزاح کرنیکا بیان

٢٨٥ / ١

ابوحنيفة عن عطاء عن يوسف
بن ماهك عن ابي هريرة ان رسول الله
صلى الله عليه وسلم قال ثلثة جدهن
جد وهزلهن جد الطلاق والنكاح
والرجعة ؛

حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طلاق۔ نکاح۔ اور
رجعت یہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی اور مزاح
دونوں کا شمار سنجیدگی میں ہے؛

تشریح :- یعنی جس شخص نے مثلاً مزاح و دل لگی میں طلاق دی یا نکاح کیا یا عورت سے رجوع کر لیا تو تینوں اثرات مرتب ہوئے۔ گویا طلاق واقع ہو گئی۔ اور شوہر و زوجہ میں جدائی ثابت ہو گئی۔ نکاح بندھ گیا۔ اور رجعت شرعاً مان لی گئی۔ خواہ شوہر کس قدر عذر کرتا رہے کہ میں نے یہ سب کچھ مزاح کے طور پر کیا تھا۔ میری نظر ان الفاظ کے معانی یا ان کے نتائج پر ہرگز نہ تھی۔ شریعت میں اس کا یہ عذر نہ سنا جائے۔ عقود و تصرفات کا یہی حکم ہے۔ مثلاً بیع ہبہ وغیرہ۔ اُن میں مذکورہ بالا سہ اشیاء کو اس لئے بیان کے ساتھ مخصوص فرمایا کہ ان کی اہمیت دیگر تصرفات سے زائد ہے۔ ان معاملات میں مزاح ہرگز نہ کرنا چاہیے؛

بَابُ ۱۳۴ الْعِدَّةِ !

باب ۱۳۴ - عدّت کا بیان !

۲۸۶ / ۱ **ابو حنیفة** عن ابی الزبیر عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لسودة حین طلّقھا اعتدّی ؛

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت سودہؓ کو طلاق دینی چاہی تو فرمایا عدّت گذارو ؛

تشریح :- یہ امر مختلف فیہ ہے کہ آنحضرت نے حضرت سودہ کو طلاق دے دی تھی - اور پھر حضرت سودہ کے التماس سے آپ نے رجعت فرمائی - یا طلاق نہیں دی تھی - بلکہ محض ارادہ فرمایا تھا کہ حضرت سودہ نے التجا کی - کہ آپ کے نکاح میں رہیں تو آنجناب نے طلاق کا ارادہ ترک فرمایا - آخری بات صحیح تر ہے - کیونکہ کتب صحاح وسنن میں لما ارادہ طلاقھا وھبت یومھا لعائشۃ کے الفاظ ہیں کہ آنحضرت نے طلاق کا ارادہ ہی فرمایا تھا - کہ حضرت سودہ نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ کو بخش دیا -

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت سودہ طلاق سے خوف زدہ ہوئیں تو انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ کو بخش دی - طبرانی میں بھی اذا اراد ان یفارقھا کے الفاظ ہیں کہ آنحضرت نے ہنوز مفارقت کا ارادہ ہی فرمایا تھا - لہٰذا اس سے پتہ چلا کہ آنجناب نے طلاق نہیں دی تھی - بلکہ حضرت سودہ نے ارادہ کا پتہ چلا کر اپنی باری حضرت عائشہ کو دے دی - اور ارادۂ طلاق کو ترک کرا دیا - یہی وجہ ہے کہ ملا علی قاری نے حدیث میں طلّقھا کے معنی اراد طلاقھا کے کئے ہیں اور ہم نے بھی ترجمہ حدیث میں اسی خیال کو پیش نظر رکھا ہے - دوسرے طرف بیہقی عروہؒ سے مرسل حدیث اس مضمون کی لائے ہیں کہ آنحضرت نے حضرت سودہ کو طلاق دی - پھر جب آپ نماز کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت سودہ نے آپ کا دامن پکڑ کر عرض کیا کہ مجھ کو مردوں کی حاجت نہیں - یعنے فطری تقاضوں سے خالی ہوں - مگر میرا ارمان ہے کہ حشر میں آپ کی ازواج میں اٹھوں - اس لئے آنحضرت نے رجعت فرمالی - ابن سعد بھی اسی کے ہم معنی الفاظ سے حدیث لائے ہیں - اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت سودہ نے اپنی باری کا دن اور رات حضرت عائشہ کو بخش دیا ؛

۲۸۷ / ۲ **ابو حنیفة** عن حماد عن ابراھیم عن الاسود عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لسودة حین طلّقھا اعتدّی ؛

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت سودہ کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو کہا کہ عدت میں بیٹھو ؛

تشریح :- اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ موطوءۃ مطلقہ کے لئے عدت لازمی ہے - نہ غیر موطوءۃ کے لئے جس کو حضرت عز اسمہ نے بھی ان الفاظ سے ظاہر فرمایا ہے - فما لکم علیھن من عدۃ باقی خصوصی واقعہ کی وضاحت وتشریح حدیث بالا میں گذری ؛

☼

بَابُ ۱۳۵ الطَّلَاقِ فِی الحَیضِ!

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن رجل عن ابن عمرؓ انّهٗ طلق امرأته وهی حائض فعیب ذالک علیه فراجعها فلمّا طهرت من حیضها طلقها واحتسب بالتطلیقة التی کان اوقع علیها وهی حائض۔

باب ۱۳۵ حیض میں طلاق دینا!

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے، کہ انہوں نے ۲۸۸/۱
اپنی عورت (آمنہ بنت غفار) کو طلاق دی، اور وہ حائضہ تھیں۔ اس بنا پر ان پر عیب و الزام لگایا گیا تو انہوں نے رجوع کر لیا۔ پھر جب (انکی بیوی) حیض سے پاک ہوئیں تو انہوں نے ان کو (آمنہ کو) طلاق دی اور وہ طلاق شمار میں لائی گئی۔ جو وہ ان کو بحالت حیض دے چکے تھے۔

تشریح:۔ حدیث سے وضاحت ہوئی کہ حیض کے وقت کی دی ہوئی طلاق لغو نہیں گئی۔ بلکہ شمار میں آکر طلاق مانی گئی۔ اس میں ظاہریہ خارجی اور رافضی اختلاف کرتے ہیں۔ روایت سے بھی دلیل لاتے ہیں اور قیاس سے بھی کام لیتے ہیں۔ روایت کے سلسلہ میں ابی الزبیر کی روایت کو جو وہ ابن عمر سے کرتے ہیں اور جو ابو داؤد میں نقل ہے پیش نظر رکھتے ہیں کہ اس میں لم یرھا شیئًا کے الفاظ زائد ہیں گویا اس کو کچھ نہیں جانا۔ اور اس طلاق کو شمار میں نہیں لیا۔ اور قیاس آرائی یہ کرتے ہیں کہ حیض کے وقت کی طلاق حرام و ناجائز ہے اور جب حرام و ناجائز ہوئی تو کیوں مانی جائے گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ روایت ابی الزبیر میں لم یرھا شیئًا کے ٹکڑے کے غیر محفوظ ہونے پر تمام ناقدین حدیث و حافظین روایات کا اتفاق ہے۔ کیونکہ ابن عمرؓ کے دوسرے شاگردوں سے جو ابی الزبیر سے کہیں زیادہ ثقہ ہیں اور قابل اعتبار یہ ہرگز نقل نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف نقل ہے۔ مثلاً حدیث ذیل ہی ہیں۔ پھر یہ کس قدر موٹی بات ہے کہ تمام روایات میں حتی کہ ابی الزبیر کی روایت میں رجوع کرنے کا حکم ہے اور رجعت طلاق کے بعد ہوتی ہے۔ اگر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ تو رجوع کرنا کیسا۔ یا ممکن ہے۔ لم یرھا شیئًا کے یہ معنی ہوں کہ اس طلاق کو ٹھیک عمل اور ایک مناسب فعل نہیں جانا نہ یہ کہ یہ طلاق ہی نہیں ہوئی۔ دوسرے ان کی قیاس آرائی بھی غلط ہے۔ کیونکہ یہ کیا ضرور ہے۔ کہ جو چیز حرام و ناجائز ہو وہ صحیح بھی نہ ہو اور اس پر احکام مرتب نہ ہوں۔ مثلاً غصب کی ہوئی زمین پر نماز ناجائز ہے۔ مگر پھر بھی صحیح ہے۔

بَابُ ۱۳۶ حُرمَةِ اللّعبِ بالطّلاقِ!

ابو حنیفة عن ابی اسحٰق عن ابی بردۃ عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه

باب ۱۳۶ طلاق کو تماشا بنانا حرام ہے!

حضرت ابی موسیٰ اشعریؓ نے کہا۔ رسول اللہ ۲۸۹/۱
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ اللہ کے حدود

وسلم ما بال قوم يلعبون بحدود الله ، يقولون قد طلقتكِ قد راجعتك ۔ | کو تماشا بنا لیتے ہیں (ابھی) کہتے ہیں۔ میں نے تجھ کو طلاق دی۔ (پھر) کہتے ہیں میں نے رجوع کر لیا۔

تشریح :۔ عورتوں کے تنگ کرنے کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ طلاق دیتے اور عدت میں رجوع کر لیتے۔ پھر طلاق دیتے۔ رجوع کر لیتے۔ اور یوں بے چاری عورتوں پر عرصہ حیات کو تنگ کرتے۔ لہٰذا شرع نے اس سلسلہ میں امتناعی احکام صادر فرمائے۔ کہیں الطلاق مرتان کا اصول قائم کر کے اس بد حرکت سے روکا۔ کہیں یوں فرمایا۔ تلك حدود الله کہ یہ اللہ کی حدبندیاں ہیں فلا تعتدوھا تو ان سے آگے نہ بڑھو۔ حدیث ذیل بھی اسی سلسلہ احکام کی ایک کڑی ہے۔

باب ۱۳۷ عدم وقوع طلاق المعتوہ!

باب ۱۳۷ ۔ دیوانہ کی طلاق طلاق نہیں

ابو حنيفة عن منصور عن الشعبي عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يجوز للمعتوه طلاق ولا بيع ولا شراء ۔ | حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجنون کی نہ طلاق جائز ہے۔ نہ خرید و فروخت۔ ۱/۲۹۰

تشریح :۔ نسائی اور ابن ماجہ اسی سلسلہ میں حضرت عائشہ سے اس مضمون کی مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ نے فرمایا تین سے قلم اٹھا یا گیا یعنی احکام شرعیہ کی ذمہ داری سے بری ہو گئے ایک سونے والا جب وہ جاگے دوسرا بچہ جب تک وہ بڑا ہو۔ تیسرا مجنون تا آنکہ وہ افاقہ پائے۔ اور باہوش ہو۔ حضرت علی سے بھی اسی مضمون کی حدیث نقل ہے جس کو ترمذی لائے ہیں۔ لہٰذا ان ہی احادیث کے تحت طلاق مجنون کی غیر نافذ ہے۔ البتہ اس کی بیع و شراء موقوف رہتی ہے۔ اور مست اور مجبور کی طلاق احناف کے نزدیک واقع ہوتی ہے اس میں حدیث رفع عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ حارج نہیں۔ کیونکہ اول تو وہ ضعیف ہے چنانچہ ابن حجر نے بلوغ المرام میں اس پر تصریح کی ہے۔ پھر ممکن ہے۔ یہ مراد ہو کہ اخروی ذمہ داری اٹھالی گئی۔ یہ نہیں کہ فعل مع اپنے احکام کے لغو ثابت ہوا۔ مثلاً اگر جماع پر مجبور کیا گیا تو گو آخرت کی ذمہ داری اس سے چھوٹ جائے گی۔ مگر غسل اس پر واجب ہو گا۔ اس کا حج و روزہ فاسد ہو گا۔ اور اسی طرح کی مثالیں شریعت میں بہت سی موجود ہیں۔

بَابٌ ۱۳۸ عَدَمُ الطَّلَاقِ، بِمُجَرَّدِ التَّخْيِيْرِ!

اَبُوْحَنِيْفَةَ عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة خيرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فاخترناه فلم يعد ذلك طلاقاً ؛

باب ۱۳۸ ۔ صرف اختیار دینے سے عورت کو طلاق نہیں ہوتی!

۲۹۱/۱ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اختیار دیا (طلاق لینے کا) تو ہم نے آپ کو اختیار کر لیا۔ (گویا طلاق نہ لی) تو یہ صورت طلاق میں شمار نہیں ہوئی ؛

تشریح :۔ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی۔ کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق لینے کا اختیار دے اور وہ اپنے نفس کو طلاق دے تو طلاق ہوئی ورنہ اگر وہ بجائے طلاق لینے کے شوہر کو پسند کر لے تو کچھ بھی نہیں۔ شوہر کی طرف سے محض ایسا اختیار مل جانا طلاق کے حکم میں نہیں ؛

بَابٌ ۱۳۹ خِيَارُ الْعِتْقِ!

اَبُوْحَنِيْفَةَ عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة انها اعتقت بريرة ولها زوج مولى لآل ابي احمد فخيرها رسول الله صلى الله عليه وسلم فاختارت نفسها ففرق بينهما وكان زوجها حرا ؛

باب ۱۳۹ ۔ منکوحہ لونڈی کو آزاد ہونے کے بعد اختیار ہے چاہے وہ خاوند کے ساتھ رہے یا علیحدہ ہو جائے!

۲۹۲/۱ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بریرہ لونڈی کو آزاد کیا۔ جس کا خاوند آل ابی احمد کا آزاد کردہ غلام تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دیا (کہ وہ اپنے شوہر کے نکاح میں رہے یا اس سے علیحدگی اختیار کر لے) چنانچہ اس نے علیحدگی چاہی تو آپ نے ان کے درمیان تفریق کرا دی۔ حالانکہ اسکا شوہر آزاد تھا ؛

تشریح :۔ یہ حدیث ایک اختلافی امر میں شافعیہ اور مالکیہ کے خلاف حجت ہے۔ اختلاف کی یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ رحؒ کے نزدیک مذکورہ لونڈی کو خیار عتق حاصل ہے۔ خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام امام شافعیؒ و مالکؒ کے نزدیک یہ خیار محض اس وقت ہے کہ باندی کا خاوند غلام ہو۔ یہاں یہ سوال ہے

کہ بریرہ کا شوہر غلام تھا۔ یا آزاد حدیث ذیل چونکہ آزادی پر دلالت کرتی ہے اس لئے یہ ان کے خلاف حجت ہے دراصل ابن عباس سے تو یہی مروی ہے کہ یہ آزاد تھا۔ اور حضرت عائشہؓ سے دو طرق سے اس کی روایت ہے ایک اسود سے۔ دوسری عروۃ القاسم سے۔ اسود کی روائیت اس کے آزاد ہونے کو ثابت کرتی ہے اور عروہ سے بھی دو روایات ہیں ایک سے اس کا آزاد ہونا معلوم ہوتا ہے۔ دوسری سے اس میں شک کا شبہ پڑتا ہے۔ لہٰذا ان حالات میں اس کی آزادی کا وثوق ہوا اور یہ خفیف سا شک جو عروہ کی ایک روایت ظاہر کرتی ہے وہ کالعدم ہے۔

۲۹۳ / ۱ باب ۱۴۰ طلاق الامۃ

باب ۱۴۰ ۔ لونڈی کی طلاق کا بیان!

ابو حنیفۃ عن عطیۃ عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلاق الامۃ اثنتان وعدتھا حیضتان ۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لونڈی کی طلاق دو ہیں۔ اور اس کی عدت دو حیض ہیں۔

تشریح:۔ یہ حدیث دو امور میں شافعیہ و مالکیہ کے خلاف حنفیہ کے لئے حجت ہے اور اول یہ کہ تعداد طلاق کا دارومدار عورتوں پر ہے یا مردوں پر۔ دوسرے یہ کہ عدت حیض سے ہے یا طہر سے حنفیہ ہر دو امور میں پہلی صورت کے قائل ہیں۔ اور شافعیہ مالکیہ دوسری صورت کے۔ یعنی امر طلاق میں اگر شوہر غلام ہو اور عورت آزاد تو حنفیہ کے نزدیک وہ عورت تین طلاقوں میں اس پر حرام ہوگی۔ اور شافعیہ کے نزدیک دو ہی ہیں۔ اسی طرح اگر شوہر آزاد ہو اور عورت لونڈی تو اس کے برخلاف حنفیہ کے نزدیک دو ہی طلاقوں میں وہ عورت شوہر پر حرام ہو جائے گی۔ اور شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک تین میں۔ امر طلاق میں شافعیہ کی حجت یہ ہے جس کے الفاظ ہیں الطلاق بالرجال والعدۃ بالنساء کہ طلاق مردوں کے لحاظ سے ہے اور عدت عورتوں کے لحاظ سے۔ احناف کی قوی دلیل یہی مرفوع حدیث ہے۔ جو صاف ہے۔ کہ طلاق تعداد میں عورتوں پہ مدار رکھتی ہے نہ مردوں پر۔ اب ذرا ہر دو فریق کا استدلال دیکھئے ان کی حدیث کسی صحیح یا حسن طریق و سند سے مرفوع مروی نہیں بلکہ موقوف ہے۔ حافظ ابو الفرج ابن جوزی کے قول کے مطابق یہ ابن عباس پر موقوف ہے بعض کے نزدیک یہ زید بن ثابت کا قول ہے حنفیہ کے پاس حدیث ذیل مرفوع موجود ہے۔ جس کو ابو داؤد۔ ترمذی دارمی ابن ماجہ ابن جریج کے طریق سے لائے ہیں اور مظاہر ابن اسلم سے روایت کرتے ہیں وہ قاسم سے وہ عائشہ سے۔ لہٰذا محض صحابی کے طریق سے قول کے مقابلہ میں حدیث صحیح مرفوع ہی قابل ترجیح ہے۔ اگر کہیں احناف کے پاس قول صحابی ہوتا۔ اور ان کے پاس مرفوع حدیث تو اس قدر زور باندھتے کہ مخالف بے حقیقت نظر آتا۔ مگر خیر ان کو ایک ترکیب کامیابی کی اور یاد ہے اور فتحیابی کا ایک ورحربہ یہ سیکھے ہوئے ہیں۔ کہ اگر کسی کے پاس مرفوع حدیث ہو تو اس کے کسی راوی کو جرح و قدح کا نشانہ بنائیے اور یوں مخالف کو اپنے سامنے بے حقیقت کیجئے۔ چنانچہ یہاں بھی مظاہر پر ہم مشرب لپٹ پڑے۔ جو داد ہو نکھا

کہ یہ حدیث مجہول ہے ترمذی ایک طرف سے بولے کہ علم میں مظاہر ہے یہ ہی حدیث معروف ہے ذہبی نے میزان میں کہا کہ ابی عاصم النبیل یحیٰی بن معین۔ ابی حاتم الرازی اور بخاری نے اس کو ضعیف بتایا ہے۔ مگر ساتھ ساتھ کہا کہ ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔ اس کے جواب میں احناف کہتے ہیں کہ ابن حبان کی توثیق تو خود ذہبی نے نقل کی ہے اور حاکم ابن عباس سے یہ حدیث لائے ہیں اور کہا ہے۔ کہ یہ حدیث اگرچہ صحیح ہے۔ مگر شیخین نہیں لائے۔ پھر حدیث عائشہ نقل کر کے کہتے ہیں کہ مظاہر ابن اسلم بصرہ کے ایک شیخ ہیں۔ ہمارے پیش رو مشائخ میں سے کسی نے ان پر جرح نہیں کی۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ کسی نے مظاہر کو وضاع کذاب نہیں کہا۔ نہ حفظ و ضبط یا ان کی عدالت میں کوئی تعرض کیا۔ جہالت کا سوال جو ابوداؤد نے اٹھایا ہے۔ اور جس کی طرف کلام ترمذی بھی مشیر ہے تو یہ سوال یوں دور ہوتا ہے کہ جہالت راوی یہ ہے کہ ایک سے زائد اس سے کوئی روایت کرنے والا نہ ہو۔ یہاں ایسا نہیں۔ مظاہر سے ابن جریج۔ ثوری ابوعاصم نے روایتیں کی ہیں۔ ابن عدی اس کے واسطہ سے ابی ہریرہ سے روایت لائے ہیں کہ آنحضرت ہر شب آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ تو اب جہالت کب رہی۔ اور یوں بلاوجہ مذہب کو کمزور دکھانے کے لئے مبہم جرح مسموع نہیں ہے۔ پھر بعض صورت میں شافعیہ کا مذہب بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عیسیٰ بن ابان نے خود امام شافعی کو ایک لطیف پیرایہ میں ایسا قائل کیا کہ ان سے کوئی جواب بن نہ آیا۔ عیسیٰ نے ان سے پوچھا کہ اگر شوہر آزاد ہو اور اس کی عورت لونڈی مدخول بہا اور شوہر طلاق سنت دینی چاہے تو کیا کرے۔ امام موصوف نے فرمایا کہ طہر میں طلاق دے پھر حیض سے پاک ہو کر دوسرے طہر میں اور کہنا ہی چاہتے تھے کہ حیض سے پاک ہو کر پھر تیسرے طہر میں کہ عیسیٰ نے کہا کہ بس حضرت رک جائیے اب طلاق کیسی کہ عدت تو ختم ہوئی۔ کیونکہ عدت تو ان کے نزدیک بھی عورت کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ امام محمد یہاں آیت قرآنی سے ایک لطیف استدلال کرتے ہیں کہ قرآن میں فطلقوھن لعدتھن ہے کہ ان کو طلاق دو ان کی عدت کے لئے گویا طلاق عدت کی رو سے دو۔ مثلاً اگر شوہر غلام ہے اور اس کی بیوی آزاد تو بلحاظ اجماع اس کی عدت تین قروء سے ہے تو اس کی رو سے طلاقیں بھی تین ہوئیں یا مثلاً شوہر آزاد ہے اور اس کی زوجہ باندی تو اس کی عدت تین قروء ہیں تو لامحالہ اس کی طلاق بھی بلحاظ عدت دو ہی ہونگی۔ یہ ساری بحث مسئلہ طلاق پر تھی۔ اب کا مسئلہ تو اس میں شافعیہ و مالکیہ حضرت عائشہ۔ زید بن ثابت اور ابن عمر کا قول پیش کرتے ہیں۔ مگر درحقیقت بعد تحقیق ان کے پاس حضرت عائشہؓ کا ہی قول رہ جاتا ہے۔ کیونکہ زید بن ثابت اور ابن عمر کا قول پیش کرتے ہیں۔ مگر درحقیقت نزدیک اس کے خلاف روایت ثابت ہے۔ اور احناف کی طرف خلفائے اربعہ۔ ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل، ابی الدرداء۔ عبادہ بن صامت۔ ابی موسیٰ اشعری وغیرہ ہیں۔ پھر طاؤس۔ عطاء۔ ابن المسیب۔ سعید بن جبیر۔ مجاہد۔ حسن بصری۔ ثوری۔ اوزاعی وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں اور امام احمد نے بھی اسی طرف رجوع کر لیا۔ مذہب احناف پر قرآن و حدیث شاہد ہیں اور عقل روایت

بھی۔ قرآن میں اس طرح کہ فرمایا واللائی یئسن من المحیض کہ جو حیض سے مایوس ہو جائیں۔ اس سے صاف اشارہ فرمایا کہ قروء سے مراد حیض ہے۔ پھر عدت کے لئے ثلاثۃ قروء کا لفظ استعمال فرمایا گویا جمع کی شکل میں یعنی کم از کم مکمل تین طہر اور جمع کی یہ صورت ممکن نہیں جبکہ طلاق طہر میں دی جائے۔ جیسا کہ وہ سنت ہے کیونکہ باقی کے دو طہروں میں عدت ختم ہو گی تو پہلا طہر تو ناقص ہی رہا پورا طہر کب شمار ہوا۔ اور حقیقت میں دو طہر مکمل شمار میں آئے۔ اور قروء سے حیض مراد لینے کی صورت میں یہ غلش نہیں کہ اس صورت میں مکمل تین حیض ہو سکتے ہیں۔ احادیث میں یہی حدیث قوی حجت ہے۔ عقل و درایت سے یوں کہ برأت رحم کا پتہ در حقیقت حیض ہی سے تو چلتا ہے نہ طہر سے تو عدت اسی سے قرار پانا قرین قیاس ہے۔

بَابُ ۱۴۱ النَّفَقَةِ وَالسُّكْنٰى لِلْمَبْتُوْتَةِ!

باب ۱۴۱ - طلاق مبتوتہ میں عورت کیلئے مکان اور نفقہ ہے!

۲۹۴ ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراهیم عن الاسود قال قال عمرؓ بن الخطاب لا ندع کتاب ربنا وسنۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم بقول امرأۃ لا ندری صدقت ام کذبت المطلقۃ ثلثا لها السکنی والنفقۃ۔

حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے کہا کہ ہم نہیں چھوڑیں گے اپنے رب کی کتاب کو اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے کہ ہم نہیں جانتے کہ سچ کہتی ہے۔ یا جھوٹ تین طلاق دی ہوئی عورت کے لئے جائے رہائش بھی ہے اور نفقہ بھی۔

تشریح:۔ عورت سے مراد فاطمہ بنت قیس بن خالد الفہری ہے جو ضحاک کی بہن ہیں اور مہاجرات میں سے ہیں۔ حدیث میں یہ بحث ہے کہ تین طلاقیں دی ہوئی عورت کے لئے جائے سکونت اور نفقہ ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہ سکنی اور نفقہ دونوں اس کے لئے مانتے ہیں۔ امام احمد اس کے لئے نہ سکنی مانتے ہیں نہ نفقہ۔ امام شافعیؒ و مالکؒ اس کے لئے سکنی مانتے ہیں نہ نفقہ۔ مذہب حنبلیہ کی دلیل حدیث فاطمہ ہے جو کتب صحاح میں نقل ہے اور جس کی رو سے مطلقہ ثلثہ کے لئے نہ سکنی ہے نہ نفقہ۔ کیونکہ وہ کہتی ہے کہ مجھ کو میرے خاوند نے طلاق دی۔ تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ آپ نے میرے لئے سکنی اور نفقہ ہر دو تجویز نہیں فرمائے۔ شافعیہ و مالکیہ اس کے لئے سکنی ہونا اس آیت قرآنی کے ماتحت مانتے ہیں کہ فرمایا اسکنوھن من حیث سکنتم کہ جہاں تم رہو ان کو بھی رکھو۔ اور حدیث فاطمہ مذکورہ کے پیش نظر اس کے لئے نفقہ کے قائل نہیں ہیں۔ مذہب حنفیہ کے ثبوت پر اول قرآن کی صریح آیات دلالت کرتی ہیں کہ در بارہ سکنی فرمایا ولا تخرجوھن من بیوتھن کہ ان کے گھروں سے نہ نکالو۔ یا ارشاد اسکنوھن من حیث سکنتم کہ جہاں تم رہو ان کو بھی رکھو۔ اور بسلسلہ نفقہ ارشاد ہوا وللمطلقات متاع بالمعروف کہ طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے فائدہ دینا ہے اچھی طرح۔ یا فرمایا

لینفق ذو سعة من سعته کہ کشائش والے کو چاہیئے کہ اپنی کشائش سے خرچ کرے ۔ یا کہا وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن اور اس پر جس کا لڑکا ہے ان کا کھانا اور کپڑا ہے ۔ روائیت کے میدان میں مذہب حنفیہ کی قوی دلیل حضرت عمرؓ کی حدیث ذیل ہے ۔ جو دیگر کتب صحاح بھی میں مذکور ہے اور جس میں آپ سخت پیرایہ میں حدیث فاطمہ کی تردید کرتے ہیں ۔ کہ ایک وہ عورت جس کی سچائی اور جھوٹ کا کچھ علم نہیں ہم اس کے قول سے فرمان خداوندی اور سنت نبوی کو کس طرح چھوڑ دیں حقیقت میں حضرت عمرؓ کی شان عظمت ووجاہت علمی کو دیکھ کر حدیث فاطمہ کو ضعیف ثابت کرنے کے لئے یہی حدیث عمر کافی ہے ۔ حضرت عمرؓ کے الفاظ رفع حدیث کے مترادف ہیں گو یا وہ اس حدیث کی مرفوع روائیت کرتے ہیں کیونکہ اصول حدیث میں یہ طے ہے کہ صحابی کا یہ کہنا کہ یہ ہمارے نبی کی سنت ہے ۔ اس حدیث کا عین رفع ہے ۔ پھر ان سے ابراہیم کے واسطہ سے یہ مرفوع بھی ثابت ہے طحاوی اور دارقطنی سے یہ زیادتی بھی ثابت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے آنحضرتؐ کو یہ کہتے سنا کہ مطلقہ ثلاثہ کے لئے سکنیٰ اور نفقہ ہے ۔ اسی طرح ابن مسعود ۔ اسامہ اور عائشہ سے بھی حدیث فاطمہ کی تردید ثابت ہے ۔ حضرت عائشہ سے خود مسلم میں نہایت صاف الفاظ میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ فاطمہ کی تردید ثابت ہے ۔ حضرت عائشہ ایسے الفاظ نقل کرتی ہے ۔ بخاری میں یوں ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ فاطمہ خدا سے نہیں ڈرتی کہ ایسی بات کہتی ہے ۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ اس عورت نے لوگوں کو فتنہ میں ڈال دیا ۔ یہ وہ تابعی ہیں جو عائشہ کے معاصر ہیں معلوم ہوتا ہے ۔ کہ انہوں نے اس کے خلاف صحابہ کا اتفاق پایا ۔ مسلم میں ہے کہ مروان نے کہا کہ ہم اس عورت کے کہنے سے اس قوی قول کو نہیں چھوڑ سکتے جس پر ہم نے لوگوں کو پایا ہے ۔ پس یہ اجماع صحابہ ہے ۔ دوسری روایات بھی دال ہیں کہ مطلقہ کے لئے سکنیٰ و نفقہ ہے طبرانی میں ابراہیم کے واسطہ سے ابن مسعود و عمرؓ سے روایت ہے کہ ہر دو اصحاب نے مطلقہ ثلاثہ کے لئے سکنیٰ و نفقہ تسلیم کیا ۔ دارقطنی میں حضرت جابر سے ایسی ہی روایت ہے ۔ مسلم و ابوداؤد میں حجۃ الوداع کے سلسلہ میں حضرت جابر سے طویل حدیث ہے ۔ جس میں ہے و ان لهن علیکم نفقتهن وکسوتهن کہ ان کے لئے تم پر نفقہ اور کپڑا ہے ۔ تو گویا حدیث فاطمہ سے اور روایات صحیحہ بھی متعارض ہوئیں ؛

حدیث فاطمہ میں اضطراب بھی ہے ۔ جو اس کو کمزور بناتا ہے کیونکہ اضطراب حدیث کے ضعیف ہونے کی نشانی ہے ۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کے شوہر نے اس کو غائبانہ طلاق دی تھی ۔ بعض کے نزدیک وہ طلاق دے کر سفر کو گیا تھا ۔ ایک قول ہے کہ وہ خود آنحضرتؐ سے پوچھا گئی تھی ۔ دوسرا قول ہے کہ چند لوگ گئے تھے ایک خیال ہے کہ اس کا شوہر ابو عمرو بن حفص تھا ۔ دوسرا خیال ہے کہ اس کا خاوند ابوحفص بن مغیرہ تھا ۔ علاوہ ازیں اگر تھوڑی دیر کے لئے اس کو صحیح تسلیم کر لیں تو ماننا پڑے گا کہ آنحضرتؐ کا یہ حکم کسی خاص عذر کی بنا پر بھی تھا ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ زبان دراز تھی ۔ اس لئے اس کو جائے رہائش سے محروم کیا گیا کیونکہ اس کا یہ عیب شارع کے نزدیک اس کے نکالنے سے زیادہ سخت تھا ۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کی بدخلقی کی وجہ سے ایسا کیا گیا ۔ نفقہ کے بارہ میں یہ ہے کہ اس کا شوہر غائب تھا ۔ اس نے شوہر کے متعلقین سے

نفقہ کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم پر تیرا کوئی نفقہ نہیں۔ یہ ہی فیصلہ آنحضرتؐ نے صادر فرمایا کہ چونکہ اس کے شوہر نے کوئی مال نہیں چھوڑا اس لئے اس کا نفقہ و سکنی اس کے شوہر کے متعلقین پر واجب نہیں۔ فاطمہ نے اس خصوصی حال پر غور نہیں کیا اور اس لئے اس کا نفقہ و سکنی اس کے شوہر کے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقہ کو نفقہ و سکنی نہیں دلایا۔ لوگ اسی مطلق انکار پر چل پڑے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا۔ کہ حدیث فاطمہ بغیر ان تاویلات کے قابل قبول نہیں۔ قرآن کی تردید کر رہا ہے۔ کبار صحابہ اس کو بے بنیاد ثابت کر رہے ہیں۔ روایات صحیحہ اس کے معارض ہیں۔ اضطراب اس میں موجود ہے۔ اب خود ہی سمجھ لیجئے کہ ان مذاہب کی کیا حیثیت ہو گی۔ جو اپنے مذہب کی بنا فاطمہؓ کی حدیث پر رکھتے ہیں۔

باب ۱۴۲ عدۃ المتوفی عنہا زوجھا!

باب ۱۴۳۔ اس عورت کی عدت کا بیان جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو!

۲۹۵ ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن الاسود ان سبیعۃ بنت الحارث الاسلمیۃ مات عنھا زوجھا وھی حامل فمکثت خمسا وعشرین لیلۃ ثم وضعت فمر بھا ابوالسنابل بن بعکک فقال تشوفت تریدین الباءۃ کلا واللہ انہ لا بعد الاجلین۔

فاتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ذلک لہ فقال کذب اذا حضر فاذنینی ۞

اسود سے روایت ہے کہ سبیعہ اسلمیہ حارث کی بیٹی کا خاوند فوت ہو گیا اور وہ حاملہ تھی۔ پس پچیس روز گزرنے پر بچہ ہو گیا۔ اتفاق سے ابوالسنابل بن بعکک اسکے پاس آیا اور (اس کو دیکھ کر) کہا کیا تو نے بن سنور کر نکاح کا ارادہ کیا ہے ہرگز نہیں قسم اللہ کی تیری عدت لمبی مدت ہے (یعنی اگر حاملہ کا خاوند مر جائے اور چار مہینہ دس دن سے پہلے وضع حمل ہو تو اس کی عدت چار مہینہ دس دن سے ہو گی۔ اور اگر یہ مدت گذر جائے اور وضع حمل نہ ہو تو عدت وضع حمل سے ہو گی) سبیعہ یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ سے اسکا ذکر کیا آپ نے فرمایا کہ اس نے غلط کہا جب وہ آئے تو مجھ کو خبر کرنا تاکہ اس کو صحیح بات کی فہمائش کروں۞

تشریح:۔ اس مسئلہ میں چاروں ائمہ کا اتفاق ہے۔ کہ جس حاملہ عورت کا خاوند مر جائے اس کی عدت وضع حمل سے ہے۔ اس میں خلاف صرف حضرت علی سے ایک منقطع طریق سے مروی ہے اور حضرت ابن عباس سے صحیح طریق سے لیکن آپ نے اپنے خیال سے رجوع فرما لیا۔ جیسا کہ عبدالبر نے اس پر صراحت کی ہے۔ البتہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ عورت نفاس ختم ہونے سے پہلے نکاح کر سکتی ہے

یا نہیں۔ مسلم ونسائی کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جمہور علماء پہلی شق کے قائل ہیں۔ البتہ شوہر کو چاہیئے کہ خونِ نفاس کے رکنے سے پہلے قربت نہ کرے ؂

باب ۱۴۳ نسخ عدۃ الوفاۃ فی البقرۃ

باب ۱۴۳ - سورۃ بقرہ میں وفات کی مذکورہ مدت عدت منسوخ ہے

ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراهیم عن علقمۃ عن عبد الله قال من شاء باھلتہ ان سورۃ النساء القصری نزلت بعد الطولی

وفی روایۃ عن عبد الله بن مسعود عن النبی صلی الله علیہ وسلم قال نسخت سورۃ النساء القصری کل عدۃ واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن ؂

۲۹۶ ا ح

حضرت عبد اللہ کہتے ہیں کہ جو چاہے میں اس سے مباہلہ کرتا ہوں کہ چھوٹی سورۃ نساء (سورۃ طلاق) لمبی سورت (سورہ بقرہ) کے بعد اُتری ہے۔

ایک روایت میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے یوں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوٹی سورۃ نساء نے حاملہ کی سب عدتوں کو منسوخ کر دیا۔ (یعنی) حمل والیوں کی عدت یہ ہے کہ وہ بچہ جنیں ؂

تشریح:- مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ سورۃ بقرہ میں ایک آیت ہے۔ والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا کہ تم میں جو مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو (بیویاں) انتظار کریں اپنے نفسوں کے ساتھ چار ماہ دس دن تک۔ اس آیت کے عموم کے تحت ہر اس عورت کی عدت چار ماہ دس دن کی قرار پاتی ہے۔ جس کا خاوند فوت ہو جائے خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔ پھر سورۃ طلاق میں یوں وارد ہے۔ واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن کہ حمل والیوں کی مدت (عدت) یہ ہے کہ وہ اپنے بچہ کو جن لیں۔ تو اس آیت کی رو سے عدت حاملہ کی خواہ اس کا خاوند مر گیا ہو وضع حمل سے ثابت ہوتی ہے۔ چاہے کم سے کم مدت میں وضع حمل ہوا ہو۔ لہٰذا حضرت علی سے ہر دو آیات کو جمع کرنے کے لئے احتیاط کی صورت مروی ہے۔ یعنی ابعد الاجلین پر عمل کرنا چاہیے۔ کہ اگر وضع حمل چار ماہ دس دن کے بعد ہو تو وضع حمل سے عدت ختم ہو گی۔ اور اگر پہلے تو چار ماہ دس دن کے بعد۔ شافعیہ بھی اس میں گڑبڑا گئے ہیں کہ آیت بقرہ کو حدیث سبیعہ سے مخصوص مانیں یا منسوخ مگر احناف کے نزدیک سبیعہ کی حدیث سے یہ آیت بقرہ نہ مخصوص ہو سکتی ہے نہ منسوخ۔ کیونکہ خبر واحد آیت کی مخصص نہیں ہاں اس کی ناسخ البتہ سورۃ طلاق کی آیت اولات الاحمال ہے آیت بقرہ کا منسوخ ہے۔ کیونکہ حدیث ذیل عبد اللہ بن مسعود اس پر صراحۃً دال ہے اور ثابت کرتی ہے کہ سورۃ طلاق کی آیت آیت نزول میں متاخر ہے تو اس کی ناسخ ہوئی گویا تاریخ کا پتہ خبر واحد سے چلتا ہے مگر آیت بقرہ کا نسخ آیت طلاق سے ہے۔ نہ خبر واحد سے۔ معجم طبرانی میں حضرت ابیؓ سے روایت ہے کہ انہوں

نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ "اولات الاحمال" کی آیت تین طلاقوں والی عورت کے لئے ہے۔ یا اس کے لئے جسکا شوہر مر چکا ہو آپ نے فرمایا کہ ہر دو کے لئے۔ خلاصہ یہ کہ حاملہ کی عدت آیت طلاق سے وضع حمل متعین ہو گئی۔ چاہے شوہر کی وفات کے ایک ساعت بعد ہی وضع حمل ہوا ہو۔ مؤطا امام مالک میں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل ہے کہ اگر حاملہ عورت نے بچہ ایسے وقت جنا کہ اس کے شوہر کی لاش ابھی تختہ پر ہے۔ وہ دفن نہیں ہوئی۔ تب بھی اس کی عدت ختم ہو گئی ؂

باب[۱۴۷] فی المرأۃ توفی عنہا زوجہا ولم یفرض لہا صداق ولم یدخل بہا

باب[۱۴۷]۔ وہ عورت جسکا شوہر مر گیا ہو نہ اس کا مہر مقرر ہوا ہو، اور نہ اس کے شوہر نے اس کے ساتھ خلوت صحیحہ کی ہو!

۲۹۷
۱

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن علقمة عن عبد الله بن مسعودؓ فی المرأة توفی عنها زوجها ولم یفرض لها صداقًا ولم یکن دخل بها صداقة نسائها ولها المیراث وعلیها العدة فقال معقل بن سنان الاشجعی اشهد ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قضٰی فی بروع بنت واشق مثل ما قضیت ؞

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اس عورت کے لئے جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو اور نہ اس کا مہر مقرر ہوا۔ نہ اس کے ساتھ اس کے خاوند نے خلوت صحیحہ کی ہو۔ مہر مثل ہے۔ اور اس کیلئے میراث ہے اور اس پر عدت وفات بھی واجب ہے۔ اس پر معقل بن سنان اشجعی بولے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے بارہ میں تمہارے فیصلہ کے مانند فیصلہ صادر فرمایا ؂

تشریح:۔ حضرت علیؓ کا اس مسئلہ میں اختلاف منقول ہے کہ وہ ایسی عورت کے لئے مہر نہیں مانتے۔ کیونکہ اس کے ساتھ خلوت صحیحہ نہیں ہوئی۔ مگر ان کا یہ مذہب بروایت صحیحہ منقول نہیں۔ ادھر عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث صحیح طریق سے مروی ہے۔ ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔ پھر معقل حضرت عبداللہ کی رائے پر حدیث مرفوع سے شہادت پیش کرتے ہیں۔ بلکہ اشجع کے بہت سے لوگ بھی یہی شہادت دیتے ہیں۔ جن میں جراح اور ابو سنان بھی ہیں۔ چنانچہ ابو داؤدؒ کی روایت سے جو بطریق قتادہ مروی ہے صاف ظاہر ہے۔ لہٰذا حضرت عبداللہؓ کی رائے بلاشک و شبہ درجہ ثبوت کو پہنچی۔ بلکہ ابو داؤد۔ ترمذی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ نے جب یہ شہادت سنی تو بہت ہی خوش ہوئے۔ کہ آپ کی رائے آنحضرتؐ کے فیصلہ سے مل گئی تو اب ان کی

صحت میں کوئی شبہ ہی باقی نہ رہا۔ امام شافعیؒ سے اس بارہ میں دو روایات نقل ہیں۔ ایک حضرت علیؓ کی موافقت میں۔ دوسری حضرت عبداللہؓ کی پیروی ہیں۔ بلکہ یوں منقول ہے کہ مصر میں امام شافعیؒ نے حدیث عبداللہؓ بن مسعودؓ کی موافقت میں اپنی رائے ظاہر کی ؛

باب ۱۴۵ فی الایلاء بالکلام!

باب ۱۴۵ - ایلاء بالکلام کا بیان!

حماد عن ابی حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن علقمة قال فی المؤلی فیئه الجماع الا ان یکون له عذر ففیئه باللسان ؛

علقمہ سے روایت ہے کہ مولی (ایلاء کرنے والے) کا رجوع جماع کرنا ہے مگر یہ کہ اس کو کوئی عذر ہو جو اس کو جماع سے باز رکھے (مثلاً یہ کہ مرد یا عورت کو بیماری لاحق ہو۔ عورت کا مقام مرد کو معلوم نہ ہو۔ ان کے درمیان چار ماہ کی مسافت ہو۔ مرد عنین یا مقطوع الذکر ہو یا عورت کسی اور جسمانی نقص سے ناقابل جماع ہو وغیرہ وغیرہ) تو ایسی صورت میں اس کا رجوع زبان سے ہے ؛ ۲۹۸/۱

تشریح :- ایلاء کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص قسم کھائے کہ میں اپنی بیوی کے پاس چار ماہ یا اس سے زائد نہیں جاؤں گا۔ تو یہ مولی ہوا۔ اور اس کا یہ فعل ایلاء۔ اس کے بارہ میں قرآن کی یہ آیت وارد ہے۔ للذین یولون من نسائهم الآیة اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس نے اس مدت میں وطی کر لی تو یہ حانث ہوا اور اس پر کفارہ یمین واجب ہوا۔ اور ایلاء جاتا رہا۔ اگر مدت معینہ میں وہ بیوی کے پاس نہیں گیا۔ یہاں تک کہ مدت گذر گئی تو اب اس صورت میں شافعیہ۔ مالکیہ۔ حنابلہ اور حنفیہ کے درمیان اختلاف ہے۔ مذکور الصدر مذاہب کی رو سے مدت گذر جانے پر اس کو حاکم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اور مجبور کیا جائے گا یا وہ طلاق دے یا رجوع کرے۔ گو یا مدت گذر جانے پر بھی مولی کو ان کے نزدیک رجوع کا حق ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مدت گذر جانے پر خود بخود ایک طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔ اور پھر اس کو رجوع کا کوئی حق نہ رہے گا۔ مدت کے دوران میں وہ رجوع کر سکتا ہے۔ نہ بعد میں جمہور صحابہ کا یہی مسلک ہے جو حنفیہ کا ہے۔ جن میں سے عمر۔ عثمان۔ علی۔ ابن عمر۔ ابن مسعود۔ ابن عباس۔ زید بن ثابت وغیرہ حضرات ہیں۔ اکابر تابعین مثلاً عطا۔ عکرمہ۔ سعید بن مسیب۔ ابی بکر بن عبدالرحمن مکحول۔ ابن الحنفیہ۔ شعبی۔ نخعی۔ مسروق۔ وغیرہ بزرگ بھی احناف کے ساتھ متفق ہیں۔ یہ بات بے بنیاد و بے اصل ہے کہ جمہور صحابہ حنفیہ کے خلاف ہیں۔ بلکہ صحیح تر روایات احناف کے مذہب کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ عبدالرزاق مصنف میں روایت لائے ہیں کہ عثمان و زید بن ثابت ایلاء میں کہا کرتے تھے کہ جب چار ماہ گذر جائیں تو ایک طلاق ہے اور عورت اپنے نفس کی زیادہ مختار ہے اور وہ مطلقہ کی

سی عدت گذارے۔ پھر قتادہ کے واسطہ سے حضرت علی وابن مسعود وابن عباس سے روایت لائے ہیں کہ مدت گذر جانے پر ایک طلاق بائنہ ہو جائے گی۔ ان روایات سند کے رجال شیخین کے رجال ہیں۔ بیان کی شرط پر۔ اسی طرح قرآن کی ایک آیت بھی اپنے الفاظ سے مذہب حنفیہ کی تائید کرتی ہے۔ جس کو علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں بہت وضاحت اور صراحت سے بیان کیا ہے!

باب الخلع! [۱۴۶]

۲۹۹/۱ **ابوحنیفة** عن ابیه عن ایوب السختیانی ان امرأة ثابت بن قیس اَتَت اِلی رسول الله صلی الله علیهِ وسلّمَ فقالت لا انا ولا ثابت فقال اتختلعین منه بحدیقته فقالت نعم وازید قال اما الزیادة فلا۔

باب [۱۴۶] ۔ خلع کا بیان!

حضرت ایوب سختیانی سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس کی بیوی نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ نہ میں ثابت کے پاس رہ سکتی ہوں۔ نہ ثابت میرے ساتھ زندگی گذار سکتے ہیں۔ گویا نباہ مشکل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تو خلع چاہتی ہے ثابت کو اس کا باغیچہ واپس دے دو۔ اس نے کہا ہاں اور زائد دیتی ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں زائد نہیں۔

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خلع میں مہر پر زیادتی نہیں۔ احناف اسی کے قائل ہیں۔ عطا سے نقل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد خلع کی خواستگار عورت سے اس مہر سے زیادہ نہ لے۔ جو وہ دے چکا ہے۔ عبدالرزاق حضرت علی سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ لا تاخذ منها فوق ما اعطیتها کہ تو اپنے دیئے ہوئے مہر سے زیادہ عورت سے نہ لے۔ طاؤس سے بھی ایسی روایت منقول ہے۔

کتاب النفقات! [۱۴۷]

۳۰۰/۱ **ابوحنیفة** عن حماد عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا بات احدکم مغموما مهموما من سبب العیال کان افضل عند الله تعالیٰ مِن الف ضربة بالسیف فی سبیل الله۔

کتب [۱۴۷] ۔ خرچ اخراجات کا بیان!

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی رات گذارے اہل وعیال کے سبب غمزدہ اور رنجیدہ رہ کر تو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اللہ کے راستہ میں تلوار کی ہزار ضربوں سے افضل ہے۔

تشریح:۔ اس بارے میں اور بھی احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ مسلمان کا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا باعث ثواب واجر ہے۔ بخاری میں ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے اہل پر کچھ صرف کرے اور محض خدا کی خوشنودی

مدنظر ہو تو یہ خرچ اس کے حق میں صدقہ شمار ہوتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ تو جو بھی خرچ کرے اور اس میں محض اللہ کی خوشنودی مدنظر ہو تو وہ تیرے لئے باعث ثواب ہے۔ یہاں تک کہ وہ لقمہ جو تو اپنی بیوی کے منہ میں دیتا ہے۔ متصل روایت بھی اسی مضمون کو ظاہر کرتی ہے ؛

۳۰۱/۲ **ابو حنیفۃ** عن عطاء عن ابیہ عن سعد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انک لن تنفق نفقۃ تزید بھا وجہ اللہ الا اجرت علیھا حتی اللقمۃ ، ترفعھا الی فی امرأتک ؛

حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نہیں خرچ کرے گا کوئی خرچ بھی جس سے تو اللہ تعالیٰ رضامندی و خوشنودی کا خواستگار ہو مگر کہ تجھ کو اس پر اجر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ لقمہ بھی جو تو اپنی عورت کے منہ میں دیتا ہے ؛

تشریح : یہ اللہ رب العزت کی بندہ پروری ہے۔ کہ جو امور ہمارے حظ نفس کے لئے ہیں۔ نیت کی درستگی سے ان میں ثواب واجر ہے۔ مثلاً بال بچوں کی پرورش اور ان کی خاطر کسب معاش میں تکلیف برداشت کرنا ہمارے فطری جذبات کے تحت ہے اور اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اس پر اجر دیتا ہے۔ ذرا سی نیت درست کر لینے سے دنیا و آخرت کی راحتیں حاصل کر لیتا ہے۔ اس میں اللہ کی مہربانی اور رحمت ہے جو وہ اپنے نیک بندوں پر کرتا ہے ؛

كتاب التدبير !

مدبّر کرنے کا بیان !

باب ۱۴۸ بيع المُدَبَّر !

باب ۱۴۸۔ مدبّر کی بیع کا بیان !

۳۰۲/۱ **ابو حنیفۃ** عن عطاء عن جابر بن عبد اللہ ان عبدًا کان لابراھیم بن نعیم النحام فدبرہ ثم احتاج الی ثمنہ فباعہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بثمان مائۃ درھم ؛

حضرت جابر بن عبد اللہ رضؓ سے روایت ہے کہ ابراہیم بن نعیم النحام کا ایک غلام تھا جس کو انہوں نے مدبّر کر دیا۔ پھر اس کی قیمت کی ان کو ضرورت ہوئی۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سو درہم میں اسے فروخت کر دیا ؛

وفی روایۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم باع المدبّر ؛

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے مدبّر غلام کو فروخت کر دیا ؛

تشریح : مدبر وہ غلام ہے جس کا آقا اسے کہہ دے کہ اگر میں مر جاؤں تو تو آزاد ہے۔ اس حدیث میں ایک اختلافی مسئلہ محتاج بیان ہے۔ بنائے اختلاف یہ ہے کہ مدبر غلام کو فروخت کیا جائے

ہے یا نہیں - امام شافعی کے نزدیک جائز ہے ان کی دلیل حضرت جابرؓ کی حدیث ہے - جو صحیحین میں ان الفاظ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک غلام کو مدبر کیا اور اس کے سوا اس کے پاس کوئی اور مال نہ تھا اس کی خبر آنحضرتؐ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اس کو کون مجھ سے خریدتا ہے - نعیم بن عبداللہ نے آٹھ سو درہم میں خرید لیا - اور آپ نے اس کی قیمت نعیم کو دے دی - نسائی میں یوں ہے کہ وہ شخص قرض دار تھا - اور محتاج آپ نے اس غلام کو بیچا اور فرمایا کہ اس کی رقم سے قرض چھوڑا دے - پھر یہ حدیث ذیل بھی بظاہر اسی خیال کی تائید کرتی ہے - امام صاحب کے نزدیک مدبر کی بیع جائز نہیں - ان کی حجت ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث ہے جو دار قطنی ان الفاظ سے لائے ہیں المدبر لا یباع ولا یوھب وھو حر من ثلث المال -

کہ مدبر غلام نہ بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور وہ ثلث مال سے آزاد ہے - اس کی رفع کی صحت میں بعض کلام کرتے ہیں - بہرحال موقوف تو بلاشک صحیح ہے - دار قطنی نے بھی اس کو موقوف صحیح مانا ہے - تو گویا یہ قول صحابی ہوا اور صحابی کا قول ایسے امر میں جس میں قیاس کو کوئی دخل نہ ہو - مرفوع کے مرتبہ میں مانا گیا ہے - لہذا یہ قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگا - رہا حدیث جابرؓ کا معاملہ تو وہ اس حدیث موقوف سے نہیں ٹکراتی - کیونکہ حضرت جابرؓ کی حدیث ایک خاص واقعہ بیان کرتی ہے - جو حدیث ابن عمرؓ کے عموم کی قاطع نہیں - ہاں تعارض اس وقت ہوتا جب ان الفاظ کی کوئی اور حدیث ہوتی - یباع المدبر کہ مدبر غلام بیچا جائے - پھر وہ حدیث جو حضرت ابی جعفر سے دار قطنی اور بیہقی لائے ہیں - دار قطنی عبدالملک بن ابی سلیمان کے واسطہ سے - اور بیہقی حکم کے واسطہ سے حدیث جابرؓ کی اس فعلی حدیث کی ترجمان ہے - اور اس تعارض ظاہری کو رفع کر دیتی ہے - کہ اس میں یوں ہے - لا باس ببیع خدامۃ المدبر کہ مدبر غلام کی خدمت کے بیچنے میں کوئی حرج نہیں - ابن قطان نے اس کو وصلاً اور ارسالاً ہر دو طریق سے صحیح بتایا ہے گویا اس حدیث کی روشنی میں حدیث جابرؓ کی یہ تاویل کی جائے گی کہ یہ بیع خدمت مدبر کی تھی جو جائز ہے - نہ مدبر کی بیع - مدبر بدستور معہود آقا کے مرنے پر آزاد ہوگا ؂

باب ۱۴۹ الولاء !

باب ۱۴۹ - ولا کا بیان !

۳۰۲/۱ **ابو حنیفة** عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة انها ارادت ان تشتري بريرة لتعتقها فقالت مواليها لا نبيعها الا ان نشترط الولاء لنا فذكرت ذالك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال الولاء لمن اعتق ؂

اسود سے روایت ہے کہ عائشہؓ نے بریرہؓ کو خرید کر آزاد کرنا چاہا - تو اس کے مالکوں نے کہا کہ ہم نہیں بیچیں گے - مگر اس شرط پر کہ اس کا حق ولا ہم کو ملے - حضرت عائشہؓ نے اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا - آپ نے فرمایا کہ ولا کا حق اس کا ہے جو اس کو آزاد کرے ؂

تشریح :- آزاد شدہ غلام کے مرنے پر اگر اس کے ذوی الفروض و عصبات میں سے کوئی نہ ہو

تو حق وارثت آزاد کرنے والے آقا کو ملے گا۔ اور اسی حق ولا کہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ شریعت نے آزاد کرنے والے کو بھی عصبہ مانا ہے۔ مگر نسبی عصبہ سے درجہ میں کمتر ہوگا ۞

بَابُ ۱۵۰ النَّهْىِ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ!

باب ۱۵۰۔ ولا کو بیچنے اور ہبہ کرنے کی ممانعت کا بیان!

ابو حنیفۃ عن عطاء بن یسار عن ابن عمر عن النبی صلعم انہ نھیٰ عن بیع الولاء وھبتہ ۞

۳۰۴/۱ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حق ولا کی بیع وہبہ سے منع فرمایا ہے ۞

تشریح :۔ یہ حکم سابق کے تحت کہ جب آزاد کرنے والے کے لئے متعین ہوگیا۔ تو اسکی بیع یا اسکا ہبہ کس طرح جائز ہو اور یہ اپنے حق کو کیونکر منتقل کرے نہ وہ بدلہ لے کہ ایسا کر سکتا ہے۔ ممانعت اس پر سلف وخلف سب کا اتفاق ہے۔ نووی نے شرح مسلم میں کہا کہ جنہوں نے کہا اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے اور اس کو جائز قرار دیا ہے ان کو غالباً یہ ممانعت کی حدیث نہیں پہنچی۔

كِتَابُ الْأَيْمَانِ

قسموں کا بیان!

بَابُ ۱۵۱ النَّهْىِ عَنْ يَمِينِ الْفَاجِرَةِ

باب ۱۵۱۔ جھوٹی قسم کھانے کی ممانعت

ابو حنیفۃ عن ناصح بن عبد اللہ ویقال ابن عجلان یحیی بن یعلی واسحٰق بن السلولی والبو عبد اللہ محمد بن علی بن نفیل عن یحیی بن ابی کثیر عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلعم لیس مما یعصی اللہ تعالیٰ بہ شئ ھو اعجل عقاباً من البغی وما من شئ اطیع اللہ تعالیٰ بہ اسرع ثواباً من الصلۃ والیمین الفاجرۃ تدع الدیار بلاقع ۞

۳۰۵/۱ حضرت ابی ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نافرمانیوں میں کوئی چیز ایسی نہیں جو بغاوت سے زیادہ جلد تر عذاب کی مستحق بنا دے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت شعاریوں میں کوئی چیز ایسی نہیں جو صلہ رحمی سے تیز تر لائق ثواب و اجر ٹھہرا دے۔ اور جھوٹی قسم شہروں کو فنا کر دیتی ہے ۞

وفی روایۃ لیس شئ اعجل ثواباً من صلۃ الرحم ولیس شئ اعجل عقوبۃ من البغی و

اور ایک روایت میں ہے کہ کوئی چیز صلہ رحمی سے جلد تر ثواب کا حقدار نہیں کرتی اور کوئی چیز

قطیعۃ الرحم والیمین الفاجرۃ تدع الدّیار بلاقع ۞

بغاوت وقطع رحمی سے تیز تر مستحق عقاب نہیں ٹھیرانی اور جھوٹی قسم شہروں کو تباہ کر ڈالتی ہے ۞

وفی روایۃٍ مَا مِن عَمَلٍ اطیع اللہ تعالیٰ فیہ باعجل ثواباً من صلۃ الرحم وما من عملٍ عصیَ اللہ تعالیٰ بہٖ باعجل عقوبۃً من البغی والیمینُ الفاجرۃ تدع الدیار بلاقع ۞

اور ایک روایت میں ہے کہ کوئی عمل جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کیا جائے صلہ رحمی سے بڑھ کر جلد لائق ثواب بنانے والا نہیں ۔ اور کوئی عمل جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کیا جائے بغاوت سے بڑھ کر جلد مستحق عقاب بنانے والا نہیں ۔ اور جھوٹی قسم شہروں کو فنا کر دیتی ہے ۞

وفی روایۃٍ مَا مِنْ عقوبۃٍ مِمّا یعصی اللہ تعالیٰ منہ باعجلَ مِنَ البغی ۞

اور ایک اور روایت میں ہے ۔ کہ نہیں ہے کوئی نافرمانی جو اللہ تعالیٰ کی شان میں کی جاوے بغاوت سے جلد تر عذاب کا سبب بننے والی ۞

تشریح :- یہ قسم غموس کا اثر ہے ۔ جو گذشتہ بات پر قصداً کھائی جاتی ہے ۔ اس کو غموس اس لئے کہا گیا کہ یہ گویا قسم کھانے والے کو دنیا میں گناہ اور آخرت میں نار دوزخ میں ڈبو دیتی ہے ۔ امام ابو حنیفہ مالک ۔ احمد ۔ اوزاعی ۔ ثوری ۔ اسحٰق کے نزدیک اس پر کوئی کفارہ نہیں ۔ ابن مسعود کا مسلک بھی یہی ہے ۔ اور اسی پر قرآن کریم اور سنت نبوی شاہد ہیں ۔ شافعیؒ کا مسلک ہے کہ اس میں کفارہ ہے ۔ مگر ان کی حجت کا پتہ نہیں کہ وہ کس حدیث سے حجت لاتے ہیں ۞

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جھوٹی بات ۔ امام حق کے ساتھ بغاوت اور قطع رحمی یہ سب گناہ کبیرہ ہیں ۔ بغاوت کے بارہ میں سخت وعیدیں احادیث میں موجود ہیں جو تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں ۔ طبرانی کبیر میں بخاری تاریخ میں ابی بکرہ سے مرفوع حدیث اس مضمون کی لائے ہیں کہ بغاوت اور والدین کی نافرمانی دو چیزیں ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ بندہ کو جلد از جلد دنیا میں پکڑ لیتا ہے ۔ احمد اپنی مسند میں بخاری ادب المفرد میں ۔ ابن حبان اور حاکم اپنی اپنی صحیح میں ابی بکرہ سے مرفوع حدیث اس مضمون کی لائے ہیں کہ بغاوت اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی گناہ ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ بندہ کو دنیا میں جلد از جلد پکڑے علاوہ اس عذاب کے جو اس کے لئے آخرت میں رکھا جاتا ہے ۔ بہر حال کتاب وسنت سے اس کا سنگین گناہ ہونا ثابت ہے اور علمائے امت کا اس پر اتفاق ہے ۔ البتہ محض صدر اول کی بغاوت کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں ۔ مثلاً جنگ صفین میں بعض اس طرف گئے کہ یہ بغاوت نہ تھی ۔ مگر چونکہ وہ بزرگ جو مصروف پیکار تھے اہل اجتہاد تھے اس لئے وہ اپنے اجتہاد پر بجائے اس کے کہ نعوذ باللہ گناہگار ہوں عند اللہ ماجور ہوں گے ۔ جیسا کہ اجتہاد کا حکم ہے ۔ ایک فریق اس طرف بھی گیا ہے کہ گو یا در حقیقت جنگ تھی مگر ان بزرگوں کو یہ احادیث اس وقت تک عدم شہرت کی بنا پر نہ پہنچ سکی تھیں تو وہ معذور تھے مگر یہ قول قابل پذیرائی نہیں ۔ کہ ایسی مشہور متواتر احادیث کیسے ان بزرگوں پر پوشیدہ رہ سکتی ہیں ۔ اسی لئے

اکثر نے اس کو بغاوت مانا ہے مگر یہ اجتہادی امر ہے جو موجب اجر و ثواب ہے۔ نہ سبب گناہ چہ جائیکہ نعوذ باللہ گناہ کبیرہ ہو۔ پھر ایسے خیال کا کیسے تصور ہو جبکہ خود حضرت علیؓ سے ابن عدی اپنی کامل میں مرفوع حدیث اس مضمون کی لائے ہیں کہ ڈرو بغاوت سے کیونکہ بغاوت کے علاوہ کسی چیز کی سزا تیز تر پہنچنے والی نہیں۔ رہا جنگ جمل کا واقعہ تو وہ نہ قصد و عمد سے واقع ہوا۔ نہ اس میں انکار خلافت تھا کہ بغاوت میں اس کا شمار ہوتا۔ تو وہ محل اختلاف نہیں بن سکتا۔ پھر جبکہ خود حضرت عائشہ سے ترمذی و ابن ماجہ اس مضمون کی مرفوع حدیث لائے ہیں کہ وہ بھلائی جو ثواب کو تیز تر لیجائے خبر رسانی اور صلہ رحمی ہے اور وہ بدی جو سزا کو جلد تر پہنچائے بغاوت اور قطع رحمی ہے ؟

باب [۱۵۲] نذر معصیة وفيه الكفارة وعدم الوفاء!

باب [۱۰۲]۔ گناہ کی منت ماننا اور اس میں کفارہ ہے اور اس کے پورا نہ کرنے کا بیان!

ابو حنيفة عن محمد بن الزبير عن الحسن عن عمران قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من نذر ان يطيع الله فليطعه ومن نذر ان يعصيه فلا يعصه۔
وادٰ نذر ان في غضب ؟

۳۰۶ / ۱ حضرت عمرانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نذر مانی کہ اللہ کی اطاعت کرے (یعنی کسی جائز و نیک کام کو انجام دے) تو اس کو چاہئے کہ اطاعت کرے اور جو منت مانے کہ اللہ کی نافرمانی کرے۔ تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور غصہ کی حالت میں نذر معتبر نہیں ہے ؛

تشریح:۔ حدیث ذیل میں آخری جملہ کی ترجمانی یہ ہے کہ بحالت غصہ نذر کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ جوش غضب میں انسان کی عقل جاتی رہتی ہے۔ اور اس کیفیت غضبی میں اس کا فعل اضطراری ہوتا ہے نہ اختیاری کہ اس پر نذر کا حکم مرتب ہو۔ یا یہ کہ ایسے امر میں نذر نہیں جو موجب غضب خدا ہو۔ اور اللہ کی ناراضگی کا سبب بنے۔ پہلی صورت گویا حضرت علی کے مسلک کی ترجمان ہے اور قسم لغو کی ایک شکل کہ آپ کا یہ قول منقول ہے۔ اللغو اليمين في الغضب کہ بحالت غضب قسم کھانا قسم لغو ہے طاؤس بھی اسی خیال کے قائل ہیں ؛

ابو حنيفة عن محمد بن الزبير الحنظلي عن الحسن عن عمران بن حصين قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا نذر في

۳۰۷ / ۲ حضرت عمران بن حصینؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بات میں نذر کا پوری کرنا نہیں ہے اور اس کا کفارہ وہ

معصیۃ اللہ تعالیٰ وکفارتہ کفارۃ یمین ؛ ہی ہے جو قسم کا ہے ؛

تشریح :- حدیث ذیل میں آخری مسئلہ ائمہ کے درمیان اختلافی ہے - امام شافعی و مالک رح کے نزدیک گناہ کے کام کی منت میں کوئی کفارہ نہیں - کیونکہ نذر معصیت لغو وعبث ہے - تو اب اس میں کفارہ کا کیا کام اور احادیث کے باب میں یہ ان احادیث کو پیش نظر رکھتے ہیں جن میں کفارہ کا ذکر نہیں اور یا محض یہ الفاظ ہیں کہ لا وفاء لنذر فی معصیۃ کہ گناہ کی بات میں نذر کا پورا کرنا نہیں یا لانذر فی معصیۃ اللہ کہ معصیت اللہ میں نذر کا پورا کرنا نہیں - امام ابو حنیفہ و امام احمد و اسحٰق کا مسلک ہے کہ نذر معصیت میں کفارۂ یمین ہے - روایت کی رو سے ان کی حجت ایک تو حضرت عمران کی حدیث یہی ہے جو صاف گویا ہے کہ اس میں کفارہ یمین جیسا کفارہ ہے - اور مسلم کی حدیث میں کون کلام کر سکتا ہے - نیز ترمذی وغیرہ میں حضرت عائشہ سے بھی مرفوع حدیث ہے اور یہی الفاظ مروی ہیں کہ نذر کا کفارہ یمین کا سا کفارہ ہے - نووی نے شرح مسلم میں قائلین کفارہ کی تردید میں بڑے بلند الفاظ سے کہا ہے - اما حدیث کفارتہ کفارۃ الیمین ضعیف باتفاق المحدثین کہ کفارتہ کفارۃ الیمین کی حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے - حافظ سے نہ رہا گیا آخر کہا کہ اس حدیث کو طحاوی اور ابن السکن نے صحیح کہا ہے - تو اب اس کے ضعف پر اتفاق کب رہا - پھر قیاس بھی اسی مذہب کی تائید کرتا ہے کیونکہ یمین لازم نذر سے ہے بدیں صورت کہ نذر نام ہے ایجاب مباح کا یعنی ایک مباح چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینے کا اور یہ مستلزم ہے تحریم حلال کو جو عین یمین ہے - چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کی یمین کی ترجمانی فرماتے ہوئے فرمایا لم تحرم ما احل اللہ لک کہ آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس کو جو آپ کے لئے حلال ہے - لہٰذا بلحاظ روایت و درایت احناف کا مسلک حق پر ہے ؛

باب[۱۵۳] یمین اللغو !

باب[۱۵۳] یمین لغو کا بیان !

٣٠٨ / ١ **ابو حنیفۃ** عن حماد عن ابراھیم عن الاسود عن عائشۃ قالت سمعت فی قول اللہ عز وجل لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ھو قول الرجل لا واللہ وبلیٰ واللہ ؛

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ میں نے اس آیت کی تفسیر میں لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم کہ اللہ تمہاری لغو قسموں کے بارہ میں تم سے مواخذہ نہیں کریگا - سنا ہے کہ اس سے مراد انسان کا یہ قول ہے (کہ مثلاً) لا واللہ وبلیٰ واللہ یعنے نہیں قسم اللہ کی - اور ہاں قسم اللہ کی ؛

تشریح :- یہ حدیث دراصل قسم لغو کا مسئلہ بیان کرتی ہے - پہلے قسم کی تین قسمیں ہیں ایک یمین غموس ہے وہ یہ کہ گذشتہ بات پر قصداً جھوٹی قسم کھائی جائے اس سے انسان گنہگار ہوتا ہے اور شریعت میں اس پر بڑی وعید ہے - کہ آنحضرت نے فرمایا جس نے جھوٹی قسم کھائی - اللہ اس کو نار دوزخ میں داخل

بگرے گا - یہ آبادی اجاڑ دیتی ہے - جیسا کہ آگے گذرا - اس کا تدارک توبہ واستغفار ہے اس میں حنفیہ کے نزدیک کفارہ نہیں - شافعیہ کے نزدیک کفارہ ہے - دوسری منعقدہ یہ کہ کسی بات پر انسان قسم کھائے کہ وہ مستقبل میں اس کو کرے گا - یا نہیں کرے گا - اس میں حانث ہونے پہ کفارہ ہے
کیونکہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ولکن یواخذ کم بما عقدتم الایمان تیسری قسم لغو اس کی تفسیر میں صحابہ اور بعد کے لوگ مختلف القول ہیں - امام شافعی کے نزدیک وہ یہ ہے کہ انسان بے سوچے سمجھے قسم کے الفاظ منہ سے نکالے جیسا کہ بعضوں کی علادت ہے اور اس کو وہ اپنا تکیہ کلام کر لیتے ہیں - امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ یہ ہے کہ انسان کسی گذشتہ بات پر قسم کھائی - گویا اس کو غلط فہمی ہوئی قسم بہر حال اس نے اپنے علم کے لحاظ سے صحیح کھائی - مثلاً ایک کام کے بارہ میں اس کو یقین ہے کہ میں نے کہا ہے اور اس نے اس کے کہنے پر قسم کھالی - بعد میں سوچا کہ میں نے اس کو نہیں کہا تھا - یا اس صورت کا الٹا کیا - یا مثلاً دور سے ایک آدمی دیکھا اور کہا کہ اللہ کی قسم یہ زید ہے بعد میں پتہ چلا کہ یہ زید نہیں تھا - بلکہ عمرؓ تھا - اس میں کوئی کفارہ نہیں حضرت ابن عباس - مجاہد - حسن - نخعی - قتادہ - مکحول وغیرہ کی لغو کی یہی تفسیر کرتے ہیں - حضرت علیؓ کے نزدیک لغو وہ قسم ہے جو غصہ میں کہی جائے - سعید بن جبیر کے نزدیک وہ قسم ہے جو معصیت میں کھائی جائے - یہ مسئلہ کی ایک عام سی وضاحت تھی - اب حدیث ذیل کے بارہ میں یہ امر قابل حل ہے کہ یہ حدیث بظاہر مذہب شافعیہ کی ترجمانی کرتی ہے - نہ مذہب حنفیہ کی - امام محمد نے اپنی موطا میں اس الجھن کو حدیث بظاہر مذہب کر کے کہ انسان یہ الفاظ منہ سے نکالے - اور اس کو یقین ہو کہ میں صحیح سمجھ رہا ہوں - پھر بعد میں واقعہ اس کے خلاف ثابت ہو اور اس کا یقین غلط نکلے - کیونکہ حنفیہ کے نزدیک قصد کو یمین لغو میں دخل ہے - شافعیہ کے نزدیک نہیں - پھر یہ بھی کہ یہ امام صاحب سے ضعیف طریق سے مروی ہے - بہر حال امام صاحب کا مشہور مذہب اپنی جگہ صحیح مانا جائے گا ؛

۳۰۹/۲

حماد عن ابیہ عن ابراھیم عن الاسود عن عائشۃ فی قول اللہ عزوجل لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم قالت ھو قول الرجل لا واللہ وبلی واللہ مما یصل بہ کلامہ مما لا یعقد علیہ قلبہ حدیثا ؛

حضرت عائشہؓ اللہ عزوجل کے قول لایواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم کی تفسیر میں فرماتی ہیں لغو یہ ہے کہ آدمی کہے لا واللہ وبلی واللہ اسکا الیسا کلام جس میں اس کا دل کسی بات پہ (قسم) کا قصد نہ کرے (گویا تکیہ کلام کے طور پر اور ایک عادت کی بنا پہ جس میں سوچ بچار کو چنداں دخل نہ ہو) ؛

بَابٌ ۱۵۴ الاستثناء فی الیمین یبطلھا

باب ۱۵۴ - قسم میں استثناء لانے سے قسم باطل نہیں ہے!

۳۱۰/۱ ابو حنیفۃ عن القاسم عن ابیہ عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حلف علی یمین واستثنیٰ فلہ ثنیاہ ؛

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قسم کھائی کسی بات پر اور استثنا کیا اس میں تو اس کے لئے اس کی استثنار ہے (یعنی استثنار مانی جائیگی - اور قسم منعقد نہ ہو گی ؛

تشریح :- استثنار سے مراد انشار اللہ کہنا ہے - اگر یہ قسم کے متصل ہی بولا گیا تو قسم کو لغو اور بے معنی کردے گا ابو داؤد - نسائی - حاکم ابن عمرؓ سے بطریق صحیح یوں روایت لائے ہیں من حلف علی یمین فقال ان شاء اللہ فقد استثنیٰ - یعنی جس نے قسم کھائی کسی چیز پر اور کہا انشار اللہ تو اس کا استثنا صحیح مانا گیا اور یمین منعقد نہ ہو گی ؛

۳۱۱/۲ حماد عن ابیہ عن القاسم بن عبد الرحمٰن عن ابیہ عن ابن مسعودؓ قال من حلف علی یمین وقال ان شاء اللہ فقد استثنیٰ ؛

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا جس نے قسم کھائی کسی چیز پر اور کہا انشار اللہ تو اس کی یہ استثنار صحیح ہو گئی - (یعنی قسم واجب نہ ہو گی ؛

تشریح :- گویا استثنار صحیح مانا جائے گا اور لغو قرار دی جائیگی - اسی لئے عام طور پر لوگ انشار اللہ ضرور استعمال کرتے ہیں کہ حانث نہ ہوں ؛

کتاب الحدود

شرعی حدود کا بیان!

بَابٌ ۱۵۵ حرمۃ الخمر والقمار وغیرھما

باب ۱۵۵ - شراب، جوا، اور اس طرح کی دوسری حرام چیزوں کا بیان

۳۱۲/۱ ابو حنیفۃ عن مسلم عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابن عباس سے روایت ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر شراب

قال ان الله کرہ لکم الخمر والمیسر والمزمار والکوبۃ ؛

جوا، آلہ طرب اور طبلہ حرام کیا؛

تشریح :۔ حدیث میں لفظ کوبۃ کی تفسیر بعض نے نرد و شطرنج سے کی ہے اور بعض نے چھوٹے طبل اور بربط سے بہرحال یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ اسی طرح مزمار ان آلات کو شامل ہے جو گانے بجانے کے کام میں آتے ہیں۔ مثلاً عود و طنبورہ وغیرہ۔ شراب و آلات طرب و غنا کی حرمت پر بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ مسلم میں حضرت بریدہ سے یوں روایت ہے کہ جس نے نرد شیر کھیلا اس نے گویا اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون سے آلودہ کیا۔ امام احمد حضرت ابی امامہ سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھ کو عالم والوں کے لئے موجب رحمت اور سبب ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں دنیا سے آلات طرب و عیش۔ بت پرستی۔ صلیب پرستی اور جاہلیت کو مٹا دوں۔ اور یہ کہ میرے رب نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ میرا جو بندہ بھی شراب کا ایک گھونٹ لے گا۔ میں اس کو ایسی مقدار میں پیپ پلاؤں گا۔ اور جو میرے ڈر سے اس کو چھوڑ دے گا تو میں اس کو پاکیزہ نہروں سے سیراب کروں گا۔ فقہاء کرام اس پر طویل بحثیں لائے ہیں کہ جو گانا آلات طرب سے بھی خالی ہو اور دیگر حرام چیزوں سے بھی پاک مثلاً عورت یا امرد کی آواز کو اس میں کوئی دخل نہ ہو اور کسی مسلم کی ہجو یا دین و مذہب کی توہین سے وہ بری ہو تو ایسا گانا جائز ہے یا نہیں۔ بعض اس کے جواز کے قائل ہیں اور اکثر اس کی کراہت کے۔ شراب و جوئے کی حرمت اور ان کی برائی پر کئی آیات قرآنیہ ہیں مثلاً یسئلونک عن الخمر والمیسر آخر آیت تک یا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام الایہ ؛

باب ۱۵۶ حد الشرب وحد السرقۃ

باب ۱۵۶۔ شراب نوشی اور چوری کی سزا کا بیان!

۳۱۳/۱

ابوحنیفۃ عن یحیٰی عن ابن مسعود قال اتاہ رجل بابن اخ لہ نشوان قد ذھب عقلہ فامر بہ فحبس حتی اذا صحا و افاق عن السکر دعا بالسوط فقطع ثمرتہ ثم دقہ ودعا جلادا فقال اجلدہ علی جلدہ وارفع یدک فی جلدک ولا تبد أضبعیک۔

یحیٰی سے روایت ہے کہ ابن مسعود کے پاس ایک شخص اپنے بھتیجے کو لایا جو مست تھا۔ اور نشہ کی وجہ سے اس کی عقل گم تھی۔ آپ کے حکم سے اس کو قید کر دیا گیا یہاں تک کہ جب اس کا نشہ اترا اور سرمستی سے افاقہ ہوا۔ تو حضرت ابن مسعود نے کوڑا منگوایا اور اس کا پھندنا کاٹ ڈالا پھر اس کو نرم کیا۔ اور جلاد کو بلایا۔ اس کو حکم دیا کہ اس کی جلد پر چابک مار (یعنی اسکو ننگا کر کے) اور مارتے وقت اپنا ہاتھ اٹھا۔

قال وانشأ عبد الله يعده حتى اكمل ثمانين جلدة فخلى سبيله، فقال الشيخ يا اباعبد الرحمن والله انه لابن اخى وما لى ولد غيره فقال شر العم والى اليتيم انت كنت والله ما احسنت ادبه صغيرًا ولا سترته كبيرًا۔

قال ثم انشأ يحدثنا فقال ان اول حد اقيم فى الاسلام لسارقٍ أُتى به الى النبى صلى الله عليه وسلم فلمّا قامت عليه البينة قال انطلقوا به فاقطعوه فلما انطلق به نظر الى وجه النبى صلى الله عليه وسلم كانما سُفّ عليه والله الرماد فقال، بعض جلسائه يارسول الله لكانّ هذا اقد اشتدّ عليك فقال وما ينبغى ان يشتد علىّ ان تكونوا اعوان الشياطين على اخيكم قالوا فلولا خليت سبيله قال افلا كان هذا اقبل ان تأتونى به فان الامام اذا انتهى اليه حد فليس ينبغى له ان يعطله قال ثم تلا، وليعفوا وليصفحوا ؏

وفى رواية عن ابن مسعود رضـ ان رجلا اتى بابن اخ له سكران فقال ترتروه ومرمزوه، واستنكهوه فوجد وامنه رايح شراب، فامر بحبسه فلما صحا دعا به ودعا بسوطٍ فامر

مگر نہ اتنا کہ تیری بغلیں دکھیں۔ یحییٰ نے کہا کہ خود عبد اللہؓ دچابکوں کو گننے بیٹھے) یہاں تک کہ جب اسی کوڑے ہو گئے تو اس کو چھوڑ دیا۔ تو اس بوڑھے نے (شراب خور کے چچا نے) کہا اے اباعبدالرحمن قسم اللہ کی یہ میرا بھتیجا ہے اور اس کے سوا میری کوئی اولاد نہیں آپ نے کہا کہ تو برا چچا ہے کہ تو یتیم کا والی ہوا اور قسم اللہ کی نہ تو نے بچپن میں اس کو ادب دیا اور نہ بڑے پن میں اس کی عیب پوشی کی۔ یحییٰ نے کہا کہ پھر ابن مسعودؓ ہم سے حدیث بیان کرنے لگے اور کہا کہ پہلی حد جو اسلام میں لگائی گئی وہ ایک چور پر تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ جب اس پر گواہی گذر گئی — تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹو جب اس کو لے جانے لگے تو آپؐ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ بعض حاضرین نے عرض کیا یارسول اللہ گویا یہ بات آپ پر سخت شاق گذری۔ آپ نے فرمایا کہ یہ مجھ پر شاق کیوں نہ ہو کہ تم شیطان کے مددگار بن جاؤ۔ اپنے بھائی کے معاملہ میں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ کیا یہ نہیں ہو سکتا تھا پہلے سے تم اس کو میرے پاس نہ لاتے۔ البتہ امام کے سامنے جب جرم قابل حد ثابت ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اس کو چھوڑ دے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ فليعفوا وليصفحوا یعنے تم کو چاہیئے کہ معاف کر دو اور منہ پھیر لو ؏

اور ایک روایت میں ابن مسعودؓ سے یوں منقول ہے کہ ایک شخص نے اپنے مدہوش بھتیجے کو پیش کیا حضرت ابن مسعودؓ نے حکم دیا کہ اسکو ذرا حرکت دو اور جھنجوڑو اور اسکی بو سونگھو۔ تو اس سے شراب کی بو آتی ہوئی پائی گئی۔ آپ نے اس کو قید کرنے کا حکم دیا۔ جب اس کا نشہ اترا تو آپ نے اس کو بلایا۔ اور ایک چابک

به نقطعت ثمرته وذكر الحديث ؛

وفى رواية عن ابن مسعود قال ان اول حد اقيم فى الاسلام ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اتى بسارق نامر به فقطعت يده فلما انطلق به نظر الى رسول الله صلى الله عليه وسلم كانما يسف فى وجهه الرماد فقال يارسول الله كانه شق عليك فقال الا يشق على ان تكونوا اعوانا للشيطان على اخيكم قالوا فلا ندعه قال افلا كان هذا قبل ان يؤتى به وان الامام اذا رفع اليه الحد فليس ينبغى له ان يدعه حتى يمضيه ثم تلا ولیعفوا ولیصفحوا ۔ الآیۃ ؛

بھی منگوایا۔ پھر آپ کے حکم سے اس کی چوٹی کاٹی گئی۔ باقی حدیث سابق حدیث کیطرح ہے ؛

اور ایک اور روایت میں ابن مسعود سے یوں مروی ہے کہ اول حد جو اسلام میں لگائی گئی یہ تھی کہ ایک چور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے حکم دیا اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ جب اس کو لے کر چلے تو صحابہ کی نظر آنحضرت کے چہرہ مبارک پر پڑی۔ گویا اس پر راکھ پڑی ہے (یعنی چہرہ مبارک بالکل متغیر تھا) کسی نے کہا یارسول اللہ کیا یہ حکم آپ پر شاق ہوا۔ آپ نے فرمایا کیا مجھ پر یہ شاق نہ ہو کہ تم اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار بن جاؤ۔ سب نے عرض کیا تو کیا اس پر ہم نہ چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس لانے سے پہلے کیا تم یہ نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ امام کے سامنے جب کوئی معاملہ سزاوار حد ثابت ہو جائے تو اس کو نہ چاہیے کہ اس کو چھوڑے تاوقتیکہ اس کو جاری نہ کر دے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی ولیعفوا ولیصفحوا آخر آیت تک ؛

تشریح ۔ حدیث ذیل میں حضرت ابن مسعود اور آنحضرت کے عمل میں مختلف مسائل علمیہ اور فوائد دینیہ پوشیدہ ہیں۔ مثلاً ابن مسعود کی حدیث سے یہ مسئلہ شرعی معلوم ہوا کہ حد بحالت سرمستی اور نشہ نہیں لگائی جاتی۔ تاوقتیکہ وہ ہوش میں نہ آجائے۔ گویا اس کو قید رکھ کر انتظار کیا جائے کہ اس کا نشہ پورا اتر جائے۔ کیونکہ نشہ میں حد لگانے سے مجرم کو درد نہیں ہوگا۔ جب درد نہیں تو عبرت کیسے ہو۔ اور حد کا مقصد یہی ہے۔ کہ آئندہ کے لئے رک جائے اور پھر ارتکاب جرم سے باز رہے۔ دوسرے یہ کہ نشہ کی اس مقدار و معیار کا بھی اس سے پتہ چلا جس پر پہنچ کر حد واجب ہوتی ہے وہ یہ کہ مسکر اس حد کو پہنچے کہ اس میں عقل گم ہو گئی ہو اور پوری مختل۔ تمیز و شعور سے وہ عاری ہو گیا ہو۔ تیسرے یہ کہ سکر کو حد کوڑے یا چابک سے لگائی جاتی ہے اور اس کا سرا کاٹ دیا جاتا ہے تاکہ وہ باریک ہو جائے۔ اور درہ کی شکل میں آجائے نہ کھجور کی ٹہنی یا جوتوں سے کہ ابتدائے حرمت شراب میں اسی پر عمل تھا۔ یہ عمل بعد میں متروک ہوا اور حد کے لئے درہ کا استعمال رائج ہوا۔ اسی طرح ابتدائے حرمت میں چالیس ضربوں کا عمل تھا۔ بعد میں وہ بھی منسوخ ہوا۔ اور حضرت عمر کی خلافت میں اسی ضربوں پر عمل قرار پایا۔ چوتھے یہ کہ حد کھلے بدن پر لگائی چاہئے نہ کپڑوں پر۔ پانچویں یہ کہ جلاد لوقت ضرب ہاتھ اوپر اٹھا کر مارے ہاتھ کو دبا کر نہ مارے کہ اس میں ضرب ہلکی لگتی ہے چھٹے یہ کہ ہاتھ اس قدر بھی

نہ اٹھائے کہ اس کی بغلیں نظر آئیں۔ ساتویں یہ کہ ولی اور سرپرست پر چھوٹے کی تربیت اور اس کی اخلاقی ودینی دیکھ بھال اور غور و پرداخت لازمی ہے اور اگر وہ اپنا یہ فرض نہ بجا لایا تو عنداللہ وہ قابلِ ملامت وسزا ہے۔ آٹھویں یہ کہ اگر شرابی کے منہ سے شراب کی بو آتی ہو تو حد لگانے کے لئے یہ ثبوت کافی ووافی ہے۔ نویں یہ کہ اگر شرابی کے منہ سے شراب کی بو آتی ہو۔ دسویں یہ کہ امام وقت کا مجرم کی سزا سے دکھ پانا اور درد محسوس کرنا ایک مستحسن فعل ہے نہ حد کے جاری کرنے میں کوئی بے جا نرمی و رعایت۔ گیارہویں یہ کہ امام کی پیشی میں مجرم کو پیش کرنے سے پہلے لوگوں کو چاہیئے کہ حتی الوسع درگذر اور چشم پوشی سے کام لیں۔ بارہویں یہ کہ معاملہ جب امام کی پیشی میں پیش ہو کر پایہ ثبوت کو پہنچ جائے اور براءت کی کوئی شکل باقی نہ رہے تو پھر امام کے لئے کسی طرح روا نہیں کہ درگذر سے کام لے اور حد کے جاری کرنے میں ٹال مٹول کرے۔

بَابُ ۱۵۶ فِيْمَا يُقْطَعُ فِيْهِ الْيَدُ! | باب ۱۵۶۔ وہ مقدار مالیت جس میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے!

٣١٤/١ **ابو حنيفة** عن القاسم عن ابيه عن عبد الله قال كان يقطع اليد على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فى عشرة دراهم وفى رواية انما كان القطع فى عشرة دراهم:

حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں دس درہم کی مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹا جاتا تھا:

ایک روایت میں ہے کہ ہاتھ کاٹنا دس درہم کی مالیت کی چوری پر ہوتا تھا:

تشریح:۔ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ کم از کم کتنی مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کم از کم ¼ دینار کی مالیت پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ خواہ وہ تین درہم کی قیمت کا ہو یا اس سے کم یا اس سے زائد۔ امام مالک واحمد کے نزدیک ربع دینار یا تین درہم کی مالیت پر نہ اس سے کم میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ان ائمہ کے پیش نظر یا ابن عمر کی وہ حدیث ہے جو شیخین بدیں الفاظ لائے ہیں ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قطع سارقا فى مجن قيمة ثلاثة دراهم کہ آنحضرتؐ نے ایک چور کا ہاتھ کاٹا ایک ڈھال کی چوری پر جو تین درہم کی قیمت کی تھی۔ یا عائشہؓ کی حدیث کہ وہ بھی صحیحین میں بدیں الفاظ مروی ہے۔ لا يقطع يد السارق الا فى ربع دينار فصاعدا کہ نہ کاٹا جائے چور کا ہاتھ مگر چوتھائی دینار یا اس سے زائد میں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دینار بارہ درہم کا تھا۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کم از کم دس درہم کی مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس سے کم میں نہیں۔ ان کے مسلک کی دلیل میں کئی صحیح احادیث مرفوع اور موقوف موجود ہیں۔ احادیث میں یہی حدیث ہی ثبوت اور حجت ہے، کہ دس درہم کی قیمتی چیز میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں ابن مسعود سے روایت ہے۔ لا يقطع

الیل الا فی دینار او عشرۃ دراھم کہ ہاتھ نہیں کاٹا جاتا مگر ایک دینار یا دس درم میں۔ پھر سب ائمہ کے نزدیک آنحضرتؐ سے ثابت ہے کہ آپ نے مجن (ڈھال) کی چوری میں ہاتھ کاٹا ہے۔ اختلاف محض اس میں ہے کہ مجن کی قیمت آنجنابؐ کے عہد میں کیا تھی۔ دس درہم سے کم اس کی قیمت ماننے والے حدیث ابن عمرؓ یا اس کے مثل حدیث پیش کرتے ہیں اور اس پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اور حنفیہ کے سامنے وہ روایات ہیں جو کتب صحاح میں بطرق متعددہ وارد ہیں۔ مثلاً ابن عباس کی حدیث جو ابوداؤد میں بطریق عطا مروی ہے۔ قطع رسول الله صلی الله علیه وسلم ید رجل فی مجن قیمتہ دینار او عشرۃ دراھم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا ایک ڈھال کی چوری میں جس کی قیمت ایک دینار یا دس درم تھی۔ حاکم مستدرک میں اس حدیث کو لاکر کہتے ہیں کہ یہ شرط مسلم پر صحیح ہے۔ طحاوی بھی اس کو لائے ہیں اور ابن عبدالبر بھی تمہید میں اس کی روایت کرتے ہیں۔ غرض یہ حدیث بکثرت طرق صحیح ہے۔ پھر حضرت ایمنؓ سے عطا اور مجاہد ہر دو کے طریق سے نسائی میں روایتیں ہیں۔ جن کے الفاظ یہ ہیں۔ لم یقطع البنی صلی الله علیه وسلم السارق الا فی ثمن المجن یومئذ دینار کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا مگر ڈھال کی چوری میں جس کی قیمت ان دنوں ایک دینار تھی۔ ایمن کی حدیث میں یہ سقم نکالتے ہیں۔ کہ ایمن کے بارہ میں اختلاف ہے کہ یہ کون ہیں صحابی تھے یا تابعی۔ صحابی ہونے کی صورت میں یہ جنگ حنین میں شہید ہوئے یا آنحضرتؐ کے وصال کے بعد بھی بقید حیات رہے۔ اس وقت ہم اس کی مزید تنقیح میں نہیں لگنا چاہتے۔ صرف اس قدر کہتے ہیں کہ اگر ان کو صحابی مانا جائے۔ تو یہ حدیث مرفوع حدیث ثابت ہوئی۔ اور اگر تابعی کہا جائے تو حدیث مرسل ٹھہری جو احناف وجمہور علماء کے نزدیک بلاشک قابل قبول اور معتبر ہے کیونکہ یہ ثقہ تو ضرور ہیں جیسا کہ ابوزرعہ جیسے جلیل القدر امام ابن حبان وغیرہ نے اس پر تصریح کی ہے۔ مزید براں حدیث ایمن کی تائید حضرت ابن عباس کی حدیث سے ملتی ہے جو اس حدیث کی صحت پر چار چاند لگاتی ہے۔ علاوہ ازیں ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت لائے ہیں کان ثمن المجن عشرۃ دراھم کہ ڈھال کی قیمت دس درم تھی۔ لہٰذا ان روایات کے پیش نظر ماننا پڑے گا۔ کہ ربع دینار کی احادیث جو صحیحین میں وارد ہیں وہ منسوخ ہیں ؛

اصول شرعیہ کے رو سے مذہب حنفیہ کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ یہ معاملہ بہر حال حدود کا ہے۔ اگر کوئی تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ کر ان تمام روایات کی صحت میں کلام کرے تو کم از کم یہ روایات اس کے نزدیک معاملہ حد میں شک قوی یا ضعیف تو ضرور پیدا کر دیں گی۔ کہ کم سے کم نصاب سرقہ دس درم ہیں یا تین درم اور ربع دینار۔ اور آثار و اخبار سے یہ اصول ثابت ہے کہ حدود شبہات سے رد ہو جاتی ہیں۔ اور ان میں احتیاطی پہلو ملحوظ رہتا ہے۔ یہاں بھی شبہ پڑا اور اس جگہ احتیاطی پہلو زیادتی یعنی دس درم میں ہے۔ نہ ربع دینار یا تین درم میں۔ لہٰذا دس دینار ہی کا مذہب درست ہے قائلین ربع دینار بھی یہاں قیاس آرائی کرتے ہیں اور ایک عام اصول کو پیش نظر رکھتے ہیں جس کا در

یہاں کوئی موقع نہیں طرح کر ان کے مذہب کا زیادہ تر مدار تسن مجن (ڈھال) ہے۔ کہ اس کی قیمت آنحضرت کے زمانہ مبارک میں کیا تھی۔ تین درم جیسا کہ ان کا مذہب ہے، یا دس درم جو احناف کا مسلک ہے، کہتے ہیں۔ کہ اختلاف کے وقت اقل تعداد پر عمل کرنا لازمی ہے۔ جو یقینی آتا ہے۔ اور اقل تعداد یہاں تین درم ہیں تو ایسا ہی مگر حدود میں یہ اصول زیر عمل نہیں۔ اگر حدود میں یہ اصول عمل میں لائیں گے تو حدود کا شکنجہ کس جائے گا۔ مجرم کی خلاصی۔ رہائی۔ و نجات کے راستے بند ہو جائیں گے۔ جو حکم شرع کے بالکل برخلاف ہے۔ چنانچہ متصل حدیث میں اس کا بیان آرہا ہے۔ بلکہ حدود میں معاملہ برعکس ہے کہ اس میں درگذر۔ معافی۔ چشم پوشی اور حتی الوسع اعراض برتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ شبہ سے حد ختم ہو جاتا ہے۔ تین سے لیکر دس درم تک شبہ رہا ہے اور درگذر و اعراض کا سبب دس درم پر حد ہے۔ اور اس کے بعد شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

باب ۱۵۸ درء الحدود! باب ۱۵۸ حدود کے دور کئے جانے کا بیان!

۳۱۵/۱ **ابوحنیفة** عن مقسم عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ادرؤا الحدود بالشبهات:

حضرت ابن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبہات سے حدود کو دور کردو:

تشریح:۔ یہ حدیث باختلاف الفاظ عبارات سے کتب صحاح میں موجود ہے۔ بہر حال یہ اتفاقی مسئلہ ہے کہ شبہات سے حدود ٹل جایا کرتی ہیں۔ ابن ابی شیبہ۔ ترمذی۔ حاکم۔ بیہقی حضرت سے اس مضمون کی حدیث لائے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حد کو ٹالو۔ اگر مسلمان کے لئے خلاصی کا کوئی پہلو دیکھو تو اس کو چھٹکارا دو۔ اس لئے کہ امام کا معافی میں خطا کرنا سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔ دار قطنی۔ بیہقی حضرت علیؓ سے اس مضمون کی حدیث لائے ہیں کہ حدود ٹالو۔ مگر بعد ثبوت امام کے لئے حدود کا ترک جائز نہیں۔ ابن ماجہ میں حضرت ابی ہریرہ رضؓ سے یوں روایت ہے کہ سزاؤں کو ٹالو۔ جہاں تک ٹلنے کا موقع مل سکے۔ اس مسئلہ کی قدرے تشریح گذشتہ حدیث میں گذر چکی ہے:

باب ۱۵۹ الرَّجم للزَّانی المحصن!

ابوحنیفة عن علقمة عن ابن بریدة عن ابیه ان ماعز ابن مالك اتی النبی صلی الله علیه و سلم فقال ان الآخر قد زنی فاقم علیه الحد فردّه رسول الله صلی الله علیه و سلم ثم اتاه الثانیة فقال له مثل ذالك ثم اتاه الثالثة فقال له مثل ذالك ثم اتاه الرابعة فقال ان الآخر قد زنی فاقم علیه الحد فسأله عند اصحابه هل تنکرون من عقله -

قالوا لا -

قال انطلقوا به فارجموه -

قال فانطلق به فرجم بالحجارة فلما ابطأ علیه القتل انصرف الی مکان کثیر الحجارة فقام فیه فاتاه المسلمون فرجموه بالحجارة حتی قتلوه فبلغ ذالك النبی صلی الله علیه و سلم فقال هلا خلیتم سبیله، فاختلف الناس فیه فقال قائل هذا ماعز اهلك نفسه وقال قائل انا ارجوان یکون توبة فقال لقد تاب توبة لوتابها فئام من الناس لقبل منهم -

فلما بلغ ذالك قوما طمعوا فیه فسألوه ما یصنع بجسده

باب ۱۵۹ - شادی شدہ زناکار کے، سنگسار کرنے کا بیان!

حضرت بریدہ رضؓ سے روایت ہے کہ ماعز بن ۳۱۶/۱
مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ اس بھلائی سے دور افتادہ نے زنا کیا ہے۔ آپ اس پر حد قائم کیجئے۔ آنجنابؐ نے اس کو رد فرمایا۔ پھر دوبارہ آیا اور اپنی پہلی بات دہرائی۔ آپ نے پھر اس کو رد فرمایا۔ پھر تیسری بار آکر اپنے اسی اقرارِ جرم کا اعادہ کیا۔ آنحضرتؐ نے اس کو پھر رد فرما دیا۔ پھر چوتھی بار آکر کہا کہ بھلائی سے دور افتادہ نے زنا کیا ہے آپ اس پر حد قائم کیجئے۔ اس پر آپ نے اپنے اصحاب سے اس کی حالت دریافت فرمائی کہ یہ تو پاگل نہیں ہے سب نے کہا جی نہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ اس کو لے جاکر سنگسار کردو کیونکہ وہ شادی شدہ تھا) بریدہ کہتے ہیں کہ پھر اس کے مرنے میں دیر ہوئی تو وہ اس مقام کو چھوڑ کر زیادہ پتھریلی زمین میں جا کھڑا ہوا (کہ دم جلد نکل جائے) مسلمانوں نے اس کا پیچھا کیا اور پتھروں سے اس کو رجم کرکے مار ڈالا۔ یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اسکا پیچھا کیوں نہیں چھوڑا (جب وہ اپنی جگہ سے بھاگ نکلا) لوگ ماعز کے بارہ میں مختلف القول ہوئے کسی کہنے والے نے کہا کہ ماعز نے اپنی جان خود ہلاک کی بعض بولے ہم کو امید ہے کہ یہ اس کے لئے توبہ ہوگی۔ یہ باتیں آپ تک پہنچیں تو آپ نے فرمایا کہ ماعز نے جو توبہ کی ہے کہ اگر لوگوں کی جماعتیں بھی یہ توبہ کریں تو قبول ہو۔ لوگوں تک جب آنجنابؐ کا یہ فرمان پہنچا تو ماعز کے حق میں امیدِ ثواب کہنے لگے۔ پھر آپ سے دریافت

قال اصنعوا به ما تصنعون
بموتاكم من الكفن والصلوة عليه
والدفن قال فانطلق به اصحابه
فغسلوا ؛

وفي رواية قال اتى ماعز بن مالك
رسول الله صلى الله عليه وسلم واقر
بالزنا فردّه ثم عاد فاقرّ بالزنا
فردّه ثم عاد فاقرّ بالزنا فردّه
ثم عاد فاقرّ بالزنا الرابعة فسأل
النبي صلى الله عليه وسلم هل تنكرون
من عقله شيئا قالوا لا قال فأمر
به ان يرجم في موضع قليل الحجارة
قال فابطأ عليه الموت فانطلق يسعى
الى موضع كثير الحجارة واتبعه الناس
فرجموه حتى قتلوه ثم ذكروا
شانه لرسول الله صلى الله عليه وسلم
قال لولا خليتم سبيله قال فاستاذن
قومه رسول الله صلى الله عليه وسلم
في دفنه والصلوة عليه السلام لقد
تاب توبة لو تابها فئام من الناس تقبل منهم ؛

وفي رواية قال لما امر
النبي صلى الله عليه وسلم بماعز بن مالك ان يرجم قام في
موضع قليل الحجارة فابطأ عليه
القتل فذهب به مكانا
كثير الحجارة واتبعه الناس حتى
رجموه فبلغ ذلك النبي صلى
الله عليه وسلم قال الا خليتم
سبيله ؛

کیا کہ اس کی میت کو کیا کیا جائے ۔ آپ نے فرمایا
کہ جو اپنے مردوں کے ساتھ کرتے ہو اس کے ساتھ
کرو ۔ اس کا کفن دفن کرو اور اس کی نماز پڑھو بریدہ
کہتے ہیں کہ پھر لوگ اس کو لے گئے اور اسکی نماز پڑھی ؛

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ماعز بن مالک
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور زنا کا اقرار
کیا ۔ آپ نے اس کو رد کر دیا ۔ پھر اس نے دوبارہ آکر زنا
کا اقرار کیا ۔ آپ نے پھر رد فرما دیا پھر آکر اس نے زنا کا اقرار
کیا ۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اس کی
عقل میں کوئی فتور ہے ؟ لوگوں نے کہا جی نہیں بریدہ
کہتے ہیں کہ تب آپ نے حکم دیا کہ کم پتھریلی زمین میں وہ رجم
کیا جائے ۔ کہتے ہیں کہ جب اسکے مرنے میں دیر لگی تو
وہ زیادہ پتھریلی زمین میں کیطرف بھاگ کھڑا ہوا اور لوگوں
نے اس کا پیچھا کیا ۔ اور اس کو وہاں رجم کر کے مار ڈالا پھر
اسی واقعہ کا ذکر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے کیا آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کا پیچھا کیوں نہ چھوڑا ؟
بریدہ کہتے ہیں کہ ان کی قوم نے آنحضرت سے اس کے
دفن اور نماز کے بارہ میں پوچھا ۔ آپ نے ان کو اس
کی اجازت دی اور فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی کہ اگر
لوگوں کی جماعتیں وہ توبہ کرتیں تو قبول ہوتی ؛

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ بریدہؓ
کہتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز بن مالک
کے بارہ میں رجم کئے جانے کا حکم دیا ۔ تو وہ کم پتھر
کی زمین میں جا کھڑا ہوا ۔ پھر جب اس کی موت میں
دیر ہوئی ۔ تو زیادہ پتھروں والی زمین میں چلا گیا اور
لوگ اس کے پیچھے ہو لئے ۔ یہاں تک کہ اس کو رجم
کر ڈالا ۔ یہ قصہ آنحضرتؐ کے گوش مبارک میں پہنچا
تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کا راستہ کیوں نہیں چھوڑا
(یعنی اس کو جانے دیا ہوتا) ؛

وفی روایۃٍ لمّا ھلك ماعز بن مالك بالرجم اختلف الناس فیہ۔
فقال قائل ماعز اھلك نفسہ،
وقال قائل تاب۔
فبلغ ذالك رسول الله صلی الله علیہ وسلم قال لقد تاب توبۃ لو تابھا صاحب مکس لقبل منہ او تابھا فئام من الناس لقبل منھم ؛

اور ایک روایت ان الفاظ میں ہے کہ ماعز جب رجم سے ہلاک ہُوا تو لوگ اس کے بارہ میں مختلف باتیں کرنے لگے۔ کسی کہنے والے نے کہا کہ ماعز نے اپنی جان خود ہلاک کی۔ اور کوئی کہنے لگا کہ ماعز نے اس طرح توبہ کی۔ یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں۔ آپ نے فرمایا کہ ماعز نے ایسی توبہ کی کہ اگر وہ توبہ کوئی چنگی لینے والا کرے تو قبول ہو۔ یا لوگوں کی جماعتیں ایسی توبہ کریں تو قبول ہو جائے ؛

وفی روایۃٍ جاء ماعز بن مالك الی رسول الله صلی الله علیہ وسلم وھو جالسٌ فقال یارسول الله انی زنیتُ فاقم الحدّ علیَّ فاعرض عنہ النبیّ صلی الله علیہ وسلم قال ففعل ذالك اربع مرّاتٍ کل ذالك یردہ النبی صلی الله علیہ وسلم ویعرض عنہ فقال فی الرابعۃ انکرتم من عقل ھذا اشیئا قالوا ماعلمہ الا عاقلاً وما نعلوا الا خیرا قال فاذھبوا بہ فارجموہ قال فذھبوا بہ فی مکان قلیل الحجارۃ فلمّا اصابتہ الحجارۃ جزع قال فخرج یشتد حتی اتی الحرۃ فثبت لھم قال فرموہ بجلامیدھا حتّٰی سکت۔
قال فقالوا یارسول الله ماعز حین اصابتہ الحجارۃ جزع فخرج یشتد فقال النبی صلعم لو لاخلیتم سبیلہ قال فاختلف الناس فی امرہ فقالت

ایک روایت میں یوں وارد ہے کہ ماعز بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جب کہ آپ بیٹھے ہوئے تھے اور کہا کہ یا رسول اللہ میں نے زنا کیا ہے مجھ پر حد جاری کیجئے۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ مبارک پھیر لیا۔ بریدہ کہتے ہیں کہ پھر اسنے چار مرتبہ ایسا ہی کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار اس کو واپس دیتے۔ اور منہ پھیر لیتے۔ چوتھی بار آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ کیا تم اس کی عقل میں کوئی فتور پاتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ حضرت ہم تو اس کو عقلمند اور اچھے ہی کردار والا سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو لے جاؤ۔ اور رجم کرو۔ بریدہ کہتے ہیں کہ اس کو کم پتھریلی زمین میں لے گئے۔ جب اس کو پتھر لگا تو بہت گھبرایا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ زیادہ پتھریلی زمین کیطرف اور وہاں جم کے انتظار میں جم گیا۔ لوگوں نے اس پر سلیں پھینک دیں۔ یہاں تک کہ وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر لوگوں نے آنحضرت سے بیان کیا کہ یا رسول اللہ جب ماعز کے پتھر لگا تو گھبرایا اور نکل کھڑا ہوا۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں جانے دیا کہتے ہیں۔ کہ پھر لوگوں نے اس کے بارہ میں مختلف باتیں بنائیں۔ ایک

طائفۃ ھلک ماعزؓ واھلک نفسہٗ و قالت طائفۃ بل تاب الی اللہ توبۃ لو تابھا فئام من الناس لقبل منھم قالوا یارسول اللہ فما نصنع بہٖ قال اصنعوا بہٖ کما تصنعون بموتاکم من الغُسل والکفن والحنوط والصلوٰۃ علیہ والدفن وقد رُوِیَ الحدیث بروایاتٍ مختلفۃ نحوما تقدام ؛

جماعت نے کہا کہ ماعز ہلاک ہوا۔ اور اس نے خود اپنے تئیں ہلاک کیا۔ ایک گروہ بولا کہ اس نے اللہ کے حضور میں مقبول توبہ کی۔ کہ اگر وہ توبہ لوگوں کی جماعتیں بھی کرتیں تو درجہ قبولیت کو پہنچتی۔ اس کی قوم نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ اسکی لاش کو کیا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ جو تم اپنے مردوں کے ساتھ کرتے ہو۔ وہ ہی اس کے ساتھ کرو۔ مثلاً غسل۔ کفن۔ خوشبو۔ نماز۔ اور دفن ہیں۔ اور یہ حدیث مختلف طرق سے حسب سابق مروی ہے ؛

تشریح :۔ اس حدیث میں چند نہایت اہم مسائل بیان ہوئے ہیں۔ پہلا یہ کہ آیت قرآنی الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ۔ کہ زانی عورت و مرد ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔ گو محصن (شادی شدہ) وغیر محصن سب کے لئے کوڑے ثابت کرتی ہے۔ مگر آیت الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ کہ محصن مرد اور محصنہ عورت جب زنا کریں تو سنگسار کرو ان کو ضرور جو اجماع امت سے منسوخ التلاوت ہے۔ اور حکم میں باقی اور محصن کے لئے رجم ثابت کرتی ہے گویا آیت منسوخہ بیاہے کے لئے ہے اور آیت جلد کنوارے کے لئے۔ پھر احادیث متواترہ و مشہورہ آیت منسوخہ کی زبردست تائید کرتی ہیں۔ بلکہ خود احادیث رجم بوجہ تواتر و شہرت اس کی صلاحیت رکھتی ہیں کہ آیت قطعی الدلالت پر زیادتی کر سکیں۔ مثلاً حدیث ذیل ہی شہرت کی حد کو پہنچ چکی ہے اور یہ حضرات عبادہ بن صامت ابن عباس۔ ابی ہریرہ۔ ابی سعید بریدہ ابن الخصیب الاسلمی۔ جابر بن عبد اللہ جیسے جلیل القدر و عظیم الشان صحابہ سے مروی ہے اور اس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔ کتب صحاح میں حضرت عمرؓ کا خطبہ نقل ہے کہ آپ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کے یہ کہنے کا خطرہ نہ ہوتا کہ عمر نے قرآن پر زیادتی کی تو البتہ میں اس آیت الشیخ والشیخۃ اذا زنیا کو قرآن میں لکھ ڈالتا۔

دوسرا مسئلہ یہ کہ یہ امر بحث طلب ہے کہ زانی کا چار بار اقرار زنا حد کے لگائے جانے کیلئے ضروری ہے یا ایک ہی مرتبہ کا اقرار کافی ہے۔ امام مالک و شافعی ایک ہی مرتبہ اقرار کو حد لگانے کے لئے کافی جانتے ہیں۔ وہ ان کے مذہب کی بنیاد دو احادیث ہیں۔ جن سے اقرار میں بظاہر کسی تعداد کا پتہ نہیں چلتا۔ ایک غامدیہ کی حدیث کہ وہ بھی ماعز بن مالک کی طرح آنحضرتؐ کے سامنے زنا کا اقرار کر چکی تھی۔ غامدیہ کے ایک ہی اقرار پر اس کو آنجناب کے حکم سے رجم کیا گیا۔ دوسری وہ حدیث جو حدیث عسیف کے نام سے مشہور ہے کہ اس میں کنوارے زانی پر آپ نے سو کوڑوں اور سال کی جلاوطنی کی سزا جاری فرمائی۔ اور عورت کے لئے حضرت انیسؓ کو حکم دیا کہ اُس سے اقرار لو اگر وہ اقرار کرلے تو اس کو رجم کردو۔ چنانچہ اس میں آنحضرتؐ نے چار بار اقرار لینے کی شرط نہیں لگائی۔

معلوم ہوا کہ چار بار اقرار کی ضرورت نہیں۔ ورنہ آپ ضرور تشریح فرماتے۔ امام ابوحنیفہ وامام احمد اور اہل کوفہ تمام اس کے قائل ہیں کہ حد لگائے جانے کے لئے زانی کا چار بار اقرار ضروری ہے۔ ان کی قوی دلیل ماعز بن مالک والی حدیث ہے۔ جو کتب صحاح میں مختلف طرق سے مروی ہے۔ اس میں ہے کہ آنحضرت نے مجرم سے چار بار اقرار لیا۔ پھر حد جاری کئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ پس اس میں قابل غور بات یہ ہے۔ کہ آخر کیا آنحضرت کے لئے یہ ممکن ہے کہ آپ جرم ثابت ہو جانے پر حد کے جاری کرنے میں تاخیر فرمائیں۔ وہ حد جو ثبوت جرم پر فوری صیغہ میں واجب ہوتی ہے اور اس کے اجراء میں تاخیر کی کسی طرح گنجائش نہیں۔ لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ ایک یا دو یا تین بار اقرار سے آنحضرت کے نزدیک جرم ثابت نہیں ہوا تھا۔ جب چوتھی بار اقرار سے جرم زنا ثابت ہوا تو آپ نے فوراً اس پر سزائے رجم جاری فرمائی۔ اور یہی نہیں بلکہ اس حدیث کی بعض روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب نے ایک ہی مجلس میں یہ چار اقرار کو آنجناب نے رد فرمایا۔ پھر دوسرے دن آیا اور اقرار کیا۔ آپ نے اس کی قوم سے تصدیق فرمائی کہ یہ پاگل تو نہیں ہے قوم نے کہا کہ یہ تو اچھا بھلا ہے۔ پھر تیسری بار آیا اور ایسا ہی ہوا۔ پھر چوتھی بار جب آیا۔ تو اس کو رجم کیا گیا۔ احمد واسحٰق اپنی اپنی مسندوں میں اور ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں ابی بکر سے یہی حدیث لائے ہیں۔ جس میں ہر بار جاء کا لفظ ہے۔ جس طرح حدیث ذیل میں اتی کا۔ تو مجیئت واتیان بھی تعدد مجلس پر دال ہیں کہ وہ جا کر پھر آیا۔ ابن الہمام نے اس کی تصریح کی ہے۔ اسی لئے احناف اس کے قائل ہیں کہ چار بار اقرار بھی چار مجلسوں میں ہونا چاہئے۔ لہٰذا جب یہ حقیقت ہے تو کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت مختلف چار مجلسوں تک اجرائے حد کو ٹالتے رہتے۔ اور اس میں اس قدر ڈھیل دی۔ اب رہا حدیث عسیف کا قصہ تو وہ ابتدائے اسلام کا ہے جیسا کہ بیہقی نے لکھا ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ کہ حد مجرم کے لئے توبہ شمار ہوتی ہے اور اس کیلئے کفارہ گناہ ہو جاتی ہے۔ اور مواخذہ اخروی سے اس کو سبکدوش کرتی ہے یا یہ کہ مواخذہ اخروی کا بار اس پر باقی رہتا ہے اور حد اس کے گناہ کا کفارہ نہیں ہوتی۔ احناف ان میں سے دوسری شق کے حامی ہیں۔ ان کے نقطہ خیال کے تحت حد کا مقصد مجرم کو دھمکی دینا اور دوسروں کو عبرت دلانا ہے۔ اور اس کے واسطہ سے نظام عالم میں درستی واصلاح پیدا کرنی ہے۔ کہ حدود کے خوف سے بنی نوع انسان ایک دوسرے کی ایذارسانی عصمت دری سے دست کش رہیں اور امن وامان وچین ومسرت کی زندگی بسر کریں۔ مواخذہ اخروی اور عالم آخرت کی باز پرس اس کے ذمہ بدستور باقی رہیگی۔ جس سے سبکدوشی اس کو سچی توبہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور ان کے اس خیال کی بنیاد نصوص قرآنیہ پر ہے۔ جو صاف گویا ہیں کہ حدود گناہ کا کفارہ نہیں۔ مثلاً محدود فی القذف (جس پر تہمت لگانے پر حد لگائی جائے۔) کے بارہ میں فرمایا اولئک ھم الفاسقون الا الذین تابوا کہ وہ ہی فاسق ہیں۔ مگر وہ جنہوں نے توبہ کی۔ یا قطاع الطریق (راہزنوں) کے متعلق ارشاد ہوا اولئک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم الا الذین تابوا کہ ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں بڑا عذاب مگر وہ جنہوں نے توبہ کی کہ یہاں مار توبہ پر رکھا ہے۔ لہٰذا جب منشائے کلام

آلہی یہ ہوا۔ تو وہ حدیث قابل تاویل ہوگی جو حد کو توبہ کا مرادف قرار دیتی ہے اور اس کو کفارہ گناہ ٹھہراتی ہے تاکہ آیات قطعی الدلالت اپنے معنی پر برقرار رہیں۔ مثلاً حدیث ذیل میں اس کا شبہ ہوتا ہے کہ حد زنا عین توبہ ہے تو ہم اس کو اس پر محمول کریں گے کہ بوقت سزا مجرم نے توبہ کی تھی۔ اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ مجرم یہاں ایک پیکر ندامت بنا ہوا ہے۔ جس کے ہر رگ و پے سے توبہ آشکارا ہے۔ کیا عجب ہے۔ بلکہ بہت ممکن ہے کہ بوقت حد اس نے توبہ کی ہو۔ جس توبہ کی تشریح آنجناب نے نہایت پر اثر طریقہ سے فرمائی۔ چنانچہ مسلم کی حدیث سے اس مسلک کا پختہ ثبوت ملتا ہے جو وہ حضرت بریدہ سے لائے ہیں۔ جسکا مضمون اس طرح ہے کہ صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت تشریف لائے۔ اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا کہ ماعز بن مالک کے لئے گناہ کی معافی چاہو۔ جب حد کے بعد استغفار کی گنجائش رہی تو حد معافی گناہ کا سبب کیسے بن سکتی ہے۔ پھر چوری کے بارہ میں ابوداؤد میں ہے کہ چور کے قطع ید کے بعد آپ نے چور کو بلوایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ توبہ و استغفار کر اس نے توبہ کی۔ پھر آپ نے بھی اس کی توبہ منظور ہونے کی دعا فرمائی۔ اسی طرح صحیحین میں طریق عائشہؓ سے مروی ہے کہ فاطمۃ المخزومیۃ نے جو چور تھی توبہ کی۔ اگر حد عین توبہ ہوتی تو پھر جدید توبہ کی کیا ضرورت تھی۔ یہاں ایک بات احقر کی سمجھ میں آئی ہے۔ وہ یہ کہ جو قابل حد مجرم خود اقرار اپنے جرم کا کرے اور سزا کا طلب گار ہو تو یہ اس کے لئے بمنزلہ توبہ کے ہے اور جس کو جرم میں ماخوذ کر کے اس پر جرم ثابت کیا جائے تو اس کے لئے توبہ ضروری ہے۔

بابُ۱۶۰ قتل المسلم بالذمی قصاصًا!

بابُ۱۶۰۔ ذمی کے قتل پر مسلمان سے قصاص لیا جائیگا!

۳۱۷/۱ **ابوحنیفۃ** عن ربیعۃ عن ابن البیلمانی قال قتل النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلما بمعاھد فقال انا احق من ادنی بذمتہ۔

ابن البیلمانی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کو ایک معاہد کافر ذمی کے بدلہ میں قتل کیا اور فرمایا کہ اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے والوں میں میں ذمہ داری کو پورا کرنے کا زیادہ حقدار ہوں۔

تشریح:۔ اہل ذمہ کی جانوں اور مالوں کی حفاظت و دیکھ بھال مسلمانوں پر لازم ہے شریعت کا یہ ایک صاف مسئلہ ہے۔ چنانچہ اسی مسئلہ کی رو سے ان کے مالوں کے چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ ان کی عورتوں سے زنا کرنے والے پر حد زنا لگائی جاتی ہے۔ ان پر جھوٹی تہمت لگانے پر حد قذف لگائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ قصاص بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اور احناف کا مسلک یہی ہے۔

کتَابُ الجِهَاد!

جہاد کا بیان!

بَابُ[۱۶۱] حُرمَۃ خیَانَۃ القَاعِدِینَ علیٰ نِسَاءِ المُجَاھِدِینَ!

باب[۱۶۱] - مجاہدین کی عورتوں سے پیچھے رہ جانے والوں کا خیانت کرنا حرام ہے!

۳۱۸/۱ **ابوحنیفۃ** عن علقمۃ عن ابن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعل اللہ تعالیٰ حرمۃ نساء المجاھدین علی القاعدین کحرمۃ امھاتھم وما من رجل من القاعدین یخون احدا من المجاھدین فی اھلہ الا قیل لہ یوم القیٰمۃ اقتص فما ظنکم ؛

حضرت ابن بریدہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حرمت مجاہدین کی عورتوں کی ان لوگوں پر جو جہاد میں نہیں جاتے مثل حرمت ان کی ماؤں کے - اور جو بھی شخص جہاد میں نہ جائے اور کسی مجاہد کے عیال میں خیانت کرے تو بروز قیامت مجاہد سے کہا جائیگا - کہ اس سے تو اپنا قصاص لے لے پھر اب کیا گمان ہے تمہارا ؛

تشریح :- یہ حدیث مجاہدین کے درجہ و مرتبہ کو واضح و آشکار کرتی ہے - اور بتاتی ہے - کہ اللہ تعالیٰ کو مجاہدین کی کس قدر پاسداری اور کتنا لحاظ منظور ہے کہ ان کی عورتوں کو احترام و عزت و حفاظت ننگ و ناموس میں جہاد میں نہ جانے والوں کے لیئے ان کی ماؤں کے برابر ٹھہرایا - اور اگر کوئی خیانت کر بیٹھے تو آخرت میں مجاہد کو قصاص لینے کا پورا اختیار دیا جائے گا - اور یہ خیانت معاشرہ کا سب سے بڑا جرم ہے اس سے بچنا بہت ضروری ہے ؛

بَابُ[۱۶۲] الوَصِیَّۃِ لِلبَعثِ بِالمُہِمَّاتِ

باب[۱۶۲] - اس وصیت کا بیان جو لشکر وغیرہ بھیجتے وقت کی جاتی ہے

۳۱۹/۱ **ابوحنیفۃ** عن علقمۃ عن ابن بریدۃ عن ابیہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بعث جیشا

حضرت بریدہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بڑا لشکر یا کوئی چھوٹا دستہ بھیجتے - تو اس کے امیر کو وصیت فرماتے خاص کر

او سرية اوصى اميرهم فى خاصة نفسه
بتقوى الله واوصى فيمن معه من المسلمين
خيرا ثم قال اغزوا بسم الله فى سبيل الله
قاتلوا من كفر بالله لا تقتلوا ولا
تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا
وليدا ولا شيخا كبيرا فاذا
لقيتم عدوكم فادعوهم الى الاسلام
فان ابوا فادعوهم الى اعطاء الجزية
فان ابوا فقاتلوهم فاذا احصرتم
اهل حصن فارادوكم ان تنزلوا
على حكم الله تعالى فلا تفعلوا فانكم
لا تدرون ما حكم الله ولكن انزلوهم
لا تدرون ما حكم الله بما بدا لكم
فان ارادوكم ان تعطوهم ذمة الله
فاعطوهم ذممكم وذمم اباءكم
فانكم ان تخفروا بذممكم اهون
من ان تخفروا بذمة الله فى
دفعتكم ؛
وفى رواية فان ارادوكم ان تعطوهم
ذمة الله وذمة رسوله فلا تعطوهم
ذمة الله ولا ذمة رسوله ولكن
اعطوهم ذممكم وذمم اباءكم فانكم ان
تخفروا ذممكم وذمم اباءكم ايسر ؛

اس کے حق کے بارہ میں اللہ سے ڈرنے کی۔ اور اہل لشکر کے حق میں بھلائی و احسان کرنے کی۔ پھر فرماتے کہ اللہ کے نام سے مدد لیتے ہوئے اور اس کی رضامندی کو طلب کرتے ہوئے جہاد کرو۔ جو اللہ کے ساتھ کفر کرے ان سے قتال کرو۔ مال غنیمت میں خیانت نہ کرو۔ کسی مقتول کی ناک کان نہ کاٹو کسی بچہ یا بوڑھے کو قتل نہ کرو۔ جب تم اپنے دشمن کے مقابلے میں آؤ۔ تو اس کو اسلام کی دعوت دو۔ اگر وہ انکار کریں تو انکو جزیہ دینے پر آمادہ کرو۔ اگر اس سے بھی انکار کریں تو ان سے جنگ کرو۔ جب تم کسی اہل قلعہ کا محاصرہ کرو۔ اور وہ تم سے چاہیں کہ تم اتارو اللہ کے حکم پر تو ایسا نہ کرنا۔ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اللہ کا حکم کیا ہے لیکن اتارو ان کو تمہارے حکم پر پھر جو تمہاری سمجھ میں آئے تم ان کے بارہ میں فیصلہ کرو۔ اور اگر وہ تم سے یہ چاہیں کہ تم ان کو اللہ کی امان دے دو اور اس کے عہد و ذمہ میں لے لو تو تم ان کو اپنے آباء کے ذمہ میں لو۔ کیونکہ تمہارا تمہارے اپنے ذمہ کو توڑ دینا تمہاری گردن پر بہت زیادہ ہلکا ہے۔ اس سے کہ تم اللہ کے ذمہ کو توڑ دو ؛

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اگر وہ چاہیں کہ تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ دو۔ تو تم انکو اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ نہ دو۔ کیونکہ تمہارا اپنی اور اپنے آباء کی ذمہ داری کو توڑنا زیادہ آسان ہے ؛

تشریح:۔ یہ حدیث جنگی قانون و اصول کا منبع ہے اور نہایت اعلیٰ اصول و قواعد کا خزانہ۔ اس میں سب سے پہلے امیر لشکر کو ہدایت ہے کہ اللہ کو ملحوظ خاطر رہے۔ کہ سارے معاملات کی جڑ اسی سے مضبوط ہوتی ہیں اور تمام معاملات اسی سے درست ہوتے ہیں۔ خوف خدا ہی انسان کو برائی سے بچاتا ہے اور ہر غلط راستہ پر چلنے سے باز رکھتا ہے۔ دوسرے اہل لشکر سے حسن سلوک و نیک برتاؤ کی ہدایت فرمائی۔ اور ان کی طرف خیر و احسان کا ہاتھ بڑھانے کی رغبت دلائی۔ کیونکہ امیر کی خوش معاملگی سے لشکری یک جان و یک دل ہو کر اس کی حکم برداری کو اپنے لئے سرمایہ فخر جانتے ہیں۔ تیسرے ہدایت فرمائی کہ

کہ لڑائی اللہ کے نام سے شروع کرو اور اس میں صرف اسی کی خوشنودی و رضا کو پیش نظر رکھو۔ اور ریاکاری دکھاوے نام و نمود کو ہرگز ہرگز قریب نہ آنے دو۔ کیونکہ اللہ کے دربار میں کوئی عمل کس قدر بھی باوقعت کیوں نہ ہو۔ بغیر خلوص نیت کے بیکار ہے۔ بلکہ موجب سزا اور سرزنش۔ چوتھے عین لڑائی کے بارہ میں۔ نصیحت فرمائی کہ مال غنیمت میں چوری نہ کرو کہ یہ بہت بڑا گناہ اور اللہ اور رسول سے خیانت ہے۔ اور ناز یبا عمل وعدہ میں بے وفائی نہ کرو کہ رذالت کی نشانی ہے۔ اور بداخلاقی کی علامت مقتول کی ناک نہ کاٹو کیونکہ یہ نہایت درندگی ہے۔ اور ہر بڈھے اور بچہ و بوڑھے کو قتل نہ کرو۔ کیونکہ یہ عمل انصاف و خدا ترسی سے بعید ہے اور سخت ظالمانہ عمل۔ پانچویں وصیت فرمائی کہ جب دشمن کے مقابلہ میں آؤ۔ تو پہلے دشمن کو اسلام کیطرف دعوت دو اگر وہ اس کو قبول نہ ہو تو اس کو جزیہ پر آمادہ کرو۔ کہ وہ اسلام کی ماتحتی میں ذمی بن کر رہے۔ اگر اس پر بھی وہ راضی نہ ہو تو مقاتلہ کے لئے اس کو للکارو۔ چھٹے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ اگر دشمن کمزور پڑے اور تم سے امان چاہے تو اپنی ذمہ داری میں اس کو لو۔ نہ خدا ورسول کی ذمہ داری میں ؛

بابُ ۱۶۳ النّھی عن المثلۃ

باب ۱۶۳ مثلہ سے ممانعت کا بیان!

۳۲۰/۱

ابو حنیفۃ عن علقمۃ عن ابن بریدۃ عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن المثلۃ ؛

حضرت بریدہ رضہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے ؛

تشریح:۔ مثلہ کے معنی ہیں مقتول کے ہاتھ پیر۔ ناک۔ کان۔ زبان وغیرہ کاٹ دینا اسلام میں اس کی سخت ممانعت ہے اور آنحضرت نے اس عمل سے سختی سے روکا ہے کہ یہ درندگی و وحشیانہ عمل اسلام کی شان کے خلاف ہے۔ اسلام امن و امان کا دین ہے ؛

۳۲۱/۲

ابو حنیفۃ عن اسماعیل بن حماد وابیہ والقاسم بن معن وعبد الملک عن عطیۃ القرظی قال عرضنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم قریظۃ فامر ان یقتل کبارھم وسبی صغارھم فمن انبت قتل ومن لم ینبت استحیی ؛

وفی روایۃ قال عرضت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انظروا

عطیہ قرظی رضہ سے روایت ہے کہ قریظہ کی لڑائی میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائی میں پیش ہوئے تو آپ نے کھڑے ہو کر حکم دیا کہ بڑے تہ تیغ کئے جائیں اور چھوٹے غلام بنائے جائیں تو جس کے موئے زیر ناف نکلے تھے وہ قتل کر دیا گیا۔ اور جس کے نہ نکلے وہ زندہ چھوڑ دیا گیا ؛

اور ایک روایت میں ہے کہ عطیہ نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کیا گیا

فان كان انبت ناضربوا عنقه فوجد وفي لم أنبت فخلى سبيلي ۔

تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو اگر اس کے موئے زہار نکلے ہوں تو اس کی گردن مارو۔ لہٰذا انہوں نے مجھ کو چھوڑ دیا ۔

وفي رواية قال كنت من سبي قريظة نعرضت على النبي صلى الله عليه وسلم فنظروا في عانتي فوجدوني لم انبت فالحقوني بالسبي ۔

اور ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ قریظہ کی لڑائی کے قیدیوں میں میں بھی تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کیا گیا تو لوگوں نے میرے زیر ناف بال نہ پائے ۔ لہٰذا مجھ کو قیدیوں میں چھوڑ دیا گیا ۔

تشریح :- اس حدیث میں بالغ و نابالغ کی شناخت کا ایک صحیح طریقہ بتایا گیا ہے۔ کیونکہ نابالغ مقاتلہ و لڑائی کی قابلیت نہیں رکھتے تو ان کو قتل کرنا ظلم کے مترادف ہے۔ لہٰذا ان کو زندہ رکھ کر قیدی بنا لیا گیا ۔

۲۲۲/۳ **ابوحنيفة** وابن ابي ليلى عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس ان رجلا من المشركين يوم الخندق قتل في الخندق فاعطى المشركون بجيفته مالاً فنهاهم رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك ۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ خندق کے دن ایک مشرک خندق میں قتل کیا گیا تو مشرکین اس کی لاش کے بدلے میں بہت کچھ مال دینے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ۔

تشریح :- یہ نہایت معیوب بات ہے کہ مردہ لاش فروخت کی جائے۔ اور اس کے بدلے مال لیا جائے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے باز رکھا۔ اور اس کو گوارا نہ فرمایا ۔

باب[۱۶۴] النهي عن ان يباع الخمس حتى يقسم !

باب[۱۶۴] خمس کو تقسیم سے قبل بیچنے کی ممانعت !

۲۲۳/۱ **ابوحنيفه** عن نافع عن ابن عمر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم خيبر ان يباع الخمس حتى يقسم ۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ کہ یوم خیبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس کو مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا ۔

تشریح :- مال غنیمت کی تقسیم سے قبل حصص کی خرید و فروخت ممنوع ہے۔ کیونکہ تقسیم کے پہلے ملک نہیں ہوتی۔ اور جب ملک ثابت نہ ہو تو بیع جائز نہیں ۔

۳۲۴/۲
ابوحنیفة عن مقسم عن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یقسم شیئا من غنائم بدر الا بعد مقدمہ بالمدینة ؃

حضرت ابن عباس رضہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی غنیمت سے کوئی شے تقسیم نہیں فرمائی۔ مگر مدینہ تشریف لانے کے بعد ؃

تشریح:- امام اعظم کے نزدیک مال غنیمت کی تقسیم دار الحرب میں بلا ضرورت جائز نہیں۔ اور امام شافعی و مالک کے نزدیک جائز ہے۔ یہ اختلاف اس وجہ سے ہے کہ امام اعظم کے نزدیک غانمین کی ملک مال غنیمت میں ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ وہ دار الاسلام میں محفوظ نہ کر لیا جائے اور ان دونوں اماموں کے نزد ملک ثابت ہو جاتی ہے اور اسی اصول کی وجہ سے ان حضرات میں بہت سے مسائل کا اختلاف پیدا ہو گیا ؃

كتاب البيوع — خرید و فروخت کے احکام

باب ۱۶۵ التقوى عن المشتبهات — باب ۱۶۵ - مشتبہ چیزوں سے پرہیز

۳۲۵/۱
ابوحنیفة عن الحسن عن الشعبی قال سمعت النعمان یقول علی المنبر سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الحلال بیّنٌ والحرام بیّنٌ وبین ذالک مشتبهاتٌ لا یعلمهنّ کثیرٌ من الناس فمن اتقی الشبهات استبرأ لدینه وعرضه ؃

شعبی کہتے ہیں کہ میں نے نعمان کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر اور ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں۔ جن کو بہت لوگ نہیں جانتے۔ پس جنہیں نے شبہ کی چیزوں سے پرہیز کیا۔ اس نے اپنا دین و آبرو بچالی ؃

تشریح:- یہ حدیث پورے دین اسلام کا ایک اجمالی خاکہ ہے۔ اور تقوی کا ایک بلند معیار قائم کرتی ہے۔ یعنی حلال ظاہر الثبوت چیزیں ہیں جن کا حلال ہونا صاف اور کھلے الفاظ میں دین اسلام میں بیان ہو چکا ہے۔ مثلاً کھانے پینے پہننے و دیگر استعمال کی وہ اشیاء جو عام طور پر مسلمان بلا شک و شبہ استعمال میں لاتے ہیں۔ اسی طرح وہ چیزیں حرام ہیں جن کی حرمت پر آیات قرآنیہ بتصریح وارد ہیں۔ مثلاً شراب۔ سود۔ مردار وغیرہ۔ اب رہیں مشتبہات تو وہ گویا حلال و حرام اشیاء کی درمیانی چیزیں ہیں۔ جن میں حرمت کی بھی گنجائش ہے اور حلت کا بھی احتمال۔ یعنی یہ حلت و حرمت کے درمیان گھری ہوئی ہیں اور ہر دو کی محتمل۔ مثلاً ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ پھر کسی نے یہ شک ڈلوا دیا۔ کہ یہ عورت اس شخص کی رضاعی بہن ہے۔ تو یہ منکوحہ عورت اس کے حق میں مشتبہ ہو گئی۔ تو ان کے بارہ میں تقوی تو یہی ہے جو حدیث میں ذکر کیا گیا کہ مسلمان ان

مشتبہات سے بھی پرہیز کریں۔ کہ گناہ سے آلودگی کا احتمال تک لہٰذا ہے اور دین و عزت کا دامن یقیناً الزام طعن و تشنیع سے پاک رہو۔ لیکن حقیقت میں علمار کا اس بارہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مشتبہات کا شمار حرام اشیار میں ہے ان سے انسان ایسا ہی بچے۔ جیساکہ حرام قطعی سے سے بچتا ہے۔ بعض اس کے قائل ہیں کہ یہ مباح ہیں کیونکہ اصل اشیار میں اباحت ہے جیساکہ قرآن میں ارشاد ہے۔ ھوالذی خلق لکم مافی الارض جمیعاً چنانچہ جمہور علمائے حنفیہ و شافعیہ کا یہی مسلک ہے اور اسی مسلک سے بہت سے مسائل نکلتے ہیں۔ بعض اس خیال کے حامی ہیں کہ ان کے بارہ میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ آیا یہ چیزیں حرام ہیں یا مباح ؛

بَابُ اللّعنِ عَلَی الخَمرِ وَمُتَعَلِّقِیهَا ۱۹۶

شراب پر اور اس کے متعلقات پر لعنت ہے

۳۲۶ ح ۱ **ابو حنیفة** عن حماد عن سعید بن جبیر عن ابن عمر قال لعنت الخمر و عاصرھا و ساقیھا و شاربھا و بائعھا و مشتریھا ؛

سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ نے کہا کہ لعنت کی گئی شراب پر اس کے نچوڑنے والے اس کے پلانے والے اسکے پینے والے۔ اس کے بیچنے والے اور اس کے خریدنے والے پر ؛

تشریح :۔ ترمذی میں حضرت انسؓ سے اس مضمون کی مرفوع حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں پر لعنت کی۔ شراب کے نچوڑنے والے۔ اس کا نچڑوانے والا اس کا پینے والا اس کو اٹھانے والے۔ وہ جسکی طرف وہ اٹھا کر لے جائی جائے۔ اس کا بیچنے والا۔ اسکی قیمت کھانے والا۔ وہ جس کے لئے وہ خریدی جائے۔ اور اس کا خریدنے والا۔ غرض شراب چونکہ قطعی حرام ہے۔ اس لئے اس سے کسی طرح کا بھی تعلق رکھنے والا قابل گرفت ہے۔ اور اللہ و رسول کیطرف سے لعنت کا سزاوار ہے ؛

۳۲۷ ح ۲ **حماد** عن ابیه عن محمد بن قیس قال سألت ابن عمر او ساله ابوکثیر عن بیع الخمر فقال قاتل الله الیھود حرمت علیھم الشحوم فحرموا اکلھا و استحلوا بیعھا و اکلوا اثمانھا و ان الذی حرم الخمر حرم بیعھا و اکل ثمنھا ؛

محمد بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے پوچھا۔ یا ابوکثیر نے ان سے شراب کے بیچنے کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے کہا کہ قتل کرے اللہ یہود کو کہ جب حرام کی گئی چربی ان کے لئے تو انہوں نے اس کا کھانا تو حرام رکھا۔ مگر اس کے بیچنے کو حلال قرار دیا۔ اور اس کی قیمت کھا گئے۔ حالانکہ جس نے شراب کو حرام کیا تو اس نے بیچنے کو بھی حرام کیا اور اس کی قیمت کو بھی ؛

تشریح:۔ بخاری میں اس طرح ہے کہ آنحضرت فرماتے ہیں کہ اللہ یہود پر لعنت بھیجے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی حرام کی تو انہوں نے اس کو پگھلایا۔ پھر اس کو بیچا اور اس کی قیمت کھالی۔ گویا یہ ایک حیلہ کیا۔ کہ چربی کو پگھلا کر اس کی صورت و شکل بدل ڈالی اور یہ سوچا کہ اب اس کا حکم بھی بدل گیا نعوذ باللہ یہ کیسی بددیانتی و فریب ہے، اور اللہ کے احکام کی بے حرمتی ہے۔ ابوداؤد میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب کسی قوم پر کسی چیز کو حرام فرمایا تو اس کی قیمت بھی اس پر حرام فرمائی۔ گویا حرمت کا یہ اصول ہر جگہ جاری و ساری ہے۔ لہٰذا ایسے لغو حیلہ کی آڑ پکڑ کر اللہ تعالیٰ کی عدول حکمی کرنا کھلی گمراہی ہے ؎

بَابُ ۱۶۷ اللّٰعَنِ عَلٰی اٰکِلِ الرِّبٰوا

باب ۱۶۷۔ سود خوار پر لعنت ہے

۳۲۸/۱ **ابوحنیفة** عن ابی اسحٰق عن الحارث عن علی رضؓ قال لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الرّبٰوا و موکلہ؎

حضرت علی رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی سود کھانے والے (دینے والے) اور کھلانے والے (دینے والے) پر ؎

تشریح:۔ امام احمد۔ دارقطنی اور طبرانی اوسط اور کبیر میں عبداللہ بن غظلہ سے مرفوع روایت اس مضمون کی لائے ہیں کہ ایک درم کے برابر سود کھانا جبکہ معلوم ہو۔ کہ یہ سود ہے چھتیس زناؤں سے زیادہ سخت ہے۔ بیہقیؒ شعب الایمان میں ابن عباس رضؓ سے جو روایت لائے ہیں اس میں اس معنی کے الفاظ زائد ہیں کہ جس شخص کا گوشت حرام کے مال سے بنا ہو تو وہ اسی کا سزاوار ہے کہ اس کو آگ کھائے۔ مسلم وغیرہ میں یہ حدیث یوں مروی ہے کہ سود کے کھانے کھلانے پر بھی آپ نے لعنت بھیجی ہے۔ اور اس کے لکھنے والے اور اس پر گواہی دینے والے پر بھی۔ گویا اللہ و رسول کے نزدیک سود اس قدر سخت گناہ ہے کہ اس کے سلسلہ میں ذرا سا حصہ لینے والا بھی لعنت خداوندی کا مستحق ہے اور آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے اس پر لعنت کی گئی ہے ؎

بَابُ ۱۶۸ الرِّبٰوا فِی النَّسِیْئَةِ

باب ۱۶۸۔ سود ادھار ہی میں ہے

۳۲۹/۱ **ابوحنیفة** عن عطاء عن ابن عباسؓ عن اسامة بن زید قال انما الربٰوا فی النسیئة وما کان یدًا بیدٍ فلا باس؎

حضرت اسامہ بن زید رضؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ البتہ سود ادھار میں ہے۔ اور جو ہاتھوں ہاتھ ہو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ؎

تشریح:- سود کے مسئلہ کی مناسب تفصیل آگے آرہی ہے۔

باب ۱۶۹ الربوا فی الاشیاء الستۃ بالفضل!

باب ۱۶۹ - چھ چیزوں میں زیادتی سود ہے!

۲۳۰/۱ **ابو حنیفۃ** عن عطیۃ عن ابی سعید ن الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الذھب بالذھب مثلاً بمثل والفضل ربوا والفضۃ بالفضۃ وزنا بوزن والفضل ربوا والتمر بالتمر والفضل ربوا والشعیر بالشعیر مثلاً بمثل والفضل ربوا۔

وفی روایۃ الذھب بالذھب وزنا بوزن یدا بید والفضل ربوا والحنطۃ بالحنطۃ کیلاً بکیل یدًا بید والفضل ربوا والتمر بالتمر والملح بالملح کیلاً بکیل والفضل ربوا۔

حضرت ابی سعید خدری رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونا سونے کے بدلے میں ہے برابر برابر اور زیادتی سود ہے۔ اور چاندی چاندی کے عوض ہے۔ وزن میں برابر برابر اور زیادتی سود ہے کھجور کھجور کے بدلے میں ہے اور زیادتی سود ہے جو جو کے عوض ہے برابر برابر اور زیادتی سود ہے۔ اور نمک نمک کے بدلے میں ہے برابر برابر اور زیادتی سود ہے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ سونا سونے کے عوض میں ہے وزن میں برابر برابر ہاتھ در ہاتھ۔ اور زیادتی سود ہے اور گیہوں گیہوں کے عوض میں ہے ناپ میں برابر برابر ہاتھ در ہاتھ اور زیادتی سود ہے اور کھجور کھجور کے عوض اور نمک نمک کے بدلے ناپ میں برابر برابر اور زیادتی سود ہے۔

تشریح:- ربوا جس کو عرف عام میں سود کہا جاتا ہے۔ لغت میں زیادتی کے معنی میں ہے۔ لیکن اصطلاح شرعی میں خاص اس زیادتی کا نام ہے۔ جو دو مالوں کے تبادلہ میں بغیر کسی عوض یا بدل کے لی دی جاوے۔ ربو کی دراصل دو قسم ہے۔ ایک ربوا النسیہ کہ نقد کو ادھار یا قرض پر بیچیں دوسرا ربوا فضل کو ہاتھ در ہاتھ نقد النقدین وزن ہو زیادتی کے ساتھ۔ حرمت ربوا کے پارہ (۳) میں قرآنی حکم یہ فرمان خداوندی ہے، واحل اللہ البیع وحرم الربوا کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور ربوا کو حرام اس آیت کریمہ نے ربوا سے معنی لغوی مطلق زیادتی تو بالاتفاق مراد نہیں تو گویا نص قرآنی مجمل ہوئی اور محتاج تشریح چنانچہ احادیث ہیں اس کی تشریح ہے۔ احادیث میں اصلی حدیث وہ ہے۔ جس میں آنحضرت نے چھ اشیاء سونا۔ چاندی۔ گیہوں۔ جو۔ تمر۔ نمک۔ کو گنایا ہے۔ یہ حدیث حضرت عبادہ بن صامت سے ان الفاظ میں مروی ہے۔ الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل سواء بسواء یدا بید فان اختلفت ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید۔ کہ آنحضرت نے فرمایا سونا سونے کے عوض چاندی چاندی کے عوض گیہوں گیہوں

کے عوض۔ جو جو کے عوض۔ کھجور کھجور کے عوض اور نمک نمک کے عوض۔ برابر برابر دست بدست پس اگر یہ اشیاء آپس میں مختلف ہوں تو جیسا چاہو ان کو فروخت کرو۔ جبکہ نقد در نقد سودا ہو اس حدیث کو سوائے بخاری کے سب اصحاب صحاح لائے ہیں۔ حضرت ابی سعید کی یہ حدیث بھی اسی مضمون کو قدرے اجمال سے بیان کرتی ہے۔ غرض یہ حدیث سولہ اصحاب سے مروی ہے۔ اصحاب ظاہر چونکہ قیاس کا انکار کرتے ہیں۔ اس حدیث کے حکم کو ان ہی چھ اشیاء پر محدود رکھتے ہیں۔ مگر ائمہ مجتہدین اس میں قیاس کو دخل دیتے ہوئے اس میں علت حکم کو ٹٹولتے ہیں اور علت کے ساتھ حکم حرمت کو دوسری طرف لے جاتے ہیں۔ تلاش علت میں ائمہ کے درمیان اختلاف رونما ہوتا ہے۔ بہر حال سب ائمہ میں نقطہ اختلافی یہی حدیث ہے۔ جدا جدا علت حکم حرمت دریافت کرنے سے مختلف مسالک عالم وجود میں آئے ہیں۔ اور ان پر مختلف مسائل کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ مثلاً امام ابوحنیفہ رح نے تمام حدیث کے پیش نظر علت دو چیزیں قرار دی ہیں ایک جنس دوسری قدر۔ قدر سے مراد وزنی اشیاء کا وزن ہے اور کیلی اشیاء (ناپی جانے والی چیزوں میں) کیل (ناپ) ہے۔ کیونکہ حدیث میں مثلاً بمثل سے مماثلت کیطرف اشارہ ہے کہ یہ حرمت زیادتی تب ہے کہ ان میں مماثلت ہو تو گویا بنائے حرمت مماثلت ہے اور جنسیت سے باطنی۔ لہٰذا اس علت جنس و قدر کے ساتھ حکم حرمت فضل دور کرے گا۔ جہاں ہر دو جزء علت موجود ہوں گے وہاں دست بدست زیادتی بھی ناجائز ہے اور ادھار بھی ناجائز۔ مثلاً اشیاء مذکورہ فی الحدیث میں کہ سونا سونے کے عوض نقد در نقد برابر برابر چاندی چاندی کے بدلے برابر برابر دست بدست وغیرہ وغیرہ۔ اگر علت کے ہر دو جزء نہ پائے جائیں کہ نہ جنس ایک ہو نہ قدر ایک تو نقد در نقد میں بھی زیادتی جائز ہے۔ اور ادھار بھی جائز۔ گویا فضل بھی جائز ہے اور نسیہ بھی۔ مثلاً گیہوں کو چاندی کے عوض بیچیں تو دونوں صورتوں میں جائز ہیں۔ کیونکہ یہاں نہ تو جنس ہی ہے۔ نہ اتحاد قدر کہ گیہوں کیلی ٹھیری۔ اور چاندی وزنی۔ اور اگر علت ایک جزء میں متفق ہو۔ دوسرے میں اختلاف تو زیادتی جائز ہے۔ یعنی ہاتھ در ہاتھ زیادتی سے بیچ سکتے ہیں۔ مگر اس میں ادھار جائز نہیں۔ مثلاً گیہوں کو چنوں کے عوض میں بیچا تو زیادتی حلال ہے۔ والنسیہ حرام۔ یعنی نقد النقد زیادتی لے دے سکتے ہیں۔ ادھار پر سودا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہاں جنس مختلف ہے اور قدر ایک کہ گیہوں اور چنے ہر دو کیلی ہیں۔ یا مثلاً گھوڑے کو گھوڑے کے بدلے بیچنا چاہیں تو بھی زیادتی جائز ہے کہ ایک گھوڑے کے بدلے دو دیں یا لیں۔ مگر نسیہ حرام کہ اس میں اگرچہ جنس ایک ہے۔ مگر قدر نہیں۔ کیونکہ گھوڑا نہ کیلی ہے نہ وزنی۔ امام احمد ایک روایت میں امام صاحب کے ساتھ متفق ہیں۔ امام شافعی اشیاء مذکورہ فی الحدیث میں سے چار چیزوں گیہوں۔ جو۔ کھجور۔ نمک سے علت طعم سمجھتے ہیں کہ وہ کھانے پینے کے کام میں آئے اور سونے چاندی سے ثمنیت کہ وہ قیمت بن سکے۔ ایک روایت میں امام احمد انہیں کے ساتھ ہیں۔ امام شافعی مزید حجت کے لئے ایک اور حدیث سے دلیل لاتے ہیں وہ حضرت معمر بن عبداللہ کی حدیث ہے جو مسلم وغیرہ میں بدیں الفاظ مروی ہے۔ کنت اسمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول

الطعام بالطعام مثل بمثل وکان طعامنا یومئذ الشعیر - کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنتا تھا - کہ کھانا کھانے کے بدلے میں ہے برابر برابر اور ان دنوں میں ہمارا کھانا جو تھا - کہ یہاں طعام کا علت ہونا معلوم ہوتا ہے - ان کے نزدیک ترکاری میوے اور ادویات میں تفاضل وزیادتی ربوا ہوگا - کیونکہ ان میں طعم وقوت ہے مگر لوہے تانبے پیتل چونے وغیرہ میں نہیں کہ ان میں سے ہر ایک چیز کو اس کے ہم جنس سے زیادتی سے بیچا جا سکتا ہے - امام مالک ان چار اشیاء مذکورہ فی الحدیث سے علت ربوا قوت اور مدخرہ ہونا سمجھتے ہیں - یعنی جن چیزوں کا ذخیرہ ہو سکے - ان چار میں ربوا حرام ہے - اور اور جن کا ذخیرہ نہ ہو سکے ان میں نہیں - کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے حرمت فضل میں ان چیزوں کو بیان فرمایا جو قوت بننے اور ذخیرہ ہونے کے قابل ہیں - لہذا یہی علت قرار پائی - اسی بنا پر ترکاریاں میوہ جات اور وہ کھانے پینے کی چیزیں جو نہیں رکھی جا سکیں - ان میں ان کے نزدیک ربوا نہیں ان میں سے ایک کو دو کی جگہ لے دے سکتے ہیں - اور سونے چاندی میں ان کے نزدیک بھی ثمنیت ہے گویا امام شافعی کے ساتھ یہ اس شعبہ خیال میں متفق ہوئے - امام صاحب کی سمجھی ہوئی علت اول تو حدیث ذیل یا حدیث عبادہ بن صامت کے الفاظ مثلاً بمثل سے بطریق مذکورہ صاحب کی سمجھی ہوئی علت اول تو حدیث ذیل یا حدیث عبادہ بن صامت کے الفاظ مثلاً بمثل سے بطریق مذکورہ صاف آشکارا ہے - پھر امام صاحب کا یہ صرف قیاس ہی نہیں - بلکہ ان کا یہ قیاس ایک صریح نص سے بھی مل جاتا ہے - جس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں - چنانچہ دار قطنی اور بزار حضرات عبادہ اور انس سے مرفوع حدیث لائے ہیں - جو اس حدیث ربوا کی گویا کھلی ترجمان ہے - اور امام صاحب کے قیاس کی صحت کی صاف دلیل - اس کے الفاظ اس طرح ہیں - انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کل مایوزن مثل بمثل اذا کان من نوع واحد وما یکال مثلہ واذا اختلفا النوعان فلاباس بہ - کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہر تولی جانے والی چیزیں برابر برابر ہیں جبکہ ایک ہی نوع سے ہوں ایسے ہی وہ چیزیں جو ناپی جاتی ہیں اور جب نوعوں میں اختلاف ہو تو کوئی پروا نہیں - اب امام شافعی کی حجت حضرت معمر کی حدیث کے مقابلہ میں ہمارے احناف کے پاس آنحضرت کا یہ عام فرمان ہے - لاتبیعوا الدرھم بالدرھمین ولا الصاع بالصاعین کہ ایک درم کے بدلے دو درم اور ایک صاع کے بدلے دو صاع نہ بیچو کہ جو مطعوم وغیر مطعوم سب کو شامل ہے - لہذا امام صاحب کا قیاس اقرب الی الصواب ہے۔

بَابُ ۱۷۰ اشتراء العبدین بعبد!

باب ۱۷۰ - دو غلاموں کو ایک غلام کے بدلے میں خریدنا!

۲۳۱/۱ ابو حنیفۃ عن ابی الزبیر عن جابرؓ

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اشتری عبدًا بعبدین ؛

صلی اللہ علیہ وسلم نے دو غلاموں کو ایک غلام کے بدلے میں خریدا ؛

تشریح :- یعنی یہ خریداری دست بدست ہوئی نہ ادھار اور وعدہ پر اور یہ بنا بر تفصیل سابق جائز ہے - کیونکہ یہاں ہر دو عوض ہم جنس ہیں اور ان میں قدر نہیں کہ غلام نہ کیلی ہے نہ وزنی گویا یہ وہ صورت ہے کہ ربوا فضل اس میں جائز ہے ادھار نسیہ حرام ؛

۲۳۲/۲ **ابوحنیفة** عن عمرو بن دینار عن طاؤس عن ابن عباسؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال من اشتری طعامًا فلا یبعه حتی یستوفیه ؛

حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو غلہ خریدے وہ اس کو نہ بیچے تاوقتیکہ اس کو پورا نہ لے لے ؛

تشریح :- بخاری میں ہے کہ وہ چیز جس سے آنحضرت نے منع فرمایا - وہ غلہ ہے جو قبضہ سے پہلے بیچا جائے - مسلم میں بعینہ یہی حدیث امام ہے صرف "اشتری" کی جگہ "ابتاع" ہے - یہ حدیث بھی ائمہ اربعہ کے مابین ایک لحاظ سے اختلافی ہے امام مالک اس حکم کو مورد نص یعنی طعام (غلہ) ہی کے ساتھ مخصوص رکھتے ہیں - یعنی ان کے نزدیک غلہ کے علاوہ چیزوں کا قبل استیفار کے بیچنا جائز ہے - امام احمد اس حکم کو ہر وزنی اور کیلی چیز پر جاری و نافذ جانتے ہیں - امام ابوحنیفہ رح ہر منقول چیز کو اس حکم کے ماتحت لاتے ہیں اور زمین کی بیع جائز ہے - امام شافعی کے نزدیک یہ حکم ہر چیز کی بیع بغیر قبضہ کرنے کے جائز نہیں اور زمین پر گویا امام مالک رح کے نزدیک دائرہ نفاذ حکم حدیث بالکل محدود و مقصود ہے - امام احمد رح کے نزدیک اس سے وسیع تر امام صاحب کے نزدیک اس سے بھی وسیع تر اور امام شافعی رح کے نزدیک اس سے زیادہ وسیع - امام صاحب اپنے مسلک خیال پر آنحضرت صلعم کے قول حتی یستوفیہ سے دلیل لاتے ہیں کہ استیفار کا تعلق اشیاء منقولہ سے ہے نہ غیر منقولہ سے یا حضرت ابن عمر رضؓ کی حدیث سے جو بخاری لائے ہیں - بدیں الفاظ نھاھم رسول الله صلی الله علیه وسلم عن بیعه فی مکانه حتی ینقلوه کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو منع فرمایا غلہ کے بیچنے سے اسی جگہ - یہاں تک کہ اس کو منتقل کر لیں - یعنی اس کی جگہ بدل لیں ؛

باب النهی عن بیع الغرر !

باب ۱۸۱ فریب والی بیع کی ممانعت !

۲۳۳/۱ **ابوحنیفة** عن نافع عن ابن عمرؓ قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن بیع الغرر ؛

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالے عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فریب والی بیع سے منع فرمایا ہے ؛

تشریح :- نووی کہتے ہیں کہ کتاب البیوع میں یہ حدیث ایک اصولی اور بنیادی حیثیت رکھتی ہے

اسی لئے مسلم اس کو شروع میں لائے ہیں۔ اور اس پر بیش از بیش مسائل کا دار و مدار ہے۔ یہ حدیث حلت و حرمت کا ایک جامع اصول و قاعدہ ہے اور جائز و ناجائز خرید و فروخت کے مابین ایک خط امتیاز ہے کہ جن اقسام بیع میں دھوکہ دھڑی ہو وہ قطعی حرام ہیں اور جن میں ایسا نہ ہو وہ بلاشبہ حلال ہیں یا یوں کہئے کہ یہ حدیث ایک کسوٹی ہے یا ایک معیار ہے جس سے ہر معاملہ بیع کے جواز و عدم جواز کو جانچا اور اور پرکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً بھاگے ہوئے غلام کی بیع۔ معدوم و غیر موجود کی بیع۔ ایک مجہول چیز کی بیع۔ یا اس چیز کا بیچنا جس کی سپردگی قابو سے باہر ہو۔ یا جس پر بائع کا پورا پورا قبضہ نہ ہو۔ یا پانی کی مچھلیوں پر سودا کرنا۔ یا جانور کے تھن کے دودھ پر خرید و فروخت کرنی۔ یا جانور کے پیٹ کے بچہ کو بیچنا۔ یا یوں کہہ کر بیچنا کہ ان بکریوں میں سے کوئی بکری بیچتا ہوں۔ یا کپڑوں میں سے کوئی کپڑا بیچتا ہوں۔ کہ یہ سب صورتیں اسی اصول کی روشنی میں ناجائز ہیں ؂

بَابُ[۱۶۲] النَّهى عَنْ بَيعِ المُزَابَنَةِ وَالمُحَاقَلَةِ!

باب[۱۶۲] ۔ بیع مزابنہ و محاقلہ سے ممانعت!

۲۲۴/۱ **ابو حنيفة** عن ابی الزبير عن جابر بن عبد الله الانصاری عن النبی صلى الله عليه وسلم انه نهى عن المزابنة والمحاقلة:

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا ہے ؂

تشریح :- مزابنہ کی یہ ہے کہ کسی قدر کیل و ناپ سے درخت پر تر کھجور کو خشک کھجور کے بدلے میں بیچا جائے۔ یا اگر انگور ہیں۔ تو بیل پر لگے ہوئے تر انگوروں کو خشک انگوروں کے عوض بیچا جائے۔ محاقلہ کی یہ ہے کہ بالیوں میں جو گیہوں ہیں ان کی بیع کی جائے چند کیل خشک گیہوں کے عوض بیچا جائے ہر دو صورتیں اصول مذکورہ کے تحت ناجائز ہیں۔ کیونکہ یہاں مبیع مجہول ہے اور اس میں دھوکے کا احتمال ہے۔ بیع کی یہ شکلیں چونکہ ایام جاہلیت میں رائج تھیں۔ اس لئے ان کو علیحدہ بالتخصیص بیان فرمایا۔ اور ان کی حرمت پر صاف الفاظ میں تصریح فرمائی ؂ تاکہ کوئی شبہ باقی نہ رہے اور ہر عالم اور جاہل سمجھ لے ؂

باب ١٧٣ النهى عن اشتراء الثمرة حتى يشقح!

باب ١٧٣ - میوہ کو سرخ یا زرد ہونے سے پہلے خریدا جانا منع ھے!

٣٣٥/١ **ابو حنيفة** عن ابى الزبير عن جابر ان النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن ان يشترى ثمرة حتى يشقح ؛

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میوہ کو زرد یا سرخ ہونے سے پہلے خریدنے سے منع فرمایا ہے ؛

تشریح :- یعنی جب تک پھل اپنی طبعی عمر کو نہ پہنچیں ان کی خریدنا منع ہے ؛

٣٣٦/٢ **ابو حنيفة** عن جبلة عن ابن عمرؓ قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن السلم فى النخل حتى يبدو صلاحه ؛

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے پھل بیچنے سے یہاں تک کہ وہ صلاحیت کو پہنچ جائیں ؛

تشریح :- یعنی اگر درخت پر لگی ہوئی کھجور کو فروخت کیا جائے تو جائز نہیں۔ جب تک وہ اپنی مراد کو نہ پہنچ جائے۔ اگر اس کو درخت سے کاٹ کر بیچیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر پھل مکمل اور پکنے سے پہلے خریدنے سے ایک فریق کا نقصان ہے ؛

٣٣٧/٣ **ابو حنيفة** عن عطاء عن ابى هريرةؓ عن النبى صلى الله عليه وسلم قال اذا طلع النجم رفعت العاهات يعنى الثريا ؛

حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ستارہ طلوع ہو جائے۔ تو پھلوں پر سے آفتیں ٹل گئیں۔ یعنی ثریا ؛

تشریح :- بلاد حجاز میں موسم گرما کے شروع میں ثریا فجر کے ساتھ نکلتا ہے۔ تو گویا یہ پھلوں پر آفات کے ٹل جانے کا ایک پیغام ہوتا ہے۔ اور ان کے مراد پہ پہنچ جانے کی سب سے بڑی نشانی ؛

باب ١٧٤ الاشتراط من المشترى!

باب ١٧٤ - مشتری کی طرف سے شرط کر لینے کا بیان!

٣٣٨/١ **ابو حنيفة** عن ابى الزبير عن جابر بن عبد الله الانصارى عن النبى

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے بیچا

صلی اللہ علیہ وسلم قال من باع نخلاً موبراً او عبداً وله مال فالثمرة والمال للبائع الا ان یشترط المشتری ؛

وفی روایة من باع عبداً وله مال فالمال للبائع الا ان یشترط المبتاع ومن باع نخلاً موبراً فثمرته للبائع الا ان یشترط المبتاع ؛

قلم لگایا ہوا کھجور کا درخت یا اس غلام کو جسکا مال ہے۔ تو پھل اور مال بائع کے ہیں۔ مگر یہ کہ مشتری شرط کرلے ؛

ایک اور روایت میں ہے کہ جس نے غلام بیچا جسکا مال ہے تو مال بائع کا ہے۔ مگر یہ کہ مشتری شرط کرلے۔ اور جس نے بیچا کھجور کا درخت لگا ہوا۔ تو اس کے پھل بائع کے ہیں۔ مگر یہ کہ مشتری شرط کرلے ؛

تشریح :۔ مؤبّر کھجور کے اس درخت کو کہتے ہیں جس میں قلم لگایا گیا ہو۔ اس کی صورت یہ تھی کہ عرب کے لوگ درخت کھجور میں نر و مادہ دو قسمیں مانتے تھے۔ اور ایسا کرتے تھے کہ مادہ کو چیر کر اس میں نر کا کلمہ یا گابھہ پیوست کر دیتے تھے۔ اس ترکیب سے درخت پھل بہت دیتا تھا۔ اس طریقہ کو عربی میں تابیر اور اردو میں قلم لگانا کہتے ہیں ؛

اسی حدیث کی رو سے امام شافعیؒ امام مالک و امام احمدرح کا مسلک یہ ہے کہ اگر درخت کھجور مؤبّر ہو تو یہی حکم ہے کہ بغیر شرط کے پھل بائع کے ہیں اور مع شرط مشتری کے اور اگر مؤبّر نہ ہو تو بہر حال مشتری کے ہیں۔ امام اعظمؒ چونکہ اس دوسرے مفہوم کے قائل نہیں۔ اس لئے ان کے نزدیک نخل مؤبّر ہو یا غیر مؤبّر دونوں صورتوں میں پھل شرط سے مشتری کے ہوں گے۔ اور بغیر شرط بائع کے۔ گویا ان کے نزدیک حکم حدیث کے لئے تابیر کی شرط نہیں۔ ان کے نزدیک یہ قید بطور عادت اور بلحاظ اکثر حالت کے لگادی گئی۔ مزید براں امام محمدرح آنحضرت سے حدیث نقل کرتے ہیں۔ جس کا ذکر ہدایہ میں بھی ہے۔ کہ آنحضرت نے فرمایا من اشتری ارضاً فیہا نخل فالثمرة للبائع الا ان یشترط المبتاع کہ جس نے کوئی ایسی زمین خریدی کہ جس میں پھل لگے ہوئے کھجور کے درخت ہیں تو پھل بائع کے ہیں۔ مگر یہ کہ مشتری شرط کرلے۔ تو یہاں مؤبّر و غیر مؤبّر کی کوئی قید نہیں بلکہ مطلق ہے تو معلوم ہوا کہ یہ حکم دراصل تابیر کی قید سے مقید نہیں ؛

باب ۱۷۵ النهی عن السوم علی السوم !

باب ۱۷۵۔ نرخ پر نرخ کرنے کی ممانعت ہے !

۲۳۹/۱ ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن ابی سعید الخدریؓ، وابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال لا یستام الرجل علی سوم اخیه

حضرات ابی سعید خدریؓ اور ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ نہ نرخ لگائے کوئی آدمی اپنے بھائی کے نرخ پر۔ اور اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نہ بھیجے اور نہ نکاح کیا

ولا ینکح علیٰ خطبة اخیه ولا تنکح المرأة علیٰ عمتها ولا خالتها ولا تسأل المرأة طلاق اختها لتکفئ ما فی صحفتها فان الله هو رازقها ولا تبایعوا بالقاء الحجر واذا استاجرت اجیرا فاعلمه اجره ؛

جائے اس عورت سے جسکی پھوپھی یا خالہ نکاح میں ہو اور نہ چاہیے کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کو تاکہ اس کے برتن یا پیالہ کی چیز اپنے میں الٹ لے۔ کیونکہ اسکا رازق اللہ ہے۔ اور پتھر ڈال کر بیع نہ کرو۔ اور جب کسی کو مزدور رکھو تو اس کو اسکی اجرت تبلادو ؛

تشریح :- اس حدیث میں بعض مسائل کے جزئیات بیان کئے گئے ہیں۔ جو معاشرتی زندگی میں ہر روز پیش آتے ہیں۔

پہلی بات حدیث میں نرخ پر نرخ لگانے کی ممانعت ہے وہ یہ کہ دو آدمیوں کے درمیان کسی چیز پر مول تول کر کے بعد معاملہ ٹھہر گیا ہو۔ یعنی بائع بیچنے پر راضی ہو گیا۔ اور خریدنے پر اور قیمت بھی مقرر ہو گئی۔ مگر ابھی لین دین عمل میں نہ آیا۔ تو ایسے وقت کسی کے لئے جائز نہیں کہ بھاؤ تاؤ کر کے اپنے بھائی کے معاملہ کو خراب کرنے کی کوشش کرے۔ ورنہ اگر معاملہ حد تک نہ پہنچا ہو تو ایک چیز پہ چند آدمیوں کا بھاؤ کرنا حرام نہیں۔ چنانچہ نیلام کی شکل جائز ہے۔ دوسرا پیغام پر پیغام بھیجنا اس صورت میں ناجائز ہے۔ کہ جانبین سے رضامندی ہو گئی ہو۔ اور ابھی عقد ہونا باقی ہو۔ کہ ایسی صورت میں بیچ میں دخل دینا منع ہے۔ لیکن اگر رضامندی نہ ہو تو اس صورت میں مختلف پیام بیک وقت بھیجے جا سکتے ہیں۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔ چنانچہ فاطمہ بنت قیس کے لئے معاویہ اور ابی جہم کیطرف سے بیک وقت پیام آئے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برا نہ بتایا۔ پھر آخر حضرت اسامہ سے نکاح قرار پایا۔

تیسرے اپنی بہن کی طلاق چاہنے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک اجنبی عورت کسی عورت کی مرفہ الحالی پر رشک کر کے اس کے خاوند سے مطالبہ کرے کہ اس کو طلاق دے کر اس کو نکاح میں لاوے۔ تاکہ نان ونفقہ اور دیگر اسباب معیشت جو مطلقہ کو نصیب تھے وہ اس کو میسر آجائیں۔ اسی کو آنحضرت نے بطور تشبیہ و مثال دوسرے کے برتن کی چیز اپنے برتن میں انڈیلنا کہا ہے۔ تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ رازق اللہ ہی ہے۔ ایسا نہ رزق کے اندیشہ سے کرے نہ غربت کی فکر میں ؛

۲۴۴/۲ ابوحنیفة عن معن بن عبد الرحمن بن عبد الله بن مسعود عن عبد الله بن مسعود عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال اشتروا علی الله قالوا وکیف ذالک یا رسول الله قال تقولون بعنا الی مقاسمنا ومغانمنا ؛

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خریدو اللہ کے بھروسہ پر صحابہ نے عرض کیا۔ یہ کیسے یارسول اللہ آپ نے فرمایا (یوں کہ) تم کہتے ہو خریدا ہم نے ہمارے مذقول کی تقسیم یا مال غنیمت ملنے تک ؛

تشریح :- ارشاد نبوی کا منشا یہ ہے کہ اللہ کے بھروسہ پر چیزوں کی خریداری کرو جسکی غیر یقینی حالات وواقعات پہ معلق نہ رکھو۔ مثلاً کہیں کہ بخشش یا عطا یا تقسیم ہونے پر یا اموال غنیمت کی وصول یابی پر کیونکہ یہ اجل مجہول پر بیع کرنے کی شکل ہوئی۔ جو شریعت میں ناجائز ہے ؛

بَابُ ۱۷۶ اَلرُّخْصَةِ فِیْ ثَمَنِ كَلْبِ الصَّيْدِ!

باب ۱۷۶ ۔ شکاری کتے کی قیمت وصول کرنے میں رخصت ہے!

۳۴۱/۱ اَبُوْحَنِیْفَة عن الهیثم عن عکرمة عن ابن عباسؓ قال رخص رسول الله صلی الله علیه وسلم فی ثمن کلب الصید ؏

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے کی قیمت کی رخصت دی ؏

تشریح :- حدیث میں بیع کلب کا مسئلہ اس میں امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان اختلاف ہے ۔ لہٰذا ان ائمہ کا اختلاف اور مسئلہ کی صحیح صورت بتائی جاتی ہے ۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کتا خواہ شکاری ہو یا غیر شکاری اس کی خرید و فروخت ناجائز ہے ۔ وہ حدیث و قیاس سے دلیل لاتے ہیں ۔ احادیث میں ان کی دلیل فقہ حدیث ہے ۔ جو صحیحین میں ابن مسعود سے ان الفاظ میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کتے کی قیمت ۔ فاحشہ عورت کی اجرت اور کاہن کی مزدوری سے قیاس کے تحت یوں کہتے ہیں کہ کتا نجس العین ہے اور نجاست حقارت و ناقدری کو ظاہر کرتی ہے ۔ اور بیع عزت و قدر کو ظاہر کرتی ہے تو ہر دونوں کیسے جمع ہوں گے ۔ اس لئے یہ بیع جائز نہیں ۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس عام امتناعی حکم سے شکاری کتا اور وہ جس سے جانوروں کی نگہبانی ۔ کھیتی کی حفاظت گھر کی پاسبانی کا کام لیا جائے مستثنیٰ ہیں ۔ تابعین میں سے بہت سوں کا یہی مسلک ہے مثلاً عطاء زہری وغیرہ اسی کے قائل ہیں ۔ امام صاحب کے مسلک پر محکم و پختہ دلیل یہی حدیث ہے ۔ جو متن کے لحاظ سے بھی واضح ہے اور اسناد کی رو سے بھی درست ۔ ہیثم بن حبیب الصیرفی کے ثقہ ہونے میں کسی کو شک نہیں ۔ عکرمہ اور ابن عباس کی ثقاہت بھی معروف ہے ۔ لامحالہ اس مسلک کی بنیاد کو قوی کرتی ہے ۔ مثلاً ترمذی میں حضرت ابی ہریرہ رضؓ سے روایت بدیں الفاظ وارد ہے ۔ نھٰی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ثمن الکلب الا کلب صید کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کتے کے داموں سے مگر شکاری کتے کے ۔ گو ترمذی نے اس کو صحیح نہیں بتایا ۔ مگر دوسری روایات اس کی تائید میں موجود ہیں سب سے پہلے یہی حدیث ذیل تو ان سے مل کر یہ استثناء کی حدیث اگر صحیح نہیں تو حسن تو ضرور ٹھہرتی ہے اور یہی بھی قابل حجت ہے ۔ بیہقی اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حماد کی روایت قیس سے صحیح نہیں جو اس حدیث میں ہے یہ دونوں مسلم کے رجال ہیں ۔ جن میں کسی کو کلام نہیں ۔ پھر بیہقی خود ایک سلسلہ سے حضرت جابر سے ان الفاظ کی حدیث لائے ہیں ۔ نھٰی عن ثمن الکلب والسنور الا کلب الصید کہ آپ نے منع فرمایا کتے بلی کے داموں سے مگر شکاری کتے کے ۔ اس میں یہ خلش پیدا کرتے ہیں کہ حماد نے جو اس کے سلسلہ میں ہے عن النبی صلی الله علیه وسلم نہیں گویا اس کو مرفوع نہیں کیا ۔ حالانکہ اہل جرح والتعدیل کے نزدیک یہ کھلی مرفوع حدیث ہے کہتے ہیں ۔ کہ

عبید اللہ بن موسیٰ نے حماد سے مرفوع روایت کرنے میں شک کیا ہے حالانکہ شک اس کے رفع میں خارج نہیں۔ اگر رفع حقیقی نہیں تو حکمی ہے۔ دارقطنی روایت کو حضرت جابر سے لائے ہیں اور اس کے الفاظ یہ ہیں لا اعلمه الا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ اس کو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے جانتا ہوں تو اب تو یہ بلاشک مرفوع ہوئی۔ مزید برآں بیہقی خود لکھتے ہیں کہ ہیثم بن جمیل نے حماد سے اس کی یوں روایت کی ہے۔ یعنی رسول اللہؐ یعنی اب رفع میں کیا شک رہا اور ہیثم ثقہ ہیں اور زیادتی ثقہ کی بے شک مقبول ہے۔ اسی طرح نسائی جابرؓ سے روایت لائے ہیں کہ نبی صلعم نے بلی کتے کی قیمت سے منع فرمایا۔ مگر شکاری کتے کی۔ اس کے راوی سب ثقہ ہیں۔ بہر حال ان استثناء کی احادیث میں سے کسی کی اسناد میں ضعف پایا بھی جائے تو وہ متابعات سے قوت پکڑ لیتی ہے اور حسن کے درجہ تک پہنچتی ہے جو حجت ہے۔ اب رہا ان احادیث کا جواب جن سے شافعی حجت لاتے ہیں تو ان کا جواب یا تو وہی ہے جو دیا گیا کہ یہ عام ہیں ہر کتے کی بیع کو روکتی ہیں اور یہ احادیث صحیحہ ان کی تخصیص کرتی ہیں اور شکاری یا کھیتی، گھر، جانوروں کی رکھوالی کرنے والے کتے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ یا یہ کہ مطلق ممانعت کی احادیث منسوخ ہیں کہ ابتداء میں ایسا ہی تھا کہ آنحضرتؐ نے کتے سے ہر قسم کا نفع حاصل کرنا حرام فرمادیا تھا۔ مگر بعد میں اجازت دی چنانچہ مروی ہے کہ آنجنابؐ نے شکاری کتے کے مار ڈالنے پر مارنے والے کو چالیس درم ادا کرنے کا حکم دیا اور کھیتی کی چوکسی کرنے والے کے مارنے پر ایک گبش کا۔ ابن الملک نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ممانعت کی احادیث میں کٹکھنا کتا اور وہ جو سدھایا ہوا نہ ہو مراد ہو اور ان میں وہ کتا جو سدھایا ہو اور نفع حاصل کرنے کے قابل۔ امام صاحب قیاس سے بھی اپنے مذہب کی دلیل لاتے ہیں وہ یہ کہ کتا از روئے شریعت بہر حال مال ہے کیونکہ اس کے پالنے اور اس سے نفع حاصل کرنے کی اجازت ہے چنانچہ بخاری میں ابی ہریرہؓ سے مرفوع روایت موجود ہے کہ جس نے کتا پالا اس کے عمل میں سے ہر روز ایک قیراط کم ہوتا ہے۔ مگر کھیتی اور جانوروں کا رکھوالا کتا۔ پھر ابن سیرین اور ابو صالح کے واسطہ سے جو روایت لائے ہیں اس میں شکاری کتے کا استثناء ہے۔ جب کتا مال ٹھہرا اور نفع حاصل کرنے کے بھی قابل اور ملک میں اس کا شمار ہوا تو اس پر خرید و فروخت بھی جائز ہے جس طرح اور تمام املاک پر۔ پھر اس کی ذاتی نجاست بیع میں خارج نہیں جس طرح امام شافعی نے سمجھا ہے کیونکہ مثلاً ہاتھی نجس ہے مگر اس میں خرید و فروخت جائز ہے اور ملک بھی قرار پاتا ہے اسی طرح کتا بھی نیز قرآن میں سدھائے کتے کا شکار حلال ہے تو یہ سدھایا ہوا کتا بغیر قیمت دیئے کہاں سے آئے گا بغیر قیمت ادا کئے تو آنے سے رہا۔

۳۴۲/۲ **ابوحنیفة** عن ابی یعفور عمن حدثه عن عبد اللہ بن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث عَتَّاب بن اُسید الی اهل مكة فقال انههم عن شرطين فی بيع وعن بيع وسلف وعن ربح مالم يضمن وعن بيع مالم يُقبض ؛

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا عتاب بن اسید کو اہل مکہ کی طرف یہ کہہ کر کہ منع کر دوان کو بیع میں دو شرطوں کے کرنے سے بیع اور قرض سے غیر مضمون چیز سے نفع اٹھانے سے اور قبضہ نہ کی ہوئی چیز کو بیچنے سے ؛

تشریح: حدیث میں دو شرطوں کی قید ہے کیونکہ بیع میں یہ دو شرطیں کرنا ناجائز ہے اور تفصیل یہ ہے۔ بیع میں دو شرطوں کے کرنے کی صورتیں چند ہیں جو سب کی سب ناجائز ہیں۔ ایک یہ کہ ایک شخص کسی کو اپنا غلام اس شرط سے بیچتا ہے کہ وہ اپنا گھر بھی اس کے ہاتھ بیچدے۔ دوسری یہ کہ کہے کہ میں یہ چیز تیرے ہاتھ نقد تو دس روپے میں بیچتا ہوں اور ادھار بیس میں تیسری یہ صورت جیسا کہ بعض نے لکھا ہے کہ کہے کہ مثلاً یہ کپڑا میں تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں اس شرط پر کہ اسکو دھلا

دوں گا اور سلوا دوں گا شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ایسا ہی لکھا ہے بیع اور قرض کی یہ شکل ہے کہ کہے کہ یہ چیز میں تیرے ہاتھ بیچتا ہوں اس شرط پر کہ تو مجھے اتنا روپیہ قرض دے دے۔

غیر مقبوضہ چیز سے نفع حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص سے کوئی چیز خریدی اور خریدار نے اس پر ابھی قبضہ نہیں کیا اور قبل قبضہ اس چیز سے کرایہ لینے کا حقدار بننے لگا۔ تو یہ اس کے واسطے جائز نہیں۔ بلکہ اس کے کرایہ کا حق بائع کو ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں اگر چیز کھو جائے تو چیز بائع کی ضائع ہوئی نہ خریدار کی تو اس سے نفع اٹھانے کا حقدار بھی بائع ہوگا نہ خریدار۔

بیع غیر مقبوضہ چیز کی شکل یہ ہی ہے کہ جو چیز ملک و قبضہ میں نہ ہو اسکو فروخت نہ کیا جائے اور اگر ایسا کیا تو یہ بیع حرام ہے۔

۳۴۳/۴ **ابوحنیفة** عن عبد الملك عن قزعة عن ابی سعید الخدری قال قال النبی صلی الله علیه وسلم لا یبتاع احدکم عبداً او لا امة فیه شیء طانه عقد فی الرق ۔

حضرت ابی سعید خدری رضی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ خریدے تم میں کوئی کسی غلام یا لونڈی کو جس میں کوئی علامت ہو۔ کیونکہ یہ گویا اس میں غلامی کی ایک گرہ ہے جو کھل نہیں سکتی

تشریح:۔ حدیث کے الفاظ مجمل ہیں۔ بعض نے شرط بتلین۔ را کے زبر کے ساتھ پڑھا ہے جس کے معنی علامت کے ہیں۔ اور حدیث کی تشریح یوں کی ہے۔ کہ جو غلام مثلاً مدبر ہو یا لونڈی ام ولد ہو تو اس کو نہ خریدو کیونکہ غلام کا مدبر ہونا اور لونڈی کا ام ولد ہونا ان میں نہ کھلنے والی گرہ ہے۔ بعض لفظ شرط بسکون را پڑھتے ہیں اور معنی معروف مراد لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ گویا ایک بیع میں دو بیعوں کی شکل ہوئی۔ جو حرام ہے۔

باب[۱۷۷] النظر عن المعسر!

باب[۱۷۷] تنگ دست کو مہلت دینا!

۳۴۴/۱ **ابوحنیفة** عن ابیه عن ابی مالك الاشجعی قال حدثنی ربعی بن حراش عن حذیفة قال یؤتی بعبد الی الله تعالی یوم القیامة فیقول ای ربی ما عملت الاخیرا ما اردت به الا لقاءك فکنت اوسع علی الموسر وانظر المعسر فیقول الله تعالی انا احق بذلك منك تتجاوزوا عن عبدی فقال ابو مسعود الانصاری واشهد علی رسول الله صلی الله علیه وسلم انه سمعه منه ۔

حضرت حذیفہ رض سے روایت ہے کہ قیامت کے دن ایک بندہ اللہ تعالیٰ کی پیشی میں لایا جائے گا تو وہ کہے گا اے میرے پروردگار میں نے کوئی کام نہیں کیا مگر نیک جس سے میں نے صرف تیری رضاجوئی و خوشنودی چاہی۔ پس میں ڈھیل دیتا تھا خوشحال کو اور درگذر کرتا تھا تنگدست سے۔ پس اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ میں اس (معافی و درگذر کرنے) میں تجھ سے زیادہ حق رکھتا ہوں (پھر فرشتوں کو حکم دے گا کہ) میرے اس بندے سے درگذر کرو۔ ابو مسعود انصاری نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ انہوں نے (حضرت حذیفہ نے) اس حدیث کو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ (یا یہ مطلب) کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے ؂

تشریح :- اس حدیث میں ایک نصیحت ہے۔ کہ معاملات میں لوگوں کے ساتھ نرمی برتنی اور لین دین میں ان کے ساتھ درگذر و معافی سے کام لینا اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ محبوب ہے، کیونکہ وہ بھی اپنے بندوں سے عفو و درگذر سے کام لیتا ہے۔ بعض اوقات امیر آدمی اچانک دیوالیہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس پر رحم کرنا اور درگذر سے کام لینا اس کے قرض لئے ہوئے میں مہلت دینا ثواب کا باعث ہے ؂

۳۴۵/۲ **ابو حنیفة** عن اسماعیل عن ابی صالح عن ام هانیٔ قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من شدّد علیٰ امتی بالتقاضی اذا کان معسرا شدّد الله تعالیٰ فی قبره ؂

حضرت ام ہانی کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری امت کے تنگدست پر تقاضے میں سختی برتی تو اللہ تعالےٰ قبر میں اس کے ساتھ سختی برتے گا ؂

تشریح :- اس حدیث میں قرضدار کو مہلت دینے کا ثواب بیان کیا ہے۔ کہ جو قرضدار تنگدست نادار مفلس ہو اور فی الوقت ادائیگی قرض پر قدرت نہ رکھتا ہے تو اس پر بے جا سختی برتنی اور طرح طرح کے دباؤ ڈال کر اس کے عرصہ حیات کو تنگ کرنا اللہ رب العزت کو سخت ناپسند ہے چنانچہ اس کی پاداش میں قرض خواہ پر اس کی قبر میں سختی کی جائے گی ؂

باب ۱۶۸ النهی عن الغشّ فی البیع والشراء

باب ۱۶۸ - خرید و فروخت میں دھوکے بازی کی ممانعت!

۳۴۶/۱ **ابو حنیفة** عن عبد الله عن ابن عمر عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال لیس منا من غشّ فی البیع والشرا ؂

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے خرید و فروخت میں دھوکے بازی کی وہ ہم میں سے نہیں ہے ؂

تشریح :- ہم میں سے نہ ہونے کا مطلب یہ کہ اس میں ہم مسلمانوں جیسے اخلاق و عادات نہیں اور نہ وہ سنت اسلامی پہ ہے۔ ترمذی میں حضرت ابی ہریرہ سے اس مضمون کی روایت وارد ہے کہ آنحضرت ایک مرتبہ غلہ کے ایک ڈھیر پر سے گذرے آپ نے اس کے اندر اپنا ہاتھ ڈالا۔ تو آپ کی انگلیوں تر ہو گئیں آپ نے غلہ کے مالک سے فرمایا۔ یہ تری کیسی اس نے کہا کہ یا رسول اللہ اس پر بارش پڑ گئی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر تو نے اس کو اوپر کیوں نہیں کر دیا۔ کہ لوگ اس کو دیکھ لیتے۔ پھر آپ نے فرمایا جس نے دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے ؂

حماد عن ابیه عن حماد بن ابی سلیمان قال اوّل من ضرب الدینار تُبّعٌ وهو اسعد ابو کرب واوّل من ضرب الدراهم تبّع الاصغر واوّل من ضرب الفلوس وادارها فی ایدی الناس نمرود بن کنعان ؛ ۳۴۷ ۲

حماد بن ابی سلیمان نے کہا کہ سب سے پہلا وہ شخص جس نے سونے پر سکہ لگایا تبع یعنی اسعد ابو کرب ہے، اور اول وہ آدمی جس نے چاندی پر سکہ لگایا، وہ تبع اصغر ہے اور پہلا وہ آدمی جس نے پیسہ کا سکہ نکالا اور اس کو لوگوں میں چلن دیا وہ نمرود بن کنعان ہے ؛

تشریح:- یہ کنعان حضرت نوح علیہ السلام کا پوتا ہے۔ روپے پیسے کا زور سب کو معلوم ہے ظاہر ہے کہ سب کا خیال اس کے ایجاد کرنے والے کی طرف جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں اسی شخص کی طرف اشارہ کیا جس نے یہ ایجاد کیا ؛

کتاب الرّهن ! [۱۶۹]

رہن کا بیان !

ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اشتری من یهودی طعامًا ورهنه درعًا ؛ ۳۴۸ ۱

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے غلہ خریدا۔ اور اس کے پاس زرہ رہن رکھ دی ؛

تشریح:- آنحضرت کی یہ رہن کردہ زرہ لوہے کی تھی۔ اور آپ نے تیس صاع کی مقدار میں جو خریدے تھے۔ اکثر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آنجناب کی زرہ تاوفات گروی رہی۔ ابن المطلاع نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کے وصال کے بعد چھڑایا۔ اس حدیث سے رہن کے کئی مفید کارآمد مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔ اول یہ کہ اس سے معلوم ہوا کہ یہود یا دیگر ذمیوں سے مسلمان لین دین وخرید وفروخت کے معاملات کر سکتے ہیں۔ اگرچہ یہود سود خوار ہے جس پر قرآن کریم شاہد ہے۔ گویا شریعت نے مسلمانوں کا ان کے ساتھ تجارتی لین دین رکھنا روا رکھا ہے۔ دوسرے یہ کہ جس کسی کا اکثر مال حرام ہو تو اس سے بھی کوئی چیز لی جا سکتی ہے۔ تاوقتیکہ یہ معلوم نہ ہو کہ یہ خاص چیز جو اس سے لی گئی ہے۔ بطریق حرام حاصل کی گئی تھی۔ تیسرے یہ کہ رہن حضر یعنی شہر میں بھی جائز ہے گو قرآن کریم میں سفر ہی کے سلسلہ میں اس کا ذکر آیا ہے۔ کیونکہ وہاں سفر کی قید اتفاقی ہے۔ پھر یہاں اس مسئلہ کی وضاحت بھی بے موقع نہیں ہوگی کہ گروی رکھی ہوئی چیز سے مرتہن (گروی لینے والا) نفع حاصل کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ کیونکہ شے کی قیمت اس کا ایک قرض ہے جو بذمہ راہن واجب الاداء ہے۔ اگر وہ شے مرہونہ سے بھی فائدہ اٹھائے تو قرض پر بلا بدل نفع ہوا جو کھلم کھلا سود ہے۔ اور حرام۔ شے مرہون محض مرتہن کے اطمینان وبھروسہ کے لئے رکھی جاتی ہے۔ نہ اس لئے کہ وہ اس سے مستفید ہو کیونکہ شے مرہون راہن کی ملک سے نہیں نکلتی اسی لئے اس کا نفع اسی کے لئے ہے اور اس کا تاوان

اسی کے ذمہ نہ مرتہن کے ذمہ پھر مرتہن کس طرح شے مرہون سے فائدہ اٹھانے کا حقدار ہو۔ چنانچہ شافعی سعید بن مسیب سے مرسل حدیث لائے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا لا یغلق الرھن الرھن من صاحبہ الذی رھنہ لہ غنمہ وعلیہ غرمہ کہ کسی شے مرہون کا رہن رکھنا اس کو اس شخص کی ملک سے نہیں نکالتا۔ جس نے اس کو رہن رکھا ہے اس کے لئے اس کا نفع ہے اور اسی پر اس کا تاوان۔ اسی بنا پر اکثر علماء کے نزدیک وہ حدیث منسوخ ہے۔ جو ترمذی حضرت ابی ہریرہ سے مرفوع لائے ہیں۔ اور اس کے الفاظ یوں ہیں الظھر یرکب اذا کان مرھونا ولبن الدر یشرب اذا کان مرھونا وعلی الذی یرکب ویشرب نفقتہ۔ کہ سواری کے جانور کی سواری لی جائے جب کہ وہ گروی ہو اور دودھ دینے والے جانور کا دودھ پیا جائے جبکہ وہ گروی ہو۔ اور جو سواری لیتا ہے یا دودھ پیتا ہے۔ اسی کے ذمہ اس کا خرچ یعنی چارہ وغیرہ ہے۔

كتاب الشفعة! [۱۸۰]

شفعہ کا بیان!

ابو محمد کتب الی ابن سعید بن جعفر عن سلیمان قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الجار احق بشفعته۔

حضرت سلیمان رض سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑوسی اپنے آئندہ شفعہ کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔ ۳۴۹ ح ۱

تشریح: مسئلہ شفعہ کی تفصیل آئندہ حدیث میں آرہی ہے۔

ابو حنیفة عن عبد الکریم عن المسور بن مخرمة قال اراد سعد بیع دارہ فقال لجارہ خذھا بسبعمائة فانی قد اعطیت بھا ثمانمائة دراھم ولکن اعطیتکھا لانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الجار احق بشفعته۔

حضرت مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن مالک نے اپنا گھر بیچنے کا ارادہ کیا۔ تو اپنے پڑوسی (حضرت ابو رافع) سے کہا کہ تم اس کو سات سو میں لے لو۔ اور البتہ مجھ کو اس کے آٹھ سو درہم ملتے ہیں۔ لیکن میں تم کو (کم قیمت صرف سات سو میں اس لئے) دینا چاہتا ہوں کہ میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے۔ کہ پڑوسی زیادہ حق دار ہے اپنے شفعہ کی وجہ سے۔ ۳۵۰ ح ۲

وفی روایة عن المسور عن رافع بن خدیج قال عرض علی سعد بیتاً فقال لہ خذہ اما انی قد اعطیت بہ اکثر مما تعطینی ولکنک احق بہ فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم

اور ایک روایت میں ہے کہ مسور رافع بن خدیج سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا۔ کہ حضرت سعد نے اپنے گھر کا معاملہ میرے سامنے پیش کیا۔ اور مجھ سے کہا کہ اس (گھر) کو تم لے لو اور البتہ مجھ کو اس سے زیادہ قیمت مل رہی ہے جو تم مجھ کو اس کی دیتے ہو۔ لیکن تم اسکے زیادہ حقدار ہو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی

يقول الجار احق بشفعته ۔

اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سن چکا ہوں کہ ہمسایہ زیادہ حقدار ہے اپنے شفعہ کے سبب ۔

وفي رواية عن المسور عن رافع مولى سعد انه قال لرجل يعني سعدًا اخذ هذا البيت باربعمائة فيقول اما اني اعطيت ثمانمائة دراهم ولكني اعطيتكه لحديث سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الجار احق بشفعته ۔

اور ایک روایت میں ہے کہ مسور رافع سعد کے آزاد کردہ غلام سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے یعنی سعد نے ایک شخص سے کہا کہ اس گھر کو تو چار سو میں لے لے اور یہ کہنے لگے کہ بیشک مجھکو اس کے آٹھ سو درم ملتے ہیں۔ لیکن میں تجھ کو اس حدیث کی وجہ سے دیتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ پڑوسی زیادہ حق دار ہے اپنے شفعہ کی وجہ سے ۔

وفي رواية عن سعد بن مالك انه عرض بيتا له على جاره باربعمائة ولكن سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الجار احق بشفعته ۔

اور ایک روایت میں حضرت سعد بن مالک سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے گھر کو چار سو درم میں اپنے پڑوسی کو دینا چاہا لیکن میں سن چکا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے کہ پڑوسی زیادہ حقدار ہے اپنے شفعہ کے سبب ۔

تشریح:۔ بعض روایت میں رافع بن خدیج کی "مولی سعد" سے شناخت کرائی ہے کہ وہ گویا سعد کے آزاد کردہ غلام تھے۔ مگر صحیح یہی ہے کہ وہ آنحضرت کے آزاد کردہ غلام تھے نہ سعد کے جیسا کہ بیشتر روایات بتاتی ہیں۔ یا ممکن ہے سعد کی طرف منسوب کر کے لفظ مولی دوست آشنا اور مددگار مراد لیا گیا ہو۔

شفعہ کے بارے میں تینوں ائمہ امام شافعی، امام احمد اور امام ابوحنیفہ کا اختلاف ہے۔ صورت اختلاف یہ ہے کہ ہر سہ ائمہ کے نزدیک شفعہ شریک کے لئے ہے نہ پڑوسی اور نہ ہمسایہ کے لئے۔ ان کی دلیل حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث ہے جس کو بخاری وغیرہ لائے ہیں کہ قضى النبي صلى الله عليه وسلم بالشفعة في كل مالم يقسم فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز میں شفعہ کا حکم صادر فرمایا۔ جو ابھی بانٹی نہ گئی ہو۔ پس جب حدیں قائم ہوں (یعنی ملک میں تقسیم عمل میں نہ آوے) اور راستے پھیر دیئے جائیں تو پھر شفعہ نہیں۔ امام ابوحنیفہ رح کے مسلک متعدد احادیث حجت ہیں۔ اول حدیث ذیل ہی یا اس سے پیشتر والی حدیث کہ اس میں پڑوسی کو شفعہ ہیں۔ امام ابوحنیفہ رح کے دوسرے حضرت ابورافع کی حدیث جو بخاری بدیں الفاظ لائے ہیں۔ انه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول الجار احق بشفعته کہ پڑوسی اپنی نزدیکی کے باعث (حق شفعہ کا) زیادہ حقدار ہے۔ تیسرے حضرت جابر رض کی حدیث جو بسلسلہ عبدالملک بن ابی سلیمان اور عطا سے

مروی ہے اور جس کو ترمذی اور دوسرے اصحاب صحاح لائے ہیں کہ الجار احق بشفعتہ ینتظر بہ وان کان غائبا اذا کان طریقہما واحدا ۔ یعنی پڑوسی اپنے شفعہ کے سبب زیادہ حقدار ہے اگر وہ غائب ہو تو اس کا انتظار کیا جائے گا ۔ یہ جب کہ ان کا راستہ ایک ہو ۔ چوتھے حضرت سمرہ رض کی حدیث جو ترمذی وغیرہ بدیں الفاظ لائے ہیں ۔ جار الدار احق بالدار کہ گھر کا پڑوسی گھر کا زیادہ حقدار ہے ۔ پانچویں نسائی حضرت جابر رض سے بطریق صحیح مرفوع لائے ہیں کہ قضی بالشفعۃ بالجوار کہ آنحضرت نے پڑوس کے باعث شفعہ کا حکم صادر فرمایا ۔ احناف کے مسلک کے بطلان میں مخالفین نے دو پہلو اختیار کئے ہیں ۔ اول تو یہ کہ احناف کے مذہب کی احادیث میں لفظ مجاورت سے مراد پڑوسی نہیں جو اس کے معنی مشہور ہیں ۔ بلکہ شریک اور کسی مکان یا زمین میں حصہ دار ۔ حالانکہ یہ بالکل بے کار محض دلیل اور رد ہے ۔ کیونکہ اول تو یہ حقیقت کے خلاف ہے ۔ اس کے حقیقی معنی وہ ہی معنی مشہور پڑوسی و ہمسایہ کے ہیں ۔ لامحالہ یہ معنی مجازی ہوں گے اور مجاز کے لئے قرینہ اور دلیل چاہیئے ۔ اور یہاں کوئی دلیل نہیں ۔ دلیل اگر ہے ۔ تو یہی کہ کسی صورت سے بڑی دلیل یہ ہی جانتے ہیں ۔ دوسرے دیگر روایات صحیحہ اس تاویل کی سخت تردید کرتی ہیں ۔ مثلاً نسائی ۔ ابن ماجہ ۔ ابن ابی شیبہ عمرو بن شرید سے روایت نقل کرتے ہیں اور وہ اپنے والد سے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری زمین میں نہ کسی کا کوئی حصہ ہے نہ شرکت البتہ پڑوس ہے تو آپ نے فرمایا کہ پڑوسی زیادہ حقدار ہے اپنی نزدیکی کی وجہ سے ۔ تو یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ حق شفعہ شرکت و حصہ داری کے علاوہ پڑوس کے سبب بھی ہے ۔ اور یہ کہ جار بہ معنی شریک نہیں ۔ اس کے زیادہ صاف حدیث چاہیئے ۔ چنانچہ امام حلوانی نہایت تعجب و افسوس سے کہتے ہیں ۔ ترک الشافعیۃ العمل بمثل ھذا الحدیث مع شہرتہ و صحتہ وھم سموا انفسہم باصحاب الحدیث وکیف یراد بالجار الشریک وقد اخرج ابن ابی شیبۃ الخ کہ شافعیہ نے اس جیسی حدیث پر عمل ترک کیا باوجود اس کے کہ وہ مشہور اور صحیح ہے ۔ حالانکہ انہوں نے اپنا نام اصحاب حدیث یا اہل حدیث رکھا ہے ۔ اور جار سے شریک مراد لیا ۔ جبکہ ابن ابی شیبہ یہ حدیث لائے ہیں پھر یہ ہی مذکورہ حدیث نقل کی ہے ۔ پھر مزید برآں نسائی ۔ ابن ماجہ طحاوی انہیں شرید سے بدیں الفاظ روایت نقل کرتے ہیں ۔ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الجار و الشریک احق بالشفعۃ ما کان یاخذھا دیترک کہ آپ نے فرمایا پڑوسی اور شریک زیادہ حقدار ہے شفعہ کے باعث جو بھی ہو ۔ یا تو لے لے اس کو یا چھوڑ دے ۔ تو اس میں شریک کا عطف جار پر کیا ہے جو مغایرت کو بتاتا ہے غرض اس قسم کی تمام روایات ناطق ہیں کہ جار کی تفسیر شریک سے کرنی کوئی معنی نہیں رکھتی دوسرا پہلو انہوں نے تردید مذہب حنفیہ میں یہ اختیار کیا کہ حضرت جابر کی صحیح احادیث جو عبدالملک بن ابی سلیمان کے واسطہ سے ہے اسکو ضعیف ثابت کرنے کے لئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا ۔ مگر یہ کوشش پہلی کوشش سے زیادہ مضحکہ خیز ہے ۔ ان کی یہ عادت ہے کہ جب کسی مذہب کے راوی کو کمزور دکھانا چاہیں تو پھر کسی نہ کسی جرح کرنے والے کو ٹٹول ہی لاتے ہیں ۔ اور اس سے غرض نہیں کہ وہ کون ہے ۔ ایک ہے

یا گئی - پھر اس کے قول کو اس قدر اچھالتے ہیں - چنانچہ یہاں ان کو صرف شعبہ مل سکے جنہوں نے عبدالملک میں کلام کیا ہے - تو ہم مشربوں کا پورا جتھہ کا جتھہ اس غریب پر لپیٹ پڑا - اور ہر طرف سے یہ آواز آنے لگی - کہ یہ ضعیف ہے - صاحب تنقیح نے صاف کہا ہے کہ اس حدیث کے ذیل میں شعبہ کے طعن عبدالملک میں کوئی قباحت نہیں پیدا کرتا - کیونکہ وہ ثقہ ہے اور شعبہ ماہرین فقہ میں نہیں - اور شعبہ کے علاوہ جنہوں نے اس میں کلام کیا ہے - وہ محض شعبہ کی اتباع میں - واقعی ان کی یہ عادت بھی ہے کہ جب کسی ایک کے ساتھ آواز ملاتے ہیں تو پھر وہ ایک شخص ایک نہیں رہتا - بلکہ ناس سے بدل جاتا ہے - اور کہنے لگتے ہیں کہ تکلم فیہ الناس کہ لوگوں نے اس میں کلام کیا ہے گویا ناس سے خود اپنے کو مراد لیتے ہیں اور یوں لوگوں کو ڈراتے ہیں - اس لئے صاحب تنقیح نے اس کی صراحت کی ہے - پھر صاحب تنقیح کہتے ہیں کہ مسلم عبدالملک سے حجت لاتے ہیں اور بخاری اس سے استشہاد کرتے ہیں - منذری نے بھی مختصر السنن میں اس بارے میں خوب کہا ہے - پھر ذرا ایک نظر بیہقی پر بھی ڈال لیے - کہ وہ کہتے ہیں - کہ شعبہ سے کسی نے کہا - کہ حضرت آپ عبدالملک کی حدیث کو چھوڑتے ہیں - صاحب کمال نے بھی ابن معین کا کلام نقل کیا ہے - کہ عبدالملک میں کلام کیا جاتا ہے - مگر عبدالملک ثقہ ہے - صدوق ہے - اس جیسے شخص میں کوئی خرابی نہیں نکالی جاسکتی - ترمذی نے بھی اس کے حق میں بہت کچھ لکھا ہے - مگر ان کا یہ اصول ہے جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں - کہ راوی کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ مخالف مذہب کی روایت رد کرے - لہٰذا ان کا یہ پہلو بھی کارگر نہ ہو - اور اب اس تمام بحث سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی کہ مذہب حنفیہ کی احادیث اپنے ظاہری معانی پر دال ہیں - اور کسی طرح قابل تاویل نہیں - البتہ حضرت جابر کی حدیث جو تینوں ائمہ کی حجت ہے اس کے کئی جوابات دیے جاسکتے ہیں - جو قرین قیاس ہیں - اور موافق عقل - اول یہ کہ ایک چیز کے ذکر کرنے سے دوسری چیز کا انکار کب نکلتا ہے - دوسرے حدیث میں اتنا جیسا کوئی کلمہ حصر نہیں کہ یہ حکم صرف شریک کے لیے ہو - تیسرے فلا شفعۃ کا لفظ جو اصل مغالطہ کا سبب ہے - اس سے یہ معنی مراد لینا کس قدر بعید از عقل اور دور از قیاس ہے - کہ جب حدود قائم کر دی جائیں - اور راستے پھیر دیے جائیں تو پھر کسی قسم کے شفعہ کا وجود نہیں - یہ معنی کیوں مراد نہ ہوں جو ہر سلیم العقل انسان سمجھتا ہے اور جو حقیقت میں مراد ہیں - کہ ایسی صورت میں پھر شرکت کا شفعہ نہیں - جس کا بیان چل رہا ہے - کیونکہ شفعہ شرکت کی طرح شفعہ جوار بھی تو اپنی ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے - جس کے اغراض بھی جدا ہیں اور آثار بھی جدا - تو اس کے انکار سے اس کا انکار کیوں ہو ۔

۳۵۱ ح۳ **ابوحنیفۃ** عن علی بن الاقمر عن مسروق عن عائشۃ قالت قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد احدکم ان یضع خشبتہ فی حائطہ فلا یمنعہ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی لکڑی اپنی یا اپنے پڑوسی کی دیوار پر رکھنی چاہے تو پڑوسی کو نہ چاہیے کہ اس کو اس سے روکے۔

تشریح:- اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرتؐ کا یہ حکم وجوبی ہے یا ندب کے طور پر۔ امام ابوحنیفہؒ شافعیؒ دوسری شق کے حامی ہیں اور امام مالک کے دو روایات ہیں ایک پہلی شق کے موافق دوسری دوسری کے مطابق؎

کتاب المزارعة! [۱۸۱]

مزارعت کا بیان!

ابوحنیفة عن ابی الزبیر عن جابر قال نھی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن المخابرة؎ ۳۵۲/۱

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا مخابرہ سے؎

تشریح:- مزارعہ ومخابرہ یہ دونوں لفظ قریب المعنی ہیں۔ زمین کرایہ پر دینے کی دو صورتیں ہیں۔ مزارعہ یہ کہ پیداوار کے کسی حصہ کے بدلے میں مثلاً ایک تہائی یا ایک چوتھائی کے عوض زمین کو کرایہ پر دیا جائے اور بیج مالک زمین کا ہو۔ مخابرہ میں بھی یہی صورت ہوتی ہے۔ مگر اس میں بیج عامل کا ہوتا ہے۔ یہ ہر دو صورتیں کرایہ پر دینے کی امام ابوحنیفہ وشافعیؒ کے نزدیک اسی جیسی احادیث کی روشنی میں ناجائز ہیں؎

ابوحنیفة عن ابی حصین عن رافع بن خدیج عن النبی صلی الله علیه وسلم انه مر بحائط فاعجبه فقال لمن هذا فقلت لی فقال من این هولك قلت استاجرته۔ قال فلا تستاجره بشیء منه۔ ۳۵۳/۲

وفی روایة ان النبی صلی الله علیه وسلم مر بحائط فقال لمن هذا فقلت لی وقد استاجرته فقال فلا تستاجره؎

حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ کے قریب گذرے جو آنجناب کو بہت پسند آیا۔ آپ نے فرمایا یہ کس کا ہے۔ (کہتے ہیں کہ) میں نے کہا یہ میرا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ یہ تم نے کہاں سے لیا۔ میں نے کہا کہ میں نے اسکو اجارہ پر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو پیداوار کے کسی حصہ کے عوض اجارہ پر نہ لینا۔

اور ایک روایت میں ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک باغ پر گذر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ کس کا ہے (حضرت رافع کہتے ہیں) میں نے کہا یہ میرا ہے۔ اور میں نے اس کو اجارہ پر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو اجارہ پر نہ لے؎

تشریح:- یہ زمین کو کرایہ پر لینے کی مذکورہ صورت جو اس حدیث میں بیان ہوئی۔ ناجائز ہے؎

كتاب الفضائل!

فضائل کا بیان!

باب ۱۸۲ فضائل النبى صلى الله عليه وسلم

باب ۱۸۲ - آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل!

۳۵۴/۱ ابو حنيفة عن الهيثم وربيعة عن انس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض وهو ابن ثلث وستين وقبض ابو بكر وهو ابن ثلث وستين وقبض عمر وهو ابن ثلث وستين۔

حضرت انس رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تریسٹھ سال کی عمر میں اور حضرت ابوبکر نے بھی تریسٹھ سال کی عمر میں۔ اور اسی طرح حضرت عمر رض نے بھی تریسٹھ ہی سال کی عمر میں۔

تشریح:- اس حدیث سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی کی صحیح عمر معلوم ہوئی۔ اور کئی دوسری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کی وفات بھی تریسٹھ ہی سال کی عمر میں ہوئی۔ گویا آنحضرت و خلفائے ثلاثہ نے ایک سن عمر میں وفات پائی۔ البتہ حضرت عثمان کی وفات تقریباً اسی یا اس سے کچھ زائد میں ہوئی۔

۳۵۵/۲ ابو حنيفة عن يحيى بن سعيد عن انس قال بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم على رأس اربعين سنة فاقام بمكة عشرا وبالمدينة عشرا وتوفى رسول الله صلى الله عليه وسلم وما فى لحيته ورأسه عشرون شعرة بيضاء۔

حضرت انس رض سے روایت ہے کہ آنحضرت مبعوث ہوئے چالیس برس کی عمر میں دس برس مکہ میں قیام فرمایا اور دس برس مدینہ میں اور جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کی ڈاڑھی اور سر میں بیس بال سفید نہ تھے۔

تشریح:- اس حدیث کی رو سے آنحضرت کی عمر پاک ساٹھ برس کی قرار پائی ہے۔ چنانچہ روایات مسلم و ترمذی میں اس کے ساتھ یہ ٹکڑا بھی زائد ہے کہ آپ نے ساٹھ برس کی عمر میں وفات پائی۔ مگر صحیح ترین روایت یہی ہے کہ آنجناب کی وفات پر حسرت آیات تریسٹھ سال کی عمر میں واقع ہوئی۔

۳۵۶/۳ ابو حنيفة عن ابى الزبير عن جابر رض قال كان النبى صلى الله عليه وسلم يعرف بريح الطيب اذا اقبل من الليل۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں تشریف لاتے تو آپ جسم مبارک کی خوشبو سے ہم آپ کو پہچان لیتے۔

تشریح :۔ دارمی نے حضرت جابر رضؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی راستہ سے گذرتے اور آپ کے پیچھے کوئی اس راستہ سے گذرتا تو آپ کے جسم مبارک کی مہک سے پہچان جاتا کہ آپ کا گذر اس راستہ سے ہوا ہے۔ حضرت ثابت بن انس سے یوں بھی روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عنبر یا مشک یا اور کسی خوشبو کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مہکتا نہیں پایا۔ اور چھونے میں دیباج یا ریشم کو آپ سے زیادہ نرم نہیں پایا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳۵۷ ۲/۴ **ابو حنیفۃ** عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله بن مسعودؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يعرف بالليل اذا اقبل الى المسجد بريح الطيب۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب مسجد میں تشریف لاتے تو اپنی پاکیزہ خوشبو سے پہچان لئے جاتے۔

تشریح :۔ آنجناب کو خوشبو بہت پسند تھی۔ اور آپ خوشبو بہت استعمال فرماتے تھے یہاں تک کہ جب راستہ چلتے تو ہوا معطر ہو جاتی۔ اور قرب و جوار میں خوشبو پھیل جاتی۔

۳۵۸ ۲/۵ **ابو حنیفۃ** عن محارب عن ابن عمر قال كان لى على النبى صلى الله عليه وسلم دين فقضانى وزادنى۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا کچھ قرضہ تھا۔ آپ نے وہ ادا فرمایا اور مجھ کو اور زیادہ دیا۔

تشریح :۔ گویا یہ زیادتی آنجنابؐ کی طرف سے ایک عنایت تھی۔

۳۵۹ ۲/۶ **ابو حنیفۃ** عن ابراهيم عن انس بن مالك قال ما مسست بيدى خزا ولا حريرا الين من كف رسول الله صلى الله عليه وسلم۔
وفى رواية ما رئى رسول الله صلى الله عليه وسلم مادا ركبتيه بين جليس له قط۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے نہیں چھوا کسی خز (ایک اون اور ریشم ملا ہوا کپڑا) یا ریشم کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔
اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے ہم جلیس سے زانوئے مبارک آگے بڑھائے ہوں۔

تشریح :۔ ترمذی میں حضرت انسؓ سے یوں روایت ہے کہ جب آپ کسی شخص سے مصافحہ کرتے تو جب تک وہ خود اپنا ہاتھ نہ کھینچتا۔ آپ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں سے نہ نکالتے۔ اسی طرح اس سے روگردانی نہ فرماتے۔ جب تک وہ خود منہ پھیر کر نہ چلا جاتا۔ اور زانوئے مبارک ہم جلیس کے سامنے نہ پھیلاتے۔

۳۶۰ ۲/۷ **ابو حنیفۃ** عن ابراهيم عن ابيه عن مسروق انه سأل عائشة عن خلق رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت

حضرت مسروق سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارہ میں معلومات چاہی۔ تو انہوں

اما تقرأ القرآن ؛ — نے جواب دیا کہ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ؛

تشریح :- گویا اس سوال سے یہ بتانا چاہتی ہیں کہ قرآن پورا کا پورا آنحضرت کی عادات طیبہ و خصائل محمودہ کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ اور آپ کی اخلاقی زندگی اور سیرت پاک کا نہایت واضح نقشہ سامنے رکھتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ خود آنحضرت اپنے اخلاق پاک عادات پسندیدہ و اعمال برگزیدہ سے قرآن کریم کی صحیح تفسیر و تشریح فرماتے تھے۔ لہٰذا جو آپ کے اخلاق سے ناواقف ہے تو وہ گویا قرآن مجید سے ناآشنا ہے۔ گویا ایک قرآن تو دفتیوں کے درمیان تھا اور دوسرا قرآن خود آنحضور کی ذات اقدس تھی ؛

۳۶۱/۸ **ابو حنیفة** عن مسلم عن انس رض قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجيب دعوة المملوك ويعود المريض ويركب الحمار ؛

حضرت انس رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلام کی دعوت قبول فرماتے۔ بیمار کی مزاج پرسی کرتے اور حمار پر سوار ہو لیتے ؛

تشریح :- غلام سے مراد وہ غلام ہے جو آزاد کر دیا گیا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر غلام اپنے آقا کی طرف سے آکر دعوت پیش کرتا تو آپ قبول فرماتے۔ یعنی اگرچہ خداوند تعالیٰ نے آنحضرت کو دین و دنیا کی بادشاہت و سرداری نصیب فرمائی تھی۔ لیکن کبر و نخوت و فخر و غرور و تمکنت و جھوٹی شان آنجناب کے پاس نہ پھٹکی تھی۔ بلکہ اعمال و برتاؤ اور معاملات میں تواضع انکساری۔ فروتنی ظاہر فرماتے۔ مثلاً غریب سا غریب آدمی دعوت پیش کرتا۔ تو قبول فرما لیتے۔ کوئی معمولی سا معمولی مسلمان بیمار ہوتا تو اس کی مزاج پرسی و عیادت کو تشریف لے جاتے اور اس کو تسلی دیتے ہو۔ سواری کے لئے کبھی حمار کو استعمال فرماتے۔ حالانکہ عرب میں امراء اونٹ و گھوڑے پر سوار ہوتے اور غربا حمار پر۔ مگر آپ تواضع کے طور پر حمار پر بھی سوار ہو لیتے ؛

۳۶۲/۹ **ابو حنیفة** عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة قالت كانى انظر الى بياض قدمى رسول الله صلى الله عليه وسلم حيث اتى الصلوة فى مرضه ؛

حضرت عائشہ رض کہتی ہیں کہ گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی سفیدی کو اب بھی دیکھ رہی ہوں جب کہ آپ اپنی بیماری میں نماز کے لئے تشریف لائے ؛

تشریح :- یعنی مجھ کو وہ منظر ابھی تک ایسا یاد ہے کہ گویا وہ میں ابھی دیکھ رہی ہوں۔ اور وہ سارا نقشہ میری نظروں کے سامنے پھر رہا ہے کہ آقائے دوجہاں مرض الموت میں مسجد میں تشریف لے جا رہے ہیں ؛

۳۶۳/۱۰ **ابو حنیفة** عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة ان النبى صلى الله عليه وسلم لما مرض المرض الذى قبض فيه استحل ان يكون فى بيتى فاحللن

حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ نے ازواج مطہرات سے میرے گھر میں رہنے کی اجازت طلب فرمائی۔ سب نے دیگر زبان

لہ قالت فلما سمعت ذالک ثمت مسرعۃ فکنست بیتی ولیس لی خادم وفرشت لہ فراشاً حشوہ من فقتہ الاذخر فأتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یھادی بین رجلین حتی وضع علی فراشی ۔

ہو کر) آپ کو اجازت دی۔ کہتی ہیں کہ جب میں نے یہ سنا تو لپک کر گھر میں جھاڑو دی۔ کیونکہ میرے پاس کوئی خادم نہ تھا۔ اور آنجناب کے لئے وہ فرش بچھایا جسکے کہنی کے تکیوں میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کا سہارا لئے تشریف آور ہوئے۔ اور آپ کو میرے فرش پر بٹھا دیا گیا۔

تشریح:- آنحضور کے اس اجازت طلب کرنے کے بارے میں بخاری میں مفصل تذکرہ موجود ہے۔

۲۶۴/۱۱ **ابو حنیفۃ** عن یزید عن انسؓ

ان ابا بکرؓ رأی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خفۃ فاستاذنہ الی امرأتہ بنت خارجۃ وکانت فی حوائط الانصار وکان ذالک راحۃ الموت ولا یشعر فاذن ثم توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلک اللیلۃ فاصبح فجعل الناس یترامون فامر ابو بکر غلاماً یستمع ثم یخبرہ فقال اسمعھم یقولون مات محمد صلی اللہ علیہ وسلم فاشتد ابو بکر وھو یقول واقطع ظھراہ فما بلغ ابو بکر المسجد حتی ظنوا انہ لم یبلغ وارجف المنافقون فقالوا لو کان محمد نبیا لم یمت۔

فقال عمرؓ لا اسمع رجلاً یقول مات محمد صلی اللہ علیہ وسلم الا ضربتہ بالسیف فکفوا لذالک۔

فلما جاء ابو بکر والنبی صلی

حضرت انس رضہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں افاقہ دیکھا تو اپنی بیوی بنت خارجہ کے پاس جانے کی اجازت چاہی۔ جو انصار کے باغوں میں اقامت پذیر تھیں۔ حالانکہ یہ افاقہ بہت ہی معمولی تھا۔ مگر اس کو نہ سمجھ سکے۔ آپ نے ان کو اجازت دیدی اور پھر اسی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ جب صبح ہوئی تو لوگ آنجناب کیطرف سکنے لگے حضرت ابو بکرؓ نے غلام کو حکم دیا کہ حقیقت سنکر ان کو خبر پہنچائے۔ اس نے کہا کہ میں لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پالی۔ پس شتابی کی حضرت ابو بکرؓ نے اور وہ کہتے جاتے ہائے افسوس کمر ٹوٹ گئی۔ تو حضرت ابو بکرؓ مسجد میں نہ پہنچے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے گمان کیا کہ آپ کو واقعہ کی خبر نہ ہوئی۔ اور منافق یہ باتیں بنانے لگے کہ محمد اگر نبی ہوتے تو یہ انتقال نہ فرماتے اس پر حضرت عمرؓ بول اٹھے کہ میں کسی شخص کو یہ کہتا ہوا نہ سنوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کر گئے۔ ورنہ تلوار سے اسکی گردن اڑا دوں گا۔ چنانچہ آپکے اس قول سے منافق اس کو اس سے رک گئے۔ پھر جب حضرت ابو بکرؓ

الله عليه وسلم مسجى كشف الثوب عن وجهه ثم جعل يلثمه فقال ما كان الله ليذيقك الموت مرتين انت اكرم على الله من ذالك۔

ثم خرج ابو بكر فقال يا ايها الناس من كان يعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن كان يعبد رب محمد فان رب محمد لا يموت ثم قرأ وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل أفان مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا وسيجزى الله الشاكرين قال فقال عمر رض لكانا لم نقرأها قبلها قط فقال الناس مثل مقالة ابى بكر من كلامه وقراءته ومات ليلة الاثنين فمكث ليلتين و يومين ودفن يوم الثلثاء وكان اسامة بن زيد واوس بن خولى يصبان وعلى والفضل يغسلانه صلى الله عليه وسلم ؛

آئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کپڑا پڑا ہوا تھا۔ آپ نے آنحضرتؐ کے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا کہ البتہ اللہ تعالےٰ آپ کو دو موتوں کی تلخی نہ چکھائے گا۔ آپ اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ بزرگ ہیں (اس کلام سے حضرت عمرؓ کے قول کی تردید مقصود ہے) پھر حضرت ابوبکر باہر آئے۔ اور کہا کہ اے لوگو جو محمدؐ کی عبادت کرتا تھا تو محمدؐ تو پردہ فرما گئے اور جو محمدؐ کے رب کی عبادت کرتا تھا البتہ محمدؐ کا رب نہیں مرے گا پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی (وما محمد الا رسول کہ محمدؐ نہیں ہیں مگر ایک رسول البتہ ان سے پہلے (بھی) رسول گذر چکے ہیں۔ اگر وہ مر گئے یا قتل کئے گئے (تو کیا تم پلٹ جاؤ گے اپنی ایڑیوں کے بل اور جو پلٹ جائے اپنی ایڑی کے بل تو وہ ہرگز نہیں نقصان پہنچائے گا اللہ کو کچھ اور عنقریب اللہ جزا دے گا شکر گذار بندوں کو عمرؓ نے کہا کہ گویا ہم نے اس آیت کو اس سے پہلے کبھی نہیں پڑھا تھا پھر لوگ بھی حضرت ابوبکرؓ کے کلام کی طرح کہنے لگے اور وہ ہی آیت پڑھنے لگے۔ دوشنبہ کی رات آنحضرتؐ کی وفات ہوئی اور دو رات دو دن کا وقفہ گذرنے کے بعد منگل کے روز آپ کی تدفین عمل میں آئی اور (بوقت غسل) حضرت اسامہ بن زید اور اوس بن خولی پانی ڈالتے جاتے تھے۔ اور حضرت علی اور فضل بن عباس آنحضرتؐ کو غسل دیتے جاتے ؛

تشریح:۔ آنحضرتؐ کی وفات پُر حسرات اور انتقال پُر ملال کا واقعہ جانکاہ اور ایک دلدوز سانحہ تھا جس نے ہر شخص کی عقل گم تھی۔ کہ یک بیک چراغ نبوت کیوں چھپ گیا۔ حتٰی کہ حضرت عمرؓ کی ذات پُر صفات بھی اس صبر آزما صدمہ کی تاب نہ لا سکی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس وقت حضرت ابوبکرؓ کو صبر و تحمل عطا فرمایا اور آپ نے بر سر منبر وہ نصیحت بخش۔ سبق آموز خطبہ دیا کہ لوگوں کے خیالات صحیح ہو گئے۔ اور عقلوں

پرسے ایک عالم بیخودی زائل ہوا۔ عقلیں اپنے ٹھکانے آئیں۔ طبیعتوں کو ایک گونہ ڈھارس ملی چنانچہ خود حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس بے خودی کے عالم میں جب ابو بکرؓ نے وما محمد الا رسول کی تلاوت کی تو معلوم ہوا کہ یہ آیت پہلی ہی بار سنی ہے ؛

بَابُ ۱۸۳ فَضَائِلِ شَیْخَیْنِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا!

باب ۱۸۳ - حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے فضائل!

۳۶۵/۱ **ابو حنیفة** عن سلمة عن ابی الزعراء عن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقتدوا باللذین من بعدی ابوبکرؓ عمرؓ ؛

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیروی کرو میرے بعد خلیفہ ہونے والے ابو بکرؓ و عمرؓ کی ؛

تشریح :۔ دوسری حدیث میں آنجناب نے چاروں خلفاء کی اتباع پر زور دیا ہے اور فرمایا کہ خلفائے راشدین مہدیین کی پیروی و اتباع کو لازم پکڑو۔ ایک جگہ یوں فرمایا ہے کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جس کی تم پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ لیکن یہاں ان دو بزرگوں کو اس خصوصی فخر سے نوازا کہ انہیں کی اتباع پر زور دیا۔ کیونکہ ان ہر دو حضرات کی شخصیتیں پھر آخر سب سے بالا و برتر ہیں ان کو جو خصوصیت آنحضرت سے نصیب تھی اس میں یہ ہی دو بزرگ ممتاز تھے ؛

بَابُ ۱۸۴ فَضَائِلِ عَمَّارؓ وَعَبْدُ اللّٰہؓ

باب ۱۸۴ - حضرت عمارؓ اور عبد اللہؓ بن مسعودؓ کے فضائل

۳۶۶/۱ **ابو حنیفة** عن عبد الملك عن ربعی عن حذیفة بن الیمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما واھتدوا بھدی عمارؓ وتمسکوا بعھد ابن ام عبدؓ ؛

حضرت حذیفہؓ بن یمان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیروی کرو میرے بعد خلیفہ ہونے والے ابو بکر اور عمر کی اور اختیار کرو سیرت حضرت عمارہ کی اور مضبوط تھامو وصیت حضرت عبد اللہؓ بن مسعود کی ؛

تشریح :۔ حضرت شیخین کے فضائل و مناقب سے احادیث کی کتب بھری پڑی ہیں اور آنحضرت نے بڑی محبت سے ان ہر دو بزرگوں کی توصیف فرمائی ہے۔ کہیں ہے کہ نبیین و مرسلین کو چھوڑ کر تمام اگلے پچھلے ادھیڑ عمر اہل جنت کے یہ ہر دو بزرگ سردار ہیں۔ ایک جگہ یوں ارشاد ہے کہ ابو بکر و عمر میرے کان و آنکھ کی جگہ ہیں۔ ایک مقام میں اس طرح ارشاد ہوا کہ ابو بکر مجھ سے ہیں اور میں ان سے اور وہ دنیا و آخرت

میں میرے بھائی ہیں کہیں اسطرح آیا ہے کہ عمرؓ میرے ساتھ ہیں اور میں انکے ساتھ اور میرے بعد حق انکے ساتھ ہے کہیں بھی ہو یہ حدیث ابن مسعودؓ کی فضیلت و برتری پر بھی قطعی حجت ہے اور کھلی دلیل۔ جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے۔ اسی لئے حضرت امام اعظمؒ نے بعد خلفائے اربعہ کے آپ کی رائے کو تمام صحابہ میں معیار جانا اور اپنے مذہب کی زیادہ تر بنیاد انہی کے کلام پر رکھی۔ کیوں کہ فقاہت وعلم کے میدان میں آپ کا قدم مضبوط ہے۔ عالمانہ ورک میں آپ سربرآوردہ بلند ہیں۔ اور آنحضرت کا یہ کلام کہ ان کی وصیت سے تمسک کرو ان کی پیروی لازم ہونے کا پختہ ثبوت ہے۔ علامہ تورپشتی کے خیال میں اس حدیث میں عہد سے مراد امر خلافت ہے۔ یعنی آنحضرت یہ فرماتے ہیں کہ دربارہ خلافت ابن مسعود کی رائے کو قابل قبول جانو۔ چنانچہ ان کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق کے انتخاب کے بارہ میں یہ حضرت ابن مسعود ہی کا کلام ہے کہ کیا ہم اس شخص کو دنیا کی راہ نمائی کے لئے نہ چنیں جس کو آنحضرت نے ہمارے دین کے لئے چنا۔ بعض کے نزدیک یہ حضرت علی کا مقولہ ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے مگر اس لحاظ سے حدیث کے معانی میں دلپسند ربطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ گویا آپ فرماتے ہیں کہ میرے بعد ابوبکر و عمر کی اقتدار کرو۔ جو میرے بعد خلیفہ ہوں گے اور اس بارہ میں حضرت ابن مسعودؓ کی رائے کو اہمیت دو اور اسی سے تمسک کرو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی تین کنیتیں ہیں۔ اپنے والد کے لحاظ سے یہ ابن مسعود ہیں۔ اپنی والدہ کے اعتبار کے لحاظ سے ابن ام عبد کیونکہ ام عبد ان کی والدہ کی کنیت تھی اور اپنے صاحبزادہ کی نسبت سے ابو عبدالرحمن ہیں ؛

بَابُ ۱۸۵ فَضِيلَةِ عُثْمَانَ

۳۶۷ / ۱ **ابو حنيفة** عن الهيثم عن موسى بن ابى كثير ان عمر مر بعثمان وهو حزين قال ما يحزنك قال الا احزن وقد انقطع الصهر بيني وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم وذالك حداثان ماتت بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت تحته فقال له عمر ازوجك حفصة ابنتي فقال حتى استأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فاتاه فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم هل لك ان ادلك على صهر هو خير لك من

باب ۱۸۵۔ حضرت عثمان کے فضائل

موسیٰ بن ابی کثیر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ حضرت عثمان کے پاس آئے۔ اور آپ (حضرت عثمان) غمگین تھے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کس چیز نے غمگین کیا انہوں نے کہا کہ کیا میں غم نہ کروں جبکہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رشتہ دامادی ٹوٹ چکا ہے اور یہ وہ وقت تھا کہ آنحضرت کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ زوجہ حضرت عثمانؓ کے انتقال کو کچھ ہی دن گذرے تھے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں اپنی لڑکی حفصہؓ کا تم سے نکاح کئے دیتا ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پوچھ لوں۔ تو آئے حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کے پاس اور آپؐ نے ان سے فرمایا کہ کیا میں تم کو عثمان

عثمان وَاَدُلّ عثمان علےٰ مهرٍ هُوَ خیر لهٗ منك فقال نعم فقال زوّجنی حفصة وازوج عثمان ابنتی فقال نعم ففعل رسول الله صلیّ الله علیهِ وَسلم ؛

سے بہتر داماد اور عثمان کو تم سے زیادہ بہتر سسر نہ بتا دوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا بیشک (بتایئے) اس پر آپنے فرمایا۔ کہ تم حفصہؓ کا نکاح مجھ سے کردو۔ اور میں اپنی صاحبزادی کا نکاح عثمانؓ سے کردیتا ہوں۔ تو عمرؓ نے کہا۔ بہت بہتر۔ چنانچہ آنحضرت نے ایسا ہی کیا؛

تشریح :- اس حدیث سے صاف حضرت عثمانؓ کی بزرگی ظاہر ہوتی ہے ۔ ایک روایت میں اسطرح ہے کہ آنحضرت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ اپنے جگر پاروں رقیہ وام کلثوم کا نکاح عثمان سے کروں بعض روایات میں یوں ہے کہ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت کی صاحبزادی کا جب انتقال ہوا۔ تو میں زار وقطار رویا۔ آپنے مجھ سے پوچھا کیوں روتے ہو۔ میں نے کہا کہ میرے اور آپکے درمیان رشتہ سسرال ٹوٹ گیا۔ آپنے فرمایا یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو کہتے ہیں کہ میں اس کی بہن کا نکاح تم سے کردوں ۔ ایک روایت میں ایسا بھی وارد ہے کہ آپ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ اگر میری سو لڑکیاں ہوں اور وہ یکے بعد دیگرے مرتی رہیں تو میں ان کا نکاح تم سے کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ سب ختم ہو جائیں ؛

بَابُ ۱۸۶ فضَائِل علِیؓ رضی الله عنهُ

باب ۱۸۶ ۔ حضرت علیؓ کے فضائل

٣٦٨ ابوحنیفة عن سلمة عن حبة العرنی وهو الهمدانی من اصحاب علی کرم الله وجهه قال سمعت علیّا یقول انا اوّل من اسلم ؛

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک تلمیذ کہتے ہیں کہ میں نے علیؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں وہ پہلا شخص ہوں جو اسلام لایا ؛

تشریح :- اس میں اہل سنت والجماعت کا اختلاف ہے کہ سب سے پہلے اسلام سے کون مشرف ہوا بعض نے کہا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ ہیں بعض نے کہا وہ حضرت علی ہیں۔ بعض قائل ہیں کہ وہ حضرت خدیجہ ہیں۔ چند ایک نے کہا کہ وہ حضرت بلال ہیں کچھ کہتے ہیں وہ زید بن حارثہ ہیں۔ بعض ان مختلف اقوال کو اس صورت سے تطبیق دیتے ہیں کہ بالغ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت ابوبکر ہی ہیں اور عورتوں میں حضرت خدیجہ ہم بچوں میں حضرت علیؓ آزاد کردہ غلاموں میں حضرت زید اور غلاموں میں حضرت بلالؓ۔

پھر یہ بھی واضح رہے کہ اسلام لانے میں سبقت خواہ کسی کو بھی نصیب رہی ہو۔ مگر درجہ و مرتبہ میں بالاتفاق سرتاج صحابہ حضرت ابوبکر ہی ہیں۔ کیونکہ فضیلت و برتری تمام تر محض سبقت اسلام پر نہیں بلکہ چند اور اسباب بھی ہیں مثلاً راہ اسلام میں قربانی دکھانے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینا

ہر تنگی و سختی۔ تبلیغ اسلام میں مسلمانوں کی راہنمائی اور کافروں کی گوشمالی۔ اسلام کا جھنڈا بلند کرنے اور کفر کا جھنڈا سرنگوں کرنے میں آپ ہی کا نام نامی سب سے پہلے آتا ہے۔ اوروں کو یہ فخر بدرجہ کمال نصیب نہیں کیونکہ نہ عورتیں نہ بچے نہ غلام آپ کی ان تمام امور میں ہمسری کر سکتے ہیں۔ یہیں سے حضرت خدیجہ کی فضیلت بھی ظاہر ہوئی کہ عورتوں میں آپ کا مقام تمام ازواج مطہرات سے بلند ہے۔ کیونکہ آپ نے بھی اسلام کی سربلندی اور آنحضرت کی پشت پناہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ مالی قربانی سے بھی منہ نہ موڑا۔ اور جانی قربانی سے بھی دریغ نہیں کی۔ چنانچہ ایک روایت میں آنحضرتؐ ان کی افضلیت ان الفاظ سے ظاہر فرماتے ہیں کہ انہوں نے میری اس وقت تصدیق کی جب سب نے مجھے جھٹلایا اور انہوں نے اسی وقت مال سے میری مدد کی۔ جب کہ سب نے مجھ کو محروم کیا۔

ابو حنیفة عن اسماعیل عن ابی صالح عن ام ھانیٔ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نظر الی علی کرم الله وجهه ذات یوم تراه جائعاً فقال یا علی ما اجاعك قال یارسول الله انی لم اشبع منذ کذا وکذا فقال النبی صلی الله علیه وسلم ابشر بالجنة۔ ٣٦٩/٢

حضرت ام ہانی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت علیؓ کو بھوکا دیکھا تو فرمایا اے علی تم کو کس چیز نے بھوکا کیا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ مجھ کو فلاں فلاں وقت سے شکم سیری نصیب نہیں ہوئی۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوشخبری سنو جنت کی۔

تشریح:۔ اس حدیث میں حضرت علی کی منقبت بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ آنحضرت کی زبان مبارک سے جنت کی خوشخبری جیتے جی سننا بہت بڑی خوش نصیبی ہے۔

باب ۱۸۷ فضیلت حضرت حمزةؓ

باب ۱۸۷ ۔ حضرت حمزہؓ کے فضائل

ابو حنیفة عن عکرمة عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم سید الشهداء یوم القیامة حمزة بن عبد المطلب ثم رجل دخل الی امام فامره ونهاه۔ ٣٧٠/١

وفی روایة سید الشهداء یوم القیامة حمزة بن عبد المطلب ورجل قام الی امام جائر فامره

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن شہیدوں کے سردار حضرت حمزہ بن عبد المطلب ہوں گے۔ پھر وہ شخص جو کسی امام امیر کے پاس گیا اور اس کو کسی بات کا حکم دیا۔ یا کسی بات سے اس کو روکا (اور پھر اس کو شہید کر دیا گیا)۔

اور ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن شہیدوں کے سردار حضرت حمزہ بن عبد المطلب ہیں اور وہ شخص جو کسی امام ظالم کے پاس پہنچا۔ اور

ونھاہ؛ اس کو کسی بات کا حکم دیا یا کسی بات سے روکا؛

تشریح:۔ بعض روایات میں شخص کے بارہ میں آخر میں فقتلہ بھی ہے اور واقعی مطلب اسی سے پورا ہوتا ہے۔ جو ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اس حدیث سے حضرت حمزہؓ کی فضیلت ظاہر ہے اس لئے کہ آپ کو تمام شہداء میں سرداری نصیب ہوئی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی سرداری بھی شہداء میں مسلم ہے؛

باب ۱۸۸ فضیلة الزبیرؓ!

باب ۱۸۸ حضرت زبیر کی منقبت

۳۷۱/۱ ابو حنیفة عن محمد بن المنکدرؒ عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من یأتینا بالخبر لیلة الاحزاب فینطلق الزبیر فیأتیه بالخبر کان ثلث مرات فقال النبی صلی الله علیه وسلم لکل نبی حواری وحواری الزبیر؛

حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غزوہ خندق میں ایک شب کو کہ کون ہم کو قوم کی خبر لاکر دے گا۔ تین مرتبہ آپ نے فرمایا۔ (اور حضرت زبیر ہر بار فرماتے "میں") پس حضرت زبیر جاتے ہیں۔ اور خبر لاتے ہیں۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ ہر نبی کا ایک حواری خاص ہوتا ہے، اور میرا حواری خاص زبیر ہے؛

تشریح:۔ یہ بھی بڑے فخر و اعزاز کی بات ہے کہ آنحضرتؐ کا حواری ہونا ہر کسی کو نصیب نہیں۔ چنانچہ حضرت زبیر کو آنحضرت نے اس شرف سے نوازا؛

باب ۱۸۹ فضائل عبد الله بن مسعودؓ

باب ۱۸۹ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فضائل!

۳۷۲/۱ ابو حنیفة عن الهیثم عن رجل عن عبد الله بن مسعود ان ابا بکر وعمر اسمرا عند رسول الله صلی الله علیه وسلم ذات لیلة قال فخرجا وخرج معهما فمرّوا بابن مسعود وهو یقرأ فقال النبی صلی الله علیه وسلم من سرہ ان یقرأ

ایک شخص سے حضرت عبداللہ بن مسعود کے بارہ میں روایت ہے کہ ایک رات حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہے۔ فرمایا کہ یہ دونوں اصحاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور تینوں بزرگوں کا گذر عبداللہ بن مسعود پر ہوا۔ اور وہ تلاوت قرآن میں مصروف تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو یہ پسند ہو کہ

القران کما انزل فلیقرأہ علی قراءۃ ابن ام عبد۔
وجعل یقول له، سل تعطه
فاتاہ ابوبکرؓ و عمرؓ یبشرانه فسبق ابوبکر عمر الیه یبشرہ واخبرہ ان النبی صلی الله علیه وسلم قد امرہ بالدعاء
فقال اللهم انی اسألک ایمانا دائما لا یزول ونعیما لا ینفد ومرافقه نبیک فی جنة الخلد؛

قرآن کو اسی نہج سے پڑھے جس سے کہ وہ اترا ہے تو اس کو چاہیئے کہ ابن ام عبد کی قرارت کے طریقہ پر پڑھے اور آنجناب فرمانے لگے (اے ابن مسعودؓ) سوال کرو۔ دیئے جاؤ گے۔ پھر حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ نے ان کے پاس ان کو خوشخبری سنانے کے لئے چلے پس حضرت ابوبکرؓ نے اس میں پیش قدمی فرمائی اور ان کو اس امر کی خوشخبری دی۔ اور یہ خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا کرنے کا حکم دیا ہے (کیونکہ وہ درجہ قبولیت کو پہنچے گی) اس پر انہوں نے کہا اے اللہ میں تجھ سے ایسا دیرپا ایمان مانگتا ہوں جو کبھی زائل نہ ہو اور ایسی نعمتیں جو کبھی پوری نہ ہوں اور تیرے جنت الخلد میں تیرے نبی کا ساتھ؛

وفی روایة عن الهیثم عن عبد الله ان ابا بکرؓ و عمرؓ سمرا عند النبی صلی الله علیه وسلم فخرجا وخرج معهما فمر وا بابن مسعود وهو یقرأ فی الصلوٰۃ فقال النبی صلی الله علیه وسلم من احب ان یقرأ القران غضا کما انزل فلیقرأہ علی قراءۃ ابن ام عبد وجعل یقول له سل تعطه وذکر تمام الاول؛

اور ایک روایت میں حضرت عبداللہؓ کے بارہ میں یوں ہے کہ حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ ایک شب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مصروف گفتگو تھے پھر دونوں اصحاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ اور ابن مسعود کے پاس پہنچے جب کہ وہ نماز (تہجد) میں قرآن پڑھ رہے تھے۔ پس آنحضرتؐ نے فرمایا جس کو یہ بات پسند ہو کہ وہ قرآن کو حسن و تازگی سے پڑھے جیسا کہ وہ اترا ہے تو اس کو چاہیئے کہ عبداللہ بن مسعود کی قرارت پر پڑھے۔ پھر آپ فرمانے لگے (حضرت عبداللہ کیطرف اشارہ کرتے ہوئے) مانگو دیئے جاؤ گے۔ آگے حسب سابق حدیث ہے؛

تشریح:۔ یہ حدیث بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بزرگی مرتبہ و عظمت پر دلالت کرتی ہے۔ کہ اول تو آپ کی قرارت کی تعریف فرمائی اور آپ کی قرارت پر قرآن پاک پڑھنے کا حکم صادر فرمایا پھر آپ کو مستجاب الدعوات بھی ظاہر فرمایا۔ گویا یہ حدیث بھی حضرت عبداللہ کی بزرگی شان و بلندی علم پر چار چاند لگاتی ہے؛

۳۷۳ / ۲

ابوحنيفة عن عون عن ابيه عن عبد الله انه كان اذا دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم بيته ارسل والدته ام عبد تنظر الى هدى النبي صلى الله عليه وسلم ودله وسمته فتخبر بذلك فيتشبه به ؛

حضرت عبداللہ بن مسعود کے بارہ میں روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاشانۂ نبوت میں تشریف لاتے تو یہ اپنی والدہ ام عبد کو اندر بھیجتے (اس مقصد سے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سکینہ و وقار اور سیرت و ہیئت کو دیکھیں لہذا وہ آکر ان کو (عبداللہ کو) اس کی خبر کرتیں اور حضرت عبداللہ ان کی (آنحضرت کے خصائل طیبہ کی) نقل اتارتے ؛

تشریح :- اسود بن یزید سے روایت ہے کہ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں اور میرے بھائی جب یمن سے آئے۔ اور ایک مدت ٹھہرے تو ہم یہ ہی سمجھتے تھے کہ عبداللہ بن مسعودؓ اہل بیت ہی سے ہیں۔ کیونکہ ہم نے ان کو اور ان کی والدہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بے تکلف آتے جاتے دیکھا۔ اسی طرح، عبدالرحمن بن یزید سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت حذیفہ سے پوچھا ایسے شخص کے بارہ میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیرت و ہیئت میں ملتا جلتا ہو۔ کہ ہم اسی سے یہ سیکھیں تو انہوں نے کہا میرے نزدیک ہیئت سکینہ اور وقار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ابن ام عبد ہیں۔ ترمذی زاذان سے روایت لائے ہیں اور وہ حضرت حذیفہ سے کہ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کاش آپ خلیفہ بنا جاتے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اگر میں تم پر خلیفہ بناؤں اور تم اس کی نافرمانی کرو۔ تو سخت عذاب میں مبتلا ہو لیکن حذیفہ جو تم سے حدیث بیان کریں اس کو سچا جانو اور عبداللہ بن مسعود جو تم کو پڑھائیں اس کو تم پڑھو۔ اس کو ترمذی نے حدیث حسن کہا ہے۔ لہذا ان تمام احادیث کے پیش نظر حضرت عبداللہ بن مسعود کی شخصیت کس قدر بلند ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ آنحضرت کی خدمت میں ان کو اور ان کی والدہ کو کس قدر رسائی حاصل تھی۔ کہ زیادہ آمد و رفت سے دیکھنے والے کو پتہ چلتا تھا کہ یہ اہل بیت میں سے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ کی نظر میں جو خود جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان سے بڑھ کر ہیئت و سیرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر کوئی نہیں۔ اور ان کی بات معیاری حیثیت رکھتی ہے اور آخری حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت نے خلیفہ بنانے کی چنداں ضرورت یوں بھی نہ سمجھی کہ حضرت عبداللہ و حضرت حذیفہ جیسی شخصیتیں مسلمانوں میں موجود تھیں کہ ان کی راہنمائی میں ہر دینی و دنیوی کام بحسن و خوبی انجام پا سکتا ہے۔ مثلاً خلافت ہی کا معاملہ۔ اول تو کتاب اللہ و سنت رسول موجود پھر ایسی جلیل القدر ہستیاں موجود ہیں۔ لہذا خلیفہ کے انتخاب کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ بعد خلفائے اربعہ جن کی بزرگی متفق علیہ ہے۔ علم و روایت سیرت و ہیئت میں حضرت عبداللہ آنحضرت کا صحیح نمونہ ہیں۔

حضرت عبداللہ حضر و سفر اندرونی و بیرونی زندگی میں آنحضرت کے رفیق و مونس تھے۔ اور آپ کی چادر کی حفاظت ان کے ذمہ تھی۔ اور آپ کے بوریہ بردار بھی تھے۔ اور آپ کے عصا بردار

آپ کی چادر کی حفاظت ان کے ذمہ تھی۔ اور آپ کی سواری کے محافظ۔ آپ کی مسواک برداری کا، فخر ان کو حاصل تھا۔ آپ کے وضو کے لوٹے کی حفاظت بھی ان کے سپرد تھی اور کفش برداری کی خدمت بھی انہیں کے ذمہ۔ غرض جس خوش قسمت انسان کو آنحضرت کی اتنی زیادہ خدمات بیک وقت سپرد ہوں۔ تو اس سے آنحضرت کی سیرت نہ معلوم کریں تو کسی سے کریں اور اس کا قول معیار نہ ہو تو کس کا ہو یہی وجہ ہے کہ حضرت امام اعظم کے زیادہ تر احکام شرعیہ و مسائل فقہیہ کی بنیاد انہیں کی رائے اور روایت پر ہے؛

۳۷۴ / ۳ **ابو حنيفة** عن عون عن ابيه عن عبد الله انه كان صاحب حصير رسول الله صلعم

وفى رواية كان صاحب عصا رسول الله صلى الله عليه وسلم؛

وفى رواية كان صاحب رداء رسول الله صلى الله عليه وسلم؛

وفى رواية كان صاحب الراحلة لرسول الله صلى الله عليه وسلم؛

وفى رواية كان صاحب سواك رسول الله صلى الله عليه وسلم وصاحب الميضاة وصاحب النعلين؛

عون اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت عبد اللہ آنحضرتؐ کے سجادہ بردار تھے؛

ایک روایت میں ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عصا بردار بھی تھے؛

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر بھی رکھتے تھے؛

ایک روایت میں ہے کہ سواری کی نگرانی بھی انہی کے سپرد تھی؛

ایک روایت میں ہے کہ (سفر میں) رسول اللہ علیہ وسلم کی مسواک بھی انہی کے پاس رہا کرتی تھی اور وضو کا لوٹا اور آپ کے جوتے بھی انہی میں تھے؛

تشریح:- ان سب خدمات کی وجہ سے جو بزرگی آپ کو حاصل تھی وہ تو تھی۔ ہی لیکن آپ کی دعائیں بھی تھیں؛

۳۷۵ / ۴ **ابو حنيفة** عن معن عن، ابن مسعود قال ما كذبت منذ اسلمت الا كذبة واحدة كنت ارحل للنبى صلى الله عليه وسلم فاتى رحال من الطائف فسألنى اى الراحلة احب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت الطائفية المكية وكان يكرهها رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ فلما اتى بها قال من رحل

حضرت عبد اللہ سے روایت کی ہے۔ کہ وہ اپنے بارہ میں کہتے ہیں کہ میں جب سے اسلام سے مشرف ہوا سوائے ایک جھوٹ کے کبھی جھوٹ نہ بولا۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر کجاوہ باندھتا تھا کہ ایک کجاوہ باندھنے والا طائف سے آیا۔ اور مجھ سے دریافت کرنے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کونسا کجاوہ زیادہ پسند ہے میں نے کہا طائف اور مکہ والا یعنی وہاں جو باندھا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ صرف مدنی کجاوہ پسند فرمایا کرتے تھے۔ پھر جب کجاوہ سے کسی ہوئی اونٹنی خدمت میں حاضر

لنا هذه -
قالوا رحالك -
قال مروا ابن ام عبد
فليرحل لنا فاعيدت الى
الراحلة ؛
وفي رواية قال عبد الله ان
النبي صلى الله عليه وسلم جيء
برجل من اهل الطائف قال فجلوني
الطائفي فقال اي الراحلة احب
اليه قلت الطائفية المكية
نخرج فقال من صاحب هذه
الراحلة قبل الطائفي قال لاحاجة
لنا بها ؛

کی گئی۔ آپ نے پوچھا یہ ہمارا کجاوہ کس نے باندھتا ہے۔ سب نے کہا آپ کے لئے کجاوہ باندھنے والے نے (جو طائف سے آیا ہے) آپ نے فرمایا کہ ابن ام عبد سے کہو کہ وہ ہمارا کجاوہ باندھے۔ (عبداللہ کہتے ہیں) پھر میں نے دوبارہ کجاوہ کسا؛

ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص طائف سے آیا۔ اور مجھ سے وہ طائفی پوچھنے لگا کہ آنحضرت کو کونسا کجاوہ پسند ہے۔ میں نے کہا طائف یا مکہ کا جب آنحضرت باہر تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ یہ کجاوہ کس نے کسا ہے۔ کہا گیا کہ ایک طائفی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کو اسکی ضرورت نہیں ہے ؛

تشریح :- اس حدیث سے بھی حضرت عبداللہ کی منقبت ظاہر ہوتی ہے۔ غرض آپ کے قابل فخر مناقب سے احادیث پر ہیں۔ ترمذی حضرت علی سے روایت لاتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے امیر بناتا تو وہ عبداللہ بن مسعودؓ ہوتے کہ ان کو امیر مقرر کرتا ؛

ج۵ ۳۴۶ **ابو حنيفة** عن الهيثم عن الشعبي
عن مسروق عن عبد الله قال ما كذبت
منذ اسلمت الا واحدة كنت ارحل
لرسول الله صلى الله عليه وسلم فاتى
رحال من الطائف فقال اي الراحلة
احب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم
قلت الطائفية المكية قال وكان
يكرهها فلما رحل لرسول الله صلى الله
عليه وسلم اتى بها قال من رحل
لنا هذه الراحلة
قال رحالك التي اتيت به من
الطائف - فقال ردالراحلة لابن
مسعود ؛

مسروق سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ جب سے میں اسلام لایا کبھی جھوٹ نہ بولا مگر ایک بار (ہوا یوں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کجاوہ کسا کرتا تھا تو طائف سے ایک کجاوہ کسنے والا آیا۔ اور مجھ سے کہنے لگا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کونسا کجاوہ زیادہ پسند ہے میں نے کہا طائف و مکہ والا۔ حالانکہ آپ ان کو ناپسند فرماتے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اس نے کجاوہ کس لیا۔ اور وہ آپکے روبرو آیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اونٹنی پر یہ کجاوہ کس نے کسا ہے۔ کسی نے کہا آپ کا وہ کجاوہ کسنے والا جو آپکے پاس طائف سے آیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اونٹنی کو ابن مسعود کے پاس لے جاؤ۔ تاکہ کجاوہ وہ کسیں ؛

تشریح :- یہ تمام احادیث حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی منقبت پر دلالت کرتی ہیں۔

باب ۱۹۰ فضيلة خزيمة رضي الله عنه

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم ۳۷۷ ح۱
عن ابي عبد الله الجدلي عن خزيمة انه مرّ على رسول الله صلى الله عليه وسلم ومع رسول الله اعرابي يجحد بيعة فقال خزيمة اشهد لقد بعته فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اين علمته قال تجيئنا بالوحي من السماء فنصدقك قال فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم شهادته بشهادة رجلين ؛

وفي رواية انه مرّ باعرابي وهو مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يجحد بيعًا قد عقده مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال خزيمة اشهد انك قد بعته فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اين علمت ذالك -

فقال تجيئنا بالوحي من السماء فنصدقك -

قال فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم شهادته بشهادة رجلين ؛

وفي رواية اجاز شهادة

باب ۱۹۱ حضرت خزیمہ رض کی منقبت

حضرت خزیمہؓ سے روایت ہے کہ وہ پہنچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور ایک اعرابی آپ سے بیع کا انکار کر رہا تھا۔ تو حضرت خزیمہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اے اعرابی تو نے بیع کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (حضرت خزیمہ سے) کہ تم نے یہ کیسے جانا۔ حضرت خزیمہ نے کہا کہ آپ وحی آسمانی بیان کرتے ہیں اور ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو دو شخصوں کی شہادت کے برابر ٹھہرایا۔

ایک اور روایت ہے کہ حضرت خزیمہ کا گذر ایک اعرابی کے پاس سے ہوا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ اور ایک بیع سے انکار کرتا تھا۔ جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر چکا تھا۔ اس پر حضرت خزیمہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں اے اعرابی کہ تو نے بیع کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہیں کیسے پتا چلا۔ حضرت خزیمہ نے جواب دیا کہ آپ ہمارے پاس وحی آسمانی لاتے ہیں۔ اور ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں (تو زمین کی بات کی تصدیق کیوں نہ کریں۔ جو آسمان سے قریب تر ہے) کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو دو شخصوں کی شہادت کے برابر ٹھہرایا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ مرتے دم تک

بشہادۃ رجلین حتی مات ؛ خزیمہ کی گواہی دو شخصوں کی گواہی کے برابر ہے ؛

تشریح :- اس حدیث سے حضرت خزیمہ کی منقبت کا پتہ چلتا ہے اور ان کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ کہ ان کی گواہی دو آدمیوں کی گواہی کے برابر مانی گئی ہے ؛

باب ۱۹۱ فضیلۃ خدیجۃ رضی اللہ عنہا

باب ۱۹۱ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت !

ابو حنیفۃ عن یحیی بن سعید عن انس بن مالک بشرت خدیجۃ ببیت فی الجنۃ لا صخب فیہا ولا نصب ؛

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خوش خبری دی گئی جنت میں ایسے گھر کی جس میں نہ شور و شغب ہوگا۔ نہ رنج و ملال ؛

تشریح :- ام المومنین حضرت خدیجہ عورتوں میں بے پناہ عظمت و شان کی مالک ہیں۔ احادیث آپ کے مناقب سے بھری ہیں۔ حضرت عائشہؓ جو خود ایک عظمت رکھتی ہیں۔ فرماتی ہیں کہ مجھ کو ایسا رشک کسی پر نہیں آیا جیسا کہ حضرت خدیجہ پر آیا۔ یہ کئی خصوصی صفات سے ممتاز ہیں ایک یہ کہ ان پر کوئی سوت نہیں آئیں۔ دوسرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ان کو تمام ازواج سے دوگنے سے زائد نصیب ہوئی تیسرے انہوں نے کبھی آنحضرت کے مزاج میں خفیف سا تکدر بھی پیدا نہیں کیا۔ چوتھے سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ جو خانوادہ رسالت کی آبرو ہیں انہیں کی صاحبزادی تھیں ؛

حضرت خدیجہ پہلے ابن ہالہ بن زرارہ کے نکاح میں تھیں۔ پھر عتیق بن عائذ کے نکاح میں آئیں۔ اس کے بعد آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔ جبکہ آپ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت پچیس سال تھی۔ ان سے پہلے آنحضرت نے کوئی نکاح نہیں کیا تھا۔ اور حضرت خدیجہ کی زندگی میں آنحضرت نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ آنحضرت کی تمام اولاد سوائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انہیں کے بطن سے ہے۔ ان کی وفات مکہ میں ہجرت سے پانچ سال یا چار سال یا تین سال قبل ہوئی۔ مختلف روایات کی بنا پر گویا نبوت کو دس سال کا عرصہ گذر چکا تھا حضرت خدیجہ کی عمر بوقت وفات پینسٹھ سال تھی۔ اور پچیس سال تک گویا آپ آنحضرتؐ کی رفاقت و معیت میں زندہ رہیں۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے آپ ہی نے اسلام قبول کیا ؛

باب ۱۹۲ فضیلۃ عائشۃ صدیقۃ رضی اللہ عنہا!

باب ۱۹۲ حضرت عائشہ صدیقہ رض کی فضیلت!

۳۷۹ / ۱ ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم النخعی عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لیھون علی الموت انی رأیتک زوجتی فی الجنۃ ؛

وفی روایۃ انی رأیتک زوجتی فی الجنۃ ثم التفت وقال ھون علی الموت لانی رأیت عائشۃ رض فی الجنۃ ؛

حضرت عائشہ رض سے روایت ہے ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ البتہ آسان ہو گئی موت مجھ پر کہ میں نے دیکھا تجھکو اپنی زوجہ جنت میں ؛

ایک اور روایت میں ہے (کہ آپ نے فرمایا) میں نے دیکھا تم کو اپنی زوجہ جنت میں ۔ پھر التفات فرمایا ۔ اور فرمایا کہ مجھ پر موت آسان و سہل ہو گئی ۔ کیونکہ میں نے عائشہ رض کو جنت میں دیکھ لیا ؛

تشریح :۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ رض سے بے پناہ محبت تھی ۔ ان کے بغیر آنجناب کو چین نہیں تھا ۔ چنانچہ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو حضرت عائشہ کی شبیہ جنت میں دکھادی ۔ کہ جنت کی زندگی آنجناب کے قلب مبارک کو مرغوب و محبوب تر ہو جائے ۔ کیونکہ زندگی کی خوشگواری و بدگواری احباب کے وجود و عدم پر مدار رکھتی ہے ۔ آنحضرت کو یہ کب گوارا ہو سکتا تھا کہ آپ کی مونس غم ۔ رفیق زندگی ۔ شریک حیات ۔ ہمدم و ہمراز سرمایہ مسرت و خوشی مرکز دلجمعی و دل بستگی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ جنت میں اپنی صحبت سے آنجناب کی تسلی قلبی و راحت دلی کا سبب نہ بنیں ۔ لہذا دنیا ہی میں آپ کو بشارت دے دی گئی ۔ کہ حضرت عائشہ جنت میں آپ کے ساتھ ہوں گی ۔ پھر خود آنحضرت نے کن پر اثر و پر زور الفاظ میں اس الفت قلبی کی ترجمانی فرمائی ہے کہ حضرت عائشہ کو جنت میں دیکھ لینے سے مجھ پر موت آسان ہو گئی ۔ کیونکہ اب یہ کھٹکا مٹ گیا کہ ممکن ہے موت اس مونس دل کی جدائی و فراق کا سبب بنے اور اس سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دے ؛

۳۸۰ / ۲ ابو حنیفۃ عن الشعبی عن عائشۃ قالت لقد کن لی خلال سبع لم یکن لاحد من ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ کنت احبھن الیہ اباً و احبھن

شعبی سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رض نے کہا کہ مجھ میں سات عادتیں ایسی ہیں ۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کسی ایک میں نہ تھیں ۔ (اول) یہ کہ میرے والد بھی آنجناب کو سب سے زیادہ محبوب تھے ۔ اور میں

اليه نفسًا۔
و[2] تزوجني بكرًا۔
و[3] ما تزوجني حتى اتاه جبرئيل
بصورتي۔
و[4] لقد رأيت جبرئيل وما رآه
احدٌ من النساء غيري۔
و[5] كان يأتيه جبرئيل وانا معه
في شعاره۔
و[6] لقد نزل في عذرٍ كاد ان
يهلك فئام الناس۔
و[7] لقد قبض رسول الله صلى الله
عليه وسلم في بيتي وليلتي ويومي
وبين سحري ونحري۔

خود بھی آنحضرت کو سب سے پیاری تھی (دوسرے)
یہ کہ مجھ سے کنوار پنے میں آنحضرت نے نکاح کیا۔
(تیسرے) یہ کہ مجھ سے نکاح نہیں کیا۔ یہاں تک
کہ جبریل علیہ السلام میری شبیہ میں آپ کے پاس ظاہر
نہ ہوئے۔ (چوتھے) یہ کہ میں نے جبرئیل علیہ السلام
کو دیکھا اور میرے علاوہ ازواج میں سے کسی نے
انکو نہیں (پانچویں) یہ کہ جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس
آیا کرتے اور میں آپ کے شعار میں ہوتی۔ (شعار وہ کپڑا ہے
جو جسم سے متصل ہو) (چھٹے) یہ کہ میرے بارہ میں
برأت اتری اور قریب تھا کہ لوگوں کی جماعتیں
ہلاک ہو جاتیں (ساتویں) یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی روح قبض ہوئی میرے گھر میں، میری
باری کی رات اور دن میں اور میرے گلے اور
سینہ کے درمیان۔

تشریح:۔ حدیث کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

۳۸۱/۳

ابوحنیفة عن عون عن عامر
الشعبي عن عائشةؓ قالت في سبع خصال
ليست في واحدة من ازواج رسول الله
صلى الله عليه وسلم تزوجني[1] وانا بكر ولم
يتزوج احدا من نسائه بكرا غيري و[2] نزول
جبرئيل بصورتي قبل ان يتزوجني ولم
ينزل بصورة واحدة من نسائه غيري
و[3] اراني جبرئيل ولم يره احدٌ من
ازواجه غيري۔
و[4] كنت من احبهن اليه نفسًا و
ابًا۔
و[5] نزلت في آيات من القرآن
كاد ان يهلك فئام من الناس۔
و[6] مات في ليلتي ويومي۔

شعبی سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے
کہا کہ مجھ میں سات خصلتیں ایسی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی ازواج میں سے کسی میں نہیں ہیں۔ مجھ[1]
سے نکاح کیا جب کہ میں کنواری تھی اور آپ نے اپنی
کسی بیوی سے کنوار پنے میں نکاح نہیں کیا۔ اور
جبریل[2] علیہ السلام میری صورت میں اترے اس سے پہلے
کہ آپ مجھ سے نکاح کریں۔ حالانکہ میرے علاوہ آپ
کی کسی بیوی کی شبیہ میں نہیں آئے اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے مجھ کو جبرئیل علیہ السلام کو دکھایا حالانکہ[3]
اپنی کسی بیوی کو نہیں دکھایا اور[4] میں آپ کو اپنی ذات
سے بھی بہت پیاری تھی اور میرے والد بھی آپ کو
بہت محبوب تھے۔ اور میرے[5] بارہ میں قرآن کی چند
آیات اتریں۔ قریب تھا کہ لوگوں کی جماعتیں
ہلاک ہو جاتیں۔ اور[6] میری باری کی رات، دن میں آپ

وفی بین سحری و نحری۔

نے وفات پائی۔ اور میرے گلے اور سینہ کے درمیان آنجنابؐ کی روح پاک قبض ہوئی۔

وفی روایۃ انھا قالت ان فیّ سبع خصال ما ھن فی واحدۃ من ازواجہ۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ کہتی ہیں کہ مجھ میں سات خصلتیں ایسی ہیں۔ جو آپ کی کسی زوجہ میں نہیں ہیں۔ مجھ[۱] سے نکاح کیا کنواری ہونے کی حالت میں اور میرے علاوہ کسی بیوی سے کنوارے پن میں نکاح نہیں کیا۔ اور[۲] جبرئیل علیہ السلام میری صورت میں نمودار ہوئے۔ مجھ سے نکاح کرنے سے قبل حالانکہ میرے علاوہ آپ کی کسی بیوی کی شکل میں آپ کے پاس نہیں آئے۔ اور[۳] اپنی ذات سے میں آپکو خوش اور پیاری تھی۔ اور میرے والد بھی آپکو بہت پسند تھے۔ اور میرے[۴] بارہ میں برارت نازل ہوئی۔ قریب تھا کہ لوگوں کی جماعتیں ہلاک ہو جائیں اور میری[۵] باری میں آپکی وفات ہوئی اور میرے[۶] گلے اور سینہ کے درمیان (آپ کی روح نے پرواز کیا) اور مجھ کو جبرئیل دکھایا۔ حالانکہ میرے علاوہ اپنی ازواج میں سے کسی کو نہیں دکھایا۔

تزوجنی[۱] بکرا ولم یتزوج بکرا غیری۔

واتاہ[۲] جبرئیل بصورتی قبل ان یتزوجنی ولم یاتہ جبرئیل بصورۃ احد من ازواجہ غیری۔

وکنت[۳] احبھن الیہ نفسا و ابا۔

وانزل[۴] فیّ عذر کان یھلک فئام من الناس۔

ومات[۵] فی یومی ولیلتی وبین[۶] سحری ونحری وارانی جبرئیل ولم یرہ احد من ازواجہ غیری۔

تشریح:۔ ترمذی حضرت عمرو بن عاص سے روایت لاتے ہیں اور جسکو صحیح کہا گیا ہے۔ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے دریافت کیا کہ سب لوگوں میں آپ کو زیادہ محبوب کون ہے آپ نے فرمایا عائشہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے کہا کہ مردوں میں سے۔ آپنے فرمایا ان کے باپ (یعنے حضرت ابو بکرؓ) حضرت انسؓ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔

حضرت سے ان کا نکاح ہوا۔ جب کہ ان کی عمر مبارک چھ سال کی تھی۔ اور رخصتی ہوئی جب کہ یہ نو سال کی تھیں۔ آٹھ سال قبل ہجرت پیدا ہوئیں اور اٹھارہ سال کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی و فراق کا غم اٹھایا۔

ترمذی میں ابن ابی ملیکہ کے واسطے سے حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام سبز ریشم کے کپڑا میں ملبوس ان کی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آنحضرتؐ سے کہا کہ یہ آپ کی دنیا و آخرت میں زوجہ ہیں۔

ترمذی ابی سلمہ کے واسطے سے حضرت عائشہ سے روایت لائے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے حضرت عائشہ سے فرمایا اے عائشہ یہ جبریل ہیں اور یہ تم کو سلام کہتے ہیں۔ کہتی ہیں کہ میں نے کہا۔

وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ترمذی کی ایک روایت میں حضرت ام سلمہ سے خطاب کرتے وقت آنحضرت سے بھی اسی قسم کے الفاظ نقل ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو عائشہ کے بارہ میں اذیت نہ دو۔ کیونکہ ان کو یہ فخر حاصل ہے کہ میں تم میں سے صرف انہیں کے لحاف میں ہوتا ہوں کہ مجھ پر وحی اترتی ہے۔

چھٹی خصلت سے واقعہ افک کیطرف اشارہ ہے کہ حضرت عائشہ کی برات میں آیات قرآنیہ نازل ہوئیں۔ اور یوں شہادت ربانی سے ان کی پاک دامنی ثابت ہوئی اور آج تک صفحہ ہستی پر سوائے مریمؑ کے اور کوئی ایسا نہیں ہے۔

انہیں احادیث کے میں ایک دلچسپ سوال ہے۔ وہ یہ کہ حضرات خدیجہ وعائشہ وفاطمہؓ میں کون زیادہ افضل ہیں۔ روایات ہر ایک کی افضلیت پر دال ہیں۔ جن کی رو سے ان میں سے کسی ایک کی افضلیت کا فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ احمد وطبرانی حضرت انس سے بدیں مضمون مرفوع حدیث لائے ہیں کہ سارے عالم کی عورتوں میں بہتر چار ہیں حضرت مریم بنت عمران۔ حضرت خدیجہ بنت خویلد۔ حضرت فاطمہ بنت محمد۔ حضرت آسیہ فرعون کی بیوی۔ حاکم اپنی مستدرک میں حضرت عائشہ سے یوں روایت لاتے ہیں کہ جنت کی عورتوں کی سردار چار ہیں۔ حضرت مریم حضرت خدیجہ حضرت فاطمہ۔ حضرت آسیہ۔ بزار طبرانی حضرت عمار بن یاسر سے مرفوع حدیث بدیں الفاظ لائے ہیں کہ خدیجہ کو میری امت کی عورتوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے۔ جس طرح مریم کو سارے عالم کی عورتوں پر۔ نسائی میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اہل جنت کی عورتوں میں افضل حضرت خدیجہ وفاطمہ ہیں۔ لہٰذا ان روایات کے پیش نظر حضرات خدیجہ وفاطمہ کی فضیلت تمام عالم واہل جنت کی عورتوں پر ثابت ہوتی ہے۔ جن میں حضرت عائشہ ودیگر ازواج بھی آ گئیں۔ اب ان میں آپس میں فضیلت تو بخاری کی روایت سے سیدۃ نساء اھل الجنۃ کہ فاطمہ اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو حضرت خدیجہ پر بھی فضیلت حاصل ہے۔ چنانچہ علامہ تقی الدین سبکی افضلیت کی ترتیب یوں قائم کرتے ہیں کہ پہلے فاطمہ۔ پھر خدیجہ پھر عائشہ حضرت عائشہ کی شان میں تو اول تو حدیث ذیل کی خود حضرت عائشہ کی گنائی ہوئی خصوصیات ان کی افضلیت ثابت کرتی ہیں۔ پھر یہ مشہور حدیث موجود ہے کہ آنحضرت نے فرمایا فضل عائشۃ علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام کہ عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جسطرح ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔ جنت کی خوشخبری کی فضیلت کو تو ہم نہیں شمار کرتے کہ یہ فضیلت آپ کی تمام ازواج کو حاصل ہے۔ چنانچہ انہیں وجوہ کی بنا پر علماء کی رائے کسی ایک نقطۂ خیال پر نہ جم سکی۔ کسی نے کسی کو افضل مانا اور کسی نے کسی کو۔ مگر جمہور علماء کا یہی مسلک ہے کہ حقیقت میں افضلیت کا سہرا حضرت کے ہی سر ہے۔ کیونکہ مذکورہ روایات بھی اسی پر دال ہیں علاوہ ازیں امور بھی اسی پر شاہد کہ خود حضرت عائشہ آنحضرت کے نزدیک ان کے محبوب تر ہونے پر رشک کیا کرتی تھیں۔ جسطرح اوپر حدیث کے حوالہ سے بیان ہوا تو ان سے افضلیت تو صاف

ظاہر ہوئی، اور حضرت فاطمہ کی یہ آخر والدہ محترمہ ٹھہریں۔ پھر امام احمد و طبرانی یوں بھی نقل کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے آنحضرت کے روبرو کہا کہ آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے ایک بوڑھی کی جگہ ایک کم سن عطا فرمائی۔ گویا اب ان کی یاد کے کیا معنی۔ یہ سن کر آنجناب بہت ناراض ہوئے۔ حضرت عائشہ خوف سے لرزیں اور کہنے لگیں کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ آئندہ میں ان کا ذکر نہیں کروں گی مگر بھلائی کے ساتھ۔ آنحضرت کی یہ برہمی صاف بتاتی ہے کہ حضرت خدیجہ کا مرتبہ ان سے بلند تر تھا۔ وہ خود حضرت عائشہ کی وہ شخصیت ہے کہ ان کے خلاف آنحضرتؐ کسی سے ایک لفظ سننے کی تاب نہیں لا سکتے تھے۔ پھر حضرت خدیجہ کی دوسری خصوصیات کو دیکھیں تو انہیں کی فضیلت کا پلہ بھاری نظر آتا ہے۔ کہ قبول اسلام میں سبقت نصیب ہونا۔ کسی سوت کا ان پر نہ آنا۔ آنحضرت کی تمام تر اولاد کا انہیں سے پیدا ہونا۔ خود حضرت فاطمہ کا والدہ محترمہ ہونا۔ ان کی ازدواجی زندگی کا آنحضرتؐ کے ساتھ سب سے زائد از مدت ہونا۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن آخر میں عقل اس فیصلہ پر مجبور ہوتی ہے کہ "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است" ہر ایک میں اللہ نے خاص خاص خوبیاں رکھی ہیں جو دوسرے کو نصیب نہیں اور وہی امتیازی خط کھینچتی ہیں۔ مثلاً حضرت عائشہ کی علمی قابلیت و اجتہادی لیاقت جس کی وجہ سے وہ سب میں بلند نظر آتی ہیں اور اس صفت میں کوئی ان کے ساتھ ہمسری کا دم نہیں بھر سکتا۔ یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ چوتھائی احکام شرعیہ انہی سے مروی ہیں۔ چنانچہ عطاء بن ابی رباح نے ان کے بارہ میں کہا ہے کہ یہ لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ سب سے زائد عالم اور رائے میں سب سے زائد صائب تھیں عروہ کہتے ہیں کہ میں نے فقہ۔ طب و شعر میں آپ سے زیادہ کسی کو عالم نہیں دیکھا۔ اور غالباً حدیث ثرید آپ کی اسی صفت محمودہ کیطرف مشیر ہے۔ ادھر حضرت خدیجہؓ کے حالات پر نظر ڈالیں تو ان کی کبر سنی۔ تجربہ کاری۔ آنحضرت پر جانثاری و قربانی۔ قبول اسلام میں سبقت آنحضرت کی دلجوئی و تسلی و دلبستگی۔ اور آپ کی مسرتوں پر اظہار خوشنودی۔ ان کے درجہ فضیلت کو سب سے بلند دکھاتی ہیں۔ پھر حضرت فاطمہ تو فاطمہ ہی ہیں کہ سرکار دو عالم کی جگر پارہ ہیں کہ خود ارشاد فرماتے فانھا بضعۃ منی کہ فاطمہ میرے بدن کا ایک حصہ ہیں۔ ان کے ساتھ آنحضرت کو جو نسبی۔ طبعی۔ فطری الفت و محبت تھی وہ ان کے درجہ و مرتبہ کو بہت بلندی کر دیتی ہے۔ جس میں دوسرے کو کیا تاب کہ وہ ان کی ہمسری کر سکے۔

۳۸۲ **ابو حنیفۃ** عن ابراہیم عن ابیہ عن مسروق انہ کان اذا حدث عن عائشۃ قال حدثتنی الصدیقۃ بنت الصدیق المبرأۃ حبیبۃ رسول اللہ تبارک وتعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

مسروق سے روایت ہے کہ جب وہ حدیث بیان کیا کرتے تو کہا کرتے کہ حدیث بیان کی مجھ سے صدیقہ نے (راست گو نے) جو بیٹی ہیں حضرت صدیق کی۔ جو پاک دامن ہیں (داغ سے) جو محبوب ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔

تشریح:۔ یوں گویا مسروق جامع و مختصر الفاظ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مناقب بیان فرما رہے ہیں۔ قصہ افک میں حضرت صدیقہؓ کی سچائی۔ راست گوئی و راست گفتاری پایہ ثبوت کو پہنچی۔

اس لئے صدیقہ کا لقب آپ کے نام نامی کے لئے باعث عزت ہوا - اور چونکہ آپ کی برارت، آسمانی شہادت و قرآنی گواہی سے ثابت ہوئی - اس وجہ سے آپ کو مبرات کے لقب سے ملقب کیا گیا - اور چونکہ آپ کی محبت و الفت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں سب سے زیادہ گھر کئے ہوئے تھی - اس لئے آپ کو حبیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔

۳۸۳/۵

ابوحنیفة عن الهیثم عن عکرمة عن ابن عباسؓ انه استاذن علی عائشة لیعودها فی مرضها فارسلت الیه انی اجد غمًّا وکربًا وانصرف۔

فقال للرسول ما انا بالذی ینصرف حتی ادخل فرجع الرسول فاخبرها بذلك فاذنت له، فقالت انی اجد غمًّا وکربًا وانا مشفقة ممّا اخاف ان اهجم علیه فقال لها ابن عباسؓ ابشری فوالله سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول عائشة فی الجنة وکان رسول الله صلی الله علیه وسلم اکرم علی الله ان یزوجه جمرة من جمرة جهنم فقالت فرجت فرج الله تعالی عنك۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے، کہ انہوں نے اجازت چاہی حضرت عائشہ کے پاس حاضر ہونے کی کہ ان کی مزاج پرسی کریں۔ حضرت عائشہ رضؓ نے کہلوایا کہ میں اس وقت غم والم میں مبتلا ہوں۔ لہٰذا اس وقت آپ واپس جائیے - اس پر حضرت ابن عباس نے پیامبر سے کہا کہ میں بغیر حاضری دئے واپس جانیوالا نہیں پیامبر واپس ہوا اور یہی کلمہ حضرت عائشہ کے سامنے دہرایا۔ تو آپ نے ان کو آنے کی اجازت دی - پھر آپ بولیں کہ میں غم والم میں مبتلا ہوں - اور میں ڈرتی ہوں بوجہ اپنے علم کے ہجوم موت سے - پس ابن عباس نے ان سے کہا خوشخبری حاصل کیجئے - قسم اللہ کی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ عائشہ جنت میں ہیں - اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نزدیک اس سے شریف تر و باعزت تر تھے کہ ان کا نکاح دوزخ کی ایک چنگاری سے کرتا - اس پر حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ تم نے میرے رنج کو دور کیا - اللہ تعالیٰ تمہارے غم دور فرمائے ۔

بَاب ۱۹۳ فَضِیلَةُ الشعبی رضی الله عنه

باب ۱۹۳ - حضرت شعبیؒ کی فضیلت

۳۸۴/۱

ابوحنیفة عن الهیثم عن عامر الشعبی قال کان یحدث عن المغازی

حضرت عامر سے شعبی کے بارہ میں نقل ہے کہ جب وہ مغازی کے بیان کا آغاز کرتے وابن عمر ان

وابن عمر یسمعہ قال حین یسمع حدیثہ انہ یحدث کانہ شھد القوم ؛

کو سنتے۔ تو سنتے وقت کہتے کہ یہ ایسا بیان کرتے ہیں کہ گویا قوم کے ساتھ تھے ؛

تشریح :۔ اس میں حدیث شعبی رضی اللہ عنہ کی منقبت بیان کی گئی ہے ؛

۳۸۵/۲ ابو حنیفۃ عن داؤد بن ابی ھند عن عامر انہ کان یحدث عن مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حلقۃ فیھا ابن عمر فقال انہ لیحدث حدیثا کان یشھد ؛

حضرت شعبی کے بارہ میں نقل ہے کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیر و مغازی بیان کرتے ایسے مجمع ہیں۔ جس میں حضرت ابن عمرؓ بھی موجود ہوتے تو وہ کہتے کہ عامر ایسی بات بیان کرتے ہیں کہ گویا یہ معرکہ میں از خود موجود تھے ؛

باب ۱۹۴ فضائل ابراھیم و علقمۃ وعبد اللہ

باب ۱۹۴ حضرت ابراہیم۔ علقمہ اور عبد اللہ کے فضائل

۳۸۶/۱ زفر قال سمعت ابا حنیفۃ یقول سمعت حمادا یقول کنت اذا نظرت الی ابراھیم فکل من رأی ھدیہ یقول کان ھدیہ ھدی علقمۃ ویقول من رأی علقمۃ یقول کان ھدیہ ھدی عبد اللہ ویقول من نظر ھدی عبد اللہ کان ھدیہ ھدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؛

حضرت ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حماد کو یہ کہتے سنا کہ جب میں دیکھتا ابراہیم نخعیؒ کو تو ان کی خصلت و سیرت کو دیکھنے والا ہر ایک کہتا کہ ان کی خصلت عین حضرت علقمہ کی خصلت و سیرت ہے اور جو علقمہ کو دیکھتا۔ تو وہ کہتا کہ ان کی سیرت و خصلت عین عبد اللہ بن مسعودؓ کی سیرت و خصلت ہے۔ اور جو حضرت عبد اللہ بن مسعود کی خصلت و سیرت کو دیکھا۔ تو وہ یہ کہتا کہ یہ بعینہٖ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سے خصائل ہیں۔

تشریح :۔ حدیث ذیل سے تینوں بزرگوں کی فضیلت و برتری و سنت و طریقیت میں آنحضرتؐ سے صحیح مشابہت ظاہر ہوتی ہے ؛

باب ۱۹۵ فضیلۃ امام ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ

۳۸۷/۱ ابو حمزۃ الانصاری قال سمعت عبد اللہ بن داؤد یقول لابی حنیفۃ من ادرکت من الکبراء قال القاسم وسالما وطاؤسا وعکرمۃ ومکحولا وعبد اللہ بن دینار والحسن البصری وعمرو بن دینار وابا الزبیر وعطاء وقتادۃ وابراہیم والشعبی ونافعا، وامثالھم۔

باب ۱۹۵ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی فضیلت

حضرت عبد اللہ بن داؤد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے دریافت کیا کہ آپ نے بڑے تابعین میں سے کن کن کی صحبت کا فیض اٹھایا ہے آپ نے کہا: قاسم۔ سالم۔ طاؤس۔ عکرمہ۔ مکحول۔ عبد اللہ بن دینار۔ حسن بصری۔ عمرو بن دینار۔ ابو الزبیر۔ عطا۔ قتادہ۔ ابراہیم۔ شعبی۔ نافع۔ اور ان جیسوں کی۔

تشریح:۔ روایت ہے کہ حضرت امامؒ کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار تک پہنچتی ہے اور شاگردوں کا تو کوئی حد و حساب نہیں۔

کتاب ۱۹۶ فضل امتہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی فضیلت کا بیان

۳۸۸/۱ ابو حنیفۃ عن ابی بردۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم القیمۃ یدعون الی السجود فلا یستطیعون ان یسجدوا وتسجد امتی مرتین قبل الامم طویلا قال فیقال ارفعوا رءوسکم فقد جعلت عدوکم الیھود والنصاری فداءکم من النار۔

حضرت ابی بردہ سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ تو سب لوگ سجدہ کیلئے بلائے جائیں گے اور کفار سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھ سکیں گے۔ اور میری امت تمام امتوں سے پہلے دو لمبے سجدے کرے گی۔ آپ نے فرمایا کہ پھر میری امت سے کہا جائیگا۔ اپنے سر اٹھاؤ۔ الغرض میں نے تمہارے دشمن یہود و نصاریٰ کو آگ کے لئے تمہارا بدل وعوض بنا دیا۔

تشریح:- یہ سرکار دو عالم۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو اس شرف سے نوازا۔ کہ ان کے دشمن اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو آتش دوزخ کے لیے ان کا فدیہ قرار دیا:

۳۸۹ ح۲ **ابوحنیفة** عن ابی بردة عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا کان یوم القیمة یعطی کل رجل من المسلمین رجلا من الیهود والنصاری فیقال هذا فداؤك من النار:

وفی روایة اذا کان یوم القیمة اعطی الله تعالی کل رجل من هذه الامة رجلا من الکفار فیقال هذا فداؤك من النار:

وفی روایة اذا کان یوم القیمة دفع الی کل رجل من هذه الامة رجل من اهل الکتاب فقیل له هذا فداؤك من النار:

وفی روایة ان هذه الامة امة مرحومة عذابها بایدیها:

حضرت ابی بردہ کے والد سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو مسلمانوں میں سے ہر ایک کو یہود و نصاریٰ میں سے ایک شخص دیا جائیگا اور اور کہا جائے گا کہ یہ آگ سے لئے تمہاری طرف سے فدیہ ہے:

ایک اور روایت میں ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ اس امت سے ہر آدمی کو اہل کتاب میں سے ایک کافر دیں گے اور اس سے کہا جائیگا کہ یہ تمہارا فدیہ ہے آگ سے:

اور ایک روایت میں اس طرح ہے۔ کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ تو اس امت کے ہر آدمی کو اہل کتاب میں سے ایک آدمی حوالہ کیا جائے گا۔ اور اس سے کہہ دیا جائے گا کہ یہ تمہارا فدیہ ہے آگ سے:

اور ایک روایت میں اس طرح ہے۔ کہ یہ امت رحم کی گئی ہے۔ اس کا عذاب اسکو پہلے ہی مل جائے گا (یعنی دنیا میں)

تشریح:- اس میں پیشتر حدیث کا اعادہ ہے:

۳۹۰ ح۳ **ابوحنیفة** عن علقمة عن ابن بریدة عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یوما لاصحابه اترضون ان تکونوا ربع اهل الجنة۔

قالوا نعم۔

قال أترضون ان تکونوا ثلث اهل الجنة قالوا نعم قال اترضون ان تکونوا نصف اهل الجنة قالوا نعم قال ابشروا فان اهل الجنة عشرون

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ کیا تم اس سے راضی ہو کہ تم (اور تمہارے بعد آنے والے یعنی پوری امت) اہل جنت کے چوتھائی ہو۔ انہوں نے کہا بیشک۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کہ کیا تم اس سے خوش ہو کہ تم ایک تہائی اہل جنت ہو۔ سب نے کہا جی ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس سے خوش ہو کہ تم اہل جنت کے نصف ہو۔ سب نے کہا بیشک۔ تو آپ نے فرمایا خوش ہو جاؤ کہ البتہ اہل جنت

ومائة صف امتی من ذالک ثمانون صفا ؛
کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ ان میں سے اسّی صفیں میری امت کی ہونگی ؛

تشریح :۔ آنحضرت کی طرف سے بشارت ہے۔ کہ آپ کی امت اہل جنت کی دو تہائی ہوگی۔ ترمذی میں اس کے ساتھ واربعون من سائر الامم کے الفاظ ہے یعنی اور امتیں ایک تہائی یعنی چالیس کی نسبت سے ہو گی ؛

۳۹۱/۴ ابوحنیفة عن ابی بردة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان امتی امة مرحومة عذابها بایدیها فی الدنیا - وزاد فی روایة بالقتل ؛
حضرت ابی بردہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت امت مرحومہ ہے۔ اس کا عذاب اس کے سامنے دنیا میں ہے اور ایک روایت میں "بالقتل" کا لفظ زیادہ ہے۔ یعنی قتل وغارت وکشت وخون سے ؛

تشریح :۔ ابوداؤد۔ بیہقی۔ حاکم۔ طبرانی ابی موسیٰ سے روایت لائے ہیں امتی مرحومة لیس علیها عذاب فی الآخرة انما عذابها فی الدنیا الفتن والزلازل والقتل والبلایا کہ میری امت مرحومہ ہے۔ اس پر آخرت کا عذاب نہیں۔ البتہ اس کا عذاب دنیا میں فتنے ہیں زلزلے ہیں۔ کشت و خون ہے۔ اور طرح طرح کی مصیبتیں اور تکلیفیں ہیں ؛

۳۹۲/۵ ابوحنیفة عن زیاد عن یزید بن الحارث عن ابی موسیٰ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فناء امتی بالطعن والطاعون قیل یا رسول الله الطعن عرفناه فما الطاعون قال وخز اعداءکم من الجن وفی کلٍّ شهادة ؛
حضرت ابی موسیٰ رضہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی ہلاکی طعن (نیزہ بازی) اور طاعون سے ہے آپ سے عرض کیا گیا۔ یارسول اللہ طعن کو تو ہم سمجھ گئے لیکن طاعون کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تمہارے دشمنوں جنّہ کا نیزہ چبھونا ہے۔ اور ان سب (طعن وطاعون) میں درجہ شہادت ہے ؛

وفی روایة وفی کلٍّ شهداء ؛
اور ایک روایت میں ہے کہ دونوں (سے) ا ہیں شہید ہیں ؛

تشریح :۔ یعنی طاعون کی بیماری سے ہلاک ہونے والے کو اللہ تعالےٰ نے شہادت کا درجہ عطا فرمایا ہے۔ یہ چونکہ ناگہانی موت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے از راہ رحمت یہ احسان کیا ہ

۳۹۳/۶ ابوحنیفة عن خالد بن علقمة عن عبدالله ابن الحارث عن ابی موسیٰ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال فناء امتی بالطعن والطاعون فقیل یارسول
حضرت ابی موسیٰ سے مروی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی ہلاکی طعن اور طاعون سے ہے۔ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ یہ طعن تو ہم نے جان لیا۔ لیکن طاعون

اللہ ھذا الطعن قد علمناہ فما الطاعون قال وخز اعدائکم من الجن وفی کلٍّ شہادۃ۔

کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ تمہارے دشمن جنوں کا نیزہ چبھونا ہے۔ اور ان سب میں شہادت کا درجہ ہے۔

تشریح:۔ گویا اس میں آنحضرت نے طاعون کی حقیقت کو بھی واضح فرمایا کہ یہ مہلک وہیبت ناک بیماری ہے۔ جو اجنہ کے اثر سے رونما ہوتی ہے۔

کتاب الاطعمۃ والاشربۃ والضحایا والصید والذبائح!

کھانے پینے کی اشیاء، قربانیاں، شکار اور ذبیحوں کا بیان!

۳۹۴ / ۱ **ابوحنیفۃ** عن محارب عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھٰی عن کل ذی ناب من السباع۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر کچلہ والے درندہ سے۔

تشریح:۔ ہر وہ درندہ جو کچلہ رکھتا ہے۔ اس کا کھانا حرام ہے۔ مثلاً شیر۔ چیتا۔ بھیڑیا۔ ریچھ۔ ہاتھی۔ بندر وغیرہ۔ یہ حدیث بجنسہ حضرات ابن عباسؓ۔ خالد بن ولید۔ علی بن ابی طالب۔ جابر بن عبداللہ۔ ابو ثعلبۃ الخشنی۔ ابوہریرہ جیسا اصحاب برگزیدہ سے کتب صحاح میں مروی ہے اور جو اپنے معنی عمومی کے لحاظ سے قطعی الدلالت ہے اور روایت کی رو سے بھی قریبا قطعی۔ پس بجو اور لومڑی کو بھی اس کا حکم عمومی شامل ہے کیونکہ وہ بھی کچلے رکھتے ہیں اور درندوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اور یہ ہی مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے۔ امام شافعیؒ و مالکؒ ان دونوں کو حلال جانتے ہیں۔ ان کے پیش نظر عبدالرحمٰن بن ابی عمارہ کی وہ حدیث ہے۔ جو ترمذی۔ ابن ماجہ ولنسائی لائے ہیں۔ بدیں مضمون کہ عبدالرحمٰن حضرت جابر سے پوچھتے ہیں کہ کیا بجو شکار ہے انہوں نے کہا ہاں۔ پھر کہا کیا میں اس کو کھاؤں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارہ میں کہا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ اب غور ذرا کیجئے کہ کہاں یہ قطعی الدلالت حدیث کا عمومی حکم اور کہاں اس حدیث ظنی کی خصوصی اجازت کیونکہ یہ حدیث باعتبار سند و روایت بیشتر حدیث سے بہت گھٹیا ہے اور کمتر تو پھر یہ اس کے معارض کیونکر ہو سکتی ہے۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لئے اس کو صحیح بھی مان لیں تو شک کے وقت حرمت کو حلت پر ترجیح ہوتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ یہ حکم ابتدائے اسلام کا تھا اور اس قطعی الدلالت

حدیث سے منسوخ ہو چکا۔ غرض یہ حدیث اپنی جگہ اٹل ہے اور ناقابل تردید۔ لومڑی کو شافعیؒ بجو پر قیاس کر کے اسی کے حکم میں شامل کرتے ہیں۔

بَابُ ۱۹۶ اَلنَّهْىُ عَنْ اَكْلِ كُلِّ ذِى مِخْلَب!

باب ۱۹۶ ہر چنگل دار جانور کا کھانا منع ہے!

ابو حنیفة عن محارب عن ابن عمر ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نهى يوم خيبر عن اكل كل ذى مخلب من الطير۔

۳۹۵/۱ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن ہر چنگل والے پرندہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح:۔ باز۔ شاہین۔ شکرا۔ گدھ۔ چیل۔ وغیرہ شکاری چنگل دار پرندے اس حکم سے حرام قرار پائے۔

بَابُ ۱۹۷ اَلنَّهْىُ عَنْ اَكْلِ لُحُومِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ

باب ۱۹۷۔ پالتو گدھوں کے کھانے کی ممانعت

ابو حنیفة عن ابی اسحٰق عن البراء قال نهى رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم عن اكل لحوم الحمر الاهلية۔

۳۹۶/۱ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا گھریلو گدھوں کے گوشت کے کھانے سے۔

تشریح:۔ یہ حدیث تقریباً چودہ صحابہ کرام سے مروی ہے۔ اور صحیحین میں بھی ہے اسی لئے علماء کا اس باب میں اتفاق ہے۔ ابن عبد البر تمہید میں کہتے ہیں کہ علماء کا اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ پالتو اور گھریلو گدھوں کو کھانا حرام ہے۔ البتہ ابن عباس اور عائشہؓ سے مروی ہے کہ وہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہ جانتے تھے۔ مگر ان کی طرف سے بھی صحیح وہی روایت ہے، جو سب علماء کے مسلک سے ملتی ہے۔

باب ۱۹۸ النہی عن خُشاش الارض!

باب ۱۹۸ حشرات الارض کے کھانے کی ممانعت!

۳۹۷/۱ ابوحنیفۃ عن نافع عن ابن عمر قال نھینا عن خشاش الارض ۞

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ منع کئے گئے ہم زمین کے کیڑے مکوڑوں (کے کھانے) سے ۞

تشریح:- ان کی علت حرمت ان کی نجاست ہے۔ چنانچہ ابوداؤد کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ جو وہ حشرات الارض کے ذیل میں حضرت ابوہریرہ سے لائے ہیں۔ کہ آنجناب کے حضور میں جھاؤ چوہے کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ کہ وہ ناپاک چیزوں میں سے ایک ناپاک چیز ہے۔ معلوم ہوا کہ جھاؤ چوہا یا اس جیسے حشرات الارض کی حرمت ان کی ناپاکی و گندگی پر مدار رکھتی ہے۔ اور اسی علت کے باعث زمین کے کیڑے مکوڑے سب حرام ہیں۔ چنانچہ آیت کریمہ ویحرم علیھم الخبائث کی بھی یہی تفسیر ہے۔

۳۹۸/۲ ابوحنیفۃ عن ابی الزبیر المکی عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قتل ضفدعًا، فعلیہ شاۃ محرمًا کان او حلالًا ۞

حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قتل کرے مینڈک کو۔ تو اس پر ایک بکری ہے۔ خواہ وہ (مارنے والا) محرم ہو یا حلال ۞

تشریح:- ابوداؤد طیالسی اپنی مسند میں اور ابوداؤد اپنی سنن میں۔ اسی طرح نسائی اور حاکم عبد الرحمٰن بن عثمان سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ ایک طبیب نے آنحضرت ؐ سے دوا میں مینڈک کے استعمال کے بارہ میں دریافت کیا۔ آپ نے اس کو اس کے قتل کرنے سے روکا۔ بیہقی نے کہا ہے کہ مینڈک کے بارہ میں قوی تر حدیث بھی اسی کے ساتھ ساتھ ہے۔ چنانچہ حافظ منذری نے ایک استدلالی پہلو سے اس پر روشنی ڈالی ہے اور بہت خوب کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل سے تو بہرحال روکا ہے۔ اور حیوانات کے قتل سے روکنا یا تو حرمت کے باعث ہوتا ہے جس طرح آدمی ہیں۔ یا اس لئے کہ اس کا گوشت حرام ہے لامحالہ پہلی وجہ تو یہاں موجود نہیں یعنی حرمت۔ تو دوسری وجہ ہی قرار پائی کہ اس کا چونکہ کھانا حرام ہے اس لئے اس کا مارنا بھی ممنوع ٹھیرا۔ اور اسی بنا پر اس کے مارنے والے پر بکری واجب ہوئی۔ کہ لوگ اس کے مارنے سے دست کش رہیں ۞

بَابُ ۱۹۹ حُکمُ اَکلُ الضَّبِّ! — باب ۱۹۹ ۔ گوہ کے کھانے کا حکم!

۳۹۹/۱

اَبُوحنیفۃ عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشۃ انه اهدای لها ضب فسألت رسول الله صلی الله علیه وسلم فنهاها عن اکله فجاء سائل فامرت له به۔ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اتطعمین ما لا تاکلین ؂

حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے کہ کسی نے ان کی خدمت میں گوہ بطور ہدیہ ارسال کی۔ (کہتی ہیں کہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے (کھانے کے) بارہ میں دریافت کیا۔ آپ نے ان کو اسکے کھانے سے روکا۔ اس کے بعد ایک بھکاری آیا۔ (کہتی ہیں کہ) میں نے یہ (گوہ) بھکاری کو دے دینے کا حکم دیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو تم خود نہیں کھاتیں کیا اسے دوسروں کو کھلاتی ہو ؂

تشریح:۔ اس حدیث میں گوہ کے کھانے کا حکم ہے۔ گوہ کے بارے میں امام ابو حنیفہ رح اور امام شافعی رح مالک رح کا اختلاف ہے۔ امام اعظم مکروہ کہتے ہیں اور ہر دو امام اس کو حلال جانتے ہیں۔ امام شافعی و مالک کے پیش نظر وہ حدیث ہے۔ جو حضرت خالد بن ولید سے صحیحین میں مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی خالہ حضرت میمونہ کے پاس گیا۔ اور ان کے پاس ایک بھونی ہوئی گوہ پائی۔ آنحضرت ﷺ اس کیطرف ہاتھ بڑھا رہی تھا کہ ایک عورت نے کہا کہ آپ کو خبر تو کر دو کہ آپ کے سامنے کیا پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ عورتوں نے کہا یا رسول اللہ یہ گوہ ہے۔ آپ نے دست مبارک کھینچ لیا۔ حضرت خالد نے پوچھا کہ کیا یہ حرام ہے آپ نے فرمایا نہیں۔ مگر چونکہ یہ ہمارے ہاں نہیں ہوتی۔ اس لئے میں اسے مکروہ جانتا ہوں کہتے ہیں کہ پھر میں کھاتا تھا۔ اور آپ دیکھ رہے تھے۔ لیکن مجھے منع نہیں فرمایا۔

امام ابو حنیفہ کے مذہب پر کئی صریح صحیح الاسناد احادیث دال ہیں اول یہی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو اس کے کھانے سے روک دیا۔ اس سے بھی حرمت قطعیہ نہیں تو کراہیت تو کم از کم یقیناً ہے۔ دوسرے وہ حدیث جو ابو داؤد حضرت عبدالرحمن بن شبل رضہ سے مرفوعاً لائے ہیں نھی عن اکل لحم الضب کہ آنحضرت نے گوہ کے گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ اس حدیث کو کمزور ثابت کرنے میں مخالفین نے بہت کچھ بحث کی ہے اور خود اپنے ہی قلم سے اپنے کلام کی تردید کی ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں مخالفین نے بہت ضمضم بن زرعہ سے روایت کرتے ہیں۔ لہذا انہیں غریبوں کو جرح و قدح کا نشانہ بنایا۔ بیہقی گوہر افشاں ہیں کہ تفرد بہ اسمعیل بن عیاش ولیس بحجۃ کہ اسمعیل اس کی سند میں منفرد ہیں۔ اور وہ قابل حجت نہیں۔ کیا کسی نے انہیں یہ نہیں دلایا کہ حضرت آپ خود تو اپنی سنن کے باب

ترک الوضوء من الدم میں کہہ آئے ہیں کہ اسمعیل کی روایت شامیین سے صحیح ہے اور ضمضم یقیناً شامی ہیں۔ پھر دیگر ناقدین مثلاً بخاری اور یحییٰ ابن معین نے بھی تصریح کی ہے کہ اسمٰعیل کی روایت شامیین سے صحیح ہے۔ چنانچہ ابو داؤد نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے جو اس کے صحیح یا حسن ہونے کی صاف اور کھلی دلیل ہے کیونکہ جس حدیث پر وہ سکوت کریں وہ حدیث انکے نزدیک صحیح ہے یا حسن۔ لہٰذا اس کے خلاف بولنا سراسر ہٹ دھرمی ہے اور بے جا مخالفت۔ تیسرے وہ حدیث جو امام احمد۔ بزار۔ طبرانی وغیرہ نے عبدالرحمن بن حسنہ سے بدیں مضمون نقل کرتے ہیں۔ کہ ہم آنحضرتؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ہمارا پڑاؤ ایسی جگہ ہوا جہاں گوہیں بکثرت تھیں۔ ہم نے ایک گوہ ماری اور اس کو ذبح کیا۔ جب وہ دیگچی میں پڑی ابل رہی تھی تو آنجناب تشریف لائے اور آپؐ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ بنی اسرائیل کی ایک امت زمین کے چوپایوں کی شکل میں مسخ ہو گئی ہے اور مجھ کو خوف ہے کہ یہ وہ رہی ہو۔ آپ کا محض خوف و شک بھی چیز کی حرمت یا کراہت کو ثابت کرتا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث کم از کم گوہ کی کراہیت کی واضح دلیل ہے۔ چوتھے وہ حدیث جو مسلم حضرت جابرؓ سے لائے ہیں کہ آپؐ کے پاس گوہ لائی گئی۔ تو آپؐ نے اس کے کھانے سے انکار کیا اور فرمایا میں نہیں جانتا شاید یہ مسخ کی ہوئی امت ہو وغیرہ وغیرہ یہ تو وہ احادیث ہیں جو خصوصی طور سے گوہ کے مکروہ ہونے پر دال ہیں۔ لیکن قطع نظر ان کے امام صاحب کی مذکورہ حدیث بھی جو زمین کے حشرات کی حرمت ثابت کرتی ہے اور بطریق نافع وابن عمر منقول ہے گوہ کے ممنوع الاکل ہونے کیطرف ہے۔ کیونکہ گوہ بھی حشرات الارض میں سے ہے۔ لہٰذا انہی کے حکم میں شامل ہے اور نہی اس کیطرف بھی عائد ہوتی ہے۔ نووی کس قدر وثوق کے ساتھ کہتے ہیں۔ واجمع المسلمون علی ان الضب حلال لیس بمکروہ الا ماحکی عن اصحاب ابی حنیفۃ من کراھتہ والا ماحکاہ القاضی عیاض عن قوم انھم قالوا ھو حرام وما اظنہ یصح عن احد وان صح عن احد فمحجوج بالنصوص واجماع من قبلہ کہ مسلمانوں نے اس پر اتفاق کیا کہ گوہ حلال ہے مکروہ نہیں مگر ابوحنیفہ کے شاگردوں سے اس کے خلاف نقل ہے کہ وہ مکروہ ہے۔ یا قاضی عیاض نے بعض قوم سے اس کی حرمت نقل کی ہے اور میرے گمان میں کسی سے بھی بطریق صحیح ثابت نہیں۔ اور اگر ثابت بھی ہو تو روایات صحیحہ اس کے خلاف حجت ہیں اور اس سے پہلے کا اجتماع بھی اس کے خلاف ہے یہ نووی کا کہنا ہے۔ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ میری نے بھی یہی کہا ہے کہ اس کی حلت پر اجماع ہے اس غلط بیانی پر ہم خدا کی پناہ چاہتے ہیں۔ حالانکہ ترمذی صاف کہہ رہے ہیں وقد اختلف اھل العلم فی اکل الضب فرخص فیہ بعض اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرھم وکرھہ بعضھم یعنی اہل علم حضرات نے گوہ کے کھانے کے بارہ میں اختلاف کیا ہے اصحاب نبی میں سے بعض اہل علم نے اس میں رخصت دی ہے۔ اور بعض نے اس کو مکروہ جانا ہے کیا نووی اور میری نے اجماع کا دعویٰ کرتے وقت ترمذی کا کلام نہیں دیکھا تھا اور کیا مذہب حنفیہ کے ثبوت میں مذکورہ روایات ان کے علم سے خارج تھیں۔ یہ روایت کے پہلو پر گفتگو تھی۔ قیاس کی

رو سے بھی بچند وجوہ کراہیت ثابت ہے اول یہ کہ یہاں ادلہ میں تعارض واقع ہوا اور تعارض ادلہ میں کراہیت کا ثبوت زیادہ قرین قیاس ہے۔ دوسرے یہ کہ اصول کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ حرمت وحلت کی روایات جب یک جا جمع ہوں تو حرمت قابل ترجیح ہے۔ تیسرے احتیاط اسی کی متقاضی ہے کہ جانب حرمت مرعی ہو سکہ اگر حلال ہے اور نہ کھائی تو کوئی خاص گناہ نہیں لیکن اگر حرام ہے اور کھالیا تو سخت گنہگار ہوگا۔

بَابُ ۲۰۰ صَيْدِ الْكِلَابِ الْمُعَلَّمَةِ!

باب ۲۰۰۔ سدھائے ہوئے کتّوں کے ذریعے شکار کرنا!

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن همام عن عدى بن حاتم قال سالت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت يارسول الله انا نبعث الكلاب المعلمة فنأكل مما امسكن علينا فقال اذا ذكرت اسم الله عليها ما لم يشرك فيها كلب غيرها قلت وان قتل قال وان قتل قلت يا رسول الله احدنا يرمى بالمعراض قال اذا رميت فسميت فخزق فكل وان اصاب بعرضه فلا تاكل۔

۴۰۰ حضرت عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ہم سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑتے ہیں تو وہ جو (شکار) ہمارے لئے پکڑ لیں (کیا) ہم اسے کھالیں۔ آپ نے فرمایا جب (کھاؤ) کہ ان کو چھوڑتے وقت تم نے بسم اللہ کہی ہو اور کوئی بے سدھایا ہوا کتا اس کے ساتھ شکار میں شریک نہ ہوا ہو میں نے کہا اگر وہ شکار مر جائے۔ آپ نے فرمایا ہاں اگرچہ مر جائے۔ پھر میں نے کہا یارسول اللہ ہم میں سے ایک شخص بے پر والا تیر شکار کے مارتا ہے (تو اس کا کیا حکم ہے) آپ نے فرمایا کہ جب تم نے بسم اللہ کہہ کر تیر مارا اور اس تیر نے اس میں گھس کر اس کو پھاڑ ڈالا تو اسے کھاؤ اور اگر شکار اس تیر کے عرض سے مرا تو اس کو نہ کھاؤ۔

تشریح:۔ سدھایا ہوا کتا وہ ہے جس کو باقاعدہ شکار کی تربیت دی جاتی ہے اور اگر اس کا مالک اس کو شکار پر چھوڑے تو وہ دوڑ پڑے اور اگر اس کو ڈانٹ کر روکنا چاہے تو فوراً رک جائے۔ اور جب شکاری کو پکڑ لے تو اس کو مالک کے لئے روکے رکھے اور تھامے رہے اس کے گوشت کھال یا کسی اور عضو بدن کو نہ چھوئے اور نہ کھائے۔ اگر تین مرتبہ ایسا تجربہ اس کے بارہ میں ہوا تو (وہ سدھایا ہوا کتا مانا گیا۔ اور اس کا وہی حکم ہے جو حدیث میں مذکور ہے۔ اس امر میں بنیادی حکم دراصل یہ فرمان خداوندی ہے وما علمتم من الجوارح مكلبين تعلمونهن مما علمكم الله فكلوا مما امسكن عليكم واذكروا اسم الله عليه

یعنی اور جو سکھاؤ تم زخم دینے والے کو شکار کرنے والوں کو سکھاتے ہو تم ان کو وہ چیز کہ سکھایا ہے اللہ نے تم کو پس کھاؤ جو کچھ پکڑ رکھیں تمہارے اوپر اور یاد کرو اللہ کا نام اس پر ۞

۴۰۱ ابو حنیفة عن عطیة عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماجزر عنه الماء فكل ۞

حضرت ابی سعید خدری رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مچھلی کو چھوڑ دے پانی تو اس کو کھاؤ ۞

تشریح :- سوائے اس مچھلی کے جو مر کر پانی کے اوپر آجائے سب مچھلیاں حلال ہیں۔ ترمذی حضرت جابر رضؓ سے مرفوع حدیث یوں نقل کرتے ہیں ما اصطدتموہ وھو حی فکلوہ وما وجدتموہ میتاً طافیاً فلا تاکلوہ کہ جس مچھلی کو تم زندہ شکار کرو تو اس کو کھاؤ۔ اور جس کو تم مردہ پانی پر تیرتی ہوئی پاؤ اس کو نہ کھاؤ

بَابُ ۲۰۱ التخییر فی اکل الجراد!

باب ۲۰۱ - ٹڈی کے کھانے میں اختیار ہے!

۴۰۲ ابو حنیفة قال سمعت عائشة بنت عجرد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جند اللہ فی الارض الجراد لا اکله ولا احرمه ۞

عائشہ بنت عجرد کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین میں اللہ کا سب سے بڑا لشکر ٹڈی کا ہے۔ میں اس کو نہ کھاتا ہوں اور نہ حرام کرتا ہوں ۞

تشریح :- نووی نے کہا ہے کہ ٹڈی کے حلال ہونے پر اجماع ہے۔ ابن العربی نے اندلس کی ٹڈی کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔ کیونکہ وہ محض ضرر و نقصان ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اگر ٹڈی کا سر الگ کر دیا جائے تو حلال ہے ورنہ نہیں ۞

۴۰۳ ابو حنیفة عن سعید عن عبایة بن رفاعة عن رافع بن خدیج ان بعیرا من ابل الصدقة ندّ فطلبوہ فلما اعیاھم ان یاخذوہ رماہ رجل بسھم فاصاب نقتله فسألوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فامر باکله۔

وقال ان لھا اوابد کاوابد الوحوش فاذا خشیتم منھا فاصنعوا مثل ما صنعتم بھذا

حضرت رافع بن خدیج نے روایت کیا ہے کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بھڑک کر بھاگ پڑا۔ پس اس کے پکڑنے کی فکر ہوئی۔ جب اس نے تھکا مارا اور ہاتھ نہ آیا، تو ایک شخص نے اس کے ایک تیر مارا جو اس کے جا لگا اور اسکو مار ڈالا پس انہوں نے آنحضرتؐ سے اس کے بارہ میں پوچھا (کہ اس کو کھائیں یا نہیں) آپ نے اس کے کھانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ اونٹ بھی وحشی جانوروں کی طرح بعض بھڑکے ہوئے ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب تم کو ان کے بارہ میں خوف دامنگیر ہو تو ایسا ہی کرو جیسا

البعیر ثم کلوہ ؛

کہ تم نے اس اونٹ کے ساتھ کیا۔ پھر اسے کو کھاؤ ؛

وفی روایۃٍ ان بعیراً من ابل الصدقۃ ندَّ فرماہ رجلٌ بسھم فقتلہ نسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن اکلہ فقال کلوہ فان لھا اوابد کاوابد الوحش ؛

اور ایک روایت میں ہے کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بھڑک کر بھاگ پڑا تو ایک شخص نے اس کے تیر مارا اور اسے مار دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے کھانے کے بارہ میں دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس کو کھاؤ۔ کیونکہ وحشی جانوروں کی طرح یہ اونٹ بھی بدکنے والے ہوتے ہیں ؛

تشریح :۔ یعنی بدکے ہوئے اونٹ کو وحشی جانور کی طرح قرار دیا۔ اور اس صورت میں اس کے کھانے کو جائز کر دیا۔

باب ۲۰۲ النھی عن المجثمۃ !

باب ۲۰۱ ۔ جانوروں کو ہدف بنانے کی ممانعت !

۴۰۴/۱ ابوحنیفۃ عن نافع عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھٰی عن المجثمۃ ؛

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجثمہ سے منع فرمایا ہے ؛

تشریح :۔ مجثمہ وہ جانور ہے جس کو سامنے باندھ کر تیر بازی کے لئے نشانہ بنایا جائے۔ ایسا جانور اگر مر جائے تو اس کا کھانا حرام ہے۔ بخاری میں ہشام سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت انسؓ کے ساتھ حکم بن ایوب کے پاس گیا۔ حضرت انس نے چند نوجوان لڑکوں کو دیکھا کہ ایک زندہ مرغی کو سامنے رکھے ہوئے اس پر نشانہ بازی کر رہے ہیں۔ آپ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ چارپایوں کو نشانہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ مسلم اس کو ذبائح میں اور ابوداؤد اضاحی میں لائے ہیں۔ غرض قریب قریب اسی مضمون کی احادیث کتب حدیث میں مروی ہیں ؛

باب ۲۰۳ جواز الذبح بالمروۃ !

باب ۲۰۳ ۔ عورت کا پتھر سے ذبح کرنا جائز ہے !

۴۰۵/۱ ابوحنیفۃ عن نافع عن ابن عمر

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ کعب

ان كعب بن مالك اتى النبى صلى الله عليه وسلم فقال يارسول الله ان غنيمة كانت لها راعية فخافت على شاة منها الموت فذبحتها بمروة فامرها النبى صلى الله عليه وسلم باكلها ؛

بن مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ ایک عورت بکریاں چرایا کرتی تھی اسے کسی بکری کے مرنے کا خوف ہوا۔ تو اس نے اس کو پتھر سے ذبح کر ڈالا (تو اب اس کے کھانے کے متعلق کیا حکم ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے کا حکم صادر فرمایا ؛

تشریح :۔ امام مالک اسی حدیث کو مؤطا میں لائے ہیں اور حدیث کی دوسری کتابوں میں بہ اختلاف الفاظ وارد ہے۔ اس حدیث میں دو مسئلے بیان ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ عورت کا ذبیحہ درست ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر دھار والی چیز جس سے بدن کٹ کر خون بہ سکے سے ذبح کرنا جائز ہے۔ مثلاً پتھر لکڑی وغیرہ۔ کیونکہ ابوداؤد کے طریق سے اور نسائی شعبہ کے واسطہ سے عدی بن حاتم سے روایت لائے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ۔ ذرا بتایئے۔ اگر ہم میں سے کوئی شکار پالے اور اس کے پاس چھری نہ ہو تو وہ کیا پتھر اور لاٹھی کے ٹکڑے سے ذبح کر سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا خون بہاؤ جس سے چاہو اور اللہ کا نام لو ؛

۴۰۶/۲

ابوحنيفة عن الهيثم عن الشعبى عن جابر بن عبد الله قال خرج غلام من الانصار قبل احد فمر فى طريقه فاصطاد ارنبا فلم يجد ما يذبحها فذبحها بحجر فجاء بها الى رسول الله صلى الله عليه وسلم قد علقها بيده -

فامره باكلها ؛

وفى رواية ان رجلا اصاب ارنبين فذبحهما بمروة يعنى الحجر فامره النبى صلى الله عليه وسلم باكلها ؛

وفى رواية اصحاب رجل من بنى سلمة ارنبا باحد فلم يجد سكينا فذبحها بحجر فامره النبى صلى الله عليه وسلم

حضرت جابر سے روایت ہے کہ انصار میں سے کوئی لڑکا احد کی طرف نکلا۔ راستہ میں جاتے جاتے اس نے ایک خرگوش شکار کیا۔ مگر ذبح کرنے کیلئے اسے کوئی چیز نہ ملی۔ تو آخر پتھر سے اس کو ذبح کر دیا۔ پھر اس کو ہاتھ میں لٹکائے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا (اس کے بارہ میں مسئلہ دریافت کرنے کے لئے) آپ نے اس کو اس (خرگوش) کے کھا لینے کا حکم دیا ؛

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے دو خرگوش مارے اور ان کو پتھر سے ذبح کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان کے کھا لینے کا حکم دیا ؛

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ بنی سلمہ کے ایک شخص نے احد پہاڑ میں ایک خرگوش شکار کیا۔ جب اس کو کوئی چھری نہ مل سکی تو اس نے خرگوش کو پتھر سے ذبح کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو

باکلھا ۞　　خرگوش کے کھا لینے کا حکم دیا ۞

تشریح :- یہ حدیث بھی مندرجہ بالا دونوں مسئلوں کی تصدیق کرتی ہے ۞

ابوحنیفة عن حماد عن ابراھیم عن علقمة عن ابن مسعودؓ قال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اکل من ذبیحة امرأة ونھی عن قتل المرأة ۞ ۴۰۷/۳

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کا ذبیحہ تناول فرمایا۔ اور لڑائی میں عورت کے قتل کرنے سے منع فرمایا۞

تشریح :- حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے ضمناً عورت کے ذبیحہ کی حلت ثابت ہوئی اور حدیث ذیل سے اس کی وضاحت ہوئی ۞

باب ۲۰۴ فی فضیلة ایام عشر الاضحیٰ!

باب ۲۰۴ - ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں کی فضیلت میں

ابوحنیفة عن محفول بن راشد عن مسلم البطین عن سعید بن جبیر ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلعم ما من ایام افضل عند الله من ایام عشر الاضحیٰ فاکثروا فیھن من ذکر الله تعالیٰ ۞ ۴۰۸/۱

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشرہ ذی الحجہ سے بڑھ کر کوئی دن افضل نہیں لہٰذا ان دنوں میں اللہ کا ذکر بہت زیادہ کیا کرو ۞

تشریح :- یہ حدیث عشرہ ذی الحجہ کے احترام، برکت، فضیلت اور عظمت کی بین دلیل ہے، اور چونکہ یہ دن برکت والے ہیں۔ اس لئے ان میں ذکر الٰہی وانابت الی اللہ بہت بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے ۞

ترمذی و ابن ماجہ میں حضرت ابی ہریرہ سے یہ حدیث منقول ہے کہ اللہ کے نزدیک عشرہٗ ذی الحجہ سے بڑھ کر کسی دنوں کی عبادت محبوب نہیں کہ اس کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزہ کے برابر ہے اور اس کے ایک رات کی تہجد لیلۃ القدر کے قیام کے برابر عظمت رکھتی ہے ۞

ابوحنیفة عن الھیثم عن عبد الرحمٰن بن سابط عن جابر ابن عبد الله ان النبی صلی الله علیه وسلم ضحی بکبشین اشعرین املحین، احدھما من نفسه والاٰخر عمن شھد ان لا ۴۰۹/۲

حضرت جابر عبد اللہ سے روایت ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بالوں والے چت کبرے دیا سفید رنگ کے مینڈھوں کی قربانی کی ایک اپنی طرف سے اور دوسری اپنی امت کے ہر کلمہ گو کی طرف سے اور اسی حدیث کی ایک

الہ الا اللہ من امتہ وفی روایۃ نحوہ ولم یذکر جابر بن عبد اللہ ؛

سلسلہ سے روائیت ہے جس میں حضرت جابر کا ذکر نہیں ہے ؛

تشریح :- یہ حدیث صحاح میں تقریباً سات صحابہ سے مروی ہے - البتہ کسی ایک آدھ لفظ کا اختلاف ہے - باقی مضمون وہی ہے ؛

۲۱۰/۳ **ابو حنیفۃ** عن حماد عن ابراھیم والشعبی عن ابی بردۃ بن نیار انہ ذبح شاۃ قبل الصلوٰۃ فذکر ذالك للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال تجزئ عنك ولا تجزئ عن احد بعدك ؛

حضرت ابی بردہ رضؓ کے بارہ میں روایت ہے کہ انہوں نے نماز عید سے پہلے ایک بکری کی قربانی کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا آپ نے (حضرت ابی بردہ کو خطاب فرماتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ یہ قربانی محض تمہاری طرف سے کافی سمجھی گئی - مگر تمہارے بعد کسی کیطرف سے کافی نہ ہوگی ؛

تشریح :- سوائے ابن ماجہ کے باقی اصحاب صحاح یہ حدیث حضرت براء بن عازبؓ کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں - جس میں یہ خصوصیت حضرت ابی بردہ کیطرف منسوب ہے - ابن ماجہ ایک اور صحابی کو اس واقعہ کا کردار قرار دیتے ہیں - بیہقی کی روائیت کے مطابق وہ عقبہ بن عامرؓ ہیں اور روایت ابوداؤد کی رو سے زید بن خالد جہنی - تو گویا اس لحاظ سے چار اصحاب اس خصوصیت کے ساتھ مختص ہوئے - بعض نے پانچ کا ذکر کیا ہے ؛

۲۱۱/۴ **ابو حنیفۃ** عن علقمۃ بن مرثد وحماد انہما حدثاہ عن عبد اللہ بن بریدۃ عن ابیہ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ قال انما نھیتکم عن لحوم الاضاحی فوق ثلثۃ ایام لیوسع موسعکم علی فقیرکم ؛

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم کو تین دن سے زیادہ قربانی کے گوشت کو رکھ چھوڑنے سے منع کیا تھا تاکہ تمہارا صاحب حیثیت شخص تمہارے فقیر کو فراخی دے -

تشریح :- ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں - "پس اب کھاؤ جب تک چاہو - کھلاؤ اور رکھ چھوڑو - پھر حضرت عائشہ سے اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں - کہ ان سے کسی نے قربانی کے گوشت کے رکھ چھوڑنے کی ممانعت کے بارہ میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا منع نہیں لیکن صورت یہ تھی کہ قربانی کرنے والے لوگ کم ہوا کرتے تھے - تو آپ نے اس کو پسند فرمایا کہ قربانی کرنے والے قربانی نہ کرنے والوں کو بھی کھلائے - ورنہ ہم پائے بطور ست رکھا کرتے اور دس روز بعد اس کو کھاتے - اور حقیقت میں اگر آنحضرت تین روز سے زائد گوشت رکھ لینے کی اجازت دیتے تو بہت سے مسکین بھوکے رہتے اور قربانی کرنے والے گوشت رکھ رکھ کر کھایا کرتے - اب جب صاحب حیثیت اشخاص کی تعداد بڑھی اور مساکین کم ہوگئے تو تین دن کی پابندی اٹھالی گئی -

بَابُ ۲۰۵ فَضِيلَةِ الْخَلِّ !

باب ۲۰۵ سرکہ کی خوبیاں !

۴۱۲ / ۱ **ابو حنيفة** ومسعر عن محارب بن دثار عن جابر انه دخل عليه وقرب اليه خبزا وخلا ثم قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول نِعْمَ الادام الخل ؛

حضرت محارب کے بارہ میں روایت ہے، کہ وہ حضرت جابرؓ کے پاس گئے اور انہوں نے روٹی اور سرکہ محارب کے سامنے پیش کیا۔ اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تکلف سے منع کیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تمہارے لئے تکلف برتتا۔ اور البتہ میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے کہ سرکہ کیا خوب ترکاری ہے ؛

تشریح :- تکلف کی ممانعت میں بہت سی احادیث منقول ہیں۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت سلمان رضؓ سے مرفوع روایت لکھی ہے لا تکلفوا للضیف کہ مہمان کے لئے تکلف نہ کرو۔ بیہقی شعب الایمان میں یہ حدیث لائے ہیں لا یتکلفن احد لضیفہ مالا یقدر علیہ۔ کوئی اپنی قدرت وحیثیت سے اوپر تکلف اپنے مہمان کیلئے نہ کرے۔ بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم کو تکلف سے روکا گیا۔ دیلمی کی مسند الفردوس میں حضرت زبیرؓ سے روایت ہے کہ میں اور میری امت کے نیک بخت تکلف سے بری ہیں ؛

۴۱۳ / ۲ **ابو حنيفة** عن ابي الزبير عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم نعم الادام الخل ؛

حضرت جابرؓ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سرکہ کیا خوب ترکاری ہے ؛

تشریح :- سرکہ کی خوبیوں میں اسی طرح کے الفاظ صحاح میں کئی ایک طرق سے مروی ہیں ترمذی میں حضرت ام ہانیؓ سے یوں روایت ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ آنحضرتؐ میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کچھ ہے۔ میں نے عرض کیا حضور سوکھی روٹی اور سرکہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ لاؤ وہ ہی لاؤ۔ البتہ جس گھر میں سرکہ ہو، وہ گھر ترکاری سے خالی نہیں۔ بہرحال سرکہ رسول اللہ کو بہت پسند تھا ؛

۴۱۴ / ۳ **ابو حنيفة** عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الكافر يأكل في سبعة امعاء والمؤمن يأكل في معى واحد ؛

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔ اور مومن ایک آنت میں کھاتا ہے ؛

تشریح :- مطلب یہ کہ کافر بے حساب کھاتا ہے اور مومن جلد شکم سیر ہو جاتا ہے ؛

بَابُ ۲۰۶ النَّهْیِ عَنِ الْاَکْلِ مُتَّکِئًا!

۴۱۵/۱ اَبُوحنیفة عن علی الاقمر عن ابی جحیفة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اما انا فلا اکل متکئًا اکل کما یاکل العبد واشرب کما یشرب العبد واعبدُ ربّی حتی یأتینیَ الیقین ؛

باب ۲۰۶ - ٹیک لگا کر کھانے کی ممانعت!

حضرت ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔ بلکہ ایسی انکساری سے کھاتا ہوں جیسے غلام کھاتا ہے پیتا ہوں جیسے غلام پیتا ہے اور عبادت کرونگا اپنے پروردگار کی یہاں تک کہ مجھ کو موت آئے ؛

تشریح :- ٹیک لگا کر کھانے میں تکبر کا اظہار ہے یہ بات آنحضرت کو سخت ناپسند تھی۔ اس لیے یہ بیٹھنے کا طریقہ اختیار نہ فرماتے بلکہ عاجزانہ ہیئت سے بیٹھ کر اس کی دی ہوئی نعمت تناول فرماتے اور خدا کا شکر ادا فرماتے ؛

بَابُ ۲۰۷ النَّهْیِ عَنِ الشُّرْبِ فِیْ اٰنِیَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

۴۱۶/۱ اَبُوحنیفة عن حماد عن حذیفة قال نهانا رسول الله صلی الله علیه وسلم ان نشرب فی آنیة الذهب والفضة وَاَنْ ناکل فیهما وان نلبس الحریر والدیباج قال وهی للمشرکین فی الدنیا ولکم فی الآخرة

باب ۲۰۷ - سونے چاندی کے برتن میں پینا منع ہے!

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سونے چاندی کے برتن میں کھانے پینے اور ریشم اور دیباج پہننے سے منع فرمایا ہے۔ نیز فرمایا کہ یہ چیزیں مشرکین کے لئے دنیا میں ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ؛

تشریح :- مومنین کو ان خرافات دنیوی سے منع کرنے کی وجہ بھی ساتھ ساتھ ظاہر فرما دی کہ مومنین کے سب چیزیں آخرت میں ہیں۔ اس لئے دنیا میں ان کو ان اشیاء سے دست کش رکھا تاکہ یہ خصوصیت آخرت کی رہے اور مشرک چونکہ اپنے سارے مزے دنیا ہی میں ختم کر لیتا ہے۔ اس لئے وہ دنیا میں ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ تو آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں۔ فما له فی الاخرة من نصیب

۴۱۷/۲ ابوحنیفة عن مسلم عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلی قال نزلنا مع حذیفة علی دهقان بالمدائن فاتی بطعام فطعمنا ثم دعا حذیفة بشراب فاتی بشراب فی اناء فضة فضرب به وجهه فساء نا ما صنع فقال اتدرون

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ کے ہمراہ مدائن میں کسی دیہاتی کے یہاں اترے وہ کھانا لایا ہم نے کھایا پھر حضرت حذیفہ نے پانی مانگا۔ تو چاندی کے جام میں پانی لے آیا۔ حضرت حذیفہ نے پانی کا برتن اس کے منہ پر مار دیا۔ ہم کو ان کا یہ فعل بہت ناگوار ہوا۔ تو اس پر انہوں نے

لما صنعتُ بہ ھذا انقلنا لا فقال انی نزلتُ علیہ فی العام الماضی فدعوت بشرابٍ فاتانی بشرابٍ فیہ فاخبرتہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھانا ان نأکل فی آنیۃ الذھب والفضۃ وان نشرب فیھا وان نلبس الحریر والدیباج فانھا للمشرکین فی الدنیا وھی لنا فی الآخرۃ ؎

کہا کہ کیا تم جانتے ہو کہ میں نے اس دہقان کے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ ہم نے کہا نہیں۔ کہنے لگے گذشتہ سال میں اس کے پاس اترا۔ اور میں نے پانی مانگا تو اس نے مجھے چاندی کے برتن میں پانی لاکر دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو چاندی سونے کے برتن میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے اور اس سے کہ ہم ریشم اور دیباج پہنیں کیونکہ یہ چیزیں مشرکین کے لئے دنیا میں ہیں اور ہمارے لئے آخرت میں ؎

تشریح:۔ حضرت حذیفہ کی سخت برہمی و ناراضگی کا سبب دہقان کا عمل تھا۔ حالانکہ آپ نے دیہاتی کو حدیث رسول اللہ بھی سنادی تھی اس کے باوجود اس نے ایسا کیا تو آپ کو سخت غصہ آیا۔ یہ میزبان کے ساتھ بدسلوکی نہیں۔ بلکہ خلاف شریعت عمل پر سخت سرزنش ہے۔ حضرت حذیفہ کیطرف سے یہ اتباع سنت رسول کا بین ثبوت ہے۔ کہ وہ اس کو دیکھ بھی نہ سکے کہ کسی شخص کو سنت رسول معلوم ہونے پر پھر وہ اس کے خلاف چلے ؎ سبحان اللہ الہی وہ صورتیں کس دیس بستیاں ہیں ؎

۴۱۸/۳ حماد عن ابیہ عن ابی نزعۃ عن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ قال استسقے حذیفۃ بن الیمان من دھقان فاتی بشراب فی اناء فضۃ فاخذ الاناء فضرب بہ وجھہ وقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان نشرب فی آنیۃ الفضۃ ؎

حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلےٰ سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان نے ایک دیہاتی سے پانی مانگا۔ تو وہ پانی چاندی کے برتن میں لے آیا۔ آپ نے وہ برتن اس کے منہ پر دے مارا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہم کو چاندی کے جام میں پانی پینے سے منع فرمایا ہے ؎

تشریح:۔ یہ حدیث پچھلے قصہ کی طرف مشیر ہے ؎

۴۱۹/۴ ابوحنیفۃ عن الحکم عن ابن ابی لیلیٰ قال کنا مع حذیفۃ بالمدائن فاستسقے دھقاناً فاتاہ بہ فی جام فضۃ فرمی بہ ثم قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن آنیۃ الذھب والفضۃ وقال ھی لھم فی الدنیا ولکم فی الآخرۃ ؎

حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلےٰ کہتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہ کیساتھ مدائن میں رفیق سفر تھے کہ انہوں نے ایک دیہاتی سے پانی مانگا وہ چاندی کے پیالے میں پانی لے آیا انہوں نے اس کو پھینک دیا اور کہا کہ رسول اللہ صلعم نے سونے چاندی کے برتن (اس میں کھانے پینے) سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ انکے لئے (مشرکین کے لئے) دنیا میں ہے اور تمہارے لئے آخرت میں ؎

تشریح:۔ یہ بحث پہلے گذر چکی ہے ؎

۴۲۰/۵ ابوحنیفۃ عن نافع عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دُبا اور حنتم سے

نہی عن الدباء والحنتم۔
تشریح:۔ ان میں نبیذ بنانے سے۔ چونکہ یہ برتن شراب کیلئے استعمال کئے جاتے تھے۔ اور اہل اسلام میں ان برتنوں کی بھی ممانعت آپؐ نے کر دی۔ دبا رکدو کو کہتے ہیں مراد تونبا۔ حنتم سبز ٹھلیا۔ منع فرمایا ہے

۴۲۱/۶ **ابوحنیفة** عن علقمة عن سلیمان بن بریدة عن ابیه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال نهیناکم عن زیارة القبور فقد اذن لمحمد صلی الله علیه وسلم فی زیارة قبر امه فزوروها ولا تقولوا هجرا وعن لحوم الاضاحی ان تمسکوا فوق ثلثة ایام وانا نهیناکم لیوسع موسرکم علی فقیرکم۔

والآن قد وسع الله علیکم فکلوا وتزودوا۔

وعن الشرب فی الحنتم والمزفت وفی روایة عن النقیر والدباء فاشربوا فی کل ظرف شئتم فان الظرف لا یحل شیئا ولا یحرمه ولا تشربوا مسکرا۔

وفی روایة قال انا نهیناکم عن ثلث عن زیارة القبور فزوروها ونهیناکم ان تمسکوا لحوم الاضاحی فوق ثلثة ایام فامسکوها وتزودوها فانما نهیناکم ان تشربوا فی الدباء والمزفت فاشربوا فیما بدا لکم فان الظرف لا یحل شیئا ولا یحرمه ولا تشربوا مسکرا۔

وفی روایة نحوه وفیه عن النبیذ فی الدباء والحنتم والمزفت

حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا۔ لیکن جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کی والدہ ماجدہ کی قبر کی اجازت مل گئی۔ تو فرمایا قبروں کی زیارت کرو (ان پر جاؤ) مگر ناشائستہ ناز یبا بات منہ سے نہ نکالو۔ اور ہم نے منع کیا تھا تم کو قربانی کے گوشت کو رکھ چھوڑنے سے تین دن سے زائد اور منع اس لئے کیا تھا کہ تمہارے صاحب حیثیت تمہارے فقیروں پر فراخی وخوشحالی لائیں۔ اور اب چونکہ اللہ تعالیٰ نے تم سب کو فراخی دے دی ہے۔ اس لئے کھاؤ اور منع کیا تھا ہم نے تم کو حنتم اور مزفت میں پینے سے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ نقیر اور دبا میں پینے سے۔ تو اب پیو۔ جس برتن میں چاہو۔ کیونکہ برتن کسی چیز کو حلال حرام نہیں کرتا۔ ہاں نشہ لانے والی چیز نہ پیو۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ہم نے تم کو تین باتوں سے منع کیا تھا۔ زیارت قبور سے تو اب ان کی زیارت کرو۔ اور ہم نے منع کیا تھا تم کو قربانی کے گوشت کو رکھ چھوڑنے سے تین دن سے زیادہ لہذا اب اس کو رکھو اور جمع کرو اور اس لئے منع کیا تھا تم کو کہ تمہارے مالدار تمہارے فقیروں کو فراخی سے کھانے کا موقع دیں۔ اور منع کیا تھا ہم نے تم کو کہ دبا اور مزفت میں پیو تو اب پیو جس میں چاہو۔ کیونکہ برتن کسی چیز کو نہ حلال کرتا ہے نہ حرام البتہ نشہ آور چیز نہ پیو۔

اور ایک اور روایت میں ہے۔ اور اس میں یوں ہے کہ منع کیا تھا ہم نے تم کو نبیذ بنانے

فاشربوا فی کل ظرف ولا تشربوا مسکرا:

سے دوبار ختم اور مزفت ہیں پس اب ہر برتن میں پیو۔ لیکن نشہ والی چیز نہ پیو:

تشریح:۔ مزفت روغن لگا ہوا برتن۔ نقیر۔ لکڑی کو تراش کر بنایا ہوا برتن:

ح ۱۲۲ **ابو حنیفة** عن علقمة و حماد حدثاه عن عبد اللہ بن بریدة عن ابیه عن النبی صلعم انه قال اشربوا فی کل ظرف فان الظرف لا یحل شیئا ولا یحرمه:

حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیو ہر برتن میں۔ کیونکہ برتن کسی چیز کو نہ حلال کرتا ہے نہ حرام:

تشریح:۔ یہ حدیث بھی پیشتر مضمون کا اعادہ کرتی ہے:

باب ۲۰۹ شرب النبیذ!

باب ۲۰۹ - نبیذ کا پینا!

ح ۱۲۳ **ابو حنیفة** عن حماد عن ابراہیم عن علقمة قال رأیت عبد اللہ ابن مسعود وھو یاکل طعاما ثم دعا بنبیذ فشرب فقلت رحمك اللہ تشرب النبیذ والامة تقتدی بك فقال ابن مسعود رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یشرب النبیذ، ولولا انی رأیته یشرب ما شربته:

حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن مسعود کو دیکھا۔ کہ آپ نے کھانا کھایا اور پھر نبیذ منگا کر اس کو پیا۔ میں نے کہا اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ آپ نبیذ پیتے ہیں اور امت آپ کی اقتدا کرتی ہے۔ اس پر ابن مسعود نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ اگر میں آنجنابؐ کو پیتے ہوئے نہ دیکھتا تو نہ پیتا:

تشریح:۔ حدیث میں مسئلہ نبیذ کا بیان ہے یا نبیذ کی تعریف ہے کہ خشک انگوروں یا کھجوروں کو پانی میں ڈال دیں اور دیر تک اس میں چھوڑے رکھیں کہ ان کی مٹھاس وشیرینی اس پانی میں خوب اتر کر جائے۔ اور اس سے ایک لذیذ۔ خوش ذائقہ شربت تیار ہو جائے۔ یہ جس قدر خوش ذائقہ ہوتا ہے اسی قدر صحت کو بھی مفید ہوتا ہے۔ نقیع بھی اسی قسم کے ایک شربت کا نام ہے۔ مگر اس میں انگور یا کھجوریں پانی میں کم دیر کے لئے چھوڑی جاتی ہیں۔ یہ نبیذ آنحضرتؐ نے نوش فرمائی ہے۔ مثلاً اسی حدیث میں یا شمائل ترمذی میں حضرت انس سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس پیالہ سے آنحضرت کو تمام پینے کی اشیاء پلائی ہیں مثلاً نبیذ، شہد، دودھ، مسلم میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آپ کہتی ہیں کہ ہم آنحضرتؐ کیلئے نبیذ تیار کرتے ایک مشک میں۔ جو اوپر کی جانب سے بند کی جاتی اور اس کے نیچے بھی ایک دہانہ ہوتا تھا صبح کو اس میں کھجور وغیرہ ڈال کر نبیذ تیار کرتے جس کو آپ نوش جان فرماتے رات کو یا رات کو تو اس کو نوش جان فرماتے صبح کے وقت چنانچہ تمام علماء کے نزدیک یہ نبیذ جائز اور حلال ہے۔ البتہ اس کو اگر خفیف سا جوش دے لیں کہ یہ نشہ کی حد تک نہ پہنچے تو اس کے استعمال میں ائمہ مختلف القول ہیں۔ امام ابو حنیفہ وامام ابو یوسف

اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس شرط سے کہ وہ ہاضمہ کی درستی کے لیے استعمال کی جائے نہ لہو ولعب کے لیے۔ احناف میں سے امام محمد اور امام شافعی و مالک اس کو ناجائز مانتے ہیں۔ مگر احناف کے نزدیک بھی فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے اور فقیہ ابواللیث نے کہا ہے کہ ہمارا عمل اسی پر ہے۔ نبیذ جس طرح انگور و کھجور سے تیار ہوتی ہے۔ اسی طرح اور اشیاء خوردنی سے بھی بنتی ہے۔ مثلاً گیہوں۔ جو۔ انجیر۔ شہد وغیرہ۔

۲۴۴

اَبُوحَنِيفَة وَمِسعرٌ عَنْ عَطَاء

عن جابر قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن نبیذ الزبیب والتمر والبسر والثمر ۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا انگور اور کھجور کی نبیذ سے اور گدرا اور پکی کھجور کی ایک جا بنائی ہوئی نبیذ سے۔

تشریح:۔ صحاح میں یہ حدیث متعدد طرق سے منقول ہے۔ صحیحین میں ابی قتادہ بن ربعی سے یوں روایت ہے کہ گدرا اور پختہ کھجور سے ساتھ ساتھ اور پختہ کھجور اور انگور سے ساتھ ساتھ نبیذ تیار نہ کرو البتہ تیار کرو ان سے الگ الگ گو ان سے الگ الگ نبیذ بنانا تو جائز ہے۔ مگر یکجائی شکل میں نہیں۔ یہ حکم امتناعی اس نقطہ خیال کے تحت ہے کہ یکجائی صورت میں بہت ممکن ہے کہ ایک چیز جلد تغیر حاصل کر کے سکر کی کیفیت اپنے اندر پیدا کرلے اور دوسری چیز میں سرایت کر جائے۔ مگر معلوم نہ ہو اور یوں لاعلمی میں حرام چیز کا استعمال عمل میں آجائے۔ اس لیے یہ صورت ناجائز قرار دی گئی۔ مگر واضح رہے کہ یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے۔ امام ابوحنیفہ و امام ابویوسف کے نزدیک اس مخلوط نبیذ میں اگر نشہ پیدا نہ ہوا ہو تو اس کا استعمال جائز ہے۔ اور امام شافعی مالک و احمد کے نزدیک خواہ نشہ پیدا ہو یا نہ ہو ظاہری الفاظ حدیث کے تحت حرام ہے۔ امام محمد احناف میں سے تینوں ائمہ کے ساتھ ہیں۔ یعنی حرمت کے وہ بھی حرمت کے قائل ہیں۔ حرمت کے قائلین کی دلیل یہی حدیث ہے یا اسی طرح دوسری احادیث۔ احناف کے نزدیک یہاں بھی فتوے امام محمد کے قول پر ہے۔ امام ابوحنیفہؒ ممانعت کی احادیث کو ابتدائے اسلام پر محمول کرتے ہیں جبکہ مسلمانوں پر تنگدستی اور محتاجگی کا دور دورہ تھا کہ اسوقت امیروں پر دو چیزوں کا بیک وقت استعمال بند تھا کہ ان کے غریب ساتھی دوسری چیز کا استعمال کر سکیں یہ نہیں کہ وہ تو دو دو چیزیں استعمال کریں اور دوسرے ایک سے بھی محروم ہوں۔ ایسا عمل ابتدائے اسلام میں کئی چیزوں کے بارہ میں ہوا ہے اور حلت کیلئے وہ اس حدیث سے دلیل لاتے ہیں جو امام محمد کتاب الآثار میں لائے ہیں۔ کہ ابن زیاد کہتے ہیں کہ میں ابن عمر کے پاس گیا۔ تو آپ نے مجھ کو شربت پلایا جس کے اثر سے میں اپنے گھر والوں تک نہ پہنچ سکا۔ کہتے ہیں کہ دوسرے روز جب میں صبح ان سے ملا تو میں نے اس کا ذکر کیا۔ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نے تو تم کو صرف کھجور اور انگور کی نبیذ پلائی تھی۔ لہٰذا اگر یہ مخلوط حرام ہوتی تو ابن عمر جو اتباع سنت رسول میں شہرہ آفاق تھے کس طرح حرام چیز پیتے یا دوسرے کو پلاتے۔ شیخ الاسلام کی مبسوط میں ابراہیم نخعی سے بھی اسی قسم کی روایت موجود ہے۔

۴۲۵/۲ **ابو حنيفة** عن علقمة بن مرثد و حماد بن ابی سلیمان عن عبد الله بن بريدة عن ابيه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا تشربوا مسكراً ؛

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مت پیو نشہ آور چیز ؛

تشریح :- حدیث کی کتابیں نشہ آور اشیا کی حرمت کے اقوال سے بھری پڑی ہیں ؛

۴۲۶/۲ **ابو حنيفة** عن ابی عون محمد الثقفی عن عبد الله ابن شداد عن ابن عباس انه قال حرمت الخمر قليلها وكثيرها والسكر من كل شراب ؛

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روائیت ہے کہ انہوں نے کہا شراب حرام کی گئی تھوڑی ہو یا بہت - اور نشہ ہر شراب میں سے ؛

تشریح :- اس حدیث میں امام مالک - شافعی - احمد اور امام ابو حنیفہؒ کے درمیان اختلاف ہے صورت اختلاف یہ ہے کہ تینوں ائمہ کے نزدیک ہر نشہ آور چیز کو خمر (شراب) کہتے ہیں اور وہ تھوڑی اور بہت حرام ہے اور اس کا پینے والا خواہ کسی مقدار میں پیئے لائق حد ہے وہ کہتے ہیں - کہ خمر دراصل مخامرت سے مشتق ہے گویا عقل کو چھپانے والی - اب جو شراب بھی بسبب نشہ کے عقل کو چھپائے وہ خمر کے حکم میں ہے اور تھوڑی ہو یا بہت حرام ہے - روایت کی رو سے یہ مسلم کی اس حدیث سے بھی دلیل لاتے ہیں - کہ آپ نے فرمایا کل مسكر خمر کہ ہر نشہ آور چیز خمر ہے - یا اس حدیث سے کہ آپ نے فرمایا الخمر من هاتين الشجرتين الكرمة والنخلة کہ خمر ان دو درختوں سے ہے انگور کی بیل اور کھجور - گویا انگور کے ساتھ کھجور کو بھی شامل کیا - امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ خمر تخمر سے ہے بمعنی تشدد اور قوت جو دوسری کسی چیز کو حاصل نہیں اسی لیے اس کو ام الخبائث کہتے ہیں اور یہ باعتبار لغت اور بہ لغت عوام عرب خمر انگور کے کچے پانی کو کہتے ہیں - جبکہ وہ نشہ آور ہو جائے - اس معنی میں اس کی حرمت قطعی ہے قرآن پاک سے بھی اس کی حرمت بآیت يا ايها الذين امنوا انما الخمر والميسر والانصاب الآية ثابت ہے اور احادیث صحیحہ سے بھی - باقی دوسری چیزوں کی شرابوں کی حرمت قطعی نہیں بلکہ ظنی اور اجتہادی ہے مثلاً گیہوں - جو - جوار - کی شراب اور ان میں خمر کے علاوہ دوسرے الفاظ مستعمل ہیں - مثلاً نبیذ - نقیع - سکر وغیرہ - چنانچہ ان کا وہ حکم نہیں جو انگور کی شراب کا ہے کہ وہ کم بھی حرام ہے اور زیادہ بھی - تھوڑی پینے پر بھی حد ہے - اور زیادہ پر بھی - بلکہ یہ دیگر شرابیں اگر قلیل مقدار میں استعمال کی جائیں کہ نشہ نہ پیدا کریں تو حرام نہیں - ہاں اگر نشہ لانے کی مقدار پی جائیں تو یہ حرام ہیں - اور ان کے پینے والے پر حد جاری ہوگی - اسی طرح یہ فرق بھی ہے - کہ انگور کی شراب کی حرمت سے انکار کرنے والا کافر ہے - اور دیگر شرابوں کی حرمت سے انکار کرنے والا کافر نہیں - کیونکہ ان کا ثبوت ظنی ہے قطعی نہیں - امام صاحب کے مسلک پر دلیل ابن عباس کی حدیث ذیل سے لائی جاتی ہے - جو صاف گویا ہے کہ خمر (انگور کی شراب) تھوڑی اور بہت ہر مقدار میں قطعی حرام ہے اور

شراب نشہ کی حد پر حرام ہے اس سے کم مقدار میں نہیں۔ گو یا دیگر شرابوں میں حرمت وحلت کے لیے نشہ کو حدِ فاصل یا خطِ امتیازی قرار دیا ہے اور انگور کی شراب میں ایسا نہیں۔ سو ہاں ایک قطرہ بھی ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ پوری بوتل یا اس سے بھی زائد۔ ائمہ ثلاثہ کی حجت لائی ہوئی حدیث کل مسکر خمر کا جواب یہ ہے کہ یحییٰ بن معین نے اس پر طعن کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ تین احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ایک لانکاح الا بولی وشاہدی عدل دوسری من مس ذکرہ فلیتوضا اور تیسری کل مسکر خمر۔ اور یحییٰ بن معین کی وہ شخصیت ہے کہ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جس حدیث کو یحییٰ بن معین نہ پہچانیں وہ حدیث حدیث نہیں۔ دوسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت خمر کی حقیقت واضح نہیں فرما رہے ہیں بلکہ اس کے حکم کا بیان ہے۔ اور رسول اللہ کا یہ کام بھی نہیں کہ وہ الفاظ کی لغوی یا معنوی حقیقت پر بحث فرمائیں بلکہ یہاں بحث لفظی تحقیق میں ہے۔ اب مخالفین حدیث ذیل کے والسکر کی صحت کو نہایت شدومد سے باطل کرتے ہیں۔ جس پر پورے مذہب کی بنیاد ہے۔ کہتے ہیں کہ مُسکِرہ صحیح ہے۔ حالانکہ متعدد طرق سے والسکر کا ہی لفظ منقول ہے۔ طبرانی یوں لائے ہیں حرم اللہ الخمر والسکر من کل شراب کہ اللہ نے عین خمر کو حرام فرمایا اور ہر شراب سے نشہ کو۔ اور بزار اور دار قطنی بھی یوں ہی لائے ہیں۔ مرفوع بھی لائے ہیں اور موقوف بھی۔ نسائی بھی ثقہ راویوں سے اس حدیث کو اسی لفظ سے لائے ہیں لہذا یہ لفظ اپنی جگہ صحیح ہے۔ پھر مخالفین کہتے ہیں کہ حدیث کے وصل وانقطاع اور رفع ووقف میں اختلاف ہے جو اس حدیث کے ضعف کی دلیل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ اختلاف حدیث کی صحت میں حارج نہیں کیونکہ مثلاً رفع زیادتی ہے اور راوی کے ثقہ ہونے پر اس کی زیادتی مقبول ہے۔ اور یہ بات بھی ثابت ہو چکی کہ جس مسئلہ میں اجتہاد کو دخل نہ ہو اس کا وقف رفع ہی کے حکم میں ہے۔ یا مثلاً انقطاع حدیث کی صحت میں فرق نہیں لاتا۔ کہ جب کہ راوی ثقہ ہو۔ بلکہ ایسی حدیث حکم میں مرسل کے ہوتی ہے۔ اس معاملے میں آج بھی صحیح اور درست حل کی ضرورت ہے۔ مفکرین علما پر حق ہے کہ وہ اس سلسلے میں مزید تشریح کریں ٭

بَابُ ۲۰۹ حُرْمَةُ اَكْلِ ثَمَنِ الْخَمْرِ!

باب ۲۰۹۔ شراب کی قیمت کا کھانا حرام ہے!

۴۲۷ ۱ ابو حنيفة عن محمد بن قيس الهمداني عن ابي عامر الثقفي انه كان يهدي للنبي صلى الله عليه وسلم في كل عام راوية من خمر وفي رواية

محمد بن قیس الہمدانی سے روایت ہے کہ ابی عامر الثقفی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر سال شراب انگوری کی ایک مشک بطور ہدیہ بھیجا کرتا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ ثقیف کا ایک شخص

ان رجلاً من ثقیف یکنی اباعامر کان یھدی للنبی صلی اللہ علیہ وسلم کل عام راویۃ من خمر فاھدی فی العام الذی حرمت فیہ الخمر راویۃ کما کان یھدی لہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اباعامر ان اللہ تعالیٰ قد حرم الخمر فلا حاجۃ لنا فی خمرک قال خذھا فبعھا فاستعن بثمنھا علی حاجتک فقال یا اباعامر ان اللہ تعالیٰ قد حرم شربھا وبیعھا واکل ثمنھا ؛

جسکی کنیت ابو عامر تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر سال شراب انگوری کی ایک مشک بطور ہدیہ بھیجا کرتا تھا۔ لہٰذا جس سال کہ شراب حرام ہوئی اس نے حسب معمول شراب کی مشک ہدیہ بھیجی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابی عامر چونکہ اللہ تعالیٰ نے شراب حرام کر دی ہے اس لئے اب ہم تیری شراب کے حاجتمند نہیں۔ وہ بولا۔ دکو کی پروا نہیں اسکو آپ لیجیے اور اس کو بیچ کر اس کی قیمت اپنی ضروریات میں صرف کیجیے۔ آپ نے فرمایا اے ابی عامر التبہ اللہ تعالےٰ نے اس کا پینا بیچنا اور اسکی قیمت کا کھانا (سب) حرام کر دیا ہے ؛

تشریح :۔ شراب کی حرمت کی تشریح گذر چکی ہے ؛

کتاب اللباس والزینۃ

لباس اور زینت کا بیان

باب ۲۱۰ ذکر قلنسوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باب ۲۱۰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلاہِ اقدس

ابوحنیفۃ عن عطاء عن ابی ھریرۃ قال کان لرسول اللہ صلی اللہ وسلم قلنسوۃ شامیۃ وفی روایۃ عن عطاء عن ابی ھریرۃ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلنسوۃ بیضاء شامیۃ ؛

۴۲۸/۱ حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلاہ شامی تھی اور ایک روایت میں حضرت ابی ہریرہ سے یوں مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلاہ سفید رنگ کی شام کی بنی ہوئی تھی ؛

تشریح :۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ کی کلاہ سفید لاطینی تھی۔ بعض میں اس طرح ہے کہ آپ بغیر عمامہ کے بھی کلاہ پہنتے۔ اور عمامہ کے ساتھ بھی۔ اور بغیر کلاہ کے بھی عمامہ باندھتے اور لڑائی میں آپ کانوں والی کلاہ پہنا کرتے۔

باب ۲۱۱ السدل!

باب ۲۱۱ - سدل کا بیان!

۴۲۹/۱ ابو حنیفة عن علی بن الاقمر
عن ابی جحیفة ان النبی صلی الله علیه وسلم
مرّ برجل سادل ثوبه فاعطفه علیه
وفی روایةٍ عن علی بن الاقمر عن
النبی صلی الله علیه وسلم منقطعًا ؛

حضرت ابی جحیفہ رض سے روایت ہے۔ کہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے
گذرے جو کپڑا لٹکائے ہوئے تھا۔ تو آپ نے
اس کپڑے کو اس کے شانے پر الٹ دیا۔ اور ایک
روایت ہے علی بن اقمر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
منقطع ہے ؛

تشریح :- کپڑے کو بغیر لپیٹے ہوئے لٹکائے اور چھوڑے رکھنا منع ہے اسی لئے آنجناب نے اس کو اس کے شانے پر ڈال کر اس کو لپیٹ دیا ؛

باب ۲۱۲ النهی عن لبس الحریر والدیباج!

باب ۲۱۲ - ریشم اور دیباج پہننے کی ممانعت

۴۳۰/۱ ابو حنیفة عن الحکم عن ابن ابی لیلی
عن حذیفة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم
نهی عن لبس الحریر والدیباج وقال انما
یفعل ذالك من لاخلاق له ؛

حضرت حذیفہ رض سے روایت ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم اور دیباج کے
پہننے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ یہ وہ پہنتا ہے۔
جس کا (آخرت میں) کوئی حصہ نہیں۔

تشریح :- ریشم و دیباج کی حرمت مردوں کے لئے ہے عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ طبرانی اپنی معجم میں حضرت عبداللہ بن عمر رض سے حدیث لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور آپ کے ایک ہاتھ میں ریشم کا پارچہ تھا اور دوسرے میں سونا۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں چیزیں تیری امت کے مردوں پر حرام ہیں اور عورتوں کے لئے حلال البتہ تین چار انگل کی مقدار میں ریشم مردوں کے لئے جائز ہے چنانچہ دوسری روایت میں آنحضرت سے اس مقدار کی رخصت ثابت ہے ؛

باب ۲۱۳ بیان التماثیل!

باب ۲۱۳ - تصویروں کا بیان

۴۳۱/۱ ابو حنیفة عن ابی اسحٰق عن
عاصم بن حمزة عن علی کرم الله وجهه انه کان

عاصم بن حمزہ سے روایت ہے، کہ علی کرم اللہ
وجہہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ

علق فی بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سترًا فیہ تماثیل فابطأ جبرئیل ثم اتاہ فقال لہ ما ابطأک عنی فقال انا لا ندخل بیتًا فیہ کلب ولا تماثیل فابسط الستر ولا تعلقہ واقطع رءوس التماثیل واخرج ھذا الجرو۔

پردہ لٹکا دیا۔ جس پر تصویریں تھیں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنے میں دیر کی اور پھر آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس۔ آنحضرت نے دریافت فرمایا کہ تم نے میرے پاس آنے میں دیر کیوں کی انہوں نے کہا کہ ہم فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا یا تصویریں ہوں۔ لہٰذا آپ پردہ کھول کر بچھالیں۔ اور اس کو نہ لٹکائیں اور تصویروں کے سر کاٹ دیں اور اس کتے کے پلّے کو بھی نکال دیں۔

تشریح:۔ یہ حدیث مسئلہ تصویر کے بارے میں ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ رحمت کے فرشتے ایسے گھر میں نہیں گھستے جس میں تصویر ہو یا کتا تصویر کی خرابی سے کون واقف نہیں اس دور میں اسلامی معاشرہ کو برباد کرنے والی سب سے بڑی چیز تصویر ہے۔ جس نے کئی نسل کی اخلاقی حالت تباہ کر دی۔

باب ۲۱۴ الخضاب بالحناء!

باب ۲۱۴۔ مہندی سے بالوں کو خضاب کرنا!

۴۳۲/۱ ابوحنیفۃ عن نافع عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخضبوا شعرکم بالحناء خالفوا اھل الکتاب۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خضاب کرو اپنے بالوں کو مہندی سے اور اہل کتاب مخالف کرو۔

تشریح:۔ اہل کتاب خضاب نہیں لگاتے تھے۔ لہٰذا ان کی مخالفت میں خضاب کا حکم ہوا۔ کہ ان کی مخالفت مستحب ہے پھر مہندی کی دوسری احادیث میں بہت تعریف آئی ہے۔ لیکن یوں آیا ہے کہ وہ خوشبو والی چیز ہے اور کہیں اس طرح کہ وہ تمہارے جمال وخوبصورتی کو بڑھاتی ہے۔ غرض خضاب لگانا جائز ہے جس سے بال سرخ ہو جائیں یا سرخ مائل سیاہ ہوں۔ البتہ بالکل سیاہ کرنا جائز نہیں۔

باب ۲۱۵ الخضاب بالکتم!

باب ۲۱۵۔ کتم سے خضاب کرنا!

۴۳۳/۱ ابوحنیفۃ عن یحیی بن عبداللہ الکندی عن ابی الاسود عن ابی ذر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان احسن ما غیرتم به الشیب الحناء والکتم وفی روایۃ قال احسن

حضرت ابی ذرؓ سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین چیز جس سے تم اپنے بڑھاپے کو تبدیل کرتے ہو مہندی اور نیل ہے اور ایک روایت میں ہے کہ بہترین چیز جس سے تم بالوں

ما غیّرتم به الشعر الحناء والکتم وفی روایة من احسن ما غیّرتم به الشیب الحناء والکتم ؛

کو متغیر کرو مہندی اور نیل ہے۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ بہترین چیز جس سے تم بڑھاپے کو تبدیل کرو مہندی اور نیل ہے ؛

تشریح :- یہ حدیث مہندی اور نیل کے خضاب کی تعریف وجواز کے بارے ہیں ؛

باب ٢١٦ الاخذ بنواحی اللحیة !

باب ٢١٦ - داڑھی کے اطراف و جوانب کی اصلاح کرنا !

٣٣٤/١ ابو حنیفة عن الهیثم عن رجل ان ابا قحافة اتی النبی صلی الله علیه وسلم ولحیته قد انتشرت قال فقال لو اخذتم واشار الی نواحی لحیته ؛

ایک شخص سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ابی قحافہ آئے اور انکی داڑھی بکھری پڑی تھی تو آپ نے ان کی داڑھی کے اطراف کی طرف اشارہ فرما کر فرمایا کاش تم اس کو کترتے اور اصلاح کرتے ؛

ترمذی میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی کو عرض وطول سے کتروا دیا کرتے تھے ؛

تشریح :- جنگیوں کے طرح داڑھی ٹھیک نہیں بلکہ اس کی اصلاح کرانی چاہیے ابو قحافہ حضرت ابو بکر صدیق کے والد تھے اور فتح مکہ کے دن آنحضرت کے سامنے آئے تھے ؛

٣٣٥/٢ ابو حنیفة عن الهیثم عن ام ثور عن ابن عباس رض انه قال لا بأس ان تصل المرأة شعرها بالصوف انما نهی بالشعر وفی روایة لا بأس بالوصل اذا لم یکن شعر بالرأس ؛

حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ کوئی پرواہ نہیں اگر عورت اپنے بالوں میں صوف ملائے۔ البتہ بالوں میں بال ملانے کی ممانعت ہے۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اگر سر پہ بال نہ ہوں تو وصل جائز ہے ؛

تشریح :- یعنی عورتوں کے لئے بالوں کے ساتھ بالوں کو ملانا بخاری کی ایک روایت میں حرام ہے ؛

كتاب الطب[۲۱۷] وفضل المرض والرقى والدعوات

طب، مرض کی برکت، دم - اور دعاؤں کا بیان

۲۳۶/۱

ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان الله ليكتب للانسان الدرجة العليا في الجنة ولا يكون له من العمل ما يبلغها فلا يزال يبتليه الله حتى يبلغها ؛

حضرت عائشہ رض سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ ایک بندہ کے لئے بلند درجہ جنت میں لکھ دیتا ہے مگر اس کا عمل ایسا نہیں ہوتا۔ کہ اسکو اس درجہ تک پہنچاوے۔ تو اس لئے اللہ تعالےٰ اسکو ہمیشہ بیماری میں مبتلا رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شخص اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے ؛

تشریح :- ابوداؤد و امام احمد بھی محمد بن خالد السلمی سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے باپ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالےٰ کسی بندہ کے لئے جنت میں کوئی درجہ پہلے سے لکھ چھوڑتا ہے جس تک وہ اپنے عمل سے نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کی جان اس کے مال اور اس کی اولاد کی طرف سے اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے۔ پھر اس کو صبر دے دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بندہ اس لکھے ہوئے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اور ترمذی حضرت ابی ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ مومن مرد و عورت اپنی جان۔ مال۔ اور اولاد کیطرف سے مصیبت میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملتے ہیں کہ ان پر ایک گناہ نہیں ہوتا؛

۲۳۷/۲

ابو حنيفة عن علقمة عن ابن بريدة عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا مرض العبد وهو على طائفة من الخير قال الله تبارك وتعالى للملائكة اكتبوا لعبدي مثل اجر ما كان يعمل وهو صحيح ؛

زاد في رواية مع اجر البلاء ؛

حضرت بریدہ سے روایت ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی ایسا بندہ بیمار پڑتا ہے۔ جو تندرستی میں بھلے کام کیا کرتا تھا۔ تو اللہ تعالےٰ فرشتوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ لکھو میرے بندہ کے لئے اجر ان اعمال کا جو وہ کیا کرتا تھا صحت میں ؛

اور ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ اجر بیماری کا بھی۔ (یعنی اس پر صبر شکر کرنے کا) ہے ؛

وَفِی رِوَایَۃٍ اکْتُبُوا لِعَبْدِی مَا کَانَ یَعْمَلُ وَھُوَ صَحِیْحٌ ؛

اور ایک روایت میں اس طرح ہے۔ کہ لکھو میرے بندہ کے لئے وہی عمل جو صحت میں کیا کرتا تھا ؛

وَفِی رِوَایَۃٍ اِذَا مَرِضَ العَبْدُ وَعَلیٰ عَمَلٍ من الطاعۃ فَاِنَّ اللہ تبارک وتعالیٰ یقول لحفظتہ اکتُبُوا لِعَبْدِی اَجْرَ مَا کَانَ یعمل وھو صحیحٌ ؛

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب بیمار پڑتا ہے بندہ اور طاعت گذار ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ کرام کاتبین سے ارشاد فرماتا ہے۔ کہ لکھو میرے بندہ کے لئے اجر اس عمل کا جو وہ کیا کرتا تھا۔ جبکہ وہ صحیح تندرست تھا ؛

تشریح :- امام احمد و بخاری حضرت ابی موسیٰ سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ کوئی بندہ بیمار پڑتا ہے۔ یا سفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسی عمل کا اجر لکھا دیتا ہے جو وہ صحت میں یا وطن میں قیام کے دوران کیا کرتا تھا۔ طبرانی اوسط میں حضرت انس سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ جب بندہ تین دن بیمار پڑا رہتا ہے۔ تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے کہ گویا اس کو اس کی ماں نے جنا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ مسلمان کی بیماری اس کے گناہوں کا کفارہ ہے اور بخشش کا ذریعہ ہے ؛

ابوحنیفۃ ومقاتل بن سلیمان عن ابی الزبیر عن جابر ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال لکل داءٍ جعل اللہ تعالیٰ دواءً فاذا اصاب الداءَ دواؤہ برئ باذن اللہ ؛ ۴۳۸/۳

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بیماری کی دوا اللہ تعالےٰ نے پیدا کی ہے۔ لہٰذا جب بیماری کو اس کی مناسب دوا مل جاتی ہے تو اللہ کے فضل سے انسان اچھا ہو جاتا ہے ؛

تشریح :- امام احمد اور مسلم بھی حضرت جابر سے بعینہ یہ حدیث لائے ہیں ؛

ابوحنیفۃ عن ابیہ عن قیس بن مسلم عن طارق بن شہاب عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لم یضع داءً الا وضع لہٗ دواءً الا السام والھرم فعلیکم بالبان البقر فانھا تخلط من کل شجرٍ ؛ ۴۳۹/۴

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اتاری کہ اس کے لئے کوئی دوا نہ ہو مگر موت اور بڑھاپا (کہ ان کی کوئی دوا نہیں) گائے کا دودھ ضرور پیا کرو کیونکہ اس میں سب نباتاتی اجزا موجود ہیں ؛

تشریح :- بخاری میں حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما انزل اللہ داءً الا انزل لہ شفاءً کہ اللہ تعالےٰ نے کوئی بیماری نہیں پیدا کی کہ اس کی شفا نہ رکھی ہو۔ حاکم ابی سعید سے اس طرح روایت لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں پیدا کی جس کی شفا نہ رکھی ہو جس کو چاہا اس کا علم دیا۔ اور جس کو چاہا اس سے جاہل رکھا۔ یہ اللہ تعالےٰ کے بے پایاں اور بے پناہ انصاف کا کھلا ثبوت ہے کہ اس نے کوئی بیماری بندوں کو ایسی نہ دی جس کے شفا کے اسباب اور دوا نہیں نہ پیدا کی ہو تا

اب جس کو چاہا اس کے علم اور معرفت سے نوازا اور جس کو چاہا اسے بے بہرہ و ناواقف رکھا۔ یہ اس کی مصلحت ہے جو سارے عالم میں جاری ہے۔

ابوحنیفۃ عن قیس عن طارق عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم ینزل اللہ داءً الا وانزل معہ الدواء الا الھرم فعلیکم بالبان البقر فانھا ترم من الشجر۔

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اتاری اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری مگر اتاری اس کے لئے ماسوائے بڑھاپے کے تو تم گائے کے دودھ کا استعمال لازم پکڑو۔ کیونکہ وہ ہر درخت کو چرتی ہے۔

وفی روایۃ ان اللہ تعالیٰ لم یجعل فی الارض داءً الا جعل لہ دواء الا الھرم والسام فعلیکم بالبان البقر فانھا تخلط من کل الشجر۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں پیدا کی زمین میں کوئی بیماری مگر کہ پیدا کی اس کی دوا مگر پیری اور موت تو تم گائے کے دودھ کا استعمال لازم رکھو کیونکہ اسکا دودھ مخلوط ہوتا ہے تمام نباتات سے۔

وفی روایۃ ما انزل اللہ من داء الا انزل معہ دواء الا السام والھرم فعلیکم بالبان البقر فانھا تخلط من کل الشجر۔

اور ایک روایت میں ہے کہ نہیں اتاری اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی جس کی کوئی دوا نہ ہو مگر موت اور بڑھاپا۔ لہٰذا تم گائے کا دودھ پابندی سے استعمال کرو۔ اس لئے کہ وہ اپنے اندر تمام نباتات کے اجزاء رکھتا ہے۔

وفی روایۃ ان اللہ تعالیٰ لم یضع فی الارض داءً الا وضع لہ شفاء او دواء فعلیکم بالبان البقر فانھا تخلط من کل الشجر علیکم بالبان البقر فانھا ترم من کل شجرۃ وفیھا شفاء من کل داء۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں رکھی زمین میں کوئی بیماری ایسی جس کے ساتھ ساتھ شفا یا دوا بھی نہ رکھ دی ہو۔ لہٰذا التزام کرلو گائے کا دودھ۔ کیونکہ وہ شامل ہے تمام درختوں کے اجزاء کو۔ مکرر ارشاد فرمایا لازم پکڑلو گائے کے دودھ کو کیونکہ وہ چرتی ہے ہر درخت کو اور اس میں شفا ہے۔ ہر بیماری کی۔

تشریح:۔ احادیث کی مختلف کتابوں میں گائے کے دودھ کی تعریف کی گئی ہے۔ ابن رجبیؒ بحاکم اور ابونعیم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت نے فرمایا لازم کو لو گائے کا دودھ پینا۔ کیونکہ دودھ دوا ہے اور اس کا گھی شفا ہے۔ اور بچو اس کے گوشت سے۔ کیونکہ اس کا گوشت بیماری ہے۔ غرض گائے کا دودھ جسم کے لئے نہایت نفع بخش ہے۔

۴۴۱/۶ **ابو حنیفة** عن عبد الله عن ابن
عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
جعل الشفاء في الجنة السوداء والحجامة
والعسل وماء السماء ؃

حضرت ابن عمر سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے کلونجی میں۔ پچھنوں میں شہد میں۔ اور آسمان کے پانی میں شفار کھی ہے ؃

تشریح:- کلونجی کے بارہ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ان ھذہٖ الجنة السوداء شفاء من كل داءٍ۔ کہ یہ سیاہ دانہ (کلونجی) ہر بیماری کے لئے شفا ہے پچھنوں کی تعریف بھی ہے اور شہد کے بارے میں تو خود رب العزت نے فرمایا فیہ شفاء للناس کہ اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ اور آسمان کا پانی چونکہ سب قسم کی کثافتوں سے پاک ہوتا ہے اس لئے اسے شفا فرمایا ہے ؃

۴۴۲/۷ **ابو حنیفة** عن عبد الملك عن
عمر والحرشي عن سعيد بن زيد عن رسول
الله صلى الله عليه وسلم قال ان من المن
الكماة وماؤها شفاء للعين ؃

حضرت سعید بن زید سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھنبی (سانپ کی چھتری) من سے ہے۔ اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے ؃

تشریح:- یہ حدیث صحیحین اور ترمذی میں بھی مروی ہے۔ اور امام احمد بھی اسے سند میں روایت کرتے ہیں۔ من سے اس کو بدیں وجہ تشبیہ دی کہ جس طرح بنی اسرائیل کو بغیر کسی محنت و مشقت کے دستیاب ہوتی تھی۔ اسی طرح یہ بھی مفت مل جاتی ہے۔ خودرو ہے۔ جو اور کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔ بوسیدہ لکڑی اور کوڑے کرکٹ پر اکثر اگ جاتی ہے۔ آنکھ کے لئے یہ مفید ہے تنہا بھی اور سرمے یا توتیا کے ساتھ ملا کر بھی روایت ہے کہ علامہ نووی نے اس کے نفع کا تجربہ کیا ہے اور اس کو مفید پایا ہے ؃

۴۴۳/۸ **ابو حنیفة** عن الهيثم عن ابي
صالح عن ابي هريرة عن النبي صلى الله
عليه وسلم قال من قال حين يصبح
اعوذ بكلمات الله التامة ثلث
مرات لم يضره عقرب حتى يمسي
ومن قال حين يمسي لم يضره عقرب
حتى يصبح ؃
وفي رواية من قال اعوذ بكلمات
الله التامات حين يصبح قبل طلوع
الشمس ثلث مرات لم يضره عقرب

حضرت ابی ہریرہ رضؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے صبح کے وقت تین مرتبہ یہ کلمات ادا کئے اعوذ بکلمات اللہ التامۃ (کہ میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے پورے کلمات کی) اس کو شام تک بچھو نہ ڈسے گا۔ اور جس نے شام کے وقت یہ کلمات ادا کئے۔ اس کو صبح تک بچھو ضرر نہیں پہنچائے گا؃
اور ایک روایت میں اس طرح ہے۔ کہ جس نے اعوذ بکلمات التامات کے کلمات صبح سویرے سورج نکلنے سے پہلے تین بار ادا کئے

يومئذٍ۔ واذا قالها حين يمسي لم يضرّه عقرب ليلته ؛

تو اس کو آج کے دن بچھو ضرر نہیں پہنچائے گا اور جس نے شام کے وقت یہ کلمات ادا کئے۔ تو آج رات بچھو اس کو گزند نہیں پہنچائے گا ؛

تشریح :۔ مسند کے علاوہ بھی یہ حدیث وارد ہے۔ ابن عبد البر تمہید میں سعید ابن المسیب سے نقل کرتے ہیں۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ جس نے شام کے وقت یہ پڑھا سلام علی نوح فی العالمین تو اس کو بچھو ڈنک نہیں مارتا ؛

۴۴۴/۹

ابو حنيفة عن مسلم عن ابراهيم عن مسروق عن عائشة قالت لقد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اُتي بمريض يدعو له يقول اذهب الباس رب الناس اشف انت الشافي لا شفاء الا شفاءك شفاءً لا يغادر سقماً ؛

حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بیمار کی بیمار پرسی کو تشریف لے جاتے تو اس کے حق میں یوں دعا کرتے اذهب الباس۔ رب الناس اشف انت الشافی لاشفاء الاشفاءك شفاءً لایغادر سقما۔ یعنی اے لوگوں کے پروردگار۔ دور کر بیماری کو اس شفا بخش بے شک تو ہی ہے شفا بخشنے والا۔ تیری ہی شفا در اصل شفا ہے۔ جو کسی بیماری کو نہیں چھوڑتی ؛

تشریح :۔ ان دعاؤں کے کئی ایک اثرات ہیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ بادرنہا ہے اور بیماری پر صبر آجاتا ہے ؛

۴۴۵/۱۰

ابو حنيفة عن عبد الله عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس للمؤمن ان يذل نفسه قيل يا رسول الله و كيف يذل نفسه قال يتعرض من البلاء ما لا يطيق ؛

حضرت ابن عمر رضہ سے روایت ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے لئے یہ مناسب نہیں ہے اپنے نفس کو مومن کس طرح ذلیل کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ یوں کہ خود کو ایسی مصیبت میں ڈالے جس کی برداشت کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو ؛

تشریح :۔ مطلب یہ کہ اگر انسان خود کو دین کے ایسی مشقت میں لگا دے جس کو وہ نہ نباہ سکتا ہو اور پھر آخر اس کو چھوڑتے ہی بنے اور تھک کر پھر ہلکی عبادت کے قابل بھی نہ رہے تو یہ اپنے کو ذلیل ورسوا کرنا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ بھی اس کو ناپسند فرماتا ہے۔ شیخین حضرت عائشہ سے یوں روایت لائے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا کہ اپنی استطاعت و طاقت کے موافق دینی اعمال اختیار کرو کیونکہ اللہ تعالےٰ نہیں اکتاتا۔ جب کہ تم اکتا جاؤ گے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ نے صوم وصال سے روکا ہے اور فرمایا ہے۔ کہ تم مجھ جیسے نہیں ہو۔ میں اس طرح رات گذارتا

ہوں۔ کہ اللہ تعالےٰ مجھ کو کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی۔ اس لئے تم ایسے عمل اختیار کرو جن کو تم نبھا سکو۔ حدیث میں یوں بھی آیا ہے کہ اللہ کو سب سے زائد وہ نیک عمل پسند ہے جو زیادہ دیر پا ہو۔ اگرچہ وہ تھوڑا ہو۔ پس عمل وہی اختیار کرنا چاہیے جس پر ہمیشگی کر سکیں طاقت و استطاعت سے باہر اعمال نیک اختیار کرنا انسان کی بڑی آفت کا سبب ہے،

حدیث ۴۴۶ / ۱۱

ابو حنیفۃ عن جابر بن عبد اللہ قال جاء رجل من الانصار الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ما رزقت ولدا قط ولد لی قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاین انت من کثرۃ الاستغفار وکثرۃ الصدقۃ ترزق بہما فکان الرجل یکثر الصدقۃ ویکثر الاستغفار قال جابر فولد لہ تسعۃ ذکور ؛

حضرت جابر بن عبد اللہ رض سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ مجھے کبھی اولاد نصیب نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا تجھے کیا ہو گیا ہے کہ زیادہ استغفار نہیں کرتا اور زیادہ خیرات نہیں کرتا۔ کہ انکی برکت سے تجھے اولاد نصیب ہو گی۔ تو پھر وہ شخص زیادہ خیرات اور زیادہ استغفار کرنے لگا۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ پھر اس کے نو لڑکے پیدا ہوئے ؛

تشریح :- اس حکم میں دراصل اس آیت سے لطیف استنباط ہے۔ نوح علیہ السلام کا قصہ میں ہے کہ وہ اپنی امت سے خطاب کر کے کہتے ہیں استغفروا ربکم انہ کان غفارا۔ یرسل السماء علیکم مدرارا ویمددکم باموال وبنین بخشش مانگو اپنے پروردگار سے کیونکہ وہ بخشنے والا ہے بھیجے گا مینہ کو آسمان سے تمہارے اوپر بہت برسنے والا اور مدد دے گا تم کو مالوں اور بیٹوں کے ساتھ یہ تو استغفار کی کرشمہ سازی ہے۔ اور صدقہ کے بارے میں دوسری جگہ یوں آیا ہے کہ الصدقۃ تطفی غضب الرب کہ صدقہ وخیرات اللہ کے غیظ وغضب کو بجھاتی ہے۔ جب اللہ تعالےٰ کا غصہ ختم ہو جائے گا۔ تو اس کو دنیا کی ہر نعمت سے مالا مال کر دے گا۔ اس حدیث کا ربط اس باب سے اسی جہت سے ہے۔ کہ نہ اولاد ہونا آدمی کے لئے ایک عیب ہے۔ بلکہ سب سے بڑی تکلیف وہ بیماری۔ اور اس بیماری کی شفا یابی اسی میں ہے کہ انسان بارگاہ الٰہی میں اپنے گناہوں کی معافی چاہے۔ اور بندگان خدا پر خدا کی دی ہوئی دولت کو لٹائے۔ تاکہ اللہ تعالےٰ اپنی نعمتوں کے دروازے اس پر کھول دے ؛

حدیث ۴۴۷ / ۱۲

ابو حنیفۃ عن اسمعیل عن ابی صالح عن ام ھانی قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علم ان اللہ یغفر لہ فھو مغفور لہ ؛

حضرت ام ہانی رض فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو یہ جانتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کرے گا تو (سمجھو کہ) وہ بخشا بخشایا ہے ؛

تشریح :- یہ حدیث صحیحین میں بھی مروی ہے۔ طبرانی صغیر میں حضرت ابی مسعود رض سے مرفوع

حدیث لائے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ من اذنب ذنباً فعلم ان الله قد اطلع علیہ غفر له وان لم یستغفر کہ جس شخص نے کوئی گناہ کیا۔ اور پھر یہ جان لیا کہ اللہ اس پر مطلع ہو گیا تو اس کا گناہ بخش دیا گیا۔ اگرچہ وہ بخشش نہ مانگے۔ سچ ہے اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہوں کی معافی کے لئے بہانہ ڈھونڈتا ہے۔ اور بندہ کے ذرا سے جھک جانے کو اس کے گناہوں کی بخشش کے لئے آڑ پکڑ لیتا ہے۔ حقیقت میں وہ بہت بڑا غفور رحیم ہے ؎

۴۴۸/۱۳ **ابوحنیفة** عن حماد عن ابی وائل عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله هو السلام ومنه السلام ؎

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البتہ اللہ تعالیٰ سلام ہے۔ اور سلام اسی سے ہے ؎

تشریح :- اللہ تعالیٰ کے سلام ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہر تغیر و تبدیلی ذاتی و صفاتی نقص و عیب سے پاک و بری ہے اور سلامتی ہے۔ اور اس کے سلام ہونے کا مطلب ہے کہ آفات و بلیات سے حفاظت و سلامتی صرف اسی سے طلب کی جاتی ہے۔ چنانچہ بیماری سے شفا بھی اسی سے مانگی جاتی ہے۔ اور اسی جہت سے یہ حدیث باب سے مربوط ہے ؎

كتاب الأدب ! ادب کا بیان

بابُ ۲۱۸ الأدب ! باب ۲۱۸ الادب

۴۴۹/۱ **ابوحنیفة** عن محمد بن المنکدر عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انت ومالك لابيك ؎

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے ؎

تشریح :- اس کی تفصیل ابوداؤد۔ ابن ماجہ وغیرہ میں مروی ہے۔ وہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔ اور کہنے لگا۔ یا رسول اللہ میرے پاس مال ہے اور میرا ایک باپ بھی ہے جو مال کا حاجتمند ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ اور البتہ تمہاری اولادیں تمہاری پاک کمائی ہے۔ لہٰذا تم اپنی اولاد کی کمائی سے کھاؤ پیو۔ اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر باپ اپنی جان کی حفاظت میں اپنے بیٹے کا مال اس کی غیر موجودگی میں بغیر اس کی رضامندی کے لے کر خرچ کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں ؎

۴۵۰/۲ **ابوحنیفة** عن عطاء عن ابیه عن ابن عمر قال اتی النبی صلی الله

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بارادہ جہاد آیا۔ اس سے

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ یُرِیْدُ الْجِهَادَ فَقَالَ اَحَیٌّ وَالِدَاكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِیْهِمَا فَجَاهِدْ ؛

آں جناب نے پوچھا کہ کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا تو ان میں جہاد کر (یعنی انہیں کی خدمت میں کوشش کر کہ یہی تیرے لئے جہاد ہے)

تشریح :- اس حدیث میں والدین کی عظمت و حرمت کا بیان ہے۔ کہ ان کی خدمت اور ان کے حقوق کی ادائیگی جہاد کا بدل ہے۔ بلکہ اس سے بھی افضل۔ چنانچہ جمہور علماء کا اس پر فیصلہ ہے۔ کہ اگر والدین مسلمان ہوں اور وہ جہاد سے روکیں تو جہاد میں شرکت حرام ہے۔ اور یہ اس وجہ پر مبنی ہے کہ ان کے ساتھ بر فرض عین ہے اور جہاد فرض کفایہ۔ اور واضح مذہب یہ ہے کہ دادا دادی بھی ماں باپ کے حکم میں ہیں؛

۴۵۱/۳ اَبُوحَنِیْفَةَ عَنْ زِیَادٍ یَرْفَعُهٗ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ اَمَرَ بِالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ ؛

زیاد سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان کے حق میں خیر خواہی کرنے کا حکم دیا؛

تشریح :- نصح کے معنی خلوص کے ہیں اور یہاں مراد بھلائی کرنا ہے اور دوسرے کو بھلائی پہنچانا ہے۔ گویا سچی نیت پر خلوص جذبہ بے لوث محبت ہی سب کچھ ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو پورا دین اسی معنی میں منضمر ہے۔ چنانچہ مسلم میں مرفوع روایت ہے الدین النصیحۃ دین پورا کا پورا نصیحت ہے۔ تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا کس کے لئے۔ ارشاد فرمایا۔ اللہ کے لئے اس کی کتاب کے لئے اس کے رسول کے لئے۔ ائمہ مسلمین کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے؛

۴۵۲/۴ حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِیْ مُسْلِمٍ الْاَغَرِّ صَاحِبِ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ وَاحِدًا مِّنْهُمَا اَلْقَیْتُهٗ فِیْ جَهَنَّمَ ؛

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالٰے نے کہ تکبر میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند پس جو مجھ سے ان میں سے کسی میں بھی جھگڑے گا۔ اس کو میں دوزخ میں ڈال دوں گا؛

تشریح :- چادر تہبند ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ ہر دو صفتیں صرف اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں کوئی دوسرا اس میں اس کے ساتھ شریک نہیں۔ کبریائی کا تعلق اس کی ذات سے ہے اور عظمت کا صفات سے؛

۴۵۳/۵ حَمَّادٌ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْکَدِرِ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ الْمُتَکَبِّرَ رَأْسَهٗ

محمد بن المنکدر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی کہ متکبر چونکہ اپنے سر سے تکبر کا اظہار کیا کرتا تھا لئے

بین رجلیه حیث کان یرتفع براسه فی تابوت من نار مقفل علیه و لا یخرج ابدًا من النار ؛

اس کا سر قیامت کے دن اس کے دونوں پیروں کے درمیان میں ہوگا۔ آگ کے ایک تابوت میں بند پڑا ہوگا اور ہمیشہ آگ سے نہ نکل سکے گا ؛

تشریح :۔ سر سے چونکہ تکبر کا اظہار کیا کرتا تھا۔ اس لئے اس کی سزا یہ دی گئی۔ کہ اس کو اس کے پیروں میں ڈال دیا گیا۔ اور یوں اس کا تکبر خاک میں ملا دیا گیا تابوت میں ایسا بند کیا جائے گا کہ وہ مخلوق کو دیکھنے کے لئے ترس جائے گا اور پھر یہ مصیبت اس پر ہمیشہ مسلط ہوگی۔ اس سے اس کو چھٹکارا نصیب نہیں ہوگا۔ تکبر کی برائی سے احادیث صحیحہ پر ہیں اور اس پر سخت وعیدیں ہیں۔ ابن عساکر ابن مسعود سے مرفوع حدیث لائے ہیں۔ کہ آنحضرت فرماتے ہیں کہ بچو تکبر سے کیونکہ ابلیس کو تکبر ہی نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے پر آمادہ کیا۔ اور بچو حرص سے کیونکہ آدم علیہ السلام کو گیہوں کا درخت کھانے پر حرص ہی نے اکسایا۔ اور بچو حسد سے کیونکہ آدم علیہ السلام کے بیٹوں میں ایک کو دوسرے کے قتل پر حسد ہی نے بھڑکایا۔ تو گویا یہ تینوں معائب ہر برائی کی جڑ ہیں ؛

ترمذی حضرت عبداللہ سے روایت لائے ہیں کہ قیامت کے دن جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ اور جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوگا وہ دوزخ میں نہیں رہ سکے گا۔ اور یوں بھی آیا ہے کہ دوزخ سخت مزاج تند خو۔ متکبرین سے بھری ہوگی۔ اور جنت ضعیف کمزور اور مغلوب لوگوں سے آباد ہوگی۔ ترمذی میں حضرت سلمہ بن اکوع رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص ہمیشہ اپنے آپ کو بزرگ و برتر سمجھتا ہے اور لوگوں سے دور رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نام متکبرین اور سرکشوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اور پھر دنیا و آخرت میں جو مصیبت سرکشوں پر پڑتی ہے۔ وہ ہی اس پر گرتی ہے ؛

باب ۲۱۹ الرفق والخلق !

باب ۲۱۹۔ نرمی اور خوش خلقی !

ح ۲۵۴ / ۱

ابو حنیفة عن زیاد عن اسامة بن شریک قال شهدت رسول الله صلی الله علیه وسلم والاعراب یسألونه قالوا یارسول الله ما خیر ما اعطی العبد۔ قال خلق حسن ؛

حضرت اسامہ بن شریک رض کہتے ہیں۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور دیہاتی لوگ آپ سے کچھ پوچھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ بندہ کو جو کچھ دیا گیا ہے اس میں سب سے بہتر چیز کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اچھے اخلاق ؛

تشریح: - اسلام میں مسلمان کا بہترین عمل اس کے اچھے اخلاق ہیں - بہت سی احادیث صحیحہ اس کی تعریف و توصیف میں ہیں - چنانچہ حدیث ذیل سے بھی اس کا انکشاف ہوا کہ انسان کو قدرت کیطرف سے جو کچھ بہتر صفات و حسنات عطا ہوئے ہیں ان میں اچھے اخلاق کو سب پر فضیلت حاصل ہے - مسلم، ترمذی اور بخاری ادب المفرد میں نواس بن سمعان سے مرفوع روائیت لائے ہیں کہ نیکی حسن خلق کا نام ہے - اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو لوگوں کے اس پر مطلع ہونے کو بُرا سمجھے - ترمذی حضرت ابی الدرداءؓ سے مرفوع روائیت لائے ہیں - کہ بروز قیامت مومن کی ترازو میں سب سے بھاری چیز جو رکھی جائے گی - وہ حسن خلق ہے - اور خدا تعالےٰ فحش بکنے والے بیہودہ گو کو سخت ناپسند فرماتا ہے - ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً یوں مروی ہے کہ مومن اپنی حسن اخلاقی کی بدولت قائم اللیل صائم الدھر کا درجہ حاصل کر لیتا ہے - اس لئے ہر مسلمان کو خوش اخلاق ہونا چاہئے ؎

۴۵۵ ح۲ **ابو حنیفة** عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لوان الرفق وحسن الخلق یری لمارئی من خلق الله تعالیٰ خلق احسن منه ولوان الخرق خلق یری لما رئی من خلق الله تعالیٰ اقبح منه ؎

حضرت عائشہؓ سے روائیت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر نرمی و خوش خلقی جسمانی قالب میں دکھائی دیتی - تو اللہ تعالےٰ کی ساری مخلوقات میں اس سے حسین تر کوئی شے نہ نظر آتی اور اگر بدخلقی مجسم شکل میں نمودار ہوتی - تو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات میں اس سے زیادہ بدشکل چیز کوئی نہ نظر آتی ؎

تشریح: - خرائطی مکارم اخلاق کے ضمن میں اس کو ان الفاظ سے لائے ہیں کہ اگر حسن خلق ایک چلنے پھرتے انسان کی شکل میں نمودار ہوتا تو نہایت نیک بخت انسان ہوتا - اور اگر بدخلقی انسانی قالب میں دکھائی دیتی تو بہت بدشکل ہوتی - طبرانی اوسط میں ابن مسعودؓ سے مرفوع حدیث روائیت کرتے ہیں کہ نرمی برکت ہے اور درشتی نحوست - بخاری عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوع روایت لائے ہیں کہ تم میں مجھ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ حسن الخلق ہو - حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ سے پوچھا گیا کہ لوگوں کو جنت میں زیادہ تر کونسی چیز داخل کرے گی - آپؐ نے فرمایا اللہ سے ڈرنا اور حسن خلق

۴۵۶ ح۳ **ابو حنیفة** عن ابراهیم عن انسؓ قال ما اخرج رسول الله صلی الله علیه وسلم رکبتیه بین یدی جلیس له قط بل یقعد مساویا لهم ولا تناول احد یده فیترکها قط حتی یکون هو یدعها وما جلس الی رسول الله صلے

حضرت انسؓ سے روائیت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہم جلیس سے گھٹنے آگے بڑھا کر کبھی نہیں بیٹھتے بلکہ ہمیشہ برابر بیٹھتے - اور نہیں پکڑا کسی نے کبھی آپ کا ہاتھ کہ آپ نے چھڑا لیا ہو اس کو (اس کے ہاتھ میں سے) جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑ دیتا - اور کوئی کبھی نہیں بیٹھا

الله علیه وسلم احد قط فقام حتی یقوم قبله۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہ آپ کھڑے ہو گئے ہوں جب تک وہ آپ سے پہلے کھڑا نہ ہو جاتا۔ (حضرت انس رضؓ کہتے ہیں) ۔ اور میں نے نہیں پایا کسی چیز کو زیادہ خوشبو دار آپ کے جسم کی ذاتی خوشبو سے ؛

وما وجدت شیئا قط الطیب من ریح رسول الله صلی الله علیه وسلم ؛

وفی روایة قال ما قام الی رسول الله صلی الله علیه وسلم رجل فی حاجة فانصرف عنه قبله حتی یکون هو المنصرف ؛

اور ایک روایت میں ہے ۔ کہ حضرت انس رضؓ نے کہا کہ نہیں کھڑا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی شخص کسی ضرورت سے کہ آپ اس سے پہلے منہ پھیر کر ہٹ گئے ہوں۔ جب تک کہ وہ شخص خود منہ پھیر کر علیحدہ نہ ہو جاتا ؛

وفی روایة کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا صافح احدا لا یترك یده الا ان یکون هو الذی یترك ؛

اور ایک روایت میں ہے ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سے مصافحہ کرتے تو اس کا ہاتھ نہیں چھوڑتے مگر کہ وہ خود آپ کا ہاتھ چھوڑ دیتا ؛

تشریح :- یہ آنحضرتؐ کے اخلاق کریمانہ کی اعلیٰ مثال ہے کہ آپ کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے اگرچہ اس مروت میں ذات اقدس کو کوفت ہی ہوتی ۔ مگر کسی کا دل میلا کرنا کسی صورت سے آنجناب کو گوارا نہ تھا ۔ نا سمجھوں کی بیہودگی کو مروت و اخلاق سے برداشت فرماتے ۔ اور یہ ثابت نہ ہونے دیتے کہ آپ ساتھی سے اکتا چکے ہیں ۔ اور اب اس سے جان چھڑانا چاہتے ہیں ۔ پھر حدیث میں اس امر کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ اگرچہ رب العزت نے آنجناب کو ساری مخلوقات پر عزت و شرف عظمت بخشی تھی ۔ مگر پھر بھی مجلسوں میں نشست و برخاست میں امتیاز و خصوصیت پسند نہ تھی آنحضور نے اخلاق کی اس اہمیت کو ان الفاظ سے واضح فرمایا بعثت لاتمم مکارم الاخلاق ؛

۴۵۷ ابو حنیفة عن عبد الله عن ابن عمر ان رجلا نادی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی منزله فقال لبیك قد اجبتك فخرج الیه ؛

حضرت ابن عمر رضؓ سے روایت ہے ۔ کہ ایک شخص نے آپ کو پکارا ۔ اور آپ کاشانہ نبوت میں تھے ۔ آپ نے فرمایا لبیك حاضر ہوتا ہوں کہہ کر باہر نکل آئے ؛

تشریح :- آنحضور کے اخلاق کریمانہ کی ایک اور مثال ہے قرآن نے رسول اللہ کی صفت میں فرمایا انك لعلی خلق عظیم ۔

؛

۴۵۸/۵ **ابو حنیفۃ** عن محمد ابن المنکدر عن امیمۃ بنت رقیقۃ قالت اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا بایعہ فقال انی لست اصافح النساء ؎

حضرت امیمہ بنت رقیقہ کہتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا ؎

تشریح:۔ صحیحین میں حضرت عائشہ رض سے مرفوع روایت ہے کہ آنحضرت خواتین سے مصافحہ نہیں کیا کرتے۔ ابو نعیم حلیہ میں بہلۃ بنت عبد اللہ البکری سے روایت لائے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ میں وفد کی شکل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ تو آپ نے مردوں سے بیعت لی اور ان سے مصافحہ کیا اور عورتوں سے بھی بیعت لی مگر ان سے مصافحہ نہیں کیا۔ اگر مصافحہ کیا بھی تو کپڑے کی آڑ میں چنانچہ طبرانی حضرت معقل بن یسار رض سے مرفوع حدیث لائے ہیں کہ آپ نے بیعت رضوان میں عورتوں سے مصافحہ کیا کپڑے کی آڑ میں گویا ہاتھ کو ہاتھ سے نہ چھوا رسول اللہ کی یہ عفت و پاکدامنی۔ شرم و حیا کی کس قدر بلند مثال ہے اور امت کے لئے کیا زریں درس ہے۔ مگر افسوس اور صد افسوس کہ ہم نے اس کو بھی بھلا دیا سنا ہے کہ بعض لوگ تقدس کے جامہ میں نمودار ہو کر اور دینی پیشوا و مقتدا ہو کر مردوں و عورتوں کے ساتھ یکساں برتاؤ رکھتے ہیں۔ اور عورتوں سے تخلئے کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ آنحضرت کا یہ عمل اور ہماری یہ رفتار آنجناب کی یہ احتیاط اور ہماری یہ بے باکی حقیقت میں ایسا عمل اسلام کی عزت و ناموس کو تباہ کرتا ہے۔ اور اسلام کے نام پر بٹہ لگاتا ہے ؎

۴۵۹/۶ **ابو حنیفۃ** عن علقمۃ عن ابن بریدۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یقبل عذر مسلم یقدر الیہ فوزرہ کوزر صاحب مکس فقیل یا رسول اللہ وما صاحب مکس قال عشار ؎

حضرت بریدہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نہ قبول کیا عذر کسی مسلمان کا جو اس کے سامنے عذر پیش کر رہا ہے تو اس کا گناہ صاحب مکس کے گناہ کے برابر ہے آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ صاحب مکس کون ہے آپ نے فرمایا عشار یعنی وہ شخص جو عشر نہایت سختی سے وصول کرتا ہو ؎

تشریح:۔ اس حدیث سے انکشاف ہوا کہ اگر کسی معاملہ میں کوئی مسلمان اپنی کوتاہی کا عذر پیش کرے تو اس کا عذر مان لینا چاہیئے اس کو رد کرنا اور عذر خواہ کو جھٹلانا اللہ کے نزدیک سخت گناہ ہے۔ یہاں تک کہ اس کو گناہ میں ظالم سخت گیر عشر کے محصل کے برابر ٹھیرایا گیا۔ جو اپنی جگہ بہت بڑا قصور وار اور مجرم ہے کہ حکومت کی آڑ میں غریب رعایا پر ظلم کے پہاڑ توڑتا ہے ان سے رشوتیں لیتا ہے اور طرح طرح سے ان کو تنگ کرتا ہے یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ اور ایسے ہی ظالم کے بارے میں یہ وعید ہے ؎

۴۶۰ / ۷

ابو حنيفة عن نافع عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اعتذر اليه اخوه المسلم فلم يقبل عذره فوزره كوزر صاحب مكس يعني عشارًا۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان کے سامنے اس کے مسلمان بھائی نے (کسی اذیت وہ قول و فعل کی بنا پر) عذر پیش کیا۔ مگر اس نے اس کا عذر نہ مانا۔ تو اس کا گناہ صاحب مکس یعنی عشار کے گناہ کے برابر ہے۔

تشریح:- اس حدیث سے ملتی جلتی۔ حدیث گذر چکی ہے۔ تشریح وہیں دیکھ لیں۔

۴۶۱ / ۸

ابو حنيفة عن ابي الزبير عن جابر ان النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا اُتي احدكم بطيب فليصب منه۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دی جائے تم کو خوشبو تو اس کو ضرور لے لو۔

تشریح:- یعنی خوشبو کو واپس کرنا اچھا نہیں۔ ترمذی اپنی جامع اور شمائل میں ثمامہ بن عبداللہ سے روایت لائے ہیں کہ حضرت انس خوشبو کو رد نہیں کیا کرتے تھے اور کہا کرتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوشبو کو نہیں پھیرا کرتے تھے۔

بابُ ۲۲۰ النهي عن النظر في النجوم !

باب ۲۲۰ - علم نجوم میں نظر کرنا منع ہے !

۴۶۲ / ۱

ابو حنيفة عن عطاء عن ابي هريرة قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن النظر في النجوم۔

حضرت ابی ہریرہ رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم نجوم میں نظر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح:- علم نجوم میں غور و خوض میں الجھنا شرعًا مذموم ہے۔ دیلمی حضرت ابی ہریرہ سے یوں روایت لائے ہیں کہ علم نجوم کو دیکھنے والا ایسا ہے جیسا کہ سورج کی ٹکیہ کو دیکھنے والا۔ کہ اس کو جس قدر دیکھے اسی قدر نظر کمزور ہوتی ہے۔ دارقطنی ابن عمرؓ سے یوں مرفوع روایت لائے ہیں۔ کہ سیکھا علم نجوم کو جہاں تک تم کو خشکی و تری کی اندھیریوں میں اس سے ہدایت مل سکے۔ پھر اس سے باز رہو۔ یعنی دنیوی کاروبار اور راستہ وغیرہ معلوم کر جائیے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے انکم لمهتدون اس میں بالکل کھو جانا روا نہیں۔ مسلم ابوداؤد میں یوں ہے کہ جس نے علم نجوم سیکھا، اس نے گویا جادو سیکھا۔

۴۶۳/۲ **ابو حنیفة** عن ابی الزبیر عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یحل لرجل یؤمن بالله والیوم الآخر ان یدخل الحمام الا بمیزر ولم یستر عورته من الناس کان فی لعنة الله والملائکة والخلق اجمعین۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں جائز ہے اللہ اور دن قیامت پر ایمان لانے والے کے لئے کہ حمام میں داخل ہو بغیر تہ بند کے اور جس نے اپنے ستر (ناف سے گھٹنے تک کے حصہ کو) کو نہ چھپایا اس پر اللہ اس کے فرشتوں اور ساری مخلوقات کی طرف سے لعنت و پھٹکار ہے۔

تشریح:۔ یعنی اپنے ستر کو لوگوں کو بے باکی سے دکھانا اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا سبب ہے۔ تو پھر ایسے لوگوں پر فرشتوں اور اللہ کی مخلوق کی پھٹکار کیوں نہ ہو۔

۴۶۴/۳ **ابو حنیفة** عن نافع عن ابن عمرؓ قال کان احب الاسماء الی رسول الله صلی الله علیه وسلم عبد الله وعبد الرحمٰن۔

حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبد اللہ اور عبد الرحمٰن تھے۔

تشریح:۔ یہ ہر دو نام آنحضرت کو اس لئے پسند تھے کہ ان ناموں کے حصے اچھے اور پسندیدہ معنی دیتے ہیں۔ بندہ کے لئے عبدیت نہایت مناسب ہے، اور اللہ کا نام تو ہے ہی بابرکت پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ بندہ کی نسبت اپنے خالق و معبود کی طرف ہوتی ہے۔ اسی طرح عبد الرحمٰن میں عبد کی نسبت رحمٰن کی طرف ہوتی اور چونکہ رحم و کرم کی نسبت اللہ کو بہت پسند ہے۔ اس لئے یہ ترکیب بھی اچھی ہے۔ اسی وجہ سے اس کے ملتے جلتے نام مثلاً عبد الرحیم۔ عبد القادر وغیرہ اچھے نام ہیں۔ بہت سے لوگ اپنی اولاد کے نام بے سوچے سمجھے الٹے سیدھے رکھ دیتے ہیں۔ بعض تو مہمل ہی ہوتے ہیں اور بعض برے معنی پیدا کرتے ہیں۔ آنحضرت ناموں کی اچھائی برائی کا بہت لحاظ رکھا کرتے تھے۔ برے نام سنتے تو ان کو بدل دیا کرتے چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے ایک بچی کا نام عاصیہ سنا گویا گنہگار و نافرمان تو آپ نے اس کا نام جمیلہ سے بدل دیا۔ موطا امام مالک میں ہے۔ کہ ایک بار آپ نے فرمایا کہ اس اونٹنی کا دودھ کون دوہے گا۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا میں آپ نے پوچھا تیرا نام کیا ہے اس نے کہا مرہ (یعنی کڑوا) آپ نے فرمایا بیٹھ جا۔ پھر فرمایا کہ اس کا دودھ کون دوہے گا ایک دوسرا آدمی اٹھا اور کہا میں۔ آپ نے اس سے بھی دریافت کیا تیرا نام کیا ہے اس نے کہا حرب (یعنی لڑائی) آپ نے اس سے بھی فرمایا بیٹھ جا۔ پھر فرمایا کہ اس کا دودھ کون دوہے گا۔ ایک تیسرا آدمی اٹھا اور کہا میں آپ نے اس سے بھی پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے۔ اس نے کہا یعیش گویا عیش سے ہے آپ نے اس کو فرمایا کہ اچھا تو دودھ۔

۴۶۵/۴ **ابو حنیفة** عن نافع عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیکی ضائع

البر لا یبلی والاثم لا ینسیٰ ؛

نہیں ہوتی۔ اور گناہ بھلایا نہیں جاتا ؛

تشریح:- آنحضرتؐ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ نیکی و بھلائی دنیا و آخرت میں اثر دکھائے بغیر نہیں رہتی اور کبھی ضائع نہیں ہوتی۔ بلکہ اچھے نتائج پیدا کرتی ہے اور مستقبل کو اچھا بناتی ہے اسی طرح بدی دنیا و آخرت میں وبال و عذاب و تباہی کا سبب بنتی ہے۔ برے نتائج سامنے لاتی ہے اور گنہگار کو برائی کی سزا و بادا‌ش دیئے بغیر نہیں چھوڑتی ؛

۴۶۶/۵ ابوحنیفة عن سماک عن جابر بن سمرةؓ قال کنا اذا اتینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قعدنا حیث انتہی المجلس ؛

حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے کہ ہم جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تو مجلس کے آخر میں بیٹھتے ؛

تشریح:- شمائل ترمذی میں مروی ہے کہ آنحضرتؐ جب کسی قوم کی مجلس میں حاضر ہوتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی وہیں تشریف فرما ہوتے۔ اور اسی کا حکم بھی دیتے۔ طبرانی۔ بیہقی حضرت شیبہ بن عثمان سے مرفوع روایت لائے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں شرکت کرے اور اس کو کوئی جگہ خالی ملے تو وہ وہاں بیٹھ جائے ورنہ پھر جہاں بھی جگہ ملے بیٹھ جائے ؛

۴۶۷/۶ ابوحنیفة عن عطیة عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس ؛

حضرت ابی سعید خدریؓ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔ وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا ؛

تشریح:- ملا علی قاری اس کا سبب بیان کرنے میں یوں لکھتے ہیں کہ ظاہر ہے جس نے بندہ کا تھوڑا سا احسان نہ مانا اور اس کا شکریہ ادا نہ کیا۔ وہ کس طرح اللہ کے اس قدر احسانات کا شکر ادا کرے گا۔ یا کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ بندوں کے احسانات بھی چونکہ دراصل اللہ ہی کے احسانات ہیں۔ اس لئے جس نے بندوں کے احسانات کا شکریہ ادا نہیں کیا۔ گویا اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا ؛

۴۶۸/۷ ابوحنیفة عن عطاء عن محارب بن دثار عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاک والظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامة ؛

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ظلم سے بچ کیونکہ قیامت کے دن ظلم ظلمات (اندھیریوں) کی شکل میں ہوگا ؛

تشریح:- یعنی جو دنیا میں ظلم کرے گا۔ اس کو آخرت میں طرح طرح کی اندھیروں میں مبتلائے عذاب کیا جائے گا۔ اس طرح اس کے ظلم کا اسے پورا پورا بدلہ دیا ؛

۴۶۹/۸ ابوحنیفة عن عاصم عن ابی بردة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم زار قوما من الانصار فی دیارھم

حضرت ابی بردہؓ سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی کسی جماعت سے ان کے گھروں میں ملاقات کی۔ انہوں نے آپ کی

نذ بحواله شاة وصنعوا له منها طعاما فاخذ من اللحم شيئا فلاكه فمضغه ساعة لا يسيغه فقال ما شان هذا اللحم۔

فقالوا شاة لفلان ذبحناها حتى يجي فنرضيه من ثمنها قال فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اطعموها الاسرآء

ضیافت میں ایک بکری ذبح کی اور اس سے کھانا پکایا تو آپ نے (کھانا تناول فرماتے وقت) گوشت کی بوٹی منہ میں لے کر رکھی۔ اور تھوڑی دیر چبایا۔ مگر نگل نہ سکے اس پر آپ نے فرمایا۔ کہ یہ کیسا گوشت ہے۔ لوگوں نے کہا یہ فلاں شخص کی بکری تھی (اس کی اجازت بغیر) ہم نے اس کو ذبح کیا۔ (اس امید پر) کہ وہ آجائے تو اس کی قیمت اس کو دے کر اس کو راضی کر لیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ گوشت قیدیوں کو کھلادو۔

وفي رواية عن عاصم ابن كليب عن ابيه ان رجلا من اصحاب محمد صنع طعاما فدعاه فقام اليه النبي صلى الله عليه وسلم وقمنا معه فلما وضع الطعام تناول النبي صلى الله عليه وسلم بضعة من ذالك اللحم فلاكها في فيه طويلا فجعل لا يستطيع ان يأكلها فالقاها من فيه و امسك عن الطعام فقال اخبرني عن لحمك هذا من اين هو قال يا رسول الله شاة كانت لصاحب لنا فلم يكن عندنا فنشتريها منه وعجلنا بها وذبحناها ووضعناها لك حتى يجئ فنعطي ثمنها فامر النبي صلى الله عليه وسلم برفع هذا الطعام وامر ان يطعمه الاسراء قال عبد الواحد قلت لابي حنيفة من اين اخذت هذا الرجل يعمل في مال الرجل بغير اذنه يتصدق بالربح قال اخذته من حديث

اور ایک روایت میں ابن کلیب سے منقول ہے کہ اصحاب محمد میں سے ایک شخص نے کھانا پکایا۔ اور آپ کو دعوت دی۔ آپ بھی تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ ہم بھی۔ جب کھانا رکھا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گوشت کا ایک ٹکڑا منہ میں رکھا۔ اور اس کو دیر تک چبایا لیکن اس کو نگل نہ سکے تو آپ نے اس کو منہ سے نکال کر پھینک دیا۔ اور کھانے سے ہاتھ کھینچ کر فرمایا مجھ کو اس گوشت کے بارہ میں خبر دو کہ یہ کہاں سے حاصل کیا گیا ہے۔ صاحب خانہ نے جواب دیا یا رسول اللہ یہ ہمارے ایک ساتھی کی بکری تھی وہ تو تھا نہیں کہ اس سے خرید لیتے لہذا ہم نے جلدی کی اور بکری کو ذبح کر دی اور اسکو آپ کے سامنے لاکر رکھ دیا۔ محض اس امید پر کہ وہ آئیگا تو اس کو اس بکری کی قیمت ادا کر دینگے اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھانے کے اٹھا لینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ قیدیوں کو کھلادو۔ عبد الواحد کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ سے پوچھا کہ آپ نے یہ مسئلہ کہاں سے نکالا کہ اگر کوئی کسی کے مال میں بغیر اسکی اجازت کے تصرف کرے تو وہ اسکے

عاصمٍ ؛ نفع کو صدقہ کر دے۔ انہوں نے کہا کہ عاصمؒ کی حدیث سے ؛

تشریح:۔ اس حدیث میں یہ مسئلہ ہے۔ کہ ایک شخص اگر دوسرے شخص کی بکری کو بلا اجازت ذبح کرے تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اس پر اس کا صدقہ واجب ہوگا۔ اور تا وقتیکہ وہ اس کی قیمت ادا نہ کر دے اس کو اس بکری سے نفع اندوزی کا حق نہیں۔ اور یہ کہ ایسی صورت میں بکری اپنے مالک کی ملک سے نکل جاتی ہے اگر اس کی ملک سے نہ نکلتی تو آنحضرتؐ اس کو صدقہ کرنے کا حکم نہ دیتے۔ بلکہ مالک کو واپس کرا دیتے یا اس کو اس کے ہاتھ فروخت کرا دیتے۔ اور اس کی قیمت مالک کے لئے محفوظ رکھنے کا حکم دیتے۔ کیونکہ امام امیر کو ضرورت کے وقت کسی انسان کی چیز کے فروخت کرنے کا حق حاصل ہے ؛

۴۷۰ / ۹ **ابو حنیفة** عن علقمة عن ابن بريدة عن ابيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الدال على الخير كفاعله ؛

حضرت بریدہ رضؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ بھلے کام کا بتانے والا (اجر میں) اس کے کرنے والے کے برابر ہے ؛

تشریح:۔ اور دارقطنی وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضؓ سے مرفوع روایت ہے کل معروف صدقة والدال على الخير كفاعله والله يحب اغاثة اللهفان۔ کہ ہر بھلائی صدقہ ہے۔ اور بھلائی کی طرف راہنمائی کرنے والا اس پر عمل کرنے والے کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مصیبت زدہ کی مدد کرنے والے کو پسند فرماتا ہے ؛

۴۷۱ / ۱۰ **ابو حنیفة** عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الدال على الخير كفاعله ؛

حضرت انسؓ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھلائی کیطرف راہ نمائی کرنے والا اس پر عمل کرنے والے کے برابر ہے ؛

تشریح:۔ اس کی تشریح گذر چکی ہے ؛

۴۷۲ / ۱۱ **ابو حنیفة** عن علقمة عن ابن بريدة عن ابيه عن النبى صلے الله عليه وسلم قال جاءه رجل فاستحمله فقال ما عندى ما احملك عليه ولكن سادلك على من يحملك انطلق الى مقبرة بنى فلان فان فيها شابا من الانصار يترامى مع اصحاب له ومعه بعير له فاستحمله فانه سيحملك فانطلق، الرجل فاذا به يترامى مع اصحاب له

حضرت بریدہ رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آکر آپ سے سواری مانگی آپ نے فرمایا کہ میرے پاس سواری نہیں کہ میں تجھ کو دوں البتہ میں تجھ کو وہ شخص تبلاتا ہوں جو تجھ کو سواری دے گا۔ بنی فلاں کے قبرستان میں جا وہاں ایک انصاری جوان ہے جو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تیر اندازی کر رہا ہے اور اس کے ساتھ اسکا ایک اونٹ ہے لہٰذا تو اس سے وہ مانگ۔ وہ تجھ کو دے دیگا۔ چنانچہ وہ شخص چل دیا۔ اور وہاں

فقصّ عليه الرجل قول النبی صلی الله عليه وسلم فاستحلفه بالله لقد قال هذا رسول الله صلی الله عليه وسلم فحلف له مرّتين او ثلثًا ثم حمله، فمرّ به علی النبیّ صلّی الله عليه وسلم۔

فقال فاخبره الخبر۔

فقال النبی صلی الله عليه وسلم انطلق فانّ الدّال علی الخير كفاعله۔

وفی رواية انّ رجلًا جآءه يستحمله فقال والله ما عندی من شئ احملك عليه ولكن انطلق فی مقبرة بنی فلان فانك ستجد ثمه شابًا من الانصار يترامی مع اصحاب له، فاستحمله فانه سيحملك۔

فانطلق الرجل حتی اتی المقبرة قال له رسول الله صلی الله عليه وسلم فقص عليه القصة فاستحلفه۔

فقال الله الذی لا اله الا هو انّ رسول الله صلی الله عليه وسلم ارسلنی اليك فاعطاه بعيرًا له فانطلق به الرجل فاتی النبی صلی الله عليه وسلم فقال له صلی الله عليه وسلم انطلق فانّ الدّال علی الخير كفاعله ؛

پہنچ کر) کیا دیکھتا ہے کہ وہ ہی جوان اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تیر اندازی میں مصروف ہے۔ اس شخص نے اس جوان انصاری سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بیان کیا۔ انصاری نے قسم دے کر اس سے دریافت کیا کہ واقعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کہا ہے اس نے دو یا تین مرتبہ قسم کھائی۔ تو انصاری نے اس کو اونٹ دیا۔ اس کے بعد وہ اونٹ لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اس واقعہ کی خبر سنائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا چلا جا۔ بھلائی کی طرف راہنمائی کرنا بھی بھلائی کرنے والے کی طرح اجر و ثواب ملتا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کے پاس آ کر سواری طلب کی۔ آپ نے فرمایا کہ قسم بخدا میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے کہ میں تجھ کو اس پر سوار کر دوں۔ لیکن تو جا بنی فلاں کے قبرستان میں تو وہاں ایک انصاری جوان پائے گا جو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تیر اندازی کر رہا ہو گا۔ تو تو اس سے سواری مانگ وہ تجھ کو سواری دے گا تو وہ آدمی چل دیا۔ اور اس قبرستان میں پہنچا۔ جس کا پتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا اور اس انصاری سے واقعہ کہا۔ انصاری نے اس شخص سے قسم لی۔ اس نے کہا قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو تمہارے ہی پاس بھیجا ہے اس پر انصاری نے اس کو اونٹ دیا اور وہ اس کو لے کر چل دیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے کہا جا چلا جا البتہ بھلائی کی طرف راہنمائی کرنا اس کے کرنے والے کی طرح ہے ؛

تشریح :- یعنی آنحضرت نے اپنی ذات اقدس کی طرف اشارہ فرمایا کہ چونکہ آپ نے اس کار خیر کی طرف راہنمائی فرمائی اور اس سائل کو ایسے شخص کا پتا دیا۔ جہاں سے اس کی مطلب براری ہو سکے۔ لہٰذا آپ کو بھی اس کا اجر و ثواب ملا جس کا انصاری حق دار تھا :

۴۷۳/۱۲ **ابوحنیفة** عن علقمة عن ابن بریدة عن ابیه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال افضل الجهاد کلمة حق عند سلطان جائر :

حضرت بریدہ رضی سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہتر جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کا کہنا ہے :

تشریح :- افضل جہاد اس بنا پر کہا گیا ہے کہ معروف جہاد میں پھر بھی مسلمان اپنی ایک اجتماعی و فوجی طاقت رکھتے ہیں اور ایک شان و شوکت کے مالک ہوتے ہیں اور فتحیابی و شکست کے ہر دو رخ ان کے سامنے ہوتے ہیں۔ بخلاف اس صورت کے کہ بادشاہ ظالم و جابر کے بالمقابل حق گو نہائت بے کسی اور بے بسی کی حالت میں ہوتا ہے۔ محض ہلاکت و موت کا نقشہ اس کے سامنے ہوتا ہے۔ مگر یہ غریب صرف اپنی دینی حمیت و مذہبی غیرت کی بنا پر اپنی جان سے کھیلتا ہے اور حق کے کہنے کی جرات و جسارت کرتا ہے لہٰذا یہ جہاد افضل ہوا :

۴۷۴/۱۳ **ابوحنیفة** عن شیبان عن عبدالملك عمن حدثه عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من استشارك فاشره بالرشد فان لم تفعل فقد خنته :

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تجھ سے مشورہ طلب کرے اس کو نیک مشورہ دے۔ اگر تو نے ایسا نہ کیا۔ تو البتہ تو نے اس کے حق میں خیانت کی :

تشریح :- حق یہ ہے کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے۔ تو وہ گویا امانت دار تصور کیا جاتا ہے۔ اور کہ اس پر پورا پورا بھروسہ ہوتا ہے۔ اب اگر یہ بے اعتمادی کا ثبوت دے اور صحیح نیک اور مفید مشورہ دینے میں بخل سے کام لے۔ یا غلط راہنمائی کرے تو یہ خائن ٹھہرا اور بددیانت اسی لئے آنحضرت نے ایسے شخص کو خائن کہا ہے :

۴۷۵/۱۴ **ابوحنیفة** عن الحسن عن الشعبی قال سمعت النعمان یقول سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول مثل المؤمنین فی توادهم وتراحمهم کمثل جسد واحد اذا اشتکی الراس تداعی له سائره بالسهر والحمی :

حضرت نعمان کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مومنین کی مثال آپس میں محبت کرنے اور ایک دوسرے پر دل دکھانے میں ایک بدن کی سی ہے کہ مثلاً جب سر دکھتا ہے تو سارا بدن جاگتے ہیں اور بخار میں اس کا ساتھ دیتا ہے :

تشریح :- صادق الایمان مومنین ایک دوسرے سے ایسی ہی محبت اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں کہ ایک دکھی ہوتا ہے تو سب بے چین اور بے کل ہوتے ہیں۔ اور اگر ایک خوش ہوتا ہے تو سب ہی خوشی و مسرت کے شادیانے بجاتے ہیں؛

۴۷۶ / ۱۵ حماد عن ابیه عن عبد الرحمٰن بن حزم عن انسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مازال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننت انه یورثه ومازال جبریل یوصینی بقیام اللیل حتی ظننت ان خیار امتی لا ینامون الا قلیلا ؛

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام مجھ کو پے در پے پڑوسی کے حق میں (خوش خلاقی و خوش معاملگی کی) وصیت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھ کو گمان ہونے لگا کہ ورثہ میں سے اس کو حصہ دلائیں گے۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام مجھ کو مسلسل شب بیداری کے لئے وصیت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھ کو خیال پیدا ہوا کہ میری امت کے برگزیدہ لوگ بہت کم سوئیں گے ؛

تشریح :- اس حدیث میں دو چیزوں کی اہمیت کا اظہار ہے ایک پڑوسی کا حق کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کے حقوق کی رعایت اور اس کے ساتھ حسن اخلاق پر پے در پے اس قدر زور دیا کہ آنحضرت کو شک پیدا ہوا کہ شاید پڑوسی کو ورثہ میں سے حصہ ملنے لگے گا۔ طبرانی معاویہ بن حیدہ اور حضرت معاذؓ سے مرفوع حدیث لائے ہیں۔ جو پڑوسی کے حقوق کو بہت تفصیل سے بیان کرتی ہے کہ آنحضورؐ تو اس کی عیادت کرو۔ اگر مرے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرو۔ اگر قرض کا خواہاں ہو تو اس کو قرض دو اگر بدحال ہو تو اس کی ستر پوشی کرو۔ اگر اس کو کوئی خوشی پہنچے تو اس کو مبارک باد دو۔ اگر مصیبت پہنچے تو غم کا اظہار کرو۔ اور اپنی عمارت اس کی عمارت سے اونچی نہ اٹھاؤ۔ کہ اس کی ہوا رک جائے۔ حضرت معاذ کی روایت میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں کہ اگر تم میوہ خرید کر لاؤ تو اس کو لے کر نکلے کہ پڑوسی کا لڑکا اس کو دیکھ کر للچائے۔ دوسری چیز شب بیداری ہے اور تہجد گذاری کہ اللہ تعالےٰ کو بعد فرض کے یہ عبادت بہت پسند ہے۔ قرآن کریم میں اس کی تعریف ہے۔ رات کی خاموشی گھڑیوں میں یہ عبادت دل کی صفائی اور تقرب الی اللہ کے لئے تیر بہدف ہے ؛

۴۷۷ / ۱۶ ابوحنیفة عن انس قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان الله یحب اغاثة اللهفان ؛

حضرت انسؓ کہتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ کہ اللہ تعالےٰ مضطر و پریشان کی فریادرسی کو محبوب رکھتا ہے ؛

تشریح :- یعنی جو شخص کسی دکھی غمزدہ کی غم گساری کرے اور دست گیری کر کے مصیبت

سے اس کو چھٹکارا دے۔ تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو بہت پسند فرماتا ہے کیونکہ وہ خود بھی مصیبت زدہ کا حامی و مددگار ہے ؛

بَابُ النَّهْيِ عَنْ سَبِّ الدَّهْرِ ! [۲۲۱]

باب ۲۲۱ - زمانہ کو برا نہ کہو !

ابو حنیفة عن عبد العزیز عن ابی قتادة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تسبوا الدهر فان الله هو الدهر ؛

حضرت ابی قتادہ کہتے ہیں۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ کو برا نہ کہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ زمانہ ہی ہے ؛ ۷۸م ۷۱

تشریح :- بعض ناسمجھ لوگ عادی ہوتے ہیں کہ دنیا کی تلخیوں پر زمانہ کو لعنت و ملامت کا نشانہ بناتے ہیں۔ اور حقیقت میں یہ ناشائستہ بات عقل سے دور ہے۔ کیونکہ اگر زمانہ دنیا کے واقعات و حادثات پر سرمو بھی اثر انداز ہوتا تو اس کو برا کہنے کے کچھ معنی ہوتے۔ حالانکہ واقعہ تو یہ ہے کہ دنیا کے انقلابات میں زمانہ بالکل بے اثر ہے جو کچھ کرتا ہے۔ خدا کرتا ہے۔ سب کچھ اسی کے قبضہ و قدرت میں ہے اور اس کا ہر کام حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔ جس کو وہی خوب جانتا ہے اور سمجھتا ہے انسان کا کیا یارا کہ اس کے بھیدوں کا سراغ لگا سکے۔ بندہ کو کیا تاب کہ اس کی حکمتوں تک پہنچ سکے اس لئے زمانہ کو برا بھلا کہنا عقل کے خلاف ہے۔ اور مذہب میں بھی منع ہے ؛

ابو حنیفة ولدت سنة ثمانین وقدم عبد الله بن أُنَيْسٍ صاحب رسول الله صلی الله علیه وسلم الکوفة سنة اربع وتسعین ورأیته وسمعت منه وانا ابن اربع عشرة سنة سمعته رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول حُبُّكَ الشَّیْءَ یُعْمِی وَ یُصِمُّ ؛

حضرت امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوا۔ اور حضرت عبد اللہ بن انیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کوفہ میں ۹۴ھ میں تشریف لائے۔ میں نے ان کو دیکھا۔ اور چودہ برس کی عمر میں میں نے انکو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ایک چیز کی محبت تجھ کو اندھا بھی کر دیتی ہے اور بہرہ بھی ؛ ۷۹م ۷۲

تشریح :- یہ حدیث انسانی نفسیات کی ایک اہم کیفیت کو بتا کر اس کی خرابی کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان کو خواہشات نفسانی کی فتنہ انگیزیوں سے بچنا چاہیئے ؛

باب ۲۲۲ النهى عن الشماتة !

باب ۲۲۲ کسی کی مصیبت پر خوش ہونا منع ہے !

۴۸۰ ح ۱ ابو حنيفة قال سمعت واثلة بن الاسقع قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا تظهرن شماتة لاخيك فيعافيه الله و يبتليك الله ؛

حضرت واثلہ بن اسقع کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تو اپنے بھائی (کی مصیبت) خوشی ظاہر نہ کر (ورنہ) خدا تعالےٰ اس کو اس سے چھٹکارا دے گا اور تجھ کو اس میں مبتلا کرے گا ؛

تشریح :- یہ بات انسانیت، شرافت، عقل اور سنجیدگی کے خلاف ہے۔ کہ انسان اپنے مسلمان بھائی کے دکھ و مصیبت پر خوشی ظاہر کرے کیا بعید ہے کہ اللہ تعالےٰ اس خلافِ شرافت فعل کی پاداش میں دکھی کو دکھ سے رہائی بخش دے۔ اور ہنسنے والے کو اس میں مبتلا کرے ؛

۲۲۳ كتاب الرقاق !

دل نرم کرنے والی باتوں کا بیان !

۴۸۱ ح ۱ ابو حنيفة عن الحسن عن الشعبي عن النعمان بن بشير عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ان فى الانسان مضغة اذا صلحت صلح بها سائر الجسد واذا سقمت سقم بها سائر الجسد الا وهى القلب ؛

حضرت نعمان بن بشیر رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، جب وہ درست وصحیح ہو تو اس کا سارا بدن درست ہوتا ہے اور جب وہ بیمار ہو تو سارا بدن بیمار ہوتا ہے اور خبردار رہو وہ (گوشت کا ٹکڑا) دل ہے ؛

تشریح :- انسان کے جسم میں دل ہی ایک چیز ہے کہ سارے بدن کی درستگی کا دار و مدار اسی پر ہے۔ کیونکہ اعمال کی اچھائی (برائی) نیات وعقاید پر مدار رکھتی ہے۔ اور نیتوں کا یہ چشمہ دل ہے۔ اس لئے سارے جسم میں یہی سب کچھ ہے۔ اگر یہ ٹھیک ہو گیا تو سب ٹھیک، اور اگر یہ بگڑا تو سب بگڑ گیا ؛

۴۸۲ ح ۲ ابو حنيفة عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة قالت ما شبعنا ثلثة ايام

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں کہ ہم نے کبھی تین دن تین رات برابر روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی

ولياليها من خبز متتا بعاً حتى فارق محمد صلى الله عليه وسلم وما زالت الدنيا علينا كدرة عسرة حتى فارق محمد صلى الله عليه وسلم الدنيا فلما فارق محمد صلى الله عليه وسلم الدنيا صُبّت علينا صبًّا وفي رواية صُبّ الدنيا علينا صبًّا وفي رواية ما شبع ال محمد صلى الله عليه وسلم ثلثة ايام متوالية من خبز البرّ ؛

یہاں تک کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور عسرت و تنگ دستی ہم پر چھائی رہی۔ یہاں تک کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے مفارقت فرمائی۔ پھر جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تو دنیا ہم پر ٹوٹ کر پڑی۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ دنیا ہم پر برس پڑی۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ گیہوں کی روٹی سے برابر تین دن کبھی نہیں بھرا ؛

تشریح :- ان دنیا داروں کے لئے ایک نصیحت کہ آنحضرت کی عسرت کی زندگی سبق حاصل کریں کہ کاشانۂ نبوت میں بسنے والوں کو تین دن مسلسل پیٹ بھر کر روٹی میسر نہ ہوتی تھی۔ دوسری حدیث میں حضرت ابن عباس رض کہتے ہیں۔ کہ کئی راتیں پے در پے ایسی گذرتیں کہ رسالت مآب کے گھر والے رات کو بھوکے رہتے یہ زندگی چونکہ آں حضرت کو پسند تھی اس لئے حیات طیبہ اسی طرح گذر گئی بعد وفات اہل بیت پر دنیا سمٹ پڑی جیسا کہ خود حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ کے وصال کے بعد دنیا ہم پر برسنے لگی ؛

ابوحنیفة عن حماد عن ابراهيم عن الاسود ان عمر بن الخطاب دخل على النبي صلى الله عليه وسلم في شكاة شكاها فاذا هو مضطجع على عباءة قطوانية ومرفقة من صوف حشوها اذخر فقال بابي انت وامي يارسول الله كسرى وقيصر على الديباج فقال ياعمر اما ترضى ان تكون لهم الدنيا ولكم الاخرة -

ثم ان عمر رض مسه فاذا هو في شدة الحمى فقال تحم هكذا وانت رسول الله -

فقال ان اشد هذه الامة

۴۸۳
۳

حضرت اسود رض سے روایت ہے۔ کہ عمر رض بن الخطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جبکہ آپ کو مرض کی شکایت تھی تو آپ کو ایک قطوانی کھردری چادر پر لیٹا ہوا پایا اور اون کا تکیہ لگائے ہوئے جسکا بھرت اذخر گھاس کا تھا حضرت عمر رض بولے آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں یارسول اللہ کسریٰ اور قیصر تو دیباج پر ہیں اور آپ اس پر آپ نے فرمایا اے عمر کیا تم اس پر راضی نہیں۔ کہ ان دکافروں) کے لئے دنیا ہو۔ اور تمہارے لئے آخرت۔ پھر حضرت عمر رض نے آپ کو چھوا تو آپ کو سخت بخار تھا تو بولے آپ کو ایسا سخت بخار ہو حالانکہ آپ اللہ کے رسول ٹھہرے۔ آپ نے فرمایا اس امت میں سخت مبتلائے

بلاءً نبیھا ثم الخیر ثم الخیر وکذالک کانت الانبیاء قبلکم والامم ۔

بلا اس کے نبی ہیں۔ پھر ان سے کمتر نیک پھر ان سے کمتر نیک اور یہی حال تم سے پہلے انبیاء علیہم السلام اور امتوں کا تھا ۔

تشریح :- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا میں مومن کی آزمائش اس کے ایمانی طاقت وقوت کے مطابق ہوتی ہے۔ قوی الایمان سخت آزمائشوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ شدائد کی گھاٹیوں میں سے گذر کر وہ اور نکھر کر کندن ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ترمذی کی حدیث کے چند الفاظ ہیں فما یبرح البلاء بالعبد حتی یترکہ یمشی علی الارض وما علیہ خطیئۃ کہ بندہ پر برابر مصیبت مسلط رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایسی حالت میں ہو جاتا ہے کہ زمین پر چلتا پھرتا ہے۔ اور گناہ سے بالکل ہلکا ہوتا ہے ۔

۳۲۴

کتاب الجنایات! جنایات کا بیان!

۴۸۴ ۱
ابوحنیفۃ عن عطاء عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من عفا عن دم لم یکن لہٗ ثواب الا الجنۃ

حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے خون معاف کیا اس کی جزا جنت ہی ہے ۔

تشریح :- حدیث اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ یعنی برائی کا بدلہ اس جیسی برائی سے ہے۔ پس جس شخص نے معاف کیا۔ اور صلح کی تو اس کا بدلہ اللہ پر ہے ۔

۴۸۵ ۲
ابوحنیفۃ عن الزھری عن سعید بن المسیب عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال دیۃ الیھودی والنصرانی مثل دیۃ المسلم ۔

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہودی اور نصرانی کا خون بہا مثل خونبہا مسلمان کے ہے ۔

تشریح :- اس حدیث میں دیت کا مسئلہ ہے۔ جس میں اختلاف ہے۔ حضرت امام مالک کے نزدیک یہودی ونصرانی کی دیت مسلم کی دیت سے آدھی ہے یعنی چھ ہزار درم کیونکہ ان کے نزدیک پوری دیت بارہ ہزار درم کی ہے۔ اور حضرت امام شافعی کے نزدیک یہودی ونصرانی کی دیت ایک تہائی یعنی چار ہزار درم ہے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رح کے نزدیک یہودی و نصرانی کی دیت و مسلم آزاد کی دیت میں کوئی فرق نہیں۔ ہر سہ کی ایک ہی دیت ہے یعنی دس ہزار درم۔ کیونکہ ان کی رائے میں پوری دیت اسی قدر ہے امام مالک کے مسلک پر سنن اربعہ کی اس حدیث سے

دلیل لائی جاتی ہے۔ جو بطریق عمرو بن شعیب نقل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیۃ المعاھد نصف دیۃ الحر کہ معاہد کی دیت آزاد کی دیت سے آدھی ہے۔ ترمذی کے الفاظ ہیں عقل الکافر نصف عقل المومن کہ کافر کی دیت مسلم کی دیت سے آدھی ہے۔ حضرت امام شافعی کے مسلک میں یا تو اس حدیث سے حجت لائی جاتی ہے۔ جو وہ خود اپنی مسند میں حضرت عمر بن خطاب سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے فیصلہ دیا یہودی و نصرانی کی دیت میں چار ہزار درم کا اور مجوسی کی دیت میں آٹھ سو درم کا۔ یا اس حدیث مرفوع سے جو مصنف عبدالرزاق میں عمرو بن شعیب کے طریق سے بدیں الفاظ مروی ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض علی کل مسلم قتل رجلا من اھل الکتاب اربعۃ آلاف۔ کہ آنحضرت نے ہر اس مسلمان پر جو کسی اہل کتاب کے آدمی کو مار ڈالے چار ہزار درم واجب فرمائے۔ حضرت امام اعظم کے مسلک کی قوی دلیل یہی حدیث ہے۔ کہ نہ جس کی سند میں کوئی خلش ہے نہ اس کے معنی میں کوئی خفا کہ اہل کتاب کی دیت اور مسلم کی دیت میں کوئی فرق نہیں۔ نیز حدیث مرفوع ہے۔ مزید برآں ابوداؤد مراسیل میں سعید بن مسیب سے روایت لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیۃ کل ذی عھد فی عھدہ الف دینار۔ کہ ہر صاحب عہد کی دیت اس کے عہد کے دوران میں ہزار دینار ہیں۔ پھر بعینہٖ اسی کو حضرت شافعی انہیں سعید سے موقوف لائے ہیں۔ اور ترمذی میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودی العامریین بدیۃ المسلمین وکان لھما عھد من رسول اللہ علیہ وسلم کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عامریین کی دیت دی مسلمین کی سی دیت اور ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد تھا۔ اور روایات سے بطریق صحیح اس کا ثبوت ہے کہ آنحضرت کے دور مبارک اور خلفاء کی خلافت راشدہ میں اسی پر عمل تھا۔ یہاں تک کہ حضرت معاویہ کے دور حکومت میں یہ عمل ہونے لگا کہ آدھی دیت مقتول کے ورثاء کو دی جاتی اور آدھی بیت المال میں داخل کی جاتی چنانچہ ابوداؤد اپنی مراسیل میں ربیعۃ الرای کے طریق سے یوں روایت لائے ہیں کان عقل الذمی مثل عقل المسلم فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وزمن ابی بکر وزمن عثمان حتی کان صدر من خلافۃ معاویۃ الحدیث کہ ذمی کی دیت مسلم کی دیت جیسی تھی۔ آنحضرت۔ ابوبکر۔ عمر۔ عثمان کے مبارک عہدوں میں۔ یہاں تک کہ حضرت معاویہ کی ابتدائی حکومت کا زمانہ آیا۔ عبدالرزاق بھی زہری سے یہی روایت لائے ہیں۔ امام محمد کتاب الآثار میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر یہی فیصلہ دیا کرتے تھے۔ حضرت علی سے اس طرح روایت وارد ہے۔ انما بذلوا الجزیۃ لیکون دماھم کدمائنا واموالھم کاموالنا۔ کہ انہوں نے جزیہ اس لئے صرف کیا کہ ان کے خون ہمارے خون ہوں۔ اور ان کے مال ہمارے مال۔ یہ حدیث تو گویا سارے جھگڑے کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ اور اس کا کھلا ثبوت بہم پہنچاتی ہے کہ ذمیوں کی دیت اور مسلمین کی دیت میں کوئی فرق نہیں۔ لہٰذا آنحضرت و خلفائے کرام کے عمل سے اور صحیح السند احادیث مرفوعہ۔

مراسیل و موقوفہ کی رو سے مذہب حنفیہ ہی کی صداقت معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر دو ائمہ کی احادیث شہرت و صحت و کثرت طرق میں یہ درجہ نہیں رکھتیں۔ اگر مخالفین مراسیل میں ارسال کا عیب و سقم نکالیں اور موقوفہ میں موقوف ہونے کا واضح رہے کہ مراسیل تو بالاتفاق مقبول ہیں اور وہ حدیث موقوف جس میں قیاس کو گنجائش نہ ہو۔ مرفوع کے حکم میں ہے۔ اور قیاس کو اس میں اس لئے دخل نہیں۔ کہ ہر دو میں مماثلت ظاہر نہیں کہ قیاس کیا جا سکے۔ پھر قیاس بھی مذہب حنفی کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ تعارض ادلہ کے وقت احتیاط کا لحاظ زیادہ قرین عقل و روایت ہے اور احتیاط مسلک احناف میں ہے نہ دوسرے مذاہب میں ؛

ابو حنیفة عن الشعبی عن جابرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یستقاد من الجراح حتی تبرأ ؛ ۴۸۶ / ۳

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ قصاص لیا جائے زخم رساں سے جب تک کہ (زخم خوردہ کا) زخم اچھا نہ ہولے ؛

تشریح: جب ایک شخص کسی کو زخمی کرے تو جب تک زخم اچھا نہ ہو زخم رساں سے قصاص نہ لیا جائے۔ اس میں بھی امام ابو حنیفہ و مالک و احمد اور امام شافعی کے درمیان اختلاف ہے صورت اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک زخم لگانے کے بعد ہی زخم رساں سے بدلہ لیا جائے گا۔ کیونکہ سبب قصاص پایا گیا۔ تو اب دیر کیوں کی جائے اور وہ اس کو نفس سے قصاص پر قیاس کرتے ہیں کہ اس میں ایسا ہی حکم ہے۔ اور ہر ائمہ مذکورین اس خیال کے حامی ہیں کہ زخم کی صورت میں فوراً قصاص نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ زخم کے اچھا ہونے کا انتظار کیا جائے گا۔ ان ائمہ کا خیال وجہ معقول پر مبنی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زخموں کے حالات شدید و خفیف ہونے میں نتائج سے کھلا کرتے ہیں نہ موجودہ کیفیات سے۔ کیا معلوم جو زخم اس وقت ہلکا اور معمولی نظر آتا ہے وہ آگے چل کر زخم خوردہ کی جان لے لے تو پھر تو گویا زخم رساں اس کے قتل کا باعث ہوا۔ اور ممکن ہے کہ زخم زخم کی حد تک رہ کر اچھا ہو جائے۔ یہ درایتی پہلو ہے۔ اور روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ دار قطنی اور بیہقی حضرت جابرؓ سے حدیث روایت کرتے ہیں کہ زخموں کا اندازہ لگایا جائے۔ پھر ایک سال تک تاخیر کی جائے۔ پھر جیسا کہ پتہ چلے حدیث اس کے موافق فیصلہ دیا جائے۔ دار قطنی کے سلسلہ روایت میں یزید بن عیاض ہے یہ اس کو متروک کہہ کر حدیث کو مجروح کہہ جاتے ہیں اور بیہقی کے سلسلہ سند میں ابن لہیعہ ہے وہ اس کو نشانہ جرح ٹھہراتے ہیں حالانکہ ابن لہیعہ صدوق ہے۔ خیر ہم کہتے ہیں کہ مذہب کے ثبوت کے لئے امام صاحب کی حدیث ذیل شعبی کے واسطہ سے کچھ کم نہیں ؛

۲۲۵ کتاب الاحکام !

احکام کا بیان !

ابو حنیفة عن الهیثم عن الحسن عن ابی ذر رض قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یا اباذر رض الامارة امانة وهی یوم القیامة خزی و ندامة الا من اخذها من حقها وادی الذی علیه و انی ذالک -

وفی روایة عن ابی حنیفة عن ابی عسال عن الحسن عن ابی ذر رض عن النبی صلی الله علیه وسلم قال الامارة امانة وهی یوم القیمة خزی و ندامة الا من اخذها من حقها وادی الذی علیه وانی ذالک یا اباذر رض ؂

۴۸۷/۱ حضرت ابی ذر رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر امارت (حکومت) ایک امانت ہے اور وہ قیامت کے روز رسوائی اور شرمندگی ہے مگر (اس شخص کے لئے رسوائی و شرمندگی نہیں) جس نے امارت وحکومت کا حق ادا کیا - اور جو ذمہ داری اس پر تھی اس سے حق کے ساتھ عہدہ برآ ہوا اور یہ (ادائیگی حقوق حکومت اور پوری ذمہ داری سے سبکدوشی) ہونا ہی کہاں ہے ؂

اور ایک روایت میں حضرت ابی ذر رض سے یوں روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ امارت قیامت کے دن ذلت اور شرمساری ہے مگر جس نے کہ اس کا حق ادا کیا اور جو ذمہ داری اس پر تھی وہ ادا کی (پھر فرمایا) اے اباذر ایسا ہونا ہی کہاں ہے ؂

تشریح :- طبرانی اور بزار سند صحیح سے حضرت عوف بن مالک سے روایت لائے ہیں - اولها ملامة وثانیها ندامة وثالثها عذاب یوم القیامة الا من عدل - کہ امارت کا پہلا ملامت ہے دوسرا شرمندگی ہے اور تیسرے میں قیامت کا عذاب ہے، مگر وہ شخص جو عدل و انصاف سے کام لے - مسلم میں بھی یہ حدیث بایں الفاظ ہے مگر اس کے شروع میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں کہ حضرت ابی ذر نے آنحضرت سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ مجھے آپ عامل مقرر نہیں فرماتے - آپ نے ان کے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا - اے اباذر تم کمزور ہو اور پھر یہی نصیحت کے الفاظ ارشاد فرمائے - غرض یہ حدیث حکومت وولایت کی اہمیت و ذمہ داری کی صحیح صحیح ترجمانی کرتی ہے اور جو حکومت کو ایک کھیل سمجھتے ہیں اور اس کو دنیوی عیش و عشرت اور نفسانی لذات و شہوات کے پورا کرنے کا ایک ذریعہ بناتے ہیں - ان کے حق میں یہ ایک سنگین تازیانہ ہے - کہ حکومت جب امانت ٹھہری اور اس کے حقوق ادا نہ کرنے والا خائن تو قیامت کے دن اس کو ندامت و شرمساری و عذاب الٰہی کا منہ کیوں نہ دیکھنا پڑے - پھر یہ امانت بھی معمولی نہیں - حاکم کے کندھوں پر حقوق اللہ کی ادائیگی کا بھی بوجھ ہوتا ہے اور ہزاروں لاکھوں انسانوں

کے حقوق رسی کا بھی بار۔ تو اب کونسا ایسا خوش قسمت انسان ہے کہ جو ان تمام حقوق کو پورا پورا ادا کرے۔ اور اس سخت آزمائش میں پورا اترے۔ اسی لئے آنحضرتؐ فرماتے ہیں وَاَنّٰی ذٰلِکَ اور ایسا ہوتا ہی کب ہے۔ جو ہزاروں میں ایک نکلا اس کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ فرمان خداوندی انا عرضنا الامانۃ سے یہی سنگین امانت حکومت مراد ہے اور اس میں بھی اسی امانت کی اہمیت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔ حقیقت میں اگر انسان کے دل و دماغ میں حکومت کی یہ اہمیت بیٹھ جائے تو انسان حکومت کی ذمہ داری سے ایسا ڈرے جیسا کہ کوئی شخص موت سے ڈرتا ہے ؂

۴۸۸/۲ **ابو حنیفۃ** عن عطیۃ عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان ارفع الناس یوم القیٰمۃ امام عادل ؂

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ قیامت کے دن سب لوگوں میں بلند ترین امام عادل ہوگا ؂

تشریح:۔ ظالم جابر و بے رحم بادشاہ کی برائی اور عادل و رحم دل بادشاہ کی تعریف سے احادیث صحیحہ پر ہیں۔ طبرانی کبیر میں اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابی بکرہ سے حدیث لائے ہیں کہ بادشاہ اللہ کا سایہ ہے زمین میں۔ جس نے اس کی عزت کی اس نے گویا اللہ کی عزت کی اور جس نے اس کی توہین کی اس نے گویا اللہ کی توہین کی۔ اور بزار اپنی مسند میں بیہقی اپنی شعب الایمان میں حضرت ابن عمر سے روایت لائے ہیں کہ بادشاہ زمین میں اللہ کا سایہ ہے۔ جس کے پاس آ کر اللہ کے مظلوم بندے پناہ لیتے ہیں۔ پس اگر اس نے انصاف کیا تو اس کے لئے اجر و ثواب ہے اور رعایا کے لئے شکر گذاری واجب اور اگر ظلم کیا اور جبر و استبداد سے کام لیا تو اس پر اس کا گناہ ہے۔ اور رعایا کے لئے صبر ضروری۔ اور جب حکام ظلم ڈھاتے ہیں تو آسمان قحط سالی کا سبب بن جاتا ہے اور جب زکوٰۃ روک لیتے ہیں تو مویشی ہلاکت کی نذر ہوتے ہیں۔ بیہقی شعب الایمان میں حضرت انس سے حدیث لائے ہیں۔ کہ بادشاہ اللہ کا سایہ ہے جس نے اس کو دھوکا دیا۔ وہ گمراہ ہوا۔ جس نے اس کو نصیحت کی اس نے ہدایت پائی۔ ابو نعیم حلیۃ الاولیاء میں حضرت واثلہ سے حدیث مرفوع لائے ہیں۔ کہ چار اشخاص کی دعا بارگاہ ایزدی میں مقبول ہے۔ ایک امام منصف دوسرا وہ جو اپنے بھائی کے پیٹھ پیچھے دعا کرتا ہے۔ تیسرا ظلم رسیدہ۔ چوتھا وہ جو اپنے والدین کے لئے دست بدعا ہے۔ نسائی حضرت ابی ہریرہ رضؓ سے حدیث مرفوع لائے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ چار اشخاص کو نہایت مبغوض رکھتا ہے ایک قسم خور تاجر۔ دوسرا متکبر فقیر۔ تیسرا زناکار بوڑھا۔ چوتھا ظالم بادشاہ۔ باقی انہیں احادیث کے ہم معنی و مطلب بہت سی احادیث صحیحہ حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں

۴۸۹/۳ **ابو حنیفۃ** عن الحسن بن عبید اللہ عن حبیب بن ابی ثابت عن ابن بریدۃ

حضرت بریدہ رضؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی تین قسم کے

عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القضاۃ ثلثۃ قاضیان فی النار و قاض یقضی فی الناس بغیر علم ویؤکل بعضھم مال بعض وقاض یترک علمہ و یقضی بغیر الحق فھذان فی النار۔ وقاض یقضی بکتاب اللہ فھو فی الجنۃ ؛

ہیں۔ دو ان میں دوزخی ہیں (یعنی) وہ قاضی جو فیصلے دیتا ہے لوگوں میں بغیر علم کتاب و سنت کے اور ایک کو دوسرے کا مال (ناحق) کھلاتا ہے۔ اور وہ قاضی جو اپنے علم کو پس پشت ڈالتا ہے اور ناحق فیصلے دیتا ہے۔ تو یہ دونوں قسم کے قاضی جو کتاب اللہ کی رو سے فیصلہ کرتا ہے۔ تو وہ جنتی ہے ؛

تشریح :- ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ وغیرہ میں قدرے اختصار کے ساتھ یوں آیا ہے۔ القضاۃ ثلثۃ اثنان فی النار وواحد فی الجنۃ رجل علم الحق فقضی بہ فھو فی الجنۃ ورجل قضی للناس علی جھل فھو فی النار ورجل عرف الحق فجار فی الحق فھو فی النار۔ کہ قاضی تین قسم کے ہیں۔ دو دوزخی اور ایک جنتی۔ وہ شخص جس نے حق پہچانا اور اس کے تحت فیصلہ کیا تو وہ جنتی ہے۔ اور وہ شخص جس نے لوگوں میں جہالت سے فیصلہ دیا۔ وہ دوزخی ہے اور وہ شخص جس نے حق کو تو پہچانا مگر حق رسی میں ظلم کیا تو وہ بھی دوزخی ہے۔ کہ جس نے حق و انصاف سے ہٹ کر اور اس سے جاہل رہ کر فیصلہ کیا تو وہ خود بھی گمراہ ہوا اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔ اور ایسے گمراہ کی سزا عذاب دوزخ ہی ہے۔ اور جو جان بوجھ کر عالم بد عمل بنکر لوگوں کو گمراہ کرے۔ اور غلط فیصلے دے تو یہ تو پہلے سے بڑھ کر بڑا مجرم ہے۔ کیونکہ علم کو چھپانے کا ایک علیحدہ سنگین جرم ہے جو اس کی طرف بالاستقلال عائد ہوتا ہے اور جس کی پاداش میں یہ بالاولی مستحق عذاب دوزخ ہے۔ اب رہا تیسرا تو کیا کہنے یہ اللہ کی کتاب کی رو سے فیصلے دیتا ہے۔ اور لوگوں میں اللہ کا سچا فرمان جاری کرتا ہے۔ اور یوں زمین میں اللہ کی سچی خلافت کے فرائض انجام دیتا ہے تو ایسا قاضی جنت کا حقدار کیوں نہ ہو ؛

۴۹۰
۲۰

ابوحنیفۃ عن عبد الملک عن ابی بکرۃ ان اباہ کتب الیہ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یقضی الحاکم وھو غضبان ؛

حضرت ابی بکرۃ سے روایت ہے کہ انکے باپ نے ان کو لکھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حاکم بحالت غضب فیصلہ نہ دے ؛

تشریح :- قاضی کے لئے ضروری ہے کہ کسی معاملہ میں فیصلہ دیتے وقت اس کے دل و دماغ اعتدال پر ہوں۔ کیونکہ اگر وہ اعتدالی کیفیت چھوڑ بیٹھیں گے تو یقیناً اس کی رائے اور اسکا فیصلہ حق سے ہٹ جائیگا اور غیظ و غضب میں طبیعت و مزاج میں اعتدال مفقود ہوتا ہے۔ حرارت و گرمی کا جوش ہوتا ہے لہٰذا فیصلہ میں بھی تشدد و سختی۔ تند مزاجی و درشتی کا پیدا ہو جانا لازمی امر ہے۔ اسی لئے ایسی حالت میں فیصلہ دینا ممنوع ہے۔ چنانچہ فقہاء اسی فطری اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسی حدیث کے ماتحت ہر اس حالت

یں فیصلہ صادر کرنا ناجائز قرار دیا ہے۔ جس کی وجہ سے انسان کے دل و دماغ ٹھکانے نہ ہوں۔ مثلاً سخت بھوک لگی ہو۔ بےچین کرنے والا مرض لاحق ہو۔ وحشت میں ڈالنے والا خوف دامنگیر ہو۔ بے انتہا خوشی ہو۔ نیند کا غلبہ ہو۔ دل و دماغ پر غم و فکر کا سایہ ہو۔ پیشاب پاخانے کی حاجت بےچین کر رہی ہو۔ بے کل کرنے والی تڑاکے کی گرمی پڑ رہی ہو۔ یا کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا ہو۔ تو ایسے حالات میں بھی فیصلہ صادر کرنا جائز نہیں ؛

٤٩١/٥ **ابو حنیفة** عن حماد عن ابراهیم عن الاسود عن عائشة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال رفع القلم عن ثلثة عن الصبی حتی یکبر و عن المجنون حتی یفیق - و عن النائم حتی یستیقظ ؛

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین اشخاص سے قلم اٹھا لیا گیا (گویا یہ دین کی ذمہ داری سے سبکدوش ہیں) ایک بچہ جب تک وہ بالغ ہو۔ (دوسرا) مجنون جب تک وہ صحت یاب ہو۔ (تیسرا) سونے والا جب تک وہ نیند سے جاگے ؛

و فی روایة عن حماد عن سعید بن جبیر عن حذیفة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم رفع القلم عن ثلثة - عن النائم حتی یستیقظ و عن المجنون حتی یفیق و عن الصبی حتی یحتلم ؛

اور ایک روایت میں حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین سے قلم اٹھا لیا گیا (یعنی ان پر شرعی احکام نافذ نہیں ہوتے) سونے والا جب تک جاگے۔ مجنون جب تک صحت یاب ہو۔ بچہ جب تک بالغ ہو ؛

تشریح :- تکلیف شرعی کا مدار در اصل عقل و شعور پر ہے اور اس سے یہ ہر سہ اشخاص محروم ہیں۔ اس لئے یہ اس حالت میں دینی ذمہ داری سے سبکدوش ہوئے۔ اور اس سے بری۔ اگر ایسی حالت میں ان پر تکلیف شرعی کا بوجھ ڈالا جائے تو تکلیف مالایطاق ہوئی جو اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو نہیں دیتا ؛

٤٩٢/٦ **ابو حنیفة** عن الشعبی عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم المدعی علیه اولی بالیمین اذا لم یکن بینة ؛

حضرت ابن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نہ ہو بینہ (گواہ مدعی کے پاس) تو مدعا علیہ سے قسم لینا اولیٰ ہے ؛

تشریح :- بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع روایت کی ہے۔ المدعی علیہ اولیٰ بالیمین الا ان تقوم علیه البینة - کہ مدعی علیہ پر قسم ہے مگر یہ کہ مدعی اس پر گواہ پیش کر دے۔ گو یا مدعی کے گواہ پیش کرنے پر مدعی علیہ سے قسم لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بیہقی حضرت ابن عباس سے مرفوع روایت لائے ہیں ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لا یعطی الله بدعواهم لادعی رجال اموال قوم و دماءهم لکن البینة علی المدعی والیمین علی من انکر کہ آنحضرت نے فرمایا اگر اللہ تعالےٰ محض لوگوں کے دعویٰ پر فیصلہ دے دیا کرتا تو البتہ لوگ دعویٰ کر کے لوگوں کے مال اینٹھ لیا کرتے اور ان کے خون بہا

ڈالتے لیکن اللہ کیطرف سے گواہ مدعی کے ذمہ نہ رکھے گئے اور قسم منکر (مدعی علیہ) کے ذمہ ہے۔
یہ حدیث دراصل دو اختلافی مسئلوں میں شافعیہ کے خلاف احناف کی قوی دلیل ہے۔ یہ صورت اختلاف یہ ہے کہ دعویٰ پیش ہونے پر سب ہی کے نزدیک مدعی سے گواہ طلب کئے جائیں گے۔ اگر اس نے قسم کھائی تو فیصلہ اس کے حق میں ہوگا۔ اگر وہ قسم سے منکر ہوا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک پھر بھی فیصلہ مدعی کے حق میں ہوگا۔ اور اب مدعی سے قسم لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ گویا تحقیقات مقدمہ کا آخری پہلو تھا جو ختم ہوا۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔ کہ اس صورت میں قسم مدعی کی طرف لوٹے گی۔ اگر اس نے قسم کھالی تو دعویٰ جتیا ورنہ نہیں۔ امام مالک و احمد بھی امام شافعی کے ہم خیال ہیں۔ اور ان کے ساتھ متفق امام شافعی کہتے ہیں کہ مدعیٰ علیہ جب قسم سے انکار کر گیا تو ظاہراً مدعی کا موافق ہوا تو اس سے قسم لی جائے گی۔ امام صاحب کے مسلک پر یہی اور مذکورہ احادیث ناقابل تردید حجتیں ہیں۔ کہ مدعی کے ذمہ محض گواہوں کا پیش کرنا ہے۔ قسم سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ اور مدعی علیہ کے ذمہ صرف قسم ہے اور اسی پر اس کی قسمت کا آخری فیصلہ اب گواہوں سے نہ کوئی واسطہ نہ تعلق۔ گویا آنحضرت نے مدعی و مدعی علیہ ہر ایک کی ذمہ داری کو تقسیم فرمادیا تو اب اس میں شرکت نہیں رہی۔ ترمذی میں حضرت وائل سے روایت وارد ہے۔ قال جاء رجل من حضرموت و رجل من کندہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال الحضرمی یارسول اللہ ان ھذا غلبنی علی ارض لی فقال الکندی ھی ارضی وفی یدای لیس لہ فیھا حق فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم للحضرمی الک بینۃ قال لا قال فلک یمینہ قال یارسول اللہ ان الرجل فاجر لایبالی علی ما حلف علیہ ولیس یتورع من شئی قال لیس لک منہ الا ذلک قال انطلق الرجل لیحلف لہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما ادبر لئن ادبر علی مالہ لیا کلہ لیلقین اللہ وھو عنہ معرض۔ یعنی کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص حضرموت کا رہنے والا اور ایک کندہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ حضرمی نے کہا یارسول اللہ یہ میری زمین چھین بیٹھا ہے۔ کندی نے کہا یہ تو میری زمین ہے۔ اور میرے قبضہ میں ہے اس کا اس میں کیا حق۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے کہا تیرے پاس گواہ ہیں۔ اس نے کہا نہیں۔ تو پھر آپ نے فرمایا۔ کہ اب تو تیرے لئے اس سے قسم ہی لینا ہے۔ تو وہ بولا یارسول اللہ یہ بدکار ہے نہیں پرواکرتا کہ اس نے کس چیز پر قسم کھائی اور کسی چیز سے نہیں بچتا۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے لئے اب اس کیطرف سے یہی ہے (داور سے بھی گیا) حضرت وائل کہتے ہیں کہ پھر وہ شخص چلا قسم کھانے اور جب واپس پھرا تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس کے مال پر قسم کھائی کہ اس کا مال ہضم کر جائے تو یہ خدا تعالیٰ سے بروز قیامت ایسے ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے منہ پھیرے ہوگا۔ صحیحین میں بھی یہ حدیث باختلاف الفاظ مروی ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں حضور اکرم کے الفاظ لیس لک منہ الا ذلک سے صاف آشکارا ہے کہ مدعیٰ علیہ کی قسم آخری ہے۔ اور مدعی کیطرف سے بینہ نہ ملنے پر اس کے سوا کوئی،

چارہ کار نہیں ہے ۔ پھر یوں بھی نحوی اصول سے حدیث کو جانچئے تو بھی صداقت مسلک احناف آشکارا ہے ۔ کہ حدیث ابن عباس میں بینہ اور یمین ہر دو پر الف لام آئے ہیں اور یہاں کوئی خاص بینہ اور یمین تو مراد ہے نہیں تو گویا جنس بینہ اور جنس یمین مراد ہوگی اور جنس بینہ کے سارے افراد مدعی کے لئے مخصوص ہو لئے ۔ اور یمین کے سارے افراد مدعیٰ علیہ کے لئے ۔ لہٰذا بعض افراد یمین کو مدعی کے لئے حجت بنانا گویا حدیث کی مخالفت ہے ۔ دوسری صورت اختلاف کی یہ ہے کہ بروقت مطالبہ گواہاں اگر مدعی گواہ پیش کرنے سے قاصر ہو اور ایک ہی گواہ اس کو میسر آسکے ۔ تو امام شافعی کے نزدیک اس سے قسم بھی لی جائے گی ۔ اور ایک گواہ و قسم کی بنا پر اس کے حق میں فیصلہ دیدیا جائے گا ۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مدعی کے لئے محض دو ہی صورتیں ہیں یا تو دو مرد گواہ لائے یا ایک مرد اور دو عورتیں ۔ اگر ان ہر دو صورتوں پر وہ قادر نہیں تو پھر مدعیٰ علیہ کے ذمہ قسم ہے ۔ مدعی کو قسم سے کوئی واسطہ نہیں ۔ شافعیہ کے مذہب کی حجت مسلم کی وہ حدیث ہے جو ابن عباس رضؓ سے بدین الفاظ مروی ہے ۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضیٰ بیمین و شاھد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدعی کی طرف سے) قسم اور ایک گواہ پر فیصلہ دیا ۔ احناف کے مذہب پر یہی احادیث مذکورہ بالا اٹل دلائل ہیں ۔ پھر قرآن کی آیت واستشھدوا شھیدین من رجالکم اس کی مزید پرزور مؤید ہے ۔ احادیث بالا ناطق ہے کہ مدعی کو کسی صورت میں قسم سے کوئی واسطہ نہیں گواہ پیش کر سکے یا نہیں ۔ نہ مدعیٰ علیہ کو گواہ پیش کرنے سے کوئی علاقہ خواہ قسم کھائے یا نہ کھائے ۔ چنانچہ بخاری میں یہودی کے قصہ کے ذیل میں حضرت ابن مسعود سے روایت ہے اس کے یہ کھلے اور صاف الفاظ ہیں شاھداك اویمینہ ۔ کہ یا تو اے مدعی تیرے گواہ ہی بنائے فیصلہ ہیں یا پھر مدعیٰ علیہ کی قسم ۔ گویا یہ ہر امور ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے ۔ پھر مسلم و ترمذی کی حدیث بالا میں لیس لك الا ذلك اسی کی تائید ہے ۔ پھر یہ وہ احادیث ہیں ۔ جن کو سب ہی احناف اور شافعیہ نے صحیح مانا ہے ۔ ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے ۔ بخلاف حدیث قسم اور ایک گواہ کے کہ اس کو غریب مانا گیا ہے ۔ یحییٰ بن معین نے اس کو رد کیا ہے پھر اس حدیث میں دو جگہ انقطاع ثابت ہے ۔ بعض کے نزدیک قیس جو اس کی سند میں ہے ۔ عمرو بن دینار سے سماع نہیں اور بعض کے نزدیک عمرو بن دینار کو ابن عباس رضؓ سے سماع نہیں ۔ چنانچہ دارقطنی عمرو اور ابن عباس رضؓ کے درمیان طاؤس کو لائے ہیں ۔ پھر کہاں یہ حدیث اور کہاں احناف کی احادیث کہ بے خلش اور بے کھوٹ اپنے بھی ان کو مانیں اور پرائے بھی ۔ لہٰذا حدیث کے درمیان میں مذہب حنفی ہی کی صداقت کھلتی ہے ۔ اب لیجئے آیت کہ یہ جو خود اپنی جگہ دوسری حجتوں سے بے نیاز کر دینے والی حجت ہے کہ فرمایا واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشھداء ان تضل احدھما فتذکر احدھما الاخریٰ ۔ کہ دو گواہ بنالو اپنے مردوں میں سے پس اگر دو مرد میسر نہ

آسکیں تو ایک مرد ہو اور دو عورتیں ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو۔ تاکہ ان دونوں عورتوں سے کوئی ایک بھی بھول جائے۔ تو ان میں ایک دوسرے کو یاد دلادے۔ بیلیجے کون ہے جو اس کلام الٰہی میں سے ایک گواہ اور قسم کیصورت نکالے گا۔ حالانکہ یہ گواہی کے بارہ میں پورا تفصیلی بیان ہے اس میں تو انہیں دو صورتوں کا مجاز دیا گیا ہے کہ یا مدعی دو مرد گواہ لائے یا اگر دو مرد نہ لا سکے تو ایک مرد اور دو عورتیں لے آئے اس کے علاوہ نہ تیسری صورت کا اشارۃً ذکر ہے نہ کنایۃً۔ لہٰذا ایسی صورت کا جائز قرار دینا قرآن میں زیادتی ہے۔ پھر یہ آیت کے سرسری معنی تھے۔ اب ذرا الفاظ پہ نظر غائر ڈالیے تو حقیقت سے پورا پردہ اٹھ جائے گا۔ مثلاً اگر تیسری صورت کا ذرا سا بھی احتمال ہوتا۔ تو نان لم یکونا کی دوسری شق مسئلہ کو نا تمام چھوڑتی۔ بلکہ یوں عبادت کا اضافہ ہوتا نان لم یکونوا فرجل و یمین المدعی یعنی اور اگر ایک مرد اور دو عورتیں بھی دستیاب نہ ہو سکیں تو خیر پھر ایک مرد اور مدعی کی قسم ہو۔ مزید براں ہر دو صورتوں کو پیش فرمانے کے بعد آخر میں فرمایا۔ ممن ترضون من الشهداء یعنی جن گواہوں کو تم پسند کرتے ہو حالانکہ ان کی اضافہ کی ہوئی تیسری صورت میں گواہ محض ایک ہے۔ کیونکہ مدعی تو بہر حال گواہ ہو ہی نہیں سکتا۔ بخاری میں نقل ہے کہ ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ ابو الزناد سے قسم اور ایک شاہد کے مسئلہ پہ میری ان کی گفتگو ہوئی۔ تو میں نے یہ آیت پڑھی۔ کہا کہ جب ایک گواہ اور قسم سے کام چل جاتا ہے تو بمطابق فتذکر احدٰھما الاخرٰی ایک عورت کا دوسری کو یاد دلانے کی کیا ضرورت پیش آئی غرض آیت کے تحت بھی مذہب احناف سراسر درست ہے۔ پھر یہ مقامات حقیقت میں عبرت کے قابل ہیں کہ امام صاحب ہر سہ ائمہ سے جدا ہو کر اپنے خیال و اپنی رائے میں جہاں تن تنہا ہوتے ہیں وہاں بھی ان کی رائے کا پلّہ کس قدر وزنی اور بھاری ہوتا ہے ؎

۴۹۳/۱۴

ابو حنیفة عن حماد ان رجلاً حدثه ان الاشعث بن قيس اشترى من عبد الله بن مسعود رقيقا فتقلمناه عبد الله فقال الاشعث ابتعت منك بعشرة الاف وقال عبد الله بن مسعود بعتُ منك بعشرين الفًا۔

فقال اجعل بيني وبينك من شئتَ فقال الاشعث انت بيني و بينك۔

فقال عبد الله اُخبرك بقضاء سمعته من رسول الله صلى الله عليه

کسی شخص نے حماد سے بیان کیا کہ اشعث بن قیس نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے ایک غلام خریدا۔ ابن مسعود نے اس سے اس کے داموں کا تقاضا کیا۔ اس پہ اشعث نے کہا کہ میں نے تم سے دو دس ہزار درم میں خریدا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود بولے (واہ) میں نے اس کو تیرے ہاتھ بیس ہزار درم میں بیچا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا (تو اچھا) تو میرے اور کسی کو حکم مقرر کر لے (کہ اس سے ہمارا جھگڑا چک جائے) اشعث نے کہا۔ تو تم ہی میرے اور تمہارے درمیان حکم ہو۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بولے کہ (اچھا تو) میں تجھ کو وہ فیصلہ سناتا ہوں۔

وسلم -

یقول اذا اختلف البیعان فی الثمن ولم یکن لھما بینۃ والسلعۃ قائمۃ فالقول ما قال البائع او یترادان ؛

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادر فرماتے جو میں نے سنا ہے ۔ آپ فرما رہے تھے کہ جب بائع اور مشتری تعداد قیمت میں جھگڑ پڑیں اور ان دونوں کے پاس گواہ نہ ہوں اور چیز فروخت شدہ بھی موجود ہو تو قول بائع کا معتبر ہو گا ۔ وہ اس بیع کو لوٹا لیں ؛

تشریح :- اس حدیث کی تشریح کی کوئی خاص ضرورت نہیں ؛

۴۹۴/۸ **ابوحنیفۃ** عن القاسم عن ابیہ عن جدہ ان الاشعث بن قیس اشتری من ابن مسعود رقیقا من رقیق الامارۃ فتقاضاہ عبد اللہ فاختلفا فیہ فقال الاشعث اشتریت منک بعشرۃ آلاف درھم وقال عبد اللہ بعث منک بعشرین الفا فقال عبد اللہ اجعل بینی و بینک رجلا -

فقال الاشعث فانی اجعلک بینی وبین نفسک -

قال عبد اللہ فانی ساقضی بینی وبینک بقضاء سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا اختلف البائعان فالقول ما قال البائع فاما ان یرضی المشتری بہ او یترادان البیع ؛

قاسم کے دادا سے روایت ہے ، کہ اشعث بن قیس نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے خریدا ایک غلام خمس کے غلاموں میں سے حضرت عبد اللہ نے (جب) اس سے اس کی قیمت مانگی ۔ تو قیمت میں دونوں کے درمیان جھگڑا پڑ گیا اشعث نے کہا میں نے تم سے وہ دس ہزار درم میں خریدا ہے اور عبد اللہ بولے میں نے تو وہ تجھ کو بیس ہزار درم کے عوض بیچا ہے ۔ تو عبد اللہ نے کہا کہ (اچھا) تو میرے اور اپنے درمیان کسی کو حکم بنا لے ۔ کہ وہ ہمارا جھگڑا طے کر دے) اشعث نے کہا کہ تو میں تمہیں کو تمہارے اور اپنے درمیان حکم بناتا ہوں ۔ حضرت عبد اللہ نے کہا ۔ کہ (ٹھیک) اب میں اپنے اور تیرے درمیان وہ فیصلہ دیتا ہوں جس کو صادر فرماتے ہوئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا ہے آپ فرماتے تھے کہ میں جب خریدار اور فروخت کنندہ (در بارہ قیمت) آپس میں جھگڑ پڑیں ۔ تو وہ بائع کی بات مانی جائے گی ۔ پس یا تو خریدار فروخت کنندہ کی بات پر راضی ہو لے ۔ یا پھر وہ دونوں بیع کو واپس پھیر لیں ؛

وفی روایۃ عن القاسم عن ابیہ عن جدہ قال ،

ایک روایت میں قاسم کے دادا سے یوں روایت ہے کہ فرمایا

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اختلف البائعان والسلعة قائمة فالقول قول البائع او يترادان زاد في رواية البيع۔

وفي رواية اذا اختلف المتبايعان فالقول قول البائع او يترادان۔

وفي رواية عن عبد الله ان الاشعث اشترى منه رقيقا فتقاضاه واختلفا۔

فقال عبد الله بعشرين الفاً وقال الاشعث بعشرة آلافٍ۔

فقال عبد الله سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا اختلف البائعان فالقول قول البائع او يترادان ۞

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بائع اور مشتری آپس میں لڑ پڑیں اور فروخت شدہ سامان بدستور موجود ہو تو بائع کا قول معتبر ہوگا یا وہ دونوں بیع لوٹائیں۔ ایک روایت میں یترادان کے ساتھ لفظ بیع بھی زائد ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب مختلف القول ہوں بائع و مشتری تو قول بائع کا معتبر ہے یا وہ بیع کو پھیر لیں۔ اور ایک روایت میں حضرت عبد اللہ سے یوں مروی ہے کہ اشعث نے خریدا ان سے ایک غلام انہوں نے اس سے اس کی قیمت کا تقاضا کیا۔ اور پھر ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا۔ عبد اللہ نے کہا بیس ہزار درم (دیں میں نے اس کو بیچا ہے) اشعث نے کہا دس ہزار درم (دیں میں نے اس کو خریدا ہے) حضرت عبد اللہ بولے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔ کہ جب بائع و مشتری جھگڑیں تو قول بائع کا معتبر ہوگا یا وہ دونوں بیع کو لوٹائیں ۞

تشریح:۔ حدیث مکرر ہے ۞

۴۹۵/۹ **ابو حنيفة** عن ابي الزبير عن جابر بن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم ان رجلين اختصما اليه في ناقة وقد اقام كل واحدٍ منهما انها نتجت عنده فقضى بها للذي في يده ۞

حضرت جابر سے روایت ہے، کہ وہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ ایک اونٹنی کے بارہ میں جھگڑتے ہوئے اور ہر ایک نے ان میں سے گواہ پیش کئے کہ وہ اسی کے ہاں پیدا ہوئی ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اونٹنی اسی کو دلا دی جسکے قبضہ میں تھی ۞

تشریح:۔ گویا جس کے قبضہ میں تھا وہی اس کا مالک قرار پایا ۞

۴۹۶/۱۰ **ابو حنيفة** عن الهيثم عن رجل عن جابر بن عبد الله قال اختصم رجلان في ناقةٍ كل واحدٍ منهما يقيم البينة انها ناقة نتجها

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ دو شخص ایک اونٹنی کے بارہ میں لڑ پڑے۔ ان میں سے ہر ایک نے گواہ پیش کئے کہ وہ اونٹنی اسی کے ہاں پیدا ہوئی ہے

نقضی بها النبی صلی الله علیه وسلم للذی هی فی یدہ ۔
وفی روایة ان رجلین اتیا رسول الله صلی الله علیه وسلم فی ناقة فاقام هذا البینة انه نتجها واقام هذا البینة انه نتجها فجعلها رسول الله صلی الله علیه وسلم للذی هی فی یدہ ۔

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی اس کو دلائی جس کے وہ قبضہ میں تھی ۔
اور ایک روایت میں ہے کہ دو شخص لڑتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ ایک نے اس پر گواہ پیش کئے۔ کہ یہ اونٹنی اس کے ہاں پیدا ہوئی ہے۔ دوسرا اس پر گواہ دیا کہ یہ اونٹنی اس کے ہاں پیدا ہوئی ہے۔ لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی اس کو دلا دی جس کے قبضہ میں تھی ۔

۲۲۶ كتاب الفتن !

فتنوں کا بیان !

ابو حنیفة عن یحیی عن حمید عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من سل السیف علی امتی فان الجهنم سبعة ابواب باب منها لمن سل السیف ۔ ۴۹۷ / ۱

حضرت ابن عمر رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے تلوار کھینچی میری امت پر تو جہنم کے سات دروازے ہیں۔ ان میں سے ایک دروازہ (خاص) اسی کے لئے ہے جس نے میری امت پر تلوار کھینچی ۔

تشریح :۔ بخاری حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع حدیث لائے ہیں من حمل علینا السلاح فلیس منا کہ جس نے ہمارے خلاف ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یہ وعید ہے اور حکم کہ مسلمان آپس میں نہ لڑیں۔ ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار نہ استعمال کریں اور یوں بھائی بھائی کا خون نہ بہائے۔ اور اپنی طاقت کو اپنے ہاتھوں نہ برباد کرے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم ۔

ابو حنیفة عن الحارث عن ابی الجلاس قال کنت ممن سمع من عبد الله السبائی کلاما عظیما فاتینا به علیاؓ ونحن نهز عنقه فی طریقه فوجدناه فی الرحبة مستلقیا علی ظهره واضعا احدی رجلیه علی الاخری فسألناه عن الکلام فتکلم به فقال انرویه عن ۴۹۸ / ۲

ابی الجلاس نے کہا کہ میں ان میں سے تھا جنہوں نے سنی عبد اللہ بن سبائی سے ایک سنگین بات۔ تو ہم اس کو حضرت علی کے پاس کھینچ لائے۔ راستہ میں اس کی گردن کو جھنجھوڑتے ہوئے۔ ہم نے حضرت علی کو صحن مسجد میں چت لیٹے ہوئے پایا۔ آپ نے اس سے اس بات کے بارہ میں دریافت کیا اس نے اپنا کلام دوہرایا۔ آپ نے کہا تو اللہ سے روایت کرتا

الله تعالیٰ او عن کتابہ او عن رسولہ

فقال لا۔

قال نعما تردی۔

قال عن نفسی۔

قال اما انک لو رویت عن الله تبارک وتعالیٰ او عن کتابہ او عن رسولہ ضربت عنقک ولو رویتہ عنی اوجعتک عقوبة نکنت کاذبا ولکنی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول بین یدی الساعة ثلثون کذابا وانت منهم ؛

وفی روایة عن ابی الجلاس قال کنت فیمن سمع من عبد الله السبائی کلاما عظیما فاتینا به علیا فوجدناه فی الرحبة ستلقیا ظهرہ واضعا احدی رجلیه علی الاخری فسأله عن الکلام فتکلم۔

فقال انرویه عن الله تبارک وتعالیٰ او عن کتابہ او عن رسولہ۔

قال لا۔

قال نعمن ترویه۔

قال عن نفسی۔

قال اما انک لو رویت عن الله او عن کتابہ او رسولہ ضربت عنقک واو رویت عنی اوجعتک عقوبة نکنت کاذبا ولکنی سمعت

ہے (یعنی وحی سے تجھ کو ایسا پتہ چلا گویا تو نبی ہے) یا اس کی کتاب سے یا اس کے رسول سے۔ اس نے کہا نہیں۔ تو آپ نے کہا کہ پھر کس سے یہ نقل کرتا ہے اس نے کہا اپنے دل سے۔ آپ نے فرمایا اگر تو اسکی روایت ظاہر کرتا اللہ تبارک وتعالیٰ سے یا اس کی کتاب سے یا اس کے رسول سے تو میں اس کی نسبت کرتا تو میں تجھ کو دردناک سزا دیتا۔ پس تو ہوتا جھوٹا (یعنی مردود اشتہارت) لیکن میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے ہوئے کہ قیامت سے پہلے تیس جھوٹے ہوں گے۔ اور تو انہیں میں سے ہے ؛

اور ایک روایت میں ابی الجلاس سے یوں نقل ہے کہ اس نے کہا میں ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے سنا عبداللہ سبائی سے بڑا بول تو ہم اسے حضرت علی کے پاس پکڑ لائے اور ہم نے ان کو صحن مسجد میں چیت لیٹے ہوئے پیر پر پیر رکھے ہوئے پایا۔ آپ نے اس سے اس بات کے بارہ میں دریافت کیا تو وہ وہی بات بولا۔ آپ نے فرمایا تو اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتا ہے (یعنی وحی سے تجھ کو اس کا پتہ چلا) یا اس کی کتاب سے (یعنی قرآن پر زیادتی کرتا ہے) یا اس کے رسول سے (یعنی آنحضرت پر اتہام لگاتا ہے) اس نے کہا نہیں۔ تو آپ نے کہا کہ پھر کس سے اس بات کو نقل کرتا ہے۔ اس نے کہا اپنے دل سے آپ نے فرمایا اگر تو روایت کرنے کا دعوی کرتا اللہ سے یا اس کی کتاب سے یا اس کے رسول سے تو میں تیری گردن اڑاتا۔ اور اگر تو اس بات کی میری طرف نسبت کرتا۔ تو میں تجھ کو دردناک سزا دیتا اور تو جھوٹا ہوتا۔ گویا قابل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بین یدی الساعۃ ثلثون کذابا فانت منھم ۔

شہادت ٹھیرتا) لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت سے پہلے تیس جھوٹے بولیں گے - اور تو ان میں سے ہے ۔

تشریح :- حدیثوں میں زیادہ تر جھوٹوں کی تعداد تیس تک آئی ہے - ترمذی میں حضرت ابی ہریرہ سے بدیں مضمون روایت ہے کہ قیامت نہیں قائم ہوگی - یہاں تک کہ جھوٹے دجال اٹھیں گے جو قریب تیس کے ہوں گے - ہر ایک دعوی کرے گا کہ وہ رسول اللہ ہے - حضرت ثوبان کی روایت میں پوری تیس ہی کی تعداد آئی ہے - بعض روایات میں مثلاً امام احمد کی روایت میں ستائیس کی تعداد بھی مذکور ہے - طبرانی کی روایت میں ستر کی تعداد بھی آئی ہے - اس سے محض کثرت مراد ہے نہ خاص تعداد ۔

۴۹۹
۳

ابو حنیفۃ عن عبد الرحمن عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاتی علی الناس زمان یختلفون الی القبور فیضعون بطونھم علیہ ویقولون وددنا لوکنا صاحب ھذا القبر قیل یارسول اللہ وکیف یکون قال لشدۃ الزمان وکثرۃ البلایا والفتن ۔

حضرت ابی ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ قبروں پر بکثرت آئیں گے جائیں گے اور ان پر اپنا پیٹ رکھیں گے اور کہیں گے کہ کاش ہم اس صاحب قبر کی جگہ ہوتے - آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ ایسا کیوں ہوگا آپ نے فرمایا زمانہ کی سختی اور بلاؤں اور فتنوں کی کثرت کی وجہ سے ۔

تشریح :- ابن ماجہ میں حضرت ابی ہریرہ سے مرفوع روایت وارد ہے کہ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے دنیا ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ ایک شخص قبر پر گذرے گا اور اس پر لوٹے گا اور کہے گا کاش میں اس قبر والے کی جگہ ہوتا - اور دین پورا آزمائش سے بھرا ہوگا - خدا کی پناہ یہ ایسا صبر آزما زمانہ ہوگا - اور ایسی جانچ و آزمائش کا دور ہوگا کہ انسان خود اپنے منہ سے اپنی موت طلب کرے گا مُردوں پر رشک کرے گا - اور یوں اپنی موت کو اپنی زندگی پر ترجیح دے گا - گو دنیا کی الفت و محبت ہر شخص کی طبیعت و سرشت میں پیوست ہے - اور کسی وقت بھی اور کسی قیمت پر بھی انسان دنیا کو ہاتھ سے چھوڑنا گوارا نہیں کرتا - مگر یہ اسی حد تک کہ دنیوی زندگی آسائشوں مسرتوں اور دلبستگیوں سے پر ہو - اور پوری زمین اس کے لئے گہوارہ راحت بنی ہو ورنہ اگر یہی دنیا بجائے راحت کدہ کے مصیبت کدہ ہو آزاد آلام کا گھر ہو بے کلی اور بے چینی کا مسکن ہو تو انسان کو موت زندگی سے بدرجہا خوشتر دکھتی ہے - اور بجائے زندگی کے موت میں راحت نظر آتی ہے ۔

۲۲۷ کتاب التفسیر !

تفسیر قرآن !

۵۰۰
۱

حماد عن ابیہ عن ابی بردۃ عن عطاء

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ عزوجل کے قول

بن السائب عن ابی الضحیٰ عن ابن عباسؓ فی قولہ عزوجل الٓمّٓ قال انا اللہ واللہ اعلم واری ؕ

الٓمّٓ کی تفسیر میں فرماتے ہیں اَنَا اللّٰہُ (میں اللہ ہوں) وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَارِی (اور اللہ اعلم ہے اور دیکھنے والا) ؕ

تشریح:۔ الٓمّٓ مخفف ہے اَنَا اللّٰہُ اور اللّٰہُ اَعْلَمُ کا۔ تفسیر سراج المنیر میں ابن عباسؓ سے یوں روایت ہے کہ الٓمّٓ کے معنی انا اللہ اعلم کے ہیں کہ میں اللہ ہوں اور الٓر کے معنی اَنَا اللّٰہُ اَرٰی کے کہ میں اللہ ہوں اور دیکھتا ہوں اور الٓمٓر کے معنی انا اللہ اعلم واری کے کہ میں اللہ ہوں اور جانتا ہوں اور دیکھتا ہوں گویا ہر حرف سے ایک جگہ ہمزہ سے (انا) کی طرف اشارہ ہوا۔ لام سے (اللہ) کیطرف۔ میم سے (اعلم) کی جانب۔ اور را سے (اری) کی جانب ؕ

حروف مقطعات کے بارہ میں علماء کے مختلف اقوال وارد ہیں کہ ان کے معانی کیا ہیں اور یہ کہ کن اسرار کیطرف اشارہ کرتے ہیں۔ جمہور علماء کا اور خصوصاً خلفاء اربعہ کا یہی مسلک ہے کہ ہم محض ان کے ظاہر پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کے معانی و مراد سے اللہ ہی زیادہ واقف ہے اور وہ ہی خوب جانتا ہے ؕ

۵۰۱/۲

حماد عن ابیہ عن سلمۃ بن نبیط قال کنت عند الضحاک ابن مزاحم فیسألہ رجل عن ھذہ الآیۃ انا نراک من المحسنین ما کان احسانہ۔

قال کان اذا رأی رجلاً مضیقاً علیہ وسع علیہ واذا رأی مریضاً قام علیہ واذا رأی محتاجاً سائلاً لقضاء حاجتہ ؕ

سلمہ بن نبیط کہتے ہیں کہ میں ضحاک ابن مزاحم کے پاس تھا کہ ان سے ایک شخص نے انا نراک من المحسنین (کہ آپ ہم کو نیک و محسن آدمی معلوم ہوتے ہیں) کے بارہ میں پوچھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا احسان کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ جب وہ کسی تنگدست کو دیکھتے تو اس کی تیمارداری کے لئے کمر بستہ ہو جاتے اور جب کسی حاجتمند کو دیکھتے تو اس کی حاجت پوچھتے کہ اس کی حاجت روائی کریں ؕ

تشریح:۔ یہ تینوں امور نیکی کی بلند چوٹیاں ہیں کہ تنگدستی محتاجگی اور ناداری کے ایام انسانی زندگی میں نہایت تاریک اور مصیبت بھرے ہوتے ہیں کہ تنگدستی ایسے دکھ اور تکلیف کی گھڑیوں میں جو اللہ کا بندہ مدد و تعاون کا ہاتھ بڑھاتا ہے۔ وہ فرشتہ رحمت معلوم ہوتا ہے اسی طرح جو انسان کسی بیماری میں مبتلا ہو اور کسی جسمانی دکھ کا شکار ہو تو اس کے کرب و بے چینی کا کیا ٹھکانہ۔ اور اس کی بے کلی اور بے آرامی کا کیا اندازہ۔ پھر ایسی تکلیف کی گھڑیوں میں جو اللہ کا بندہ اس کی تیمارداری اور دیکھ بھال کے لئے کمر بستہ ہوتا ہے۔ اس کی راحت جسمانی کے اسباب مہیا کرتا ہے وہ انسانیت و شرافت نیکی و بزرگی کی بلند ترین مثال پیش کرتا ہے۔ یا اور کسی معاملہ

ہیں کسی حاجتمند کی حاجت روائی - ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا تقویٰ و نیکی کا بلند ترین درجہ ہے - جو اللہ کے خاص خاص بندوں کو نصیب ہے ؛

۵۰۲/۳ **حماد** عن ابیه عن عطیة عن ابی سعید عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله تعالیٰ -
ثم قرأ اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ المتفرسین ؛

حضرت ابی سعید روایت کرتے ہیں - کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ڈرو مومن کی فراست سے - کیونکہ وہ دیکھتا ہے اللہ تعالےٰ کے نور سے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ان فی ذلك لآیات للمتوسمین کہ البتہ اس میں کئی نشانیاں ہیں اہل بصیرت کے لئے گویا متوسمین سے متفرسین مراد لیا ؛

تشریح :- اللہ کے نور سے دیکھنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ مومن ایمان کی بدولت و مجاہدہ و ریاضت کے طفیل سے دریافت کو پہنچتا ہے اور کرامت کے طور پر بعض بعض واقعات وحالات اس پر منکشف ہو جاتے ہیں - یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو صحیح دلائل کی روشنی میں اور تجربوں کے تحت اس کو ہر چیز کے بارہ میں صحیح علم بخشتے ہیں - اور عاقبت اندیشی اور دور اندیشی اس میں بلند درجہ کی پیدا ہو جاتی ہے - اور زندگی میں ہر باب میں وہ اپنے لئے صحیح تر راستہ معلوم کر لیتا ہے ؛

۵۰۳/۴ **حماد** عن ابیه عن عبد الملك عن ابن عباس رض قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فی قوله تعالیٰ فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ - قال لا اله الا الله ؛

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ کے اس قول کی تفسیر لیں فوربك لنسئلنهم اجمعین عما کانوا یعملون (پس قسم ہے تمہارے رب کی البتہ ہم سوال کریں گے ان سب سے اس چیز سے کہ تھے عمل کرتے) لا اله الا الله (یعنی ان سے یہ کلمہ شہادت مراد ہے) ؛

تشریح :- یہاں سوال کا ایجاب اور اثبات ہے کہ قیامت کے دن بندوں سے سوال ہوگا اور سورہ رحمٰن میں اس سے انکار ہے - فرمایا فیومئذ لا یسئل عن ذنبه انس ولا جان کہ اس دن انس وجن سے اس کے گناہ کے بارہ میں نہ پوچھا جائے گا - اس الجھن کا سلجھاؤ یہ ہے کہ آیت زیر بحث میں سوال سے مراد سوال تنقیہ ڈانٹ اور زجر و توبیخ ہے اور آیت رحمٰن میں اس سوال سے انکار ہے - جس کے ذریعہ معلومات حاصل کی جائیں اور ناواقفیت دور کی جائے - نہ کہ یہ سوال نعوذ باللہ - اللہ عز اسمہ کی طرف سے کیسے ہونے لگا ؛

۵۰۴/۵ **حماد** عن ابیه عن زر عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رض قال

حضرت ابن عباس رض کہتے ہیں - کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت جبرئیل نے

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِجِبْرِيْلَ مَا لَكَ تَزُوْرُنَا اَكْثَرَ مِمَّا تَزُوْرُنَا قَالَ فَانْزَلَتْ بَعْدَ لَيَالٍ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا ؞

کہ آپ ہماری ملاقات کے لئے زیادہ کیوں نہیں آتے دگو یا موجودہ حالت سے زیادہ ملاقات کا موقع کیوں نہیں دیتے) تو اس کے چند روز ہی بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ وما نتنزل الا بامر ربک لہ ما بین ایدینا وما خلفنا کہ ہم نہیں اترتے مگر تمہارے رب کے حکم سے اسی کے لئے ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو پیچھے ہے ؞

تشریح :- بخاری میں بھی حضرت ابن عباس سے ایسی ہی روایت ہے۔ ابن ابی حاتم کے نزدیک یہ آیت اس وقت اتری کہ وحی کا سلسلہ چالیس دن تک بند رہ چکا تھا۔ اور آنحضرت کو ملاقات کا اشتیاق شدید تھا ؞

۵۰۵/۶ ابوحنیفۃ عن سماک عن ابی صالح عن ام ھانیؓ قال قلت لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما کان المنکر الذی کانوا یاتون فی نادیھم قال کانوا یخذفون الناس بالنواۃ والحصاۃ ویسخرون من اھل الطریق ؞

حضرت ام ہانی کہتی ہیں کہ وہ کیا بری بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہ کیا بری بات تھی۔ جو دقوم لوطؑ) اپنی مجلسوں میں کیا کرتی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگوں پر گٹھلیاں اور کنکریاں پھینکا کرتے اور راہ گیروں سے تمسخر کرتے تھے ؞

تشریح :- اللہ تعالیٰ کے اس قول وتاتون فی نادیکم المنکر میں "منکر" کی تفسیر حضرت ام ہانی نے آنحضرت سے دریافت کی۔ قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ وہ اپنی مجلسوں میں گوز خارج کیا کرتے تھے حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ وہ اپنی مجلسوں میں ایک دوسرے کے ساتھ جماع کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام سے یوں مروی ہے کہ ایک دوسرے پر تھوکا کرتے تھے غرض ان کی مجلسیں اس قسم کی لغو حرکتوں اور فحش باتوں کا مرکز ہوتی تھیں۔ اور جب آپس میں مل بیٹھتے تو جامہ انسانیت اتار دیتے اور نرے حیوان بن جاتے ؞

۵۰۶/۷ ابوحنیفۃ عن عطیۃ عن ابن عمرؓ انہ قرأ علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً فَرَدَّ عَلَيْهِ وَقَالَ قُلْ مِنْ ضُعْفٍ ؞

حضرت ابن عمرؓ کے بارہ میں مروی ہے۔ کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ آیت اللہ الذی خلقکم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوۃ ثم جعل من بعد قوۃ ضعفا وشیبۃ پڑھی تو آپ نے ان کو ٹوکا اور فرمایا کہ لفظ "ضعف کو ضاد کے پیش کے ساتھ پڑھو ؞

تشریح :- یعنی حضرت ابن عمرؓ نے ضعف کو ضاد کے زبر کے ساتھ پڑھا تو آپ نے ٹوکا اور فرمایا کہ اسکو ضاد کے پیش کے ساتھ پڑھو کیونکہ قریش کے لغت میں یہ لفظ یوں ہی ہے۔ اور پڑھنے والے بھی

چونکہ قریش تھے - اس لئے ٹوکنا ہی مناسب تھا - بالآنجناب کو یہ فصیح تر معلوم ہوا اور یوں لقمہ دیا ہو۔ بخاری میں ہے کہ لفظ ضعف میں دونوں لغات ہیں - ارشاد ساری شرح بخاری میں ہے کہ ضعف زبر کے ساتھ عاصم اور حمزہ کی قراءت ہے اور تمیم کی لغت - اور پیش کے ساتھ قریش کی لغت بعض نے کہا ہے کہ ضعف کو ضاد کے پیش کے ساتھ جب پڑھیں تو بدنی کمزوری کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور جب زبر کے ساتھ پڑھیں تو عقل کی کمزوری کی طرف ؀

ابوحنیفة عن الهیثم عن الشعبی عن مسروق عن عبد الله قال قد مضی الدخان والبطشة علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ؀ ۵۰۷/۲۸

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہ آیت قرآن پاک فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین (کہ آپ منتظر رہیے اس دن کے لئے کہ لادے گا آسمان ظاہر طور پر دھواں) میں دخان (دھواں)، اور ایت یوم نبطش البطشة الکبری (جس روز ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے) میں بطشہ (پکڑ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں گذر چکی ؀

تشریح :- دخان اور بطشہ کے بارہ میں خیال میں ایک کی روایت حضرت عبداللہ بن سعودؓ سے ہے کہ ان کے نزدیک دونوں عذاب عہد نبوی میں گذر چکے - جس کی تائید یہی حدیث کرتی ہے بخاری میں پورا واقعہ مذکور ہے کہ آنحضرت نے قریش کی پے در پے نافرمانیوں کے باعث ان کے حق میں بد دعا فرمائی - تو اللہ تعالٰی نے ان پر سخت قحط ڈالا - یہاں تک کہ بہت سے لوگ مر گئے - اور لوگوں نے ہڈیاں اور مردار تک کھایا - اور مارے ضعف و نقاہت کے ہر ایک کو آسمان کی طرف دھواں دکھائی دیتا تھا - چنانچہ اسی حالت کی ترجمانی آیت یوم تاتی السماء کرتی ہے - پھر حضرت عبداللہ اپنے خیال کو اس کے بعد کی آیت انا کاشفوا العذاب قلیلا انکم عائدون (کہ اگر یہ عذاب آخرت میں آنے والا ہوتا تو آخرت کا عذاب کب ہٹے گا - اور ٹلے گا - اور وہ کب اپنی حالت پر لوٹیں گے " - چنانچہ ایک جماعت حضرت عبداللہ ہی کے ساتھ ہے - مثلاً مجاہد - ابی العالیہ - ابراہیم نخعی - ضحاک - عطیہ العونی - وغیرہ - ابن جریر نے بھی اسی خیال کو پسند کیا ہے - اور ملا علی قاری نے بھی اپنی مسند کی شرح میں اسی مذہب کو ترجیح دی ہے

دوسرے خیال کی نسبت حضرت ابن عباسؓ کی طرف ہے - اور ان سے اس کی روایت ہے کہ یہ ہر دو عذاب بروز قیامت رونما ہوں گے - ابن کثیر اسی خیال کی طرف جھکے ہیں - اور ان کے مذہب پر لفظ مبین سے بھی دلیل لائی جاتی ہے - کہ فرمایا ظاہر دھواں ہو گا - حالانکہ حضرت عبداللہ کی روایت پر وہ محض وہ ایک خیالی اور وہمی چیز ہے - پھر یغشی الناس سے بھی حجت لائی جاتی ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عذاب سب کافروں کو عام ہو گا - نہ صرف مشرکین مکہ کو - مگر آیت کا سیاق و سباق حضرت

عبداللہ کے مذہب کی حجت پیش کرتا ہے ۞

ابو حنیفة عن حماد عن ابراھیم عن الاسود عن عائشة قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انّ اولادکم من کسبکم وھبة اللہ لکم یھب لمن یشاء اناثا و یھب لمن یشاء الذکور ۞ ۵۰۸/۹

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البتہ تمہاری اولاد تمہاری کمائی ہے اور تمہارے لئے اللہ کی بخشش جس کو چاہتا ہے لڑکیاں بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکے عطا فرماتا ہے ۞

تشریح :- حاکم صاحب مستدرک بھی یہ حدیث لائے ہیں جو حضرت عائشہ سے مروی ہے بیہقی نے بھی اس کو صحیح السند کہا ہے ۞

ابو حنیفة عن مکی بن ابراھیم عن ابی لھیعة عن ابی قبیل قال سمعت اباعبد الرحمٰن المزنی یقول سمعت ثوبان مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما احب ان لی الدنیا بما فیھا بھذہ الاٰیة . قل یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمة اللہ انّ اللہ یغفر الذنوب جمیعا - فقال رجل ومن اشرک فسکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثمّ قال ومن اشرک فسکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال ومن اشرک فسکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال الا ومن اشرک ۞ ۵۰۹/۱۰

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد شدہ غلام ثوبان کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں پسند نہیں کرتا۔ پوری دنیا و مافیہا کو اس آیت کے بدلے میں یعنی آپ فرما دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی مت مایوس ہوں اللہ کی رحمت سے البتہ اللہ تعالیٰ سب گناہ بخش دے گا۔ اس پر ایک شخص بولا۔ اور جس نے شرک کیا (یارسول اللہ اس کا کیا حکم ہے) آپ خاموش رہے پھر اس نے کہا اور جس نے شرک کیا پھر آپ ساکت رہے پھر تیسری بار اس نے کہا اور جس نے شرک کیا آپ چپ رہے۔ پھر آپ نے فرمایا خبردار ہو اور جس نے شرک کیا ۞

تشریح :- بعض نسخوں میں اِلّا کے بعد واؤ ہے جس طرح اسی نسخہ میں موجود ہے اور بعض میں نہیں ملا علی قاری نے جس نسخہ کی شرح لکھی ہے اس میں واؤ نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے یہاں اِلّا تنبیہ کے لئے ہو اور واؤ وجہ ساقط ہو گیا ہو۔ اور معنی یہ ہی ہوں کہ خبردار ہو جس نے شرک کیا وہ بھی بخشا جائیگا یعنی جب وہ شرک سے تائب ہو کر مشرف باسلام ہو گا تو اس کے شرک کے ساتھ گناہ بیک قلم مٹا دیئے جائینگے اور یوں اس کی بخشش ہوگی۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اِلّا استثنار کے لئے ہو تو پھر تو معنی اسکے بالکل ظاہر ہیں مگر اکثر نسخوں میں واؤ ہے۔ چنانچہ امام احمد کی روایت میں بھی واؤ مذکور ہے۔ اور بدیں صورت معنی وہ ہی ہوں گے جو بیان ہوئے ۞

ابو حنیفة عن محمد بن السائب الکلبی ۵۱۰/۱۱

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب

عن ابی صالح عن ابن عباسؓ ان وحشیاً لما قتل حمزۃ مکث زمانا ثم وقع فی قلبه الاسلام فارسل الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انه قد وقع فی قلبه الاسلام وقد سمعتك تقول عن اللہ تعالیٰ۔

والذین لا یدعون مع اللہ الٰھا آخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذالك یلق اثاما یضاعف له العذاب یوم القیٰمة ویخلد فیه مھانا۔

نانی قد فعلتھن جمیعا فھل لی رخصة۔

قال فنزل جبرئیل فقال یا محمدؐ قل له۔

الا من تاب وآمن وعمل عملا صالحا فاولٰئك یبدل اللہ سیئاتھم حسنات وکان اللہ غفورا رحیما۔

قال فارسل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بھذہ فلما قرأت علیه قال وحشی ان فی ھذہ الاٰیة شروطا واخشی ان لا اقی بھا ولا احقق ان اعمل عملا صالحا ام لا فھل عندك شئ الین من ھذا یا محمدؐ۔

قال فنزل جبرئیل بھذہ الاٰیة

ان اللہ لا یغفر ان یشرك به ویغفر ما دون ذلك لمن

وحشی بن حرب نے حضرت امیر حمزہ رضؓ کو شہید کیا۔ تو اس کے بعد ایک مدت تک کفر پر رہا۔ پھر اسکے دل میں اسلام کا خیال آیا تو ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں (یہ پیغام لیکر) بھیجا کہ میرے دل میں اسلام کی محبت گھر کر گئی ہے اور میں نے سنا ہے کہ آپ اللہ تعالےٰ کے اس کلام کو نقل کرتے ہیں (ترجمہ آیت) اور جو کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اسکو قتل نہیں کرتے مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزا سے اسکو سابقہ پڑے گا۔ دن قیامت کے اس کا عذاب بڑھایا جائیگا اور وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ ہمیش ذلیل وخوار رہے گا (پھر وحشی کہتا ہے) اور میں نے یہ سب کچھ کیا ہے تو کیا میرے لئے کوئی چھٹکارے کی شکل ہے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ پھر حضرت جبرئیلؑ اترے اور انہوں نے کہا اے محمد اس سے کہئے (ترجمہ آیت) مگر جو (شرک سے) توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی (گذشتہ) بدلیوں کو (موجودہ) نیکیوں سے بدل ڈالے گا اور اللہ غفور رحیم ہے راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت وحشی کے پاس بھیجدی جب یہ آیت وحشی کے پاس پڑھی گئی تو اس نے کہا کہ اس آیت میں چند شرطیں ہیں جن کے بارہ میں مجھے خوف ہے۔ کہ میں انکو انجام نہ دے سکوں گا اور میں یہ تحقیق نہیں جان سکتا کہ میں نیک عمل کر سکوں گا یا نہیں۔ تو اے محمد آپکے پاس اس سے بھی کوئی آسان تر چیز ہے۔ راوی نے کہا کہ پھر جبریل یہ آیت لیکر اترے (ترجمہ آیت) بیشک اللہ اس کو نہیں بخشے

یَشَآءُ۔

قال فكتب رسول الله صلى الله عليه وسلم بهذه الآية وبعث الى وحشى۔ قال فلما قرأت له قال انه يقول ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذالك لمن يشاء وانا لا ادرى لعلى ان لا اكون فى مشيته ان شاء فى المغفرة ولو كانت الآية ويغفر ما دون ذلك ولم يقيل لمن شاء كان ذلك فهل عندك شئ اوسع من ذالك يا محمدؐ فنزل جبرئيل بهذه الآية قل يا عبادى الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعاً انه هو الغفور الرحيم قال فكتب رسول الله صلى الله عليه وسلم وبعث بها الى وحشى فلما قرأت عليه قال اما هذه الآية فنعم ثم اسلم فارسل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله انى قد اسلمت فاذن لى فى لقائك فارسل اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ان فلاعنى وجهك فانى لا استطيع ان ملأ عينى من قاتل حمزة عمى قال فسكت وحشىؓ حتى كتب مسيلمة الى رسول الله صلى الله عليه وسلم من مسيلمة رسول الله الى محمد رسول الله اما بعد فقد اشركت فى الارض فلى نصف الارض ولقريش نصفها غير ان قريشاً قوم يعتدون قال فقدم بكتابه الى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلان فلما قرئ

گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ اور اس کے علاوہ جسکی چاہے گا مغفرت کر دے گا۔ (یہ آیت سنکر بھی وحشی نے کہا) اور میں نہیں جانتا شاید میں نہ ہوں اللہ کی مشیت میں۔ اگر وہ مغفرت چاہے۔ اگر آیت یوں ہوتی ویغفر مادون ذلک کہ بخش دے گا۔ اس کے علاوہ گناہوں کو اور لمن یشاء کا اضافہ اللہ تعالیٰ نہ کرتا تو بات ٹھیک تھی اور قابل قبول تو اے محمد آپ کے پاس اس سے بھی وسیع تر کوئی حکم الٰہی ہے تو حضرت جبرئیل یہ آیت لے کر اترے قل یا عبادی الذین الخ راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہ آیت بھی لکھ کر وحشی کے پاس بھیجدی۔ جب یہ آیت اس کے سامنے پڑھی گئی تو کہنے لگا البتہ یہ آیت ٹھیک موافق مطلب ہے پھر اسلام لے آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی کو یہ پیغام لیکر بھیجا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اسلام لے آیا ہوں تو مجھ کو اپنی ملاقات کی اجازت بخشئے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو یہ کہوا دیا کہ مجھے اپنا منہ مت دکھا۔ میں اس کی تاب نہیں لا سکتا کہ میرے پیارے چچا حمزہ کے قاتل کو آنکھ بھر کر دیکھ لوں۔ چنانچہ وحشی نے خاموشی اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ مسلیمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مضمون کا خط لکھ کر بھیجا کہ مسلیمہ رسول اللہ کیطرف سے محمد رسول اللہ کیطرف۔ اما بعد پس البتہ میں نے شریک کیا زمین میں آدھی زمین میرے لئے ہے اور آدھی قریش کے لئے۔ (مگر قریش ایسی قوم ہے کہ دہاندلی کرتی ہے دست درازی کرنا چاہتی ہے) اور اسکے اس خط کو دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے جب اس کا خط الخ۔

علیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم
الكتاب قال للرسولين لولا انكما
رسولان لقتلتكما ثم دعا بعلي بن ابي
طالب فقال اكتب بسم الله الرحمٰن الرحيم
من محمد رسول الله الى مسيلمة الكذاب
السلام على من اتبع الهدىٰ اما بعد
فان الارض لله يورثها من يشاء من
عباده والعاقبة للمتقين وصلى الله
على سيدنا محمد۔
قال فلما بلغ وحشيا ماكتب مسيلمة
الى رسول الله صلی الله علیه وسلم
اخرج للدراع فصقله وهو يقتل
مسيلمة فلم يزل على عزم ذلك
حتى قتله يوم اليمامة ؀

کے روبرو پڑھا گیا۔ آپ نے دونوں قاصدوں سے فرمایا اگر تم قاصدوں کی حیثیت سے نہ آئے ہوتے تو میں تم دونوں کو قتل کرا دیتا۔ پھر آپ نے حضرت علی بن ابی طالب کو بلایا اور ان سے فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمد رسول اللہ کیطرف سے مسلیمہ کذاب کی طرف۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کا پیرو ہو۔ اما بعد۔ پس البتہ زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو اس کا وارث بناتا ہے اور عاقبت (کی بہتری) پرہیزگاروں کیلئے ہے اور رحمت بھیجے اللہ ہمارے سردار محمدؐ پر۔ راوی نے کہا کہ جب وحشی کو خبر ملی۔ اس تحریر کی جو مسلیمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھی تھی تو اس نے اپنے حربہ کو نکالا۔ اس کو تیز کیا اور مسلیمہ کے قتل کا ارادہ ٹھان لیا۔ اور اسی ارادہ میں رہا۔ یہاں تک کہ یمامہ کے دن اس کو قتل کر ڈالا ؀

تشریح :۔ ارشاد ساری میں بھی ہے اور تفسیر سراج منیر میں بھی کہ جب وحشی کا یہ واقعہ پیش آیا تو لوگوں نے آنحضرت سے دریافت کیا کہ یہ حکم محض وحشی کے لئے مخصوص ہے یا سب کیلئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ حکم سب مسلمان کو شامل ہے۔ حقیقت میں یہ عبرت کا مقام ہے کہ اسلام کا دامن رحمت و شفقت کس قدر وسیع ہے کہ جب خلوص دل سے انسان اسلام قبول کرلے تو سارے گناہ یک قلم محو ہو جاتے ہیں خواہ چھوٹے گناہ ہوں خواہ بڑے۔ چنانچہ ان الله یغفر الذنوب جمیعا کا کھلا پیام خوشنودی سنایا گیا۔ اور ایمان لانے والے کافر۔ اور مومنین کا دل شاد کیا گیا۔ مگر بالاجماع مغفرت گناہ کے لئے مشیت شرط ہے۔ مشیت ہونے کے بعد مومن کے گناہ بلا توبہ معاف ہو جاتے ہیں ؀

۵۱۱/۱۲ **ابوحنيفة** عن سلمة عن ابى
الزعراء من اصحاب ابن مسعود قال قال
رسول الله صلی الله علیه وسلم ليخرجن
بشفاعتي من اهل الايمان من النار
حتى لا يبقى فيها احد الا اهل هذه
الاية ما سلككم في سقر قالوا لم نك
من المصلين ولم نك نطعم المسكين وكنا

حضرت ابن مسعود رض سے روایت ہے، کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری شفاعت سے اہل ایمان دوزخ سے نکلیں گے یہاں تک کہ اس میں کوئی نہیں رہے گا۔ سوائے اس آیت کے مخاطبین کے (ترجمہ آیت) کونسی چیز تم کو دوزخ میں کھینچ لائی وہ کہیں گے کہ ہم نہ نمازی تھے نہ مسکین کو کھانا کھلاتے تھے اور بحث کرنے والوں کے ساتھ

نخوض مع الخائضین وکنا نکذب بیوم الدین حتی اتانا الیقین فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین ؁

بحث میں لگے رہتے تھے اور جھٹلاتے تھے قیامت کے دن کو یہاں تک کہ ہم کو موت نے آگھیرا پس نہیں نفع دے گی ان کو شفاعت کرنے والوں کی ساری شفاعت ؁

وفی روایۃ عن ابن مسعودؓ قال یعذب اللہ تعالیٰ اقواماً من اھل الایمان ثم یخرجھم بشفاعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حتی لا یبقی الا من ذکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ ما سلککم فی سقر قالوا لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین وکنا نخوض مع الخائضین الی الشافعین ؁

اور ایک روایت میں حضرت ابن مسعودؓ سے یوں روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ عذاب دے گا اللہ تعالیٰ اہل ایمان میں سے بہت سی قوموں کو پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے ان کو دوزخ سے نکالے گا۔ یہاں تک کہ نہیں رہیں گے اس میں مگر وہ جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں کیا ہے ماسلککم فی سقر تا الشافعین ؁

تشریح :۔ اس حدیث میں عقیدہ اہل سنت والجماعت کی تشریح ہے۔ یہ حدیث معتزلہ اور مرجئہ دونوں کے عقائد باطلہ کی جڑ کاٹ ڈالتی ہے۔ معتزلہ اس خیال کے پیرو ہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ جنت کی ان کو ہوا تک نہیں لگے گی اور مرجئہ ان کی ضد ہیں۔ وہ اس خیال کے حامی ہیں کہ جنہوں نے صرف کلمہ پڑھ لیا انہوں نے گویا دوزخ سے بالکل بریت کی سند لکھوالی یہ محض جنتی ہیں۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے۔ کہ امت مسلمہ کے فاسق وفاجر دوزخ کا عذاب بھگتیں گے۔ پھر آنحضرت کی سفارش سے ایک ایک کر کے دوزخ سے نکلیں گے۔ یہاں تک کہ اس میں صرف کافر ومشرک ہی رہ جائیں گے۔ جن کا ذکر آیت کریمہ میں کیا گیا ہے ؁

۵۱۲/۱۳ حماد عن ابیہ عن سلمۃ بن کھیل عن ابن مسعود قال لا یبقی فی النار الا من ذکرہ اللہ فی ھذہ الآیۃ ماسلککم فی سقر۔ الی الشافعین ؁

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے، کہ نہیں باقی رہے گا دوزخ میں کوئی۔ مگر وہ جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے ماسلککم فی سقر تا الشافعین ؁

تشریح :۔ یہ پچھلی حدیث کا اختصار ہے ؁

۵۱۳/۱۴ حماد عن ابیہ عن عاصم عن ابی صالح قال الحقب ثمانون سنۃ منھا ستۃ ایام عدد ایام الدنیا ؁

ابی صالح سے مروی ہے کہ (آیت لابثین فیھا احقابا۔ کہ رہیں گے اس میں قرنوں) حقب اسی سال سے عبارت ہے جس کے چھ دن تمام ایام دنیا کے برابر ہیں ؁

تشریح :۔ ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یا تو ان چھ ایام سے خلق آسمان وزمین کے دن مراد ہوں کہ وہ بھی بروئے آیت کریمہ الذی خلق السموت والارض ستۃ ایام چھ ہی دن ہیں یا

پوری عمر دنیا کے چھ دن کی طرف اشارہ ہو کیونکہ پوری عمر دنیا کی بروئے روایات سات دن کی مانی گئی ہے۔ ہر دن ایک ہزار برس کا اور یہ وارد ہے کہ سب سے آخر میں وہ نافرمان مسلمان جو دوزخ میں سے نکالا جائے گا۔ وہ سات ہزار برس کے بعد نکالا جائے گا۔ گو۔ وہ عمر دنیا کے برابر سزا کاٹ چکے گا۔ اور اس کا بھی حساب لگایا ہے کہ یہ ہماری امت کے جو ہزار سال ختم ہوئے ہیں۔ یہ گویا عمر دنیا کا ساتواں دن تھا تو اس حساب سے سات دن پر کچھ کسر ماننی پڑے گی جس کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ غالباً پانچ سو سے زیادہ کسر نہیں پڑے گی۔ مگر یہ حساب کتاب اخبار ظنیہ کی سے ہیں۔ جس پر جزم و یقین نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اللہ ہی کے علم میں ہے کہ یہ رہتی بستی دنیا کب تک چلے گی ۞

۵۱۴ / ۱۵ **ابو حنیفة** عن ابی الزبیر قال قرأ علیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم وصدق بالحسنیٰ قال لا اله الا الله ۞

حضرت ابی الزبیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی وصدق بالحسنیٰ تو آپ نے فرمایا یہ لا الٰہ الا اللہ ہے ۞

تشریح :- یعنی جو فرمان باری ہے فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنیٰ کہ پس جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور سچ مانا اچھی بات کو تو اس میں اچھی بات سے مراد کلمہ توحید ہے۔ کیونکہ تمام بھلائیوں اور خوبیوں کی جڑ دنیا و کلمہ توحید ہی ہے اس کے بغیر کوئی نیکی کارآمد نہیں خواہ داد و دہش ہو۔ خواہ اور کوئی نیکی حسنیٰ کی اور تفسیریں بھی کتب تفسیر میں وارد ہیں۔ مثلاً فرض عبادات۔ ثواب جنت وغیرہ ۞

کتاب الوصایا والفرائض! ۲۲۸

وصایا اور فرائض کا بیان!

۵۱۵ / ۱ **ابو حنیفة** عن عطاء عن ابیه عن سعد بن ابی وقاص قال دخل علیّ النبی صلی الله علیه وسلم یعودنی مرض فقلت یا رسول اُوصی بمالی کله قال لا۔ قلت فنصفه۔ قال لا۔ قلت فثلثه۔ قال والثلث کثیر لا تدع اهلک

حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس بیماری کے لئے تشریف لائے۔ تو میں نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اپنے پورے مال کی اللہ کے واسطے وصیت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا اس سے آدھے کی۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا اسکے تہائی کی۔ آپ نے فرمایا کہ تہائی بہت ہے۔ مت چھوڑ اپنے اہل و

یتکففون الناس ۞

عیال کو اس حال میں کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھیریں ۞

وفی روایۃٍ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل علیٰ سعدٍ یعود۔

اور ایک روایت میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کے پاس بیمار پرسی کیلئے تشریف لائے۔ آپ نے دریافت کیا کہ تم نے وصیت کی انہوں نے کہا جی ہاں۔ میں نے اپنے پورے مال کی وصیت کی۔ تو پھر آپ اس کو گھٹاتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت سعدؓ نے ایک تہائی کے لئے کہا۔ تو آپ نے کہا کہ ایک تہائی بھی بہت ہے ۞

قال اوصیتَ قال نعم اوصیتُ بمالی کلہٖ فلم یزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یناقصہ حتّٰی قال الثلث والثلث کثیر ۞

وفی روایۃٍ عن عطاءٍ عن ابیہٖ عن جدہٖ عن سعدٍ قال دخلَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعودنی فقلت یا رسول اللہ اوصی بمالی کلہٖ قال لا قلتُ فبالنصف قال لا قلتُ فبالثلث قال فبالثلث والثلث کثیر ان تدع اھلک بخیرٍ خیرٌ مِن ان تدعھم عالۃ یتکففون الناس ۞

ایک اور روایت میں ہے۔ کہ حضرت سعد نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس بیمار پرسی کی غرض سے آئے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنے پورے مال کی وصیت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا (اچھا) آدھے کی۔ آپ نے فرمایا نہیں میں نے کہا (اچھا تو) ایک تہائی کی۔ آپ نے فرمایا ایک تہائی۔ اور ایک تہائی بھی بہت ہے۔ کیونکہ تمہارا اپنے گھر والوں کو مالدار چھوڑنا بہتر ہے اس سے کہ تم ان کو فقیر چھوڑو۔ کہ لوگوں کے سامنے سوال کیلئے ہاتھ پھیلاتے پھریں ۞

تشریح:۔ حدیث سے معلوم ہوا وصیت ایک تہائی مال تک جائز ہے۔ نہ اس سے زائد۔ پھر حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ اس سے بھی کم کرنا چاہئے۔ اور آنحضرت کے الفاظ مذکورہ سے دلیل لاتے ہیں کہ آپ نے فرمایا والثلث کثیر کہ ایک تہائی بھی بہت ہے۔ چنانچہ ایک جماعت اسی خیال کی پیرو ہے۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ثلث سے کم نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگر وصیت کو ایک تہائی سے بھی کم کرنا ندباً بھی جائز ہوتا تو آپ حضرت سعد سے ایک تہائی سے بھی کم کراتے۔ پھر بیہقی اپنی سنن میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت بدیں معنی لائے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا وصیت میں ایک تہائی مال کا درمیانی حصہ ہے نہ اس سے کم ہو نہ زیادہ ۞

۞

۵۱۶/۲

ابوحنیفة عن ابی الزبیر عن جابر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لا یرث المسلم النصرانی الا ان یکون عبدالا او امته ❊

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان نصرانی کا وارث نہیں ہوتا۔ مگر یہ کہ نصرانی اسکا غلام ہو یا نصرانیہ اس کی باندی ❊

تشریح:۔ مسلمان اور کافر کے درمیان مسئلہ میراث کی وضاحت یہ ہے کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔ البتہ اس میں ضرور اختلاف ہے کہ آیا مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے یا نہیں۔ جمہور صحابہ و تابعین و ائمہ اربعہ کا یہی مسلک ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔ انکی دلیل یہی حدیث ہے یا اس جیسی اور احادیث ہیں کہ ان میں میراث کا صاف انکار ہے سوائے اس صورت کے کہ نصرانی مرد غلام ہو یا نصرانی عورت لونڈی۔ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت معاویہؓ اور سعید بن مسیب اور مسروق توریث کے قائل ہیں اور وہ اس حدیث کو پیش نظر رکھتے ہیں کہ الاسلام یعلوا ولا یعلیٰ کہ اسلام غالب رہتا ہے نہ مغلوب۔ مگر یہ دلیل قوی نہیں کیونکہ اس حدیث میں محض فضیلت اسلام کا ذکر ہے۔ نہ ارث کا۔ بخلاف احادیث مذہب اول کے کہ ان میں ارث سے صاف انکار ہے۔ پھر ارشاد سابق میں ہے کہ اگر نصرانی مسلمان کا غلام ہو تو مسلمان نصرانی کے مرنے کے بعد اس کے مال کا حقدار اس لئے بنتا ہے کہ غلام کا مال اس کی ملک نہیں۔ وہ دراصل اس کے آقا کا ہے تو گویا مسلمان آقا ہونے کے سبب اس کے مال کا مستحق بنا۔ نہ وارث ہونے کی حیثیت سے ❊

۵۱۷/۳

ابوحنیفة عن طاؤس عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الحقوا الفرائض باهلها فما بقی فلاولی رجل ذکر ❊

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو تم فرض حصے ان کے مستحقین کو۔ اور جو بچ رہے وہ قریب تر مرد کو (خواہ وہ بالغ ہو یا بچہ بحق عصبیت) ❊

تشریح اصحاب الفرائض یا ذوی الفروض وہ قرابت دار ہیں جن کے حصے مقرر ہیں اور جن کا ذکر کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں آچکا ہے۔ یہ حصے کل چھ ہیں آدھا ½۔ تہائی ⅓۔ اٹھواں ⅛۔ دو تہائی ⅔۔ ایک چوتھائی ¼ اور ⅙ چھٹا۔ اور ان کے حقدار یہ ہیں ماں۔ باپ۔ میاں۔ بیوی بیٹے بیٹیاں بھائی۔ بہنیں۔ یہ کل تعداد میں بارہ ہیں۔ چار مرد ہیں اور آٹھ عورتیں۔ ان سے بچا ہوا حصہ عصبہ لیتے ہیں۔ مزید تفصیل کتب فرائض میں مل سکتی ہے ❊

۵۱۸/۴

ابوحنیفة عن الحکم عن عبدالله بن شداد ان ابنة لحمزة اعتقت مملوکا فمات فترك ابنة فاعطی النبی صلی الله علیه وسلم الابنة النصف

عبداللہ بن شداد سے روایت ہے کہ حضرت حمزہ کی بیٹی نے آزاد کیا ایک غلام کو پس وہ غلام مر گیا اور چھوڑ گیا ایک بیٹی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیٹی کو آدھا حصہ دیا۔ اور حضرت حمزہ کی بیٹی کو

واعطی ابنۃ حمزۃ النصف ؛ نصف بقایا ؛

تشریح :- یہ غلام آزاد کرنے والی بیٹی حضرت عبداللہ بن شداد کی بیٹی کے رشتہ سے بہن تھیں۔ بعض کے نزدیک آزاد کرنے والے خود حمزہ تھے۔ چنانچہ دار قطنی کی روایت سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر صحیح یہی ہے کہ ان کی لڑکی آزاد کرنے والی تھیں۔ نہ وہ خود۔ اس سے اس مسئلہ کا ثبوت ملتا ہے کہ مولی العتاقہ جس کو عصبہ سببیہ بھی کہتے ہیں بنا بر عصبیت میراث کا حقدار ہے۔ یہ ذوی الارحام پر مقدم مانا جاتا ہے۔ البتہ عصبہ نسبیہ سے اس کا مرتبہ بعد تر کا ہے۔ پھر حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ مولی العتاقہ میں مرد ہونے کی شرط نہیں۔ وہ خواہ مرد ہو خواہ عورت اسے حق ولا حاصل ہے ؛

۵۱۹ ۵

ابو حنیفۃ عن الھیثم عن الشعبی عن مسروق عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت لما نزلت اِنَّ الَّذِیْنَ یَأْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ۰ عدل من کان یعقول اموال الیتامی فلو یقربوھا وشق علیھم حفظھا وخافوا الاثم علی انفسھم فنزلت الآیۃ فخفف علیھم وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَیْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ الآیۃ ؛

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت اتری ان الذین یاکلون اموال الیتامی الخ (ترجمہ آیت) کہ البتہ جو لوگ ناحق یتیموں کے مال کھاتے ہیں تو وہ کھاتے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ اور عنقریب وہ جہنم میں داخل ہونگے۔ تو جو یتیموں کے مال کی دیکھ بھال و غور و پرداخت رکھا کرتے تھے وہ ان کے مالوں سے بچے اور انکو انہوں نے چھوا تک نہیں اور ان پر ان موال کی حفاظت دوبھر ہوگئی کیونکہ وہ اپنے بارہ میں ڈرے کہ کہیں گنہگار نہ ہو جائیں تو اللہ تعالی نے آیت ویسئلونک عن الیتامی قل اصلاح لھم خیر وان تخالطوھم الآیۃ نازل فرمائی اور یوں ان کی تکلیف کو ہلکا کیا۔ (ترجمہ آیت اور آپ سے پوچھتے ہیں یتیموں کا حکم تو آپ کہئے کہ ان کے لئے مصلحت کی رعایت بہتر ہے اور اگر (خرچ وغیرہ میں) انکے ساتھ مل جل کر رہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں ؛

تشریح :- ابوداؤد میں حضرت ابن عباس کی روایت میں اس کی مزید تفصیل یوں وارد ہے کہ جب اللہ تعالی نے ولا تقربوا مال الیتامی الا بالتی ھی احسن۔ وان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما۔ الخ کی آیات اتاری۔ تو جس جس کی سرپرستی میں کوئی یتیم تھا وہ گیا اور یتیم کا کھانا اور پینا اپنے سے جدا کر دیا۔ تو جب یتیم کا کھانا اس سے بچ جاتا تو ایسا ہی رکھا رہنے دیتے۔ یہاں تک کہ وہ یتیم خود اسکو کھا لیتا یا سٹر بس کر خراب ہو جاتا۔ چنانچہ اس کا ذکر آنحضرت کے روبرو ہوا۔ اور اللہ تعالی نے ویسئلونک عن الیتامی الخ کی آیت اتاری۔ لہذا سرپرستوں نے پھر یتیموں کو کھانے پینے میں

اپنے ساتھ شریک کر لیا۔

۵۲۰/۶ **ابوحنیفة** عن محمد بن المنکدر عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یتم بعد الحلم۔

حضرت انس بن مالک رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بالغ ہونے کے بعد یتیمی نہیں۔

تشریح: یتیم وہ ہی کہلائے گا کہ جس کا باپ مر گیا ہو۔ اور ابھی وہ بالغ نہ ہوا ہو اور اگر وہ بالغ ہو گیا تو وہ اصطلاح شرع میں یتیم نہیں۔

۲۲۹

کتاب القیامة و صفة الجنة!

قیامت کا بیان اور جنت کی صفت

۵۲۱/۱ **ابوحنیفة** عن اسماعیل عن ابی صالح عن ام هانی عن رسول الله صلعم قال ان یوم القیمة ذو حسرة وندامة۔

حضرت ام ہانی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت حسرت وندامت کا دن ہے۔

تشریح: یہ فرمان نبوی دراصل اس ارشاد خداوندی کی ترجمانی کرتا ہے۔ وانذرهم یوم الحسرة اذ قضی الامر کہ آپ ان کو حسرت کے دن (یوم قیامت) سے ڈرائیے جب کہ فیصلہ صادر کر دیا جائے گا۔ اور حقیقت میں قیامت کے دن کافر و مشرک اور نیز امت محمدیہ کے فاسق فاجر بدکار اپنے پچھلے گناہوں اور گذشتہ بدکرداریوں پر حسرت وافسوس کریں گے۔ پشیمان و نادم ہوں گے۔ رنج وصدمہ سے ہاتھ چبائیں گے اور دست حسرت ملیں گے۔ مگر کچھ نہ کر سکیں گے یوں حسرت تو اہل جنت کو بھی ہو گی مگر وہ دوسری شکل کی اور دیگر نوعیت کی کہ حضرت معاذ سے طبرانی و بیہقی میں بدیں الفاظ روائت ہے۔ لیس تحسر اهل الجنة یوم القیمة الا علی ساعة مرت بهم ولم یذکر الله فیها کہ بروز قیامت اہل جنت کسی چیز پر حسرت نہیں کریں گے مگر اس ساعت پر جو دنیا میں گذر گئی اور انہوں نے اس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا۔ یہ دراصل حسرت وندامت نہیں بلکہ زیادتی اجر و ثواب و ترقی مدارج و منازل کا ارمان ہے۔

۵۲۲/۲ **ابوحنیفة** عن اسماعیل عن ابی صالح عن ام هانی عن رسول الله صلعم قال ان القیمة ذو حسرة و ندامة۔

حضرت ام ہانی رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت حسرت وندامت والی ہے۔

۵۲۳/۳

ابوحنیفۃ عن اسماعیل عن ابی صالح عن ام ھانیٔ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ خلق من الجنۃ مدینۃ من مسک اذفر ماؤھا السلسبیل وشجرھا خلقت من نور فیھا حور حسان علی کل واحدۃ سبعون ذوابۃ لوان واحدۃ منھا اشرقت فی الارض لاضاءت مابین المشرق والمغرب ولملأت من طیب ریحھا ما بین السماء والارض فقالوا یا رسول اللہ لمن ھذا قال لمن کان سمحا فی التقاضی ۔

وفی روایۃ قال لوان واحدۃ من الحور العین اشرقت لاضاءت ما بین المشرق والمغرب ولملأت ما بین السماء والارض من طیبھا ۔

وفی روایۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ مدینۃ خلقت من مسک اذفر معلقۃ تحت العرش وشجر من النور وماؤھا السلسبیل وحور علیھا خلقت من نبات الجنان علی کل واحدۃ منھن سبعون ذوابۃ لوان واحدۃ منھن علقت فی المشرق لاضاءت اھل المغرب ۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایک شہر مشک اذفر کا پیدا فرمایا ہے جسکا پانی سلسبیل ہے اور اس کے درخت نور سے بنے ہوئے جس میں حوریں ہیں خوش جمال کہ ان میں سے ہر ایک کی ستر زلفیں ہیں (مینڈھیں)۔ اگر ان میں سے ایک بھی زمین میں نور افگن ہو تو زمین کو مشرق سے لے کر مغرب تک روشنی سے چمکا دے اور آسمان و زمین کے درمیان پوری فضا کو اپنی مست خوشبو سے مہکا دے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کس کے لیئے ہے آپ نے فرمایا اس کے لئے جو قرض کے تقاضے میں نرم دل ہو۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ان حور عین میں سے اگر ایک بھی عالم ظہور میں آجائے تو زمین کے مشرق و مغرب کا درمیانی حصہ پورا کا پورا جگمگا اٹھے اور آسمان و زمین کا درمیانی خلا پورا اس کی مہک سے بھر کر معطر ہو جائے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ام ہانی کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ کا پیدا کیا ہوا ایک شہر ہے جس کی خلقت مشک اذفر سے ہوئی ہے لٹکا ہوا ہے عرش کے نیچے۔ اس کا درخت نور سے ہے اور اس کا پانی سلسبیل اس کے حور عین کی پیدائش جنت کی گھاس سے ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی ستر زلفیں ہیں (مینڈھیں) کہ اگر ایک بھی ان میں سے مشرق میں لٹکا دی جائے تو البتہ اہل مغرب تک کو منور کر دے۔

تشریح:۔ جنت احوال جنت کے بارے کئی اور احادیث ہیں۔ خطیب اپنی تاریخ میں حضرت

انسؓ سے باین معنی حدیث مرفوع لائے ہیں کہ حوروں کی خلقت زعفران سے ہوئی ہے۔ طبرانی بھی کبیر میں اسی طرح کی حدیث لائے ہیں۔ ابن مردویہ حضرت عائشہ سے حدیث لائے ہیں کہ حوروں کی خلقت تسبیح ملائکہ سے ہے۔ طبرانی حضرت سعید بن عامرؓ سے مرفوع روایت لائے ہیں کہ اگر اہل جنت کی عورتوں میں سے کوئی عورت زمین پر اپنی روشنی ڈالے تو زمین مشک کی خوشبو سے بھر جائے اور سورج و چاند اپنی روشنی چھوڑ بیٹھیں حضرت علامہ غزالیؒ منہاج العابدین میں یہ قصہ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری رحمہ کے بعض شاگردوں نے آپ سے کہا کہ حضرت آپ مسائل دینی کی تحقیقات اور اجتہادی کاوشوں میں اس قدر سخت منہمک و مصروف ہیں کہ آپ کی ظاہری حالت زار قابل افسوس ہے اگر قدرے اپنی محنت کم کریں اور دینی مصروفیتوں کو گھٹائیں تو بھی ہمارے خیال ناقص میں کام چل سکتا ہے۔ اس پر سفیان ثوری فرمانے لگے کہ میں اپنی جان کو علمی تحقیقات میں کیوں نہ کھپاؤں جب کہ مجھے یہ روایت پہنچ چکی ہے کہ اہل جنت جنت میں اپنے اپنے کاشانوں میں ہوں گے کہ یکایک ایک زبردست نور تجلی فگن ہوگا۔ جس سے آٹھوں جنتیں جگمگا اٹھیں گی۔ لامحالہ اہل جنت یہ ہی خیال کریں گے کہ ذات باری کے نور کی تجلی ہے۔ چنانچہ سب اس کی سامنے سربسجود ہوں گے تو غیب سے آواز آئے گی کہ اپنے اپنے سر اٹھاؤ۔ دھوکہ نہ کھاؤ۔ یہ نور رب نہیں یہ تو جنت کی ایک جاریہ کا نور تھا۔ جو اپنے زوج کے سامنے ہنس پڑی تھی۔ اللہ ہم سب مسلمانوں کو اس جنت میں جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ یارب العالمین ؛

قال جامعه الشيخ المحقق العلامة الفهامة مولانا الشيخ محمد عابد السندی الانصاری هذا آخر ما وجدته من رواية الحصكفي في "مسند الامام الاعظم" ابی حنيفة النعمان رح والحمد لله الذی عم نواله على العباد والصلوٰة على رسوله محمد المصطفى وعلى آله و اصحابه الامجاد۔ فقط ؛

اس مسند کے جامع و مرتب شیخ محقق علامہ فہامہ مولانا شیخ محمد عابد سندھی انصاری نے کہا کہ یہ آخری روایت ہے جو مجھے حضرت امام اعظمؒ ابی حنیفہ النعمان رحمۃ اللہ علیہ کی مسند میں بروایت ملی۔ اور سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔ جسکے انعامات سب کو شامل ہیں اور درود ہو اس کے برگزیدہ رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اُنکی برگزیدہ اولاد و اصحاب پر۔ فقط ؛

تمت بالخیر


مثنوی مولانا روم
رحمۃ اللہ علیہ
بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائی ہا شکایت می کند

Abdul Ahad